پچاس ۵۰ سالہ خودنوشت فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ دارالعلوم کراچی

(اِمدادُالسّائلین)

جلد اوّل

کِتَابُ الْإِیمَان والعقائد، کِتَابُ العِلم، کِتَابُ التّفسیر وَمَایتعلّق بالقرآن، کِتَاب مَایتعلّق بِالحدیث وَالسُّنّة، کِتَابُ الذِکر وَالدُّعاء، کِتَاب مَایتعلّق بِالتّصوّف وَالسّلوک، کِتَاب حقوقُ المعاشرة وَآدَابِهَا، کِتَابُ التَّارِیخ وَالسِّیَر وَالمنَاقِب، کِتَابُ الطَّهارة

حضرت مولانا مُفتی محمّد رفیع عُثمانی صاحب مدظلہ
مفتی اعظم پاکستان

ترتیب و تخریج
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا طاہر اقبال

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فہرستِ موضوعات

موضوعات — صفحہ نمبر

﴿کتاب الإیمان والعقائد﴾

فصل فی الإیمان والکفر

فصل فی الأنبیاء

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

فصل فی السُّنَّة والبدعة

موضوعات	صفحہ نمبر
مروّجہ دُرود وسلام کے ناجائز ہونے کی وجوہات	۱۳۶
مروّجہ دُرود وسلام کو مساجد میں بند کروانا کیسا ہے؟	۱۳۷
مروّجہ صلاۃ وسلام کے جواز پر اِمداد الفتاویٰ کے ایک فتویٰ سے استدلال اور اس کا جواب	۱۳۷
مروّجہ صلاۃ وسلام کی محفل میں پھنس جائے تو کیا کرے؟	۱۳۸
مروّجہ صلاۃ وسلام کی شرعی حیثیت	۱۳۸
جھگڑے والی جگہ صلاۃ وسلام پڑھنا	۱۳۹
لاؤڈ اسپیکر پر صلاۃ وسلام پڑھنا	۱۳۹
فرض نماز کے بعد آیت "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" الخ یا وازِ بلند دُرود پڑھنا	۱۳۹
اِمام نے دُعا کے بعد آیت "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنے کا وعدہ کیا، لیکن اب ایسا نہیں کرتا، اس کا حکم	۱۴۰
کیا نماز کی قبولیت آیت "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنے پر معلق ہوتی ہے؟	۱۴۱
فرضوں کے بعد جہراً دُعا مانگنا	۱۴۱
دُعا کا مسنون طریقہ اور بدعت کی حقیقت	۱۴۲
سنتوں اور نوافل کے بعد اِجتماعی دُعا	۱۴۳
سنتوں اور نفلوں کے بعد مخصوص طریقے سے دُعا مانگنا	۱۴۳
فرض نماز کے بعد "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنا کیسا ہے؟	۱۴۳
اَذان سے پہلے دُرود وسلام پڑھنا	۱۴۴
اَذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا	۱۴۵
ضروری سمجھے بغیر اَذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور بدعت وعقیدت میں فرق	۱۴۵
نمازِ جمعہ کے بعد صلوٰۃ وسلام کا مروّجہ طریقہ	۱۴۶
ہر فرض نماز کے بعد دُرود پڑھنا	۱۴۷
فرض نمازوں کے بعد اِجتماعی طور پر ذکر بالجہر کا التزام	۱۴۷
بدعتیوں کی مساجد میں امامت کرنا	۱۴۸
نمازِ فجر کے بعد پابندی سے دانوں پر ختم پڑھنا	۱۴۸
پابندی سے اِجتماعی طور پر دُرود شریف پڑھنا	۱۴۹

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

فصل فی کلمات و افعال الکفر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

فصل فی الفرق الاسلامیة والباطلة

موضوعات	صفحہ نمبر

فصل فی المتفرقات

موضوعات	صفحہ نمبر

فصل فی التقدیر

فصل فی الوسوسة

موضوعات	صفحہ نمبر

﴿کتاب العلم﴾

فصل فی تعظیم العلم والعلماء

فصل فی التَّعلیم والتَّبلیغ

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

فصل فی متفرقات العلم
(متفرق مسائل)

موضوعات	صفحہ نمبر

فصل فی تعظیم القرآن وتلاوتہ

فصل فی التّجوید

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

﴿کتاب الذکر والدعاء﴾

﴿کتاب حقوق المعاشرة وآدابها﴾

موضوعات	صفحہ نمبر

﴿كتاب التاريخ والسير والمناقب﴾

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا اِمَامِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ خُصُوْصًا عَلٰی اَئِمَّۃِ الْفُقَھَاءِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ الْھُدَاۃِ الْمُھْتَدِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

شعور نے ذرا آنکھ کھولی تو خود کو دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قاعدۂ بغدادی پڑھتے ہوئے پایا۔ وہ اُس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے، اور بعد میں اُن کو فقہ وفتویٰ میں علمائے محققین اور عامۃ المسلمین نے ''مفتیٔ اعظم پاکستان'' کے نام سے مقتدیٰ تسلیم کیا۔

اُن کی وفات کے وقت بندۂ ناچیز کی عمر چالیس سال تھی، اس پورے زمانے میں سفر وحضر میں ان کی صحبت وتربیت کے طفیل جہاں اللہ تعالیٰ کی اور بہت سی لاتعداد نعمتوں کی بارش جاری رہی، وہیں یہ عظیم نعمت بھی ملی کہ دِل ودِماغ بچپن ہی سے فتویٰ، مفتی، اِستفتاء، تحقیق وغیرہ کے الفاظ سے نہ صرف مانوس ہوگئے، بلکہ محبت کرنے لگے، اور بہت سے ایسے مسائل بھی زمانۂ طالبعلمی میں یاد ہوگئے جن کے بارے میں متعدّد تجربہ کار اہلِ فتویٰ کو بعد میں دیکھا کہ وہ ان مسائل کی تحقیق کے لئے سفر کرکے اُن کے پاس آتے، اور ہمیں تعجب ہوتا کہ یہ بات بھی کوئی پوچھنے کی تھی۔

فقہ کتنا دِلچسپ فن ہے!

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل فقہ وفتویٰ کا خصوصی ماحول اور شب وروز ان کا تذکرہ تو بحمداللہ ابتدائی دور ہی سے جزوِ زندگی تھا، مگر یہ بات ہدایہ اوّلین کے درس ہی سے معلوم ہوئی کہ فقہ کتنا دِلچسپ

فن ہے، ہدایہ اوّلین ہم نے اُستاذِ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ سے نانک واڑہ میں پڑھی تھی، دارالعلوم یہاں سے کورنگی اگلے سال منتقل ہوا۔ یہ درس اتنا دلچسپ ہوتا تھا کہ گھنٹہ ختم ہوجاتا مگر دل نہ بھرتا تھا، وہ فقہی دقائق اور گہرے نکات کو اُصولِ فقہ کی روشنی میں نہایت دلکش انداز میں بیان فرماتے اور جگہ جگہ صاحبِ ہدایہ کی منفرد ''فقہی بلاغت'' سے خود بھی محظوظ ہوتے جاتے اور ہم طلبہ کو بھی سرشار کردیتے، ''فقہی بلاغت'' کا لفظ عجیب سا معلوم ہوگا، مگر میں نے یہ اس وجہ سے لکھا ہے کہ صاحبِ ہدایہ کا منفرد اُسلوب ایک طرف فقہی گہرائی اور نکتہ رسی کا بے مثال نمونہ ہے تو دُوسری طرف بلاغت کا بھی ایسا شاہکار کہ حضرت علامہ سیّد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:-

''فنِ بلاغت کی اب تک جتنی کتابیں ماہرین نے لکھی ہیں ان میں کئی فصلوں کا اضافہ کرسکتا ہوں، مگر ہدایہ جیسی چار سطریں لکھنے پر قادر نہیں۔''

حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتاب کی اس ''فقہی بلاغت'' اور اپنی طبعی ظرافت سے درس گاہ کو باغ و بہار بنائے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند سے بلندتر فرمائے، آمین۔

پھر دارالعلوم جب کورنگی میں منتقل ہوگیا تو یہاں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ سے منطق میں مُلّا حسن، علمِ ہیئت (فلکیات) میں ''التصریح'' پڑھنے کی سعادت ملی، پھر اُس سے اگلے سال مشکوٰۃ شریف، اور اُس سے اگلے سال دورۂ حدیث میں صحیح بخاری بھی انہی سے پڑھی، حضرت مفتی صاحب موصوف کو فتویٰ سے خاص شغف تھا، وہ بھی کبھی ہم طلبہ کے سامنے کوئی مسئلہ رکھتے اور اُس کا جواب کتابوں میں تلاش کرنے کے لئے فرماتے، اور اُسے بسا اوقات ہم طلبہ ہی سے لکھوا لیتے۔

دورۂ حدیث میں مؤطا اِمام مالک اور شمائلِ ترمذی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں اپنے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے درساً پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، یہ دونوں درس ''تفقّہ'' کا ایسا نمونہ تھے کہ آج تک زادِ راہ بنے ہوئے ہیں، وللہ الحمد۔

برصغیر میں ''تخصص فی الافتاء'' کا آغاز

دورۂ حدیث سے فراغت کے اگلے تعلیمی سال (۷۹-۱۳ھ تا ۸۰-۱۳ھ) میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کراچی میں پہلی بار ''تخصص فی الافتاء'' کا آغاز فرمایا۔ یہ بات شاید اب اکثر حضرات کو معلوم نہ ہو کہ ''تخصص فی الافتاء'' سب سے پہلے اسی سال دارالعلوم کراچی میں شروع ہوا، اس سے پہلے برِصغیر پاک و ہند میں کہیں ''تخصص فی الافتاء'' کا باقاعدہ شعبہ نہیں تھا۔ اُس وقت اس تخصص کی مدّت صرف ایک سال رکھی گئی، اور ہماری جماعت کو خود حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہی تمرینِ افتاء

کا کام کرایا، اور شرح عقود رسم المفتی اور مقدمۃ الدر المختار درساً پڑھایا، اور جزوی طور پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تربیتِ اِفتاء کے اس کام میں مدد لی گئی۔ نیز جب کسی فقہی مسئلے میں تحقیق کے لئے اہلِ فتویٰ علمائے کرام سے مشورے کی مجلس منعقد ہوتی تو ہم طلبۂ تخصص کو بھی اس میں شریک کیا جاتا، اور اپنی رائے کے اظہار کے لئے ہماری حوصلہ افزائی کی جاتی۔

تخصص سے فراغت کے بعد اگرچہ ہماری اصل مشغولیت اور ذمہ داری تدریس سے متعلق ہوگئی لیکن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جزوی طور پر کچھ وقت تقریباً روزانہ فتویٰ نویسی کے کام میں بھی لیتے رہے، اور جب ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا کام شروع ہوا تو تحقیقِ مسائل کا کام دُوسرے شرکائے مجلس کی طرح ہمارے سپرد بھی کیا جانے لگا۔ اور بہت عرصے بعد اندازہ ہوا کہ وہ ہمیں اِفتاء کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار فرما رہے ہیں۔

پھر ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ سے بندے کے اسباق میں کچھ کمی کرکے فتویٰ نویسی کا کام باقاعدہ سپرد فرما دیا گیا، اور ساتھ ہی درجۂ تخصص فی الافتاء کی نگرانی اور طلبائے تخصص فی الافتاء کے لکھے ہوئے فتاویٰ کی تصحیح و اِصلاح بھی بندۂ ناچیز کے ذمہ کردی گئی، یہ کام احقر اور حضرت مولانا عاشق اِلٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مل کر کرتے رہے۔

اس کے بعد ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ (۲۱ مئی ۱۹۷۳ء) کو حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے بندۂ ناچیز کو دار العلوم کراچی کا باضابطہ ''نائب مفتی'' مقرّر فرما دیا، اُن کی نیابت میں یہ خدمت بندۂ ناچیز اور حضرت مولانا عاشق اِلٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ انجام دیتے رہے، ہم دونوں اپنے اپنے فتاویٰ لکھ کر حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کرتے اور ان کے تصدیقی دستخط سے یہ فتاویٰ جاری ہوتے، اور جو ہدایات وہ زبانی یا تحریری طور پر ارشاد فرماتے اُنہیں جواب کا جزو بنا دیا جاتا۔ اور ان کی اجازت سے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اگر مسئلہ نیا نہ ہوتا تو میرے لکھے ہوئے فتاویٰ حضرت مولانا عاشق اِلٰہی صاحب کے تصدیقی دستخط کے ساتھ جاری ہو جاتے، اور ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ بندۂ ناچیز کے تصدیقی دستخط کے ساتھ جاری ہو جاتے۔

پھر شوال ۱۳۹۵ھ میں حضرت مولانا عاشق اِلٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ منتقل ہوگئے، اور نیابتِ فتویٰ کی ذمہ داری بڑی حد تک بندۂ ناچیز ہی سے متعلق رہ گئی۔ اور اَب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے پر یہ ہونے لگا کہ صرف اہم فتاویٰ ان کی خدمت میں تصدیقی دستخط کے لئے پیش کئے جاتے، باقی فتاویٰ بندۂ ناچیز کے دستخط سے جاری ہونے لگے۔ یہ زمانہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرضِ وفات کا تھا جو تقریباً ۱۳۹۳ھ میں شروع ہوا اور ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ کو اس طرح ختم ہوا کہ دوپہر کو آپ ایک فتویٰ تحریر فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں دِل کا سخت دورہ پڑا، وہ فتویٰ ان کے سینۂ مبارک

پر پڑ ارہ گیا، یہ ان پر تیسرا دورۂ قلب تھا، جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ہمیں ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔

ان کی وفات سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل یعنی ۱۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ (۲۷ رمئی ۱۹۷۵ء) کو مجھے اور برادرِ عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو دارالعلوم کراچی کی مجلسِ منتظمہ نے دارالعلوم کا نائب صدر مقرر کر دیا تھا، جبکہ اس اِدارے کے بانی اور صدر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

اُنہوں نے مجلسِ منتظمہ کے مشورے سے اپنی وفات سے ۹ ماہ قبل یعنی صفر ۱۳۹۶ھ میں جامعہ دارالعلوم کراچی کی ساری انتظامی ذمہ داریاں بندۂ ناچیز کے سپرد فرمادی تھیں، اور ہم دونوں بھائیوں کو جامعہ دارالعلوم کراچی کا مفتی بھی مقرر فرمادیا تھا۔

بیان نہیں کرسکتا کہ اُن کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد سے یہ کتنی بھاری ذمہ داریاں ہم پر آ گئی ہیں، انتظامی ہوں یا اِفتاء کی، دونوں بہت بھاری بھی ہیں، انتہائی نازک بھی، اپنی صلاحیت کو دیکھتا ہوں تو صفر ہی نظر آتا ہے، اور قدم قدم پر مسائل سے نیند اُڑنے لگتی ہے، لیکن حضرت والدِ ماجد فقیہِ ملت مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے علمی جانشین تھے، اُنہوں نے ہم پر جو محنت فرمائی، جو دُعائیں کیں، اور جس طرح حوصلہ افزائی فرمائی، ان پر نظر کرتا ہوں تو ڈھارس بندھتی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے یہ اُمید قوی درجے میں قائم ہوتی ہے کہ اُن کی اور دیگر حضراتِ اساتذۂ کرام کی ہم پر کی جانے والی محنتیں اور دُعائیں اِن شاء اللہ رائیگاں نہیں جائیں گی، وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجھ پر تو جامعہ دارالعلوم کراچی کی اِنتظامی ذمہ داریاں اتنی بڑھ گئیں، اور ساتھ ہی درس وتدریس کا مشغلہ بھی باقاعدگی سے جاری رکھنا پڑا، ان کے ہوتے ہوئے فتاویٰ خود لکھنے کا باقاعدہ سلسلہ تو تقریباً ختم سا ہوگیا، صرف بہت اہم فتاویٰ ہی کے لئے بمشکل وقت نکالتا ہوں، درجۂ تخصص اور دارالافتاء کی باقاعدہ نگرانی، اور اہم فتاویٰ لکھنے کی ذمہ داری برادرِ عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے کئی سال تک نہایت لگن اور حسن وخوبی کے ساتھ سنبھالے رکھیں، اور اَب بھی بڑی حد تک سنبھالے ہوئے ہیں، اُن کے فتاویٰ کی اِبتدائی جلدیں بحمد اللہ ''فتاویٰ عثمانی'' کے نام سے شائع بھی ہوچکی ہیں، باقی جلدوں پر کام جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے غیر معمولی اِفادے کو زیادہ سے زیادہ عام اور تام فرمائے، آمین۔

یہ مجموعۂ فتاویٰ

یہ مجموعۂ فتاویٰ جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، جامعہ دارالعلوم کراچی کے ان فتاویٰ پر مشتمل ہے، جو بندۂ ناچیز کے تحریر کردہ ہیں، اس حیثیت سے کہ یہ بندۂ ناچیز کی خامہ فرسائی ہے، اس قابل نہ تھے کہ ان کو قابلِ اشاعت سمجھا جاتا، اور جب یہ لکھے جارہے تھے تو وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ان کو کبھی اس قابل سمجھا جائے گا، لیکن ہوا یوں کہ عزیزم مولوی سلطان محمود صاحب سیالکوٹی جو تقریباً اب سے دو سال قبل تخصص فی الافتاء سے فارغ ہوئے ہیں، درجۂ تخصص فی الافتاء کے تیسرے سال میں، جو مقالے کا سال ہوتا ہے، اپنے اساتذہ سے منظوری لے کر اپنے تحقیقی مقالے کا موضوع میرے علم واطلاع کے بغیر میرے فتاویٰ کو بنالیا، تا کہ وہ دارالافتاء کے ۱۳۸۰ھ سے اب تک کے تقریباً ایک ہزار سے زیادہ رجسٹروں میں سے میرے فتاویٰ کو چن کر نکالیں اور ان کی ترتیب وتبویب کریں، اور ان پر حاشیہ میں عباراتِ فقہاء کی تخریج کا کام انجام دیں۔ جب میرے علم میں یہ بات آئی تو یہ اس لئے بھی عجیب سا معلوم ہوا کہ میں اور میرے فتاویٰ اس قابل کہاں کہ ان پر یہ کام کیا جائے، پھر یہ فتاویٰ دارالعلوم کراچی کے فتاویٰ کا ایک حصہ ہیں، جن میں اہم ترین فتاویٰ وہ ہیں جو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ ہیں، ترتیب وتبویب اور تخریج کا کام اور ان کی اشاعت کا انتظام سب سے پہلے ان ہی فتاویٰ کا ہونا چاہئے، مگر مجھے بتایا گیا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اتنے زیادہ ہیں کہ اُن کی مطلوبہ خدمت صرف ایک دو حضرات کے سپرد نہیں کی جاسکتی، ان کی ترتیب وتبویب اور تخریج کے لئے تو متخصصین کی ایک اچھی خاصی تعداد کی ضرورت ہے، چنانچہ اُسی وقت سے بندۂ ناچیز کی خواہش پر متخصصین کی ایک جماعت کو اس عظیم خدمت کی انجام دہی پر لگادیا گیا ہے، اور وہ کام بحمد اللہ جاری ہے۔

نیز حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک عظیم الشان بہت بڑا ذخیرہ وہ فتاویٰ ہیں جو انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں بہ حیثیت صدر مفتی تحریر فرمائے تھے، ان کی تعداد تو اتنی زیادہ ہے کہ ابھی تک پوری طرح شمار بھی اس لئے نہیں ہو سکے تھے کہ وہ یہاں موجود نہیں تھے، اب بحمد اللہ وہاں سے اُن بہت سارے ضخیم رجسٹروں کی فوٹو کاپیاں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کرم فرمائی سے حاصل ہوگئی ہیں، یہاں ان پر بھی بحمد اللہ اب متخصص علماء کی ایک جماعت کام کررہی ہے، صرف انہی ضخیم رجسٹروں کی تعداد ماشاء اللہ اُنیس (۱۹) ہے۔

مولوی سلطان محمود صاحب اُس وقت تک میرے فتاویٰ پر بڑے ذوق وشوق سے کافی محنت کر چکے تھے، اب اُنہیں روکنے کی ہمت نہ ہوئی، اِدھر اس خیال سے بھی ان کے کام کو جاری رکھنے کی اجازت

دے دی کہ بندۂ ناچیز کے فتاویٰ کی یوں تو کوئی وقعت نہیں، لیکن اِس حیثیت سے ان کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں بیشتر فتاویٰ حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے ہیں، جواُن ہی کی سرپرستی اور نگرانی میں اُن ہی کی ہدایات کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، اوران میں سے اکثر پر ان کے تصدیقی دستخط ہیں، جو بلاشبہ فقہ وفتویٰ کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ یہی وجہ تھی جس کی بناء پر یہ کام جاری رکھا گیا، پھر عزیز القدر مولوی اعجاز احمد صمدانی صاحب نے، جو جامعہ دارالعلوم کراچی کے متخصص فی الافتاء ہیں، اوراَب ماشاء اللہ یہاں کے اساتذۂ کرام میں شامل ہیں، اس کام میں از سرِنو بھرپور حصہ لیا، جس کی تفصیل ان ہی کے قلم سے آپ ان کے مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

جامعہ کے دارالافتاء کا آغاز ـــــ مختصر تاریخ

اب جبکہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے جاری ہونے والے فتاویٰ کا یہ حصہ اِشاعت کے لئے جارہا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی کے آغاز کی مختصر تاریخ بھی ہدیۂ قارئین کردی جائے۔ یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ دارالعلوم کراچی کا باقاعدہ آغاز اگرچہ نانک واڑے میں ۱۳۷۱ھ کے اوائل (۱۹۵۱ء) میں ہوا، مگر اس کی خدمات کا آغاز ''مدرسہ اِمدادالعلوم'' کے نام سے کراچی میں آرام باغ سے متصل جامعہ مسجد بابُ الاسلام میں ہوچکا تھا، یہاں قرآنِ کریم حفظ وناظرہ کا ایک مکتب پہلے سے قائم تھا، جب ہماری رہائش جیکب لائن سے آرام باغ کے پاس برنس روڈ کے علاقے میں منتقل ہوئی تو اس مکتب کی نگرانی وسرپرستی یہاں کے اہلِ محلّہ نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردی، میرے حفظِ قرآن کے کچھ پارے جو باقی تھے، اسی مکتب میں پورے ہوئے۔

یہاں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کی خواہش پر ایک سلسلہ تو روزانہ بعد نمازِ فجر درسِ قرآنِ کریم کا شروع کیا، جس میں لوگ دُور دراز علاقوں سے آکر بڑے ذوق وشوق اور پابندی سے شریک ہوتے تھے۔

دُوسرا اہم کام یہ کیا کہ اسی مسجد کے مرکزی دروازے پر ایک کمرہ تعمیر کرکے اُس میں دارالافتاء قائم فرمادیا، اُس وقت پورے شہر کراچی میں کوئی دارالافتاء موجود نہیں تھا، بلکہ پورے پاکستان میں بھی خال خال شاید دو تین ہی دارالافتاء تھے یا اس سے بھی کم، یہاں حضرت والد صاحبؒ کے نئے لکھے ہوئے فتاویٰ کی نقل محفوظ رکھنے کا بھی اِنتظام ہوا، جو بحمداللہ اب دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء میں محفوظ ہیں۔

اسی دارالافتاء میں بندۂ ناچیز کو رمضان ۱۳۷۰ھ میں پہلی تراویح سنانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

جس رجسٹر میں اِن فتاویٰ کی نقل محفوظ کی گئی وہ شعبان ۱۳۷۰ھ سے شروع ہوا ہے، حضرت والد

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیو بند سے ۱۳۶۲ھ میں استعفاء کے بعد سے شعبان ۱۳۷۰ھ تک کی ۸ سالہ مدت میں جو فتاویٰ تحریر فرمائے، ان کی نقل کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے بغیر نقل کے ہی جاری ہوتے رہے، تاہم کچھ اہم فتاویٰ نقل کر لئے گئے تھے، جو بعد میں ''امداد المفتین'' میں شامل کر دیئے گئے، اور اس میں شائع ہو رہے ہیں۔

یہاں تیسرا کام حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا کہ درسِ نظامی سے پہلے دار العلوم دیو بند میں زبانِ فارسی کی جو تعلیم دی جاتی تھی، اُس کے ابتدائی اسباق شوال ۱۳۷۰ھ سے شروع کرا دیئے۔ یہاں جن حضراتِ اساتذۂ کرام کی بابرکت خدمات سے یہ کام شروع ہوا اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

۱- حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا تعلق منگورہ سوات سے تھا، یہ دار العلوم دیو بند کے فارغ التحصیل، اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید تھے۔

۲- حضرت مولانا امیر الزمان کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ بھی فاضلِ دیو بند، اور حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید تھے۔

۳- حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ اُنہی کے فارغ التحصیل تھے۔

یہاں طلبہ کی تعداد صرف پانچ تھی، جن میں بحمد اللہ بندۂ ناچیز اور برادرِ عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بھی شامل تھے۔

یہاں شعبۂ فارسی کی تعلیم شروع ہوئی تو تقریباً دو تین ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے کراچی کے محلے نانک واڑے میں ایک عمارت دِلوادی جہاں ۱۳۷۱ھ کے اَوائل میں اللہ کے فضل سے دار العلوم باقاعدہ قائم ہو گیا، اس عظیم کام میں ہمارے بہنوئی حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت والد صاحبؒ کے مسلسل دستِ راست رہے ہیں، وہی دار العلوم کے ناظمِ اوّل قرار پائے۔ اور مسجد باب الاسلام سے فارسی کے مذکورہ بالا اسباق، اساتذہ وطلبہ سمیت نانک واڑے میں منتقل ہو گئے، لیکن بعدِ فجر والد صاحب کا درسِ قرآن سات سال تک وہیں جاری رہا، جو پورا قرآنِ کریم مکمل ہونے پر ختم ہوا۔

نانک واڑے میں تقریباً ایک دو سال حضرت مولانا مظہر بقاء صاحب رحمۃ اللہ علیہ بطور نائب مفتی حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ خدمت انجام دیتے رہے، پھر کئی سال تک یہ منصب حضرت مولانا مفتی صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنبھالے رکھا۔ دار الافتاء کے اس ابتدائی دور میں نقلِ فتاویٰ کے رجسٹروں میں اِکا دُکا فتاویٰ حضرت مولانا نور احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اور حضرت مولانا منتخب الحق صاحب (رحمۃ اللہ علیہم) کے لکھے ہوئے بھی محفوظ ہیں۔

پھر تقریباً ۵ سال بعد شوال ۱۳۷۵ھ (۱۹۵۶ء) دارالعلوم کراچی کورنگی میں منتقل ہوگیا، مگر چونکہ دارالعلوم کی کورنگی میں منتقل کے بعد بھی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش کئی سال تک شہر ہی میں رہی، اس لئے دارالافتاء بھی نانک واڑے میں رہا، پھر جب ان کی رہائش کورنگی میں منتقل ہوگئی تو دارالافتاء بھی یہاں منتقل ہوگیا۔

اب ان سب بزرگوں کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے اور ان کی برکات سے جامعہ دارالعلوم کراچی اور اس کے دارالافتاء اور خدام کو ہمیشہ مالا مال رکھے، آمین۔

اس مجموعۂ فتاویٰ کا نام

اس وقت جامعہ دارالعلوم کراچی کے فتاویٰ کا جو مجموعہ آپ کے سامنے ہے، اس کا نام تجویز کرنے میں یہ پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ:-

۱- حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تحریر فرمودہ فتاویٰ کا نام ''اِمدادُ الفتاویٰ'' رکھا تھا جو بحمد اللہ سالہا سال سے چھ جلدوں میں شائع ہورہا ہے، اور مشہور مجددانہ کارنامہ ہے، اس نام میں حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے اس کے لغوی معنی کے ساتھ یہ رعایت بھی رکھی ہے کہ ان کے شیخ حضرت حاجی ''اِمدادُ اللہ'' صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی برکت بھی اس میں شامل ہوجائے۔

۲- حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں جو مزید فتاویٰ لکھے گئے ان میں سے ایک ''امدادُ الاحکام'' ہے جو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہما کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا عظیم الشان مجموعہ ہے اور متعدد وجوہ سے حضرت حکیم الامتؒ ہی کی تالیف کا درجہ رکھتا ہے، جن کی تفصیل اُس کے مقدمے میں وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ بھی بحمد اللہ ''مکتبہ دارالعلوم کراچی'' کے زیر انتظام کئی سال سے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہورہا ہے۔

۳- پیچھے عرض کرچکا ہوں کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے فتاویٰ جو دیوبند میں، اور پھر پاکستان میں آکر لکھے گئے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، اندازہ یہ ہے کہ اشاعت کے وقت مکررات کو حذف کرکے بھی وہ کم از کم بارہ جلدوں میں سما سکیں گے، لیکن انہوں نے اپنے لکھے ہوئے کچھ فتاویٰ ''امدادُ المفتیین'' کے نام سے شائع فرمادیئے تھے، اور اب سالہا سال سے ''دارالاشاعت کراچی'' سے شائع ہورہے ہیں، یہ فی الحال صرف ایک جلد پر مشتمل ہیں، آئندہ باقی فتاویٰ کا مجموعہ بھی ان شاء اللہ العزیز

اسی نام سے شائع ہوگا۔

۱-اِمدادُ الفتاویٰ ۲-اِمدادُ الاحکام اور ۳-اِمدادُ المفتین، اِن تینوں مجموعوں میں لفظ ''اِمداد'' مشترک ہے، جس کی حکمت اُوپر بیان ہوچکی ہے، اس لئے برادرِ عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے مشورے سے میرے اس مجموعۂ فتاویٰ کا نام ''اِمدادُ السائلین'' تجویز ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو حقیقت میں بھی مسائل دریافت کرنے والے سائلین کے لئے نافع بنادے، اور لفظ ''اِمداد'' کی برکت سے بھی حصۂ وافر عطا فرمادے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ، وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللهِ الْعَظِيْمِ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

کتبہ

محمد رفیع عثمانی

خادم جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۱؍ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

۲۹؍نومبر ۲۰۰۹ء
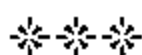
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔
اَمَّا بَعْدُ!

آج اس عظیم خوشی کے موقع پر اللہ رب العزت کا جتنا بھی شکر اُدا کیا جائے، کم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مد ظلہم کے ان فتاویٰ کی تخریج وتعلیق کا کام کرنے کی سعادت عطا فرمائی جو حضرت مد ظلہم نے ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء سے اب تک تحریر فرمائے ہیں۔ بلاشبہ یہ اپنے وقت کا عظیم اور مستند علمی سرمایہ ہے کیونکہ ان کو لکھنے والے اس وقت کے مفتیٔ اعظم پاکستان ہیں، اور ان پر سب سے زیادہ جس فقیہ شخصیت کے تصدیقی دستخط ہیں، وہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ہیں۔

آج جب یہ فتاویٰ ترتیب وتخریج کے بعد زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے جارہے ہیں تو جی چاہتا ہے کہ اس کے بارے میں ضروری معلومات قارئین تک پہنچائی جائیں چنانچہ اس کتاب کے مقدمہ میں بنیادی طور پر تین چیزیں ذکر کرنے کا ارادہ ہے:

الف- صاحبِ فتاویٰ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مد ظلہم کے مختصر حالاتِ زندگی۔

ب- ان فتاویٰ کی نمایاں خصوصیات۔

ج- فتاویٰ کی جمع وترتیب اور تخریج سے متعلق کام کی وضاحت۔

صاحبِ فتاویٰ کے مختصر حالاتِ زندگی(۱)

ولادت

خانوادۂ عثمانی کی یہ دل نواز شخصیت ۷ ۲/ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۶/ جولائی ۱۹۳۶ء کو ہندوستان کی مردم خیز سرزمین قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی میں پیدا ہوئی۔ آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ آپ کا نام مبارک ''محمد رفیع'' حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے رکھا، اور فرمایا کہ محمد رفیع کا ایک سجع بھی بے ساختہ ذہن میں آگیا:

''ز جملہ خلائق محمد رفیع''(۲)

سلسلۂ نسب

''حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی بن مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ بن حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ بن خلیفہ تحسین علی صاحبؒ بن میاں جی امام علی صاحبؒ بن میاں جی حافظ کریم اللہ صاحبؒ بن میاں جی خیر اللہ صاحبؒ بن میاں جی شکر اللہ صاحبؒ۔''

خاندانی پس منظر کے سلسلے میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ پہلی بات ''عثمانی'' خاندان سے ہونے کے بارے میں۔ تو اس کے متعلق مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ خود فرماتے ہیں:

''مجھے اپنے خاندان کا کوئی موثق اور باسند نسب نامہ ہاتھ نہیں آیا، جس سے خاندان کے صحیح اور مستند حالات معلوم ہوتے۔ مگر شریعت نے ان معاملات میں ''سند متصل'' ہونے کی شرط نہیں رکھی، بلکہ بڑے بوڑھوں کی زبان پر عام شہرت کو کافی سمجھا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''تسامع'' کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے بہ تواتر یہ بات سنی ہے کہ ہمارا خاندان حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد میں سے ہے۔''(۳)

---

(۱) ان حالاتِ زندگی میں بنیادی طور پر اس مضمون کو مدار بنایا گیا ہے جو ۱۴۲۸ھ کے شرکاء دورۂ حدیث کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب میں دورۂ حدیث کے ایک طالب علم ''محمود خارانی'' نے تحریر کیا ہے البتہ حسب ضرورت حذف و اضافہ اور عبارت میں تبدیلی کی گئی ہے۔

(۲) مکاتیب حکیم الامت، مکتوب نمبر ۱۱۵، ص: ۱۲۸۔

(۳) ملاحظہ ہو کتاب ''میرے والد ماجد'' از حضرت اقدس مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ص: ۶۔

دُوسری بات لفظ ''میاں جی'' کی تحقیق ہے۔ اس کے بارے میں خود حضرت مدظلہم ''حیاتِ مفتیٔ اعظم'' (ص:۱۷) میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصبات و دیہات میں پھیلے ہوئے عام مکاتب جن میں قرآن مجید کی تعلیم کے بعد اُردو، فارسی، حساب اور ریاضی کی تعلیم کا عام رواج تھا، جو آج کل کے ہائی اسکول کی تعلیم سے زیادہ معیاری تھی، اس کے ایسے اساتذہ ''میاں جی'' کے لقب سے معروف ہوتے تھے جو دِینی تعلیم کے ساتھ عملی تقدس کے حامل ہوں۔''

تعلیم اور علمی عروج

اللہ تعالیٰ نے مستقبل کی اس عظیم دِینی شخصیت کے لئے تکوینی طور پر ایک علمی گھرانے اور دِینی ماحول کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ دیوبند کی علمی فضا میں آنکھیں کھولنے کے بعد پانچ سال کی عمر میں قاعدہ بغدادی اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ پھر دار العلوم دیوبند کے شعبۂ حفظ میں داخلہ لیا۔ پندرہ پارے مکمل کئے تھے کہ مسلمانانِ برصغیر کی شب و روز کوششوں اور محنتوں کے نتیجے میں عالمِ اسلام کے نقشے پر ''پاکستان'' کے نام سے ایک نئے اسلامی ملک کا قابلِ قدر اِضافہ ہوا۔ اس نوزائیدہ مملکت کے دِینی تشخص کے تحفظ، اس میں دِینی کام کے فروغ، دِینی اداروں کے قیام و اِحیاء اور وہاں اسلامی دستور و قوانین کے مؤثر نفاذ کے حوالے سے فعال اور ہمدردانہ کردار اَدا کرنے کے لئے آپ کے والد ماجد مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحبؒ کی دعوت پر پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ یوں آپ بھی اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ہمرکاب ہوکر کراچی منتقل ہوگئے، یہاں آکر جامع مسجد جیکب لائن میں حفظِ قرآن کا سلسلہ جاری رہا، پھر مسجد ''باب الاسلام'' آرام باغ میں حفظِ قرآن کی تکمیل کی۔ اور یہ عظیم سعادت بھی حاصل کی کہ ختمِ قرآن مفتیٔ اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی نے کرایا۔

اس کے بعد آپ نے ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں دار العلوم کراچی نانک واڑہ کے درسِ نظامی میں داخلہ لیا۔ دار العلوم کراچی اُسی سال قائم ہوا تھا، جن طلبہ سے دار العلوم کراچی کا آغاز و اِفتتاح ہوا، آپ اُن میں پیش پیش تھے۔ اس علمی سفر کو بڑے ذوق و شوق اور نہایت لگن و محنت کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے بالآخر آپ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں درسِ نظامی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ نیز اسی دوران طالب علمی میں آپ نے ۱۳۷۸ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے ''مولوی فاضل'' کا امتحان بھی پاس کیا۔

آپ نے اپنے والد ماجد کے زیرِ نگرانی برصغیر میں سب سے پہلے قائم ہونے والے شعبہ ''تخصص

فی الافتاء" میں ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں داخلہ لیا۔ اور ساتھ میں درسِ نظامی کے ابتدائی درجات کے تین اسباق کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی۔

اس تخصص فی الافتاء کی ایک خصوصیت تو یہ تھی کہ برصغیر میں یہ سب سے پہلا شعبۂ تخصص فی الافتاء تھا، اس سے پہلے برصغیر میں تخصص فی الافتاء کوئی باقاعدہ شعبہ نہیں ہوتا تھا۔

دُوسری خصوصیت یہ تھی کہ یہ تخصص براہِ راست آپ کے والد ماجد فقیہ العصر مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بنفسِ نفیس خود کراتے تھے۔

اسی تخصص کے اِختتام پر آپ نے جامعہ کے ضابطے کے مطابق فقہی تحقیقی مقالہ "حقوقِ مجردہ کی بیع" تحریر فرمایا تھا۔

اساتذۂ کرام ومشائخِ حدیث

قاعدہ بغدادی سے لے کر تخصص فی الافتاء تک تو آپ کے اساتذۂ کرام کی ایک لمبی اور مقدس فہرست ہے، تاہم اس وقت چیدہ چیدہ اساتذۂ کرام کا تذکرہ پیشِ نظر ہے۔

حفظِ قرآن اور تجوید وقراءت میں آپ کے خاص اساتذۂ کرام یہ ہیں:

۱- حضرت مولانا قاری فتح محمدؒ صاحب مہاجر مدنی
۲- حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحبؒ
۳- محترم قاری حامد حسن صاحبؒ دہلوی
۴- محترم قاری وقاء اللہ صاحبؒ
۵- محترم حافظ قاری نذیر احمد صاحبؒ

آپ نے اپنے والد ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے قاعدہ بغدادی اور دیگر ابتدائی کتب کے علاوہ موطأ امام مالکؒ، شمائل ترمذی، شرح عقود رسم المفتی، مقدمۃ الدر المختار، اور تصوّف میں الرسالۃ القشیریۃ درساً پڑھی ہیں۔ آپ کے دیگر اساتذۂ کرام میں درج ذیل گرامی قدر شخصیات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں:

۱- حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ
۲- حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ
۳- حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ
۴- حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوری صاحبؒ

۵۔ حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحبؒ

۶۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

۷۔ حضرت مولانا محمد حقیق صاحبؒ

ان حضرات کے علاوہ آپ کو مندرجہ ذیل مشائخ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے:

۱۔ فضیلۃ الشیخ محمد حسن بن محمد المشاط المکی المالکی (المدرس سابقاً بالمسجد الحرام)

۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ

۳۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحبؒ

۴۔ شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی صاحبؒ

۵۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

۶۔ فضیلۃ الشیخ العلامۃ عبداللہ بن احمد الناخبی (حفظہ اللہ)

۷۔ فضیلۃ الشیخ احمد کفتار مفتی الجمہوریۃ السوریۃ

۸۔ فضیلۃ الشیخ ابو الفیض محمد یٰسین بن محمد عیسیٰ الفادانی المکیؒ

۹۔ فضیلۃ الشیخ ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدرؒ

مسندِ تدریس پر

درسِ نظامی سے باقاعدہ فراغت کے بعد آپ عالمِ اسلام کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ دار العلوم کراچی میں تدریس کی عظیم مسند پر جلوہ افروز ہو کر علمی ضیاپاشی میں مصروف ہوگئے۔ تدریس کے حوالے سے آپ نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا، جس کے نتیجے میں تفہیم و تدریس، قوتِ بیان اور شستہ و دلنشین اُسلوب کا وہ ملکہ پیدا ہوگیا جس سے آپ جامعہ میں بہت جلد ایک ہر دلعزیز مدرّس کے طور پر نمایاں ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے ۱۳۷۹ھ سے لے کر ۱۳۹۰ھ تک کی قلیل مدت میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت درسِ نظامی کے تقریباً تمام علوم وفنون اوران کی تقریباً تمام نصابی کتابوں کی تدریس کا مرحلہ بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ طے کیا۔ پھر ۱۳۹۱ھ سے آپ خالصۃً علمِ حدیث و اُصولِ اِفتاء کی تعلیم و تدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو اَب تک بڑی آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ اللہ کرے یہ بہار آفرین علمی برسات تا دیر طالبانِ علومِ نبوت کے تشنہ دل و دماغ کو سیراب کرتی رہے، آمین۔

آپ کی تدریسی مساعی کے سلسلے میں دو اہم اُمور کا تذکرہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

(الف) درس کی خصوصیات:

۱- آپ اپنی قوتِ تفہیم کی بدولت مشکل ترین اور دقیق ترین مباحث کو ایسے آسان اور عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں، جس سے اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط صلاحیتوں کا حامل ہر طالبِ علم بخوبی مستفید ہوتا ہے۔

۲- درس میں غیر ضروری نکات ومباحث کے بیان سے حتی الامکان اِجتناب فرماتے ہیں۔

۳- حلِ کتاب پر بھرپور توجہ دینا آپ کے درس کا طرۂ اِمتیاز ہے۔

۴- صحتِ عبارت وتلفظ پر خصوصی نظر رکھتے ہیں، اس میں تسامح سے بالکل کام نہیں لیتے۔

۵- متنِ حدیث سے متعلق قدیم وجدید فقہی مسائل ان کے پس منظر کے ساتھ موجودہ حالات کے تناظر میں بسط وتفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ نیز عصرِ حاضر کی مختلف فکری، سیاسی اور معاشی تحریکات اور جدت پسندانہ نظریات کا ٹھوس، مدلل اور سنجیدہ علمی انداز میں تجزیہ فرماتے ہیں۔ کتاب الایمان اور کتاب البیوع میں یہ خصوصیت نمایاں ہے۔

۶- اِصلاحِ اعمال سے متعلق کوئی حدیث آجائے تو اس موقع پر نہایت شفقت اور دردمندی کے ساتھ طلبہ کو ان کے اخلاق واعمال کی دُرستگی کی طرف توجہ دِلاتے ہیں۔

۷- کتاب میں مصنف کا یا کسی اور بزرگ کا اسمِ گرامی آئے تو نہایت اِحترام کے ساتھ پورے القاب اور آخر میں دُعائیہ کلمات کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں۔ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آنے پر یہ تعظیمی کیفیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ واضح تلفظ کے ساتھ پورا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہر مرتبہ خود پڑھتے ہیں اور طلبہ کو بھی صحیح تلفظ کے ساتھ اس کے پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اس میں فروگزاشت نہیں ہونے دیتے۔ اس معاملے میں آنجناب نہایت حساس اور بے لچک ہیں۔

۸- زیرِ بحث مسائل میں ائمہ کا اِختلاف اور ان کے دلائل ایسے دِلنشین انداز میں ربط اور ترتیب کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ وہ تمام تر تفاصیل یکدم از بر ہوجاتی ہیں۔

۹- بسا اوقات گزشتہ سبق بھی طلبہ سے پوچھ لیتے ہیں، یاد نہ ہونے پر آپ سرزنش اور تنبیہ فرماتے ہیں۔

۱۰- دورانِ درس شفقت وشگفتگی کے اس دِلربا پیکر کا حسین چہرہ ایک سدا بہار، جاذبِ نظر اور دِلآویز مسکراہٹ سے سجا رہتا ہے۔ آپ موقع بموقع اپنے مخصوص دِلکش انداز میں مختلف علمی وتفریحی نشاط آفرین لطائف وقصص سے طلبہ کو محظوظ فرماتے ہیں تاکہ درس کی اُکتاہٹ ختم ہوکر ان کے رُوح ودِماغ میں نئی تازگی پیدا ہوجائے۔

تلك عشرة كاملة

(ب) درسی افادات وتقاریر:

آپ کے درس کی غیر معمولی مقبولیت اور بے پایاں نافعیت کو دیکھ کر آپ کے شاگرد علمائے کرام نے کئی درسی کتابوں پر آپ کی درسی تقاریر کتابی شکل میں جمع فرمائی ہیں۔ ’’درسِ مسلم‘‘ دو جلدوں میں اسی سلسلے کی ایک زرّیں کڑی ہے۔ پہلی جلد علم حدیث کے نہایت جاندار مقدمۃ العلم کے ساتھ صحیح مسلم کے مقدمہ اور کتاب الایمان کے تحقیقی مباحث پر مشتمل ہے، جبکہ دُوسری جلد کتاب البیوع سمیت تمام مالیاتی، معاشی اور سیاسی مسائل کے ابواب پر مشتمل ہے۔ ان دو جلدوں میں ایمانیات اور اِسلام کے مالیاتی، معاشی اور سیاسی مسائل جتنے مدلل، مفصل، محققانہ اور منضبط انداز میں آپ نے بیان فرمائے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

اس کے علاوہ "فتح الملهم شرح صحیح مسلم" (از علامہ شبیر احمد عثمانیؒ) اور شرح عقود رسم المفتی (از علامہ ابن عابدینؒ) پر آپ کی ’’تعلیقاتِ نافعہ‘‘ بھی آپ کے درسی مشاغل کا ثمرہ ہیں جنہیں آپ نے درس کے لئے مطالعہ کے دوران ان دونوں کتابوں کے حاشیہ کے طور پر قلم بند کیا ہے۔

سلوک و اِحسان کی دُنیا میں

فقہِ ظاہر میں ممتاز مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ فقہِ باطن میں بھی بہت اہتمام سے مشغول رہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے والد ماجد کی ہدایت پر اپنے برادرِ عزیز شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی معیت میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ خاص عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہاں سے باطنی دُنیا کا سفر باقاعدہ شروع ہوگیا۔ آپ حضرت عارفی کے فیوض و برکات سے مسلسل فیض یاب ہوتے رہے، ان کے ارشادات اور اِصلاحی مشوروں پر مکمل عمل پیرا ہوکر آپ سلوک کی منازل بڑی تندہی کے ساتھ طے کرتے رہے۔ اور اپنے شیخ کی نظر میں آپ نے خصوصی مقام پایا۔ بالآخر آپ کے شیخ نے آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا۔

تربیت و اِرشاد

اپنے شیخ سے کسب فیض اور نعمتِ خلافت سے بہرہ مندی کے بعد اس نعمت کو آگے منتقل کرنے کی نوبت آگئی اور لوگوں کی اِصلاح وتربیت کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آئی تو آپ یہ نازک ذمہ داری بھی بڑے حوصلے اور تدبر کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ اپنی دیگر علمی وانتظامی مصروفیات کے باوجود آپ عامۃ الناس کی اِصلاح وتربیت کے نقطۂ نظر سے ہر بدھ کو جامع مسجد دارالعلوم میں اِصلاحی بیان فرماتے ہیں۔ اس ایمان افروز بیان میں لوگوں کی بڑی تعداد شرکت کر کے ایمان کی تازگی، رُوح کی بالیدگی اور عمل کا نیا جذبہ لے کر واپس جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں عام لوگوں کو مختلف معاشرتی،

اخلاقی اور سماجی موضوعات پر وعظ ونصیحت فرماتے ہیں۔ وعظ میں آپ معاشرے کی ابتر حالت، گوناگوں مسائل اور خامیوں کی نشاندہی کر کے ان کا علاج اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا سدِ باب بھی بیان فرماتے ہیں۔

تصنیف وتالیف

اپنے دینی وعلمی خاندانی پس منظر کی بناء پر آپ اعلیٰ درجے کی ادبی اور تحریری صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ محتاط قلم کے مالک اور صاحبِ طرز مصنف ہیں۔ آپ کی تحریر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حسنِ ترتیب اور موضوع کا بہتر احاطہ پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر ٹھوس معلومات کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ نیز آپ کی تحریریں اعتدال وتوازن، نپے تلے اندازِ بیان اور دلائل وحقائق کو حسنِ تعبیر وترتیب کے ساتھ مفصلاً ذکر کرنے کا حسین اور عمدہ نمونے ہیں۔ آپ نے قدیم وجدید بیشتر موضوعات پر عالمانہ انداز میں تصانیف فرمائی ہیں۔ ویسے تو آپ کے تحریر کردہ چھوٹے بڑے رسائل اور گراں قدر کتب کی فہرست بہت طویل ہے تاہم ”مشتے نمونہ از خروارے“ کے طور پر چند کتابوں کی فہرست موضوعات کی ترتیب کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

عقائد وکلام:

۱- مسئلہ تقدیر کا آسان حل
۲- علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح

حدیث:

۱- التعليقات النافعة على فتح الملهم
۲- درسِ مسلم شریف
۳- کتابتِ حدیث عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ میں

فقہ واُصولِ فقہ:

۱- ضابط المفطرات في مجال التداوي (عربی)
۲- الأخذ بالرخص وحكمه (عربی)
۳- درس شرح عقود رسم المفتی (عربی، اُردو)
۴- فقہ میں اجماع کا مقام (اُردو، عربی)
۵- نوادر الفقہ (دو جلد)

۶- اَحکامِ زکوٰۃ
۷- رفیقِ حج
۸- بیع الوفاء (عربی)
۹- المقالات الفقہیۃ (عربی دو جلد)

سیاست ومعیشت:

۱- دِینی جماعتیں اور موجودہ سیاست
۲- عورت کی سربراہی کا شرعی حکم
۳- یورپ کے تین معاشی نظام
۴- اسلام میں غلامی کا تصوُّر
۵- دِینی مدارس اور نفاذِ شریعت
۶- دوقومی نظریہ
۷- اسلامی معیشت کی خصوصیات ــــ اور صنعتی تعلقات

إصلاح وإرشاد:

۱- إصلاحی تقریریں (دس جلد)
۲- إختلاف رحمت ہے، فرقہ بندی حرام
۳- مستحب کام اوران کی اہمیت
۴- محبتِ رسول اور اس کے تقاضے
۵- طلبائے دِین سے خطاب
۶- حبِ جاہ ایک باطنی مرض
۷- حج کے بعد زندگی کیسے گزاریں؟
۸- اللہ کا ذِکر
۹- مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچاؤ
۱۰- مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی، تاریخ کے آئینے میں

سفرنامے:

۱- یہ تیرے پُراسرار بندے
۲- انبیاء کی سرزمین میں
۳- گلگت کے پہاڑوں میں یادگار آپ بیتی

سوانح:

۱- حیاتِ مفتی اعظمؒ
۲- میرے مرشد حضرت عارفیؒ

متفرقات:

۱- علم الصیغہ مع اُردو تشریحات
۲- الفضل الربانی فی اسانید محمد رفیع العثمانی
۳- علمائے دین کے تین فرائضِ منصبی
۴- فقہ اور تصوف، ایک تعارف
۵- دینی تعلیم اور عصبیت
۶- خدمتِ خلق
۷- جہادِ کشمیر اور ہماری ذمہ داریاں
۸- دوسرا جہادِ افغانستان
۹- حقوقِ نسواں بل ۲۰۰۶ء کی حقیقت

انگریزی میں:

۱- The Three Systems of Economics in Europe
۲- Signs of Qiyamah and the Arrival of the Maseeh

فقہ و اِفتاء میں علمی مقام

حضرت مدظلہم یوں تو تمام علومِ اسلامیہ پر تحقیقی عبور اور دسترس رکھتے ہیں، اور انہیں ان تمام علوم وفنون سے فرقِ مراتب کے ساتھ گہری دلچسپی بھی ہے۔ مگر بنیادی طور پر آپ کے ذہن و مذاق اور فکر ونظر پر فقہ و افتاء کی حکمرانی ہے۔ مفتی اعظم پاکستانؒ کی علمی گود میں پروان چڑھ کر آپ کو علمِ فقہ سے گہری مناسبت اور

تعلق پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد تعلیمی وتدریسی زندگی میں فقہی کتب پر خصوصی توجہ اور فقہ کے ساتھ گہری وابستگی سے آپ کے اندر وہ فقہی جوہر نشو ونما پایا جو بعد میں آپ کی شخصیت کی پہچان بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم فقہ میں آپ کو جو دِقتِ نظر، سلامتِ ذوق، وسعتِ مطالعہ، علمی تعمق، فکری جولانی، قوتِ استدلال واستنباط اور فقیہانہ فہم وبصیرت عطا کی ہے وہ کم ہی کسی علمی شخصیت کے نصیب میں آتی ہے۔

علم وفن میں کسی شخص کی مہارت اور صلاحیت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب متعلقہ علم وفن کی بہ ظاہر ایک نہ حل ہونے والی اُلجھن پیش آجائے، حضرت مدظلہم کے ساتھ بھی کچھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا، جو آپ نے اُصولِ اِفتاء کے درس میں تخصص کے طلبہ کو ایک نصیحت کے ضمن میں سنایا تھا۔

نصیحت یہ فرمارہے تھے کہ جب بھی کوئی مسئلہ زیرِ غور آئے تو فوراً دِل ہی دِل میں اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرکے مدد مانگ لیا کرو، ہمارے مرشد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب مجھ سے کوئی شخص کہتا ہے کہ آپ سے کچھ پوچھنا ہے تو میں فوراً دِل ہی دِل میں اللہ تعالیٰ سے عرض کردیتا ہوں کہ یا اللہ! آپ بتادیجئے کیا جواب دوں، پھر اُس کا سوال سنتا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جواب دیتا ہوں۔

اپنے مرشد کے حوالے سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول سنا کر آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ میں بزرگوں کے بتائے ہوئے اس ''گُر'' پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اور جب بھی اس پر عمل کیا ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، اور بعض اوقات تو عجیب واقعات پیش آئے۔

ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ آج کل دُنیا بھر میں لمیٹڈ کمپنیوں کا جال پھیلا ہوا ہے، لمیٹڈ کا مطلب یہ ہے کہ قرضوں کی ادائیگی میں ان کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، بظاہر شریعت کی رُو سے اس کا جواز نظر نہیں آتا، چنانچہ او آئی سی کے تحت قائم مجمع الفقہ الاسلامی میں بھی یہ مسئلہ زیرِ غور تھا اور دُنیا بھر کے جن بڑے اِداروں میں اسلامی معیشت کی تحقیق پر کام ہورہا تھا اُن میں بھی یہ ایک مشکل مسئلہ بنا ہوا تھا۔ اسی دوران اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے جو اسکالرز کئی سال سے اسلامی مالیات اور اسلامی معیشت پر کام کررہے تھے، اُن میں سے بعض حضرات نے مجھ سے اس مسئلے پر ملاقات کے لئے وقت طلب کیا، اگلے دن کا وقت طے ہوگیا، مگر اُس وقت تک مجھے اس مسئلے کی نہ تحقیق کی نوبت آئی تھی، نہ کسی خاص غور وفکر کا موقع ملا تھا، صرف رات بیچ میں تھی، اپنے مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور تنہائی میں بیٹھ کر تصوُّر ہی تصوُّر میں فقہی ابواب کے مسائل کا جائزہ لینے لگا کہ اس مسئلے کو کس باب میں تلاش کیا جائے؟ اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتا رہا۔ کتاب الطہارۃ سے لے کر تقریباً تمام ہی ابواب کا جائزہ لیتے لیتے جب ''کتاب العتق'' پر پہنچا تو سوچا کہ اب تو نہ غلامی کے مسائل رہے نہ عتق کے لہٰذا ان سے کیا مدد ملے گی؟ مگر اچانک دھیان "العبد

المأذون لهٗ فی التجارۃ" پر جا کر ٹھہر گیا، یاد آنے لگا کہ "عبدِ مأذون" کی ذمہ داری بھی تو غالباً محدود ہوتی ہے، جلدی سے اُٹھ کر ہدایہ نکالی اور "العبد المأذون لهٗ فی التجارۃ" کے مسائل دیکھے تو وہ اتنے واضح اور مفصل تھے کہ انہیں بلا مبالغہ "محدود ذمہ داری کا قانون" کہا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اگلے دن اُن حضرات اور دارالافتاء دارالعلوم کراچی کے رُفقاء کے ساتھ مشترک مجلس میں یہ نظیر پیش کی گئی تو سب ہی کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ پھر مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) وغیرہ میں یہ تحقیق پیش ہوئی تو وہاں بھی اسے پسند اور قبول کیا گیا ـــــــ یہ الگ بات ہے کہ رائج الوقت لمیٹڈ کمپنیوں کو (ان کے موجودہ حالات میں) اس حکم میں شامل کرنے کا فتویٰ دینا، اس کے غلط استعمال کا ذریعہ بن سکتا ہے، لہٰذا اس میں پوری احتیاط لازم ہے، اور اہلِ فتویٰ علمائے کرام سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔

تاہم رُجوع الی اللہ کے ساتھ غور وفکر کے نتیجے میں شریعت کا یہ اُصول سامنے آ گیا کہ قرضوں کی "محدود ذمہ داری" اسلامی شریعت میں بالکل بے بنیاد نہیں ہے، اور ضروری حدود وشرائط کے ساتھ اس سے بھی اہلِ تحقیق مفتیانِ کرام کو بعض جدید معاشی ومالیاتی مسائل کے حل میں مدد مل سکتی ہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان کا خطاب

آپ کی غیر معمولی علمی اور فقہی بصیرت کو تسلیم کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے علمائے کرام کی ایک بھاری تعداد نے عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت کے ایک نمائندہ اجلاس میں بالاتفاق آپ کو "مفتیٔ اعظم پاکستان" کا خطاب دیا۔ سب سے پہلے یہ خطاب آپ کے عظیم والد فقیہِ ملت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کو دیا گیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی قدس سرہٗ کو یہ عظیم خطاب ملا۔ اور آپ تیسری شخصیت ہیں جنہیں اس خطاب سے نوازا گیا۔

جس اجلاس میں آپ کو یہ عظیم خطاب دیا گیا، وہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں مختلف دِینی جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کے چار سو سے زائد علمائے کرام شریک ہوئے۔ اِس واقعے کی خبر روزنامہ "جنگ" (۱۷ر اپریل ۱۹۹۲ء مطابق ۱۳ر شوال ۱۴۱۲ھ بروز جمعہ) میں شائع ہوئی، جس کا عکس درج ذیل ہے:

(((خبر کا عکس)))

اس عظیم خطاب کے ملنے پر ملک بھر بلکہ بیرونِ ملک سے بھی مختلف علمی حلقوں اور حلقہ ہائے احباب کی طرف سے آپ کو مبارک باد کے زبانی وتحریری پیغامات وصول ہوئے۔

سب سے پہلے حضرت مدظلہم کے محترم ومشفق اُستاذ جناب مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھرپور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مبارک باد کا فون کیا۔ پھر ایک تسبیح، ایک گلاب کا پھول اور ایک مٹھائی کا ڈبہ بطورِ انعام عطا فرمایا، اور مٹھائی کے ڈبے پر اپنے جذبات کے اظہار کے لئے یہ خوبصورت الفاظ تحریر فرمائے:

مبارک باد

سعادتِ دارین پائندہ باد

بعظمتِ افتاء

اور آپ کے اُستاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدر وفاق المدارس نے زبانی مبارک باد دی اور دُعاؤں سے نوازا۔

اِفتاء میں مزاج ومذاق

اِفتاء ایک اہم اور نہایت نازک دینی ذمہ داری ہے، اس کے لئے تمام علومِ اسلامیہ میں رُسوخ و مہارت، اِستدلال و اِستنباط کا ملکہ، تطبیق وتوفیق کی صلاحیت، فقہی اُصول وجزئیات سے بہ خوبی واقفیت، اور حالاتِ زمانہ پر مسلسل نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ سلامتِ ذوق وفکر اور خشیت وتقویٰ اور اعتدال وتوازن جیسی باطنی صفات سے متصف ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ فتویٰ علم وحکمت اور تقویٰ کے ساتھ صادر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اِن صفات کا وافر حصہ آپ کو اپنے والدِ ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طویل تربیت وصحبت کی برکت سے عطا فرمایا ہے، آپ کی عمر اپنے والدِ ماجد کی وفات کے وقت چالیس سال تھی، عمر کا یہ پورا طویل حصہ اپنے والدِ ماجد کی آغوشِ تربیت میں گزرا، سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے، اور تمام علمی مشاغل اُنہی کے زیرِ سایہ اور زیرِ تربیت جاری رہے۔

والدِ ماجدؒ کی وفات کے بعد آپ کو اپنے مرشد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت وحکمت سے بھری صحبت وتربیت حاصل رہی۔ اس طرح ایک قابلِ اعتماد فقیہ کو مفتی بننے کے لئے جن اہم مراحل سے گزرنا پڑتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخوبی طے ہوتے چلے گئے۔

آپ کے فتاویٰ کی چند خصوصیات

میرا تو یہ مقام نہیں کہ اِن فتاویٰ پر تبصرہ کروں لیکن اپنے بزرگوں، اساتذہ اور دُوسرے اہلِ علم سے

جو سنا اس کی روشنی میں عرض کرتا ہوں:

۱- آپ کے فتاویٰ کا جو مجموعہ اس وقت آپ کے سامنے ہے، اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اکثر فتاویٰ آپ کے والدِ ماجدؒ کے زمانے میں انہی کی سرپرستی اور رہنمائی میں لکھے گئے ہیں۔ اور ان پر تصدیقی دستخط بھی سب سے زیادہ اُن ہی کے ہیں۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

۲- اِفتاء میں آپ نہایت محدثانہ احتیاط اور اعلیٰ درجے کی فقیہانہ رواداری سے کام لیتے ہیں۔

۳- فتویٰ میں آپ کی بنیادی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جواب قرآن وسنت اور فقہائے کرام کی تعبیر کے مطابق ہو۔

۴- جواب میں آپ کوئی ایسی عبارت بالکل نہیں لاتے جس میں متعدّد معانی کا اِحتمال ہو، بلکہ واضح عبارت (جس کے معنی متعین ہوں) لاتے ہیں یا کم از کم ایک ہی معنیٰ کی تائید زیادہ سے زیادہ ہو رہی ہو۔

۵- مسائل کے جواب میں نہایت غور وفکر سے کام لیتے ہیں، سطحی غور وفکر کے بعد فتویٰ دینے کی آپ کے ہاں کوئی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک ایک فتوے میں کئی دن لگ جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فتویٰ میں آپ کا طریقۂ کار وہی ہے جو آپ کے عظیم والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

۶- جواب دیتے وقت آپ متعلقہ مسئلے کا حل سب سے پہلے فقہِ حنفی کے مآخذ میں تلاش فرماتے ہیں، بلاضرورت فقہِ حنفی سے کسی مسئلے میں اِعراض آپ کو بالکل گوارا نہیں۔ لیکن جب باوجود کوشش کے حل نہ مل سکے اور مسئلہ لوگوں کے معاملات سے تعلق رکھتا ہو تو آپ مجبوراً دوسرے مذاہب کے مطابق جواب صادر فرماتے ہیں اور وہ بھی اربابِ فتویٰ سے مکمل مشاورت کے بعد۔

فتاویٰ کی تعداد

فقہ واِفتاء کے میدان میں آپ نے نہایت محققانہ اور گراں قدر کتابیں اور رسائل تصنیف کئے ہیں، جن کی فہرست تصنیف وتالیف کے عنوان کے ذیل میں آگئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہزارہا فتاویٰ جاری فرمائے ہیں۔ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء کے اعداد وشمار کے مطابق آپ کے خودنوشت فتاویٰ کی تعداد ۳۴۱۱ اور تصدیق کردہ فتاویٰ کی تعداد ۴۲۶۷ ہے۔ مجموعی طور پر آپ کے فتاویٰ کی تعداد ۷۶۷۸ ہے۔ اس کے بعد سے بھی یہ سلسلہ جاری رہے، اللہ کرے یہ فیض تادیر عافیت کے ساتھ جاری رہے (آمین)۔

میدانِ جہاد میں والہانہ شرکت

اہلِ حق کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصی امتیاز عطا فرمایا ہے کہ جہاں انہیں کعبہ کے سائے میں سجدہ ریز

ہونے میں بے پایاں کیف وسرور محسوس ہوتا ہے وہیں انہیں تلواروں کے سایوں سے بھی غایت درجے کا عشق اور والہانہ محبت ہوتی ہے۔ تاریخِ اسلام میں ایسی خالصۃً علمی و اِصلاحی شخصیات کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے جن کی نصف زندگیاں علم وتبلیغِ دِین کے لئے اور نصف معرکہ کارزار کوگرم رکھنے میں صَرف ہوئیں۔ اُستاذِ محترم کو بھی اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جذبۂ جہاد سے سرشار فرمایا ہے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ تحریکِ پاکستان کی مہک سے معطر تھا جس سے آپ کے رگ وریشے میں جذبۂ جہاد سرایت کرگیا۔ آپ نے جہادِ افغانستان اور جہادِ کشمیر میں ایک دِینی شخصیت ہونے کی حیثیت سے بھرپور کردار اَدا کیا۔

جہادِ افغانستان:

افغانستان میں روسی کمیونزم کی ناپاک یلغار کے خلاف آپ نے جہادِ افغانستان میں بنفسِ نفیس حصہ لیا۔ جہادِ افغانستان میں آپ نے اپنے مشاہدات، تأثرات اور وہاں پیش آنے والے واقعات اور حالات کا تذکرہ اپنی معروف ومقبول کتاب ’’یہ تیرے پُراسرار بندے‘‘ میں نہایت احتیاط وتحقیق اور ادبی چاشنی سے معمور اُسلوبِ بیان میں کیا ہے، جو جہادِ افغانستان کی ایک مستند تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

ملک وملت کے حوالے سے گراں قدر خدمات

جب وطنِ عزیز مملکتِ پاکستان مشیتِ ایزدی سے معرضِ وجود میں آیا، تو اسلامی فکر وتعلیمات کے مطابق اس کی مثبت آبیاری، اس میں اسلامی اقدار وروایات کے فروغ اور اسلامی قوانین واَحکام کے نفاذ کے سلسلے میں آپ کے والدِ ماجدؒ اور ان کے ہم عصر بزرگانِ دِین اور علمائے حق نے جو عظیم خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا اہم حصہ ہیں، ان بزرگوں کے بعد ایسی علمی و دِینی شخصیات کی ضرورت تھی جو اپنے بزرگوں کی طرح علم وفن کے حوالے سے ٹھوس صلاحیتوں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ملک وملت کے لئے سوز دروں کی نعمت سے بھی مالامال ہوں۔ چنانچہ حضرت مدظلہم بھی ان چنیدہ علمی شخصیات میں سے ایک ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس نیک مقصد کے لئے منتخب فرمایا۔ ملک وملت کے لئے سیاست وانتظام، عدالت وقضا، معیشت واقتصاد اور تعلیم کے میدان میں آپ نے جو قابلِ قدر خدمات انجام دیں، مختصراً ان کا تذکرہ درج ذیل ہے:

سیاست وانتظام:

جامعہ دار العلوم کراچی میں آپ کی گوناگوں مصروفیات اگرچہ اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتیں کہ آپ اس کے علاوہ باہر کی کوئی ذمہ داری قبول کریں، مگر محض دردِ ملت کی بنیاد پر آپ نے سیاست وانتظام کے حوالے سے مختلف شعبوں اور اِداروں میں کام کیا۔ ملک میں نفاذِ اسلام کی کوششوں کے سلسلے میں آپ

نے ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کی رُکنیت دومرتبہ قبول کی، اور اس میں تقریباً آٹھ سال بڑا فعال کردار اَدا کیا۔ مسلمانوں کے صوم وفطر کے نظام کو شفاف بنانے کے لئے آپ نے ''مرکزی رُوَیتِ ہلال کمیٹی'' میں شمولیت اختیار کی، اسی طرح ملک میں امن وامان کے قیام اور فرقہ وارانہ فسادات کے خاتمے کے لئے آپ نے ''اعلیٰ اختیاراتی کمیشن برائے فرقہ وارانہ ہم آہنگی حکومتِ پاکستان'' وغیرہ میں شامل ہوکر ملّی خدمات سرانجام دیں۔

عدالت وقضا:

اگرچہ باضابطہ طور پر بحیثیت ایک جج یا قاضی آپ نے کوئی عدالتی خدمات سرانجام نہیں دی ہیں تاہم اپنے علم وفضل کی بدولت ایک عرصے تک آپ ''شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان'' میں بطور ''شرعی مشیر'' کے گراں مایہ علمی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

اور ایک زمانے میں جامعہ دارالعلوم کراچی میں تقریباً چھ ماہ کا فنِ قضاء کا کورس ''دورۃ القضاء'' کے نام سے منعقد کیا گیا، جس میں بلوچستان اور آزاد کشمیر کے کہنہ مشق، تجربہ کار قاضیوں کے علاوہ عالمِ اسلام کے نامور، ممتاز، محقق فقیہ ومحدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں، اس دورۃ القضاء میں ایک گھنٹہ روزانہ آپ کا درس بھی شرکاءِ کورس کے لئے سرمایۂ علم وفن بنا۔

تعلیم:

قومی نظامِ تعلیم کو ایسے اسلامی خطوط پر اِستوار کرنا جو ایک آزاد ومختار ترقی پذیر اسلامی ملک کے شایانِ شان ہو، وقت کی اہم ضرورت تھی، اس غرض سے نظام ونصاب میں مؤثر تبدیلیوں اور ضروری ترمیمات کے لئے آپ متعدد اہم سرکاری وغیر سرکاری کمیشنوں، کمیٹیوں، بورڈوں اور اِداروں کے رُکن رہے اور وہاں اپنی تمام تر علمی، فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو اِستعمال کرکے مدبرانہ کردار ادا کیا۔

معیشت واِقتصاد:

ملکی وقومی خدمات کے حوالے سے یہ وہ باب ہے جس میں آپ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور اعلیٰ پیمانے پر خدمات انجام دیں، سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے آخری ایامِ حیات میں ایک اِقتصادی کمیشن بنایا تھا، جس کا کام ملک میں رائج غیر اسلامی نظامِ معیشت کو اِسلامی نظامِ معیشت میں تبدیل کرنے کے لئے تجاویز وسفارشات دینا تھا، اس کمیشن کے سربراہ سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی ڈاکٹر اِحسان رشید صاحب تھے، اُستاذِ محترم اس کمیشن کے رُکنِ رکین رہے اور ٹھوس علمی وتحقیقی کام کیا۔ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی شہادت کے بعد آنے والی حکومت نے یہ کمیشن ختم کردیا، لیکن جو

عظیم علمی کام اس کمیشن کے ذریعے اُستاذِ محترم نے انجام دیا، وہ اہم علمی دستاویز ہے، اور سرکاری ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

پھر جب جنرل پرویز مشرف کے دورِ اقتدار میں سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بنچ نے صدر پرویز کے علی الرغم سود کے خلاف تاریخ ساز فیصلہ دیا، تو اس فیصلے کے تحت اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں ایک اقتصادی کمیشن قائم کیا گیا، جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے مطابق ملک کے پورے مالیاتی اور اقتصادی نظام کو تبدیل کرنے کے لئے عملی تجاویز دے، فیصلے کرے اور عملی اقدامات کرے، اس کمیشن میں صرف ایک عالمِ دین کو رُکنیت دی گئی تھی، اور وہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی۔

اس کمیشن میں آپ نے تقریباً ایک سال یا زیادہ مدت تک شب وروز سخت محنت اور لگن کے ساتھ کام کیا، اور بعض سرکاری عہدے داران وارکانِ کمیشن کی طرف سے ڈالی جانے والی طرح طرح کی رُکاوٹوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اگرچہ سپریم کورٹ کے مذکورہ بالا فیصلے کو اُس وقت کے ڈکٹیٹر نے انتہائی ذلیل حرکتیں کرکے سرد خانے میں ڈلوادیا، مگر اس کمیشن نے سال بھر کی ٹھوس جدوجہد کرکے غیر سودی نظام کا جو عملی خاکہ تیار کرلیا تھا، وہ کام آرہا ہے، اور پاکستان میں اس وقت جو غیر سودی بینک کام کررہے ہیں، ان کے لئے یہ کام مشعلِ راہ بنا ہوا ہے۔

ان ملّی خدمات کے علاوہ آپ نے دیگر میدانوں میں بھی وسیع پیمانے پر خدمات انجام دی ہیں، جن کا ذکر مناصب کے تحت آئے گا۔ نیز آپ نے فتنۂ سوشلزم کے مقابلے میں تحقیقی اور علمی میدانوں میں بھرپور حصہ لیا اور تحریکِ قیامِ پاکستان میں شرکت کے ساتھ ساتھ فتنۂ قادیانیت کے تعاقب میں بھی آپ نے سرگرم علمی کردار اُدا کیا۔

ان خدمات کے علاوہ جب بھی قومی یا بین الاقوامی سطح پر اُمتِ مسلمہ پریشان کن صورتِ حال سے دوچار ہوئی ہے، آپ نے اس موقع پر ایک دینی قیادت کی ذمہ داری ادا کی ہے۔ حال ہی میں جامعہ حفصہ اسلام آباد اور لال مسجد سانحہ کے موقع پر آپ نے فریقین میں مصالحت اور اِفہام وتفہیم کے ذریعے مسئلہ حل کرنے میں جو قائدانہ کردار اَدا کیا اور سلامتِ فکر، اِعتدالِ مزاج اور پُرسوز دِل کا جو ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

مناصب وذمہ داریاں

آپ کے والدِ ماجد جامعہ دارالعلوم کراچی کے بانی وصدرِ اوّل مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ کی مجلسِ منتظمہ کے مشورے سے، اپنی وفات سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل اُستاذِ محترم کو اور آپ کے برادرِ عزیز شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو جامعہ کا

نائب صدر مقرّر فرما دیا تھا، پھر اپنی وفات سے نو ماہ دس دن قبل یعنی یکم صفر ۱۳۹۶ھ کو مجلسِ منتظمہ ہی کے مشورے پر جامعہ کا تمام انتظام وانصرام اُستاذِ محترم کے سپرد فرما دیا، اوران دونوں عظیم صاحبزادگان کو جامعہ کا ''مفتی'' بھی قرار دے دیا۔

بانیٔ جامعہ دارالعلوم کی وفات کے بعد مجلسِ منتظمہ نے جامعہ کے دستور میں ترمیم کر کے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحبؒ کو- جو اُس وقت رُکنِ مجلسِ منتظمہ تھے- جامعہ کا صدر مقرر کیا، اوراُستاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کو جامعہ کا مہتمم قرار دے دیا۔ اس طرح سرپرستی اور اُصولی پالیسی ورہنمائی صدرِ جامعہ کے پاس رہی، اور جملہ انتظام وانصرام ''مہتمم'' کے سپرد رہا۔

پھر دس سال بعد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجلسِ منتظمہ نے اُستاذِ محترم ہی کو صدرِ جامعہ (رئیس الجامعہ) مقرر کرلیا۔ اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو نائب رئیس الجامعہ۔

سلف صالحین کا ہمیشہ سے یہ قابلِ تقلید طرزِ عمل رہا ہے کہ انہوں نے کبھی بھی ازخود کسی منصب یا عہدے کی تمنا نہیں کی، اور حتی الامکان کسی ذمہ داری اور عہدے کے قبول کرنے سے بھرپور گریز فرماتے تھے۔ مگر جب انہیں احساس ہوتا کہ ملک وملت کی بہی خواہی کا تقاضا یہی ہے کہ فلاں عہدہ یا ذمہ داری قبول کی جائے کیونکہ اس سے عامۃ الناس اور اسلامی ریاست کے اجتماعی دینی وملی مفاد وابستہ ہیں اور کسی نااہل کی تقرری سے یہ مفادات خطرے میں پڑ جاتے ہیں اور اس سے قوم ووطن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے تو انہوں نے محض خدمتِ خلق اور حبّ الوطنی کے جذبے کے تحت ایسے مناصب اور ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھایا۔

اسی نقطۂ نظر اور جذبۂ صادق کے پیشِ نظر اُستاذِ محترم نے متعدد سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں پر بھی رہ کر گراں مایہ خدمات انجام دی ہیں اور اب بھی متعدد مناصب پر فائز ہیں۔ ذیل میں اُن کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

حالیہ مناصب اور فرائض:

۱- صدر جامعہ دارالعلوم کراچی۔
۲- صدر مجلسِ منتظمہ برائے جامعہ دارالعلوم کراچی۔
۳- رکن مجلسِ عاملہ، وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔
۴- رکن مجلسِ شوریٰ، وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔
۵- صدر نصاب کمیٹی، وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔
۶- رکن مجلسِ شوریٰ مجلس صیانۃ المسلمین، لاہور۔

۷-صدر دارالعلوم جامع مسجد بیت المکرّم و مدرسہ ٹرسٹ گلشنِ اقبال کراچی۔
۸-ملک و بیرونِ ملک کے متعدد علمی و دینی اداروں کی باضابطہ سرپرستی۔

سابقہ عہدے اور ذمہ داریاں:

(الف) غیر سرکاری:

۱-رکن امتحان کمیٹی، وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔
۲-رکن مجلسِ علمی و مجلسِ شوریٰ، متحدہ علماء کونسل، پاکستان۔
۳-رکن مؤتمر رسالۃ المسجد، رابطۃ العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ۔
۴-رکن مجلسِ فکرِ اسلامی پاکستان۔
۵-مجمع الفقہ الاسلامی جدّہ (او-آئی-سی) کی معاونت بطورِ ماہرِ شریعت۔

(ب) سرکاری:

۱-رکن اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان (دومرتبہ)۔
۲-رکن سنڈیکیٹ، کراچی یونیورسٹی (دومرتبہ)۔
۳-رکن بورڈ آف معارفِ اسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔
۴-رکن سنڈیکیٹ این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی کراچی۔
۵-رکن شریعت ورکنگ گروپ، وزارتِ مذہبی اُمور پاکستان۔
۶-مشیر شریعت اپیلیٹ بنچ، سپریم کورٹ آف پاکستان۔
۷-رکن کمیشن اسلامائزیشن آف اکنامکس، حکومتِ پاکستان۔
۸-رکن مرکزی رُؤیتِ ہلال کمیٹی پاکستان۔
۹-رکن زکوٰۃ کونسل، صوبہ سندھ۔
۱۰-رکن کمیشن برائے تعلیم کی اسلامی تشکیل، وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان۔
۱۱-رکن کمیشن برائے تبدیلی مالیاتی نظام، اسٹیٹ بینک آف پاکستان۔
۱۲-رکن اسلامی مضاربہ کمیٹی، وزارتِ خزانہ حکومتِ پاکستان۔
۱۳-رکن اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی برائے فرقہ وارانہ ہم آہنگی، حکومتِ پاکستان۔
۱۴-رکن مشاورتی بورڈ وفاقی وزارتِ داخلہ حکومتِ پاکستان۔
۱۵-رکن امن کمیٹی برائے صوبہ سندھ۔

جامعہ دار العلوم میں منصبِ صدارت کے ساتھ ساتھ درسِ مسلم شریف کی پابندی اور تخصص فی الافتاء کے شرکاء کو اُصولِ افتاء کی اور تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے طلبہ کو اُصولِ دعوت وتبلیغ کی تربیت کے لئے روزانہ وقت دینا بھی آپ نے اپنی ذمہ داری میں شامل کیا ہوا ہے۔ نیز اہم مسائل اور استفتاءات کے جوابات دینا اور ان کی تصدیق وتصویب کرنا بھی آپ کے اہم مشاغل میں سے ہیں۔

جامعہ میں بنیادی طور پر آپ کے مشاغل اور فرائض کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱-تدریس ۲-اِفتاء ۳-صدارتِ جامعہ

اللہ تعالیٰ تادیر اس ہمہ گیر علمی ودینی شخصیت کا سایہ ہمارے اُوپر قائم رکھے، آمین۔

بیرونی دورے

حضرت مدظلہم کے علم وفضل سے نہ صرف اندرونِ ملک خلقِ خدا مستفید ہو رہی ہے بلکہ دُنیا کے بہت سے ممالک کے مسلمانوں کو اِستفادے کا موقع مل رہا ہے۔ وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں کی دینی تنظیموں، اداروں اور بااثر شخصیات کی دعوت پر یا خود ضرورت کا احساس کر کے آپ نے جن ملکوں کا دورہ کیا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے:

براعظم ایشیا:

۱-سعودی عرب ۲-جنوبی یمن ۳-کویت ۴-شارجہ
۵-بحرین ۶-دُبئی ۷-ابوظہبی ۸-عراق
۹-افغانستان ۱۰-ترکی ۱۱-ہندوستان ۱۲-ازبکستان
۱۳-بنگلہ دیش ۱۴-نیپال ۱۵-برما ۱۶-تھائی لینڈ
۱۷-سنگاپور ۱۸-ملائیشیا ۱۹-انڈونیشیا ۲۰-ہانگ کانگ
۲۱-دارالسلام برونائی ۲۲-چین ۲۳-سنکیانگ ۲۴-جاپان
۲۵-اُردن ۲۶-شام ۲۷-مصر ۲۸-ایران

براعظم افریقہ:

۱-ماریشس ۲-کینیا ۳-جنوبی افریقہ ۴-ری یونین
۵-زیمبیا ۶-ملاوی

براعظم یورپ:

١-برطانیہ	٢-فرانس	٣-اسپین	٤-ہالینڈ
٥-سوئٹزرلینڈ	٦-ناروے	٧-ڈنمارک	٨-جرمنی
٩-اٹلی	١٠-آسٹریا	١١-یونان (گریس)	١٢-بلجیم

براعظم امریکا:

١-ریاست ہائے متحدہ امریکا	٢-کینیڈا	٣-باربیڈوز (ویسٹ انڈیز)

آپ کے ان دعوتی اسفار کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اوصاف وامتیازات

حضرت اُستاذِ محترم مدظلہم کی عالمی شخصیت کے تمام اوصاف وکمالات کا اِحاطہ اس وقت پیشِ نظر نہیں بلکہ چند اہم علمی و دِینی اور طبعی وانتظامی نمایاں اوصاف کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ کوئی اللہ کا بندہ ان جیسی عظیم، معتدل اور متوازن دِینی شخصیات کی زندگی سے اپنے لئے مشعلِ راہ پائے اور اِفراط وتفریط کی دلدل سے نکل کر شاہراہِ اِعتدال وتوازن کا رُخ کر سکے۔

ہم یہاں آپ کی چند خصوصیات وکمالات کو چار حصوں میں تقسیم کر کے بالترتیب ذیلی عنوانات کے ساتھ پیش کریں گے:

١-فطری اوصاف ٢-انتظامی اوصاف ٣-علمی اوصاف ٤-دِینی ورُوحانی اوصاف

①-فطری وطبعی اوصاف

رِقتِ قلب اور شفقت:

آپ طبعی طور پر نہایت رقیق القلب ہیں، ہر رِقت آمیز منظر، واقعہ اور خبر پر آپ کا آبدیدہ ہو جانا آپ کی طبعی خاصیت ہے۔ اسی رِقتِ قلب کی وجہ سے آپ ہر عام وخاص کے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ خصوصاً طلبہ سے آپ کا شفیقانہ تعلق قابلِ دید ہے، طلبہ سے اپنی محبت واُلفت کا تذکرہ آپ مجالسِ وعظ ونصیحت میں بڑے والہانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

شگفتگی، بشاشت اور ظرافت:

آپ فطری طور پر شگفتہ مزاج، ہشاش بشاش اور ظریفانہ طبیعت کے مالک ہیں، چہرے پر ایک

سدا بہار دلآویز مسکراہٹ بجی ہوئی ہے، درحقیقت عملِ صالح اور نیک کردار سے پیدا شدہ دِلی اطمینان کی خارجی تصویر ہے جو اللہ کے خاص خاص بندوں کے حصے میں آتی ہے۔

محسن شناسی:

اُستاذِ محترم کی ایک خاص عادت یہ ہے کہ آپ اپنے تمام بزرگوں اور علمی و دینی محسنوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، خصوصاً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ اور اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جیسی مقدس ہستیوں سے آپ کی والہانہ عقیدت اور محبت قابلِ رشک ہے۔ آپ اپنے مواعظ وخطبات میں بار بار ان حضرات کے ملفوظات و اِرشادات سنا کر سامعین کو فیض یاب ہونے کا موقع عطا فرماتے ہیں۔ اِصلاحی مجالس میں سامعین کا مجمع خواہ کتنے ہی بڑے بڑے اجلۂ علم اور اَساطینِ حکمت ودانش پر مشتمل کیوں نہ ہو، مگر مجال نہیں کہ آپ اس مجلسِ وعظ وارشاد میں اپنی کوئی ذاتی علمی تحقیق پیش کریں، بلکہ انہی بزرگوں کے ملفوظات واِرشادات کی تشریح وتفہیم کے دائرے میں بیان فرماتے ہیں۔

اسی محسن شناسی اور ان کی قدردانی کے جذبہ تاباں ہی کی بدولت آپ اب بھی اپنے بزرگوں اور اساتذہ کو اِیصالِ ثواب کا خصوصی اہتمام فرماتے ہیں، ابھی حال ہی میں ارشاد فرمایا کہ:

> ''میرے والدِ ماجدؒ نے فرمایا کہ میرے والد کی وفات کو تیس سال کا عرصہ گزر گیا ہے، آج تک مجھے کوئی ایسا دن یاد نہیں آتا کہ ''جس میں میں نے ان کے لئے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت نہ کی ہو۔'' الحمدللہ میرا بھی یہی معمول ہے، اللہ کے فضل وکرم سے ہر مہینے میں کم از کم ایک ختمِ قرآن کرکے اپنے والدین کے لئے ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ جتنی مزید تلاوت ہوتی ہے رمضان، تراویح وغیرہ میں تو اُن کا اپنے دونوں مرشدوں کو اِیصالِ ثواب کرتا ہوں، جب بھی حج وعمرہ کرنے جاتا ہوں تو ایک عمرہ والد صاحب کی طرف سے اور ایک والدہ صاحبہ کی طرف سے کرتا ہوں۔ اور اپنے تمام اساتذہ ومشائخ اور محسنین کی طرف سے طواف کرتا ہوں۔''

اِعتدال وتوسط:

آپ کی شخصیت کا ایک اہم عنصر ''اِعتدال وتوسط'' کا وصف ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ سے فیض یافتہ اپنے والدِ ماجدؒ اور حضرت عارفیؒ کی اثر آفرین صحبت سے آپ کے قلب ورُوح میں اِتباعِ سنت کا وہ جذبۂ تاباں پیدا ہوا جو آپ کی پوری زندگی میں ایک توانا عنصر کے طور پر کارفرما ہے۔ چنانچہ عمل ہو کہ ردِّ عمل، ہر

صورت میں آپ نے اپنی تحریر و گفتگو اور لوگوں سے ملاقات وتعلقات میں اسلام کی معتدلانہ تعلیمات کی عملی تصویر پیش کی ہے۔ اسی معتدل اور متوازن مزاج کی وجہ سے آپ تمام مکاتبِ فکر کے لئے قابلِ قدر فکری رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِفراط وتفریط سے کنارہ کش ہوکر محض سنت وشریعت کے تقاضوں کے مطابق اِعتدال وروا داری پر مبنی موقف اختیار کرنا آپ کا وہ وصف ہے جو آپ کو اپنے معاصرین میں محبوب بناتا ہے۔

وقار ومتانت اور مردانہ وجاہت:

آپ جس طرح ظریف الطبع ہیں اسی طرح وقار ومتانت اور مردانہ وجاہت بھی آپ کی ہر اَدا سے جھلکتی ہے، نسبتاً تیز قدموں کے ساتھ وقار وسکینت سے بھرپور چال اور خود اِعتمادی اور صحیح اور واضح تلفظ کے ساتھ گفتگو آپ کی مردانہ وجاہت کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔

④-اِنتظامی صلاحیتیں اور کمالات

حسنِ انتظام اور نفاستِ طبع:

اللہ تعالیٰ نے اُستاذِ محترم کو نظم و اِنصرام کے معاملے میں غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے، طبیعت میں مثالی نظافت و نفاست ہے۔ آپ کے اعلیٰ انتظامی کمالات اور صلاحیتوں کا ایک مظہر جامعہ دارالعلوم کراچی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے جہاں علمی، عملی، تربیتی اور رُوحانی فیوض وبرکات کے حوالے سے ایک ممتاز مقام عطا فرمایا ہے، وہیں اسے قابلِ دید ظاہری حسن وخوبی سے بھی وسیع پیمانے پر مالا مال کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جامعہ کے ظاہری ومعنوی حسن وجمال کے اس قابلِ تقلید امتزاج میں علمی وتحقیقی ذوق کے ساتھ جمالیات کا حسنِ ذوق بھی رکھنے والی شخصیت حضرت صدرِ جامعہ مدظلہم کا بہت بڑا اور فعال کردار ہے۔ جس کے نتیجے میں جامعہ اپنی عمارت، ساخت اور طرزِ تعمیر کے سلسلے میں عالمی معیار کے اِداروں میں شامل ہے۔

پھر جامعہ کے نظم ونسق کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے مختلف ذمہ دار حضرات کی نگرانی میں متعدد شعبے قائم کئے ہیں، اس تقسیم کار کی وجہ سے نظم وضبط کو برقرار رکھنا آسان ہوگیا ہے، اور مطلوبہ مقاصد بہتر طور پر حاصل ہورہے ہیں۔

حسنِ انتظام کے سلسلے میں آپ کی پختہ کاری بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ ہر کام مستقل بنیادوں پر کرتے ہیں، عارضی یا عبوری طور پر کام کرنا آپ کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ کوئی تعمیری منصوبہ ہو یا تعلیمی آپ اس کے دُوررَس اثرات کا نہایت غور وتدبر سے جائزہ لے کر فیصلہ صادر فرماتے ہیں تاکہ اس کے فوائد اور ثمرات پائیدار ثابت ہوں۔

مردم شناسی اور اہلیت کی قدردانی:

آپ نے جامعہ میں علمی ودینی خدمات کے لئے ماہرینِ علم وفن کا جو اِنتخاب کیا ہے وہ آپ کے حسنِ انتخاب اور مردم شناسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جو فرد جس کام اور ذمہ داری کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب ہے، آپ نے اسے اسی کے لئے مکمل طور پر فارغ البال کردیا ہے۔ آپ کے اس وصف کا اعتراف حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تکملہ فتح الملہم میں کیا ہے کہ:

> ''حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے جامعہ کی تمام انتظامی ذمہ داریوں کا بوجھ خود اُٹھا کر مجھے علم وتحقیق کے لئے فارغ کردیا، اگر میرے ساتھ ان کا یہ طرزِ عمل اور حسنِ سلوک نہ ہوتا تو شاید میں یہ علمی کام (تکملہ فتح الملہم کی تالیف) سرانجام نہ دے سکتا۔''

پھر آپ ہر شعبے کے ذمہ دار حضرات کی اچھی کارکردگی پر اپنی خوشی کا اظہار کرکے ان کی مناسب حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں، جس سے ان میں مزید ہمدردی، اِخلاص اور مستعدی کے ساتھ خدمات انجام دینے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

اُصول وقوانین کی پاسداری:

قانون کی بالادستی کا تحفظ اور اُصول کی پاسداری آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے، اُصولوں پر سمجھوتے کے آپ بالکل قائل نہیں ہیں۔ قانون کی خلاف ورزی آپ کی نظر میں سنگین جرم ہے۔ آپ کے زیرِ تربیت افراد میں سے کوئی اگر جامعہ کے قواعد واُصول کے خلاف سرگرمیوں میں مبتلا پایا گیا تو آپ اس کو جامعہ سے لاتعلق کرنے میں کسی لیت ولعل اور پس وپیش سے کام نہیں لیتے، اور فوراً جامعہ سے بے دخلی کے اَحکامات جاری فرماتے ہیں۔ اپنی نزاکتِ فہم اور ذکاوتِ حس کی بناء پر آپ جامعہ میں ایسی کسی بھی سرگرمی اور مشغولیت کی قطعاً اجازت نہیں دیتے جو شرافت وقانون کے منافی ہو۔

اِصابتِ رائے اور فکری اِستقلال:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجے کی فہم وفراست اور حکمت وبصیرت سے نوازا ہے، اپنے معتدل اور حقائق شناس مزاج کی بدولت آپ ہر نازک موڑ پر زمینی حقائق کو مدِنظر رکھتے ہوئے نہایت دُوراندیشی اور حکمت ودانش پر مبنی موقف اختیار فرماتے ہیں۔ آپ کی رائے تدبر وفراست کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ زلزلہ انگیز اور تشویشناک قومی وبین الاقوامی منظرنامے کے باوجود آپ غایت درجے کے حوصلہ وتحمل، اطمینانِ قلبی اور ٹھنڈے مزاج کے ساتھ دوٹوک انداز میں اپنی مثبت رائے کا اظہار فرماتے ہیں۔ آپ کے فکری اِستقلال

اور اِصابتِ رائے کے آپ کے ہم عصر علماء بھی قائل ہیں، چنانچہ قومی و ملّی مسائل پر آپ کی رائے کو خصوصی وقعت دی جاتی ہے۔

④۔علمی اوصاف وامتیازات

ذوقِ مطالعہ اور طلبِ علم میں انہماک:

تاریخِ اسلام میں جتنی عبقری علمی شخصیات گزری ہیں، ان سب میں طلبِ علم میں اِنہماک اور ذوقِ مطالعہ کی صفت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔حضرت اُستاذِ محترم بھی مطالعے کا خصوصی ذوق اور ذہن رکھتے ہیں۔اپنا حال بتاتے ہوئے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

> ''اکثر وبیشتر مطالعے میں رات کے ایک دو بج جاتے ہیں، اور بسا اوقات مطالعے میں ایسی محویت ہوتی ہے کہ رات کی طوالت کا بالکل پتہ نہیں چلتا، اچانک اَذانِ فجر کی آواز رات کے ختم ہونے کا احساس دِلاتی ہے۔''

جوہرِ خطابت اور قوّتِ گویائی:

حضرت مدظلہم کی شخصیت کا ایک ممتاز پہلو یہ ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ جوہرِ خطابت کی بیش بہا صفت سے متصف ہیں۔آپ کے اندر بیان وتفہیم اور گویائی کی وہ غیر معمولی صلاحیت ہے جو بڑے بڑے خطباء، بلغاء اور اہلِ لسان کو متأثر کیے بغیر نہیں رہتی۔انسانی جذبات وتأثرات کو بے تکلفی کے ساتھ وزن دار الفاظ کا جامہ پہنانا، آپ کا طغرائے امتیاز ہے۔آپ کا ہر خطاب ہمدردی کے جذبات سے معمور ہوتا ہے، لہجے میں بلا کی خود اِعتمادی اپنی مثال آپ ہے۔ٹھوس معلومات پر مبنی سماجی ومعاشرتی موضوعات پر اظہارِ خیال، ملکی سیاست وانتظام کے حوالے سے دِلسوزی کے ساتھ گفتگو کرنا اور اَخلاقی ومعاشرتی بگاڑ اور اس کے سدِباب کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں قابلِ عمل تجاویز پیش کرنا آپ کی خطابت کی اہم خصوصیات ہیں۔

امام مسلمؒ سے مشابہت:

عرصہ دراز سے صحیح مسلم شریف سے تدریسی وابستگی کی وجہ سے آپ کے اندر ''شانِ مسلم'' کا رنگ جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، خصوصاً دوصفات کے سلسلے میں آپ امام مسلمؒ سے واضح مشابہت رکھتے ہیں۔ایک امام مسلمؒ کی محدثانہ احتیاط کہ آپ اپنی تقریر وتحریر میں کوئی بات بلاتحقیق اور بدون مضبوط دلائل کے بالکل نقل نہیں فرماتے۔

اُستاذِ محترم کے بارے میں کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

''وہ کسی بھی شخص کی بات اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس کی خوب چھان پھٹک نہ کرلی جائے۔ حضرت کو کوئی خبر یا واقعہ سنانا واقعۃً مشکل کام ہے، کیونکہ وہ خبر یا واقعے کا کوئی حصہ بھی اس وقت تک قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے جب تک کہ سنانے والا اس واقعے کی تمام جزئیات پر عبور نہ رکھتا ہو۔''

دُوسری صفت یہ کہ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کی احادیث کو جس مثالی ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے، جو بقول آپ کے ''ایک خاموش مناظرہ ہے''۔ اسی طرح خود اُستاذِ محترم بھی اپنی تقاریر اور تصانیف میں متنوع مضامین، ائمہ کرام کے اختلافات اور ان کے دلائل مربوط اور منظم و مرتب انداز میں پیش فرماتے ہیں۔

۴- دِینی و رُوحانی کمالات و خصوصیات

حمیتِ دِینی اور حق گوئی:

آپ جس بات کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں بلاتردّد اس کا اظہار فرماتے ہیں۔ آپ نے ہر فورم پر دِینی اِداروں کی مؤثر وکالت کی ہے، اور مقتدر قوتوں کو برملا چیلنج کرکے حمیتِ دِینی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں حکومتِ وقت نے پاکستانی مدارس پر فوجی تربیت کے مراکز ہونے کا اِلزام لگایا اور اس بہانے ان کا گھیرا تنگ کرنے کا اِرادہ کیا، تو آپ نے بحیثیت ایک دِینی رہنما کے دوٹوک انداز میں حکومت کو پیغام دیا کہ:

''ہمارے مدارس میں فوجی تربیت نہیں دی جاتی، اور فرقہ وارانہ جھگڑوں اور غیر قانونی اسلحہ اور دہشت گردی کے ہم سخت خلاف ہیں۔ البتہ جہاد ایک اہم دِینی فریضہ ہے، جہاد کی تربیت کا اہتمام متعدّد دِینی مدارس میں کیا جاتا ہے اور اِن شاء اللہ یہ اِہتمام جاری رہے گا، اس لئے کہ جہاد کی تربیت دِینی تعلیم کا ایک حصہ ہے، جس طرح ہم طلبہ اور عوام کو وضو اور نماز کی تربیت دیتے ہیں، جہاد کی تربیت بھی ہر مسلمان کو ملنی چاہئے۔''

فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور فروغِ اتحاد کا جذبہ:

حضرت مدظلہم ملک میں فرقہ وارانہ اِختلافات اور فسادات سے سخت نالاں ہیں، اور اسے ملکی و ملّی سلامتی کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرقہ واریت کی شدّت کو کم کرنے کے لئے ہر طبقے کے لوگوں کو جابجا فرقہ واریت کے اسباب اور نقصانات سے آگاہ کیا اور اس کے اِزالے کی فکر کرنے کی تلقین کی۔ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴ء کو آپ نے جدہ میں بھی اس موضوع پر دانشوروں کے ایک اِجتماع سے خطاب میں فرمایا:

’’آج کفر ہمیں مٹانے پر تلا ہوا ہے، اور ہم آپس میں جھگڑے کر رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے اور بھائیوں کی طرح مل کر رہیں اور مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔‘‘(۱)

اس سلسلے میں آپ نے اثنائے کلام ایک زرّیں اُصول یہ بتایا کہ:

’’حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ: اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دُوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔‘‘

اس طرزِ عمل سے فرقہ وارانہ کشیدگی میں نمایاں کمی واقع ہونے کی قوی توقع ہے۔

اِتباعِ سنت:

ویسے تو آپ کی زندگی کے ہر شعبے میں اِتباعِ سنت کا اہتمام ہے، لیکن دعوت و اِصلاح اور وعظ وتقریر میں سنتِ انبیاء کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنے کا آپ کو من جانب اللہ خصوصی ذوق حاصل ہے۔ آپ کو ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ مبادا ذاتی رُجحانات اور طبعی اِحساسات وجذبات میں شدت کی وجہ سے کبھی دعوتی طرز و انداز سنتِ انبیاء کے خلاف نہ ہو جائے، اور بجائے ثواب اور مثبت نتائج کے اُلٹا عقاب اور منفی اثرات کا سبب نہ بن جائے۔ جبکہ سنتِ انبیاء تو اَلفاظ اور لب و لہجے کی نرمی اور ہمدردانہ انداز میں پنہاں ہے۔

ذوقِ عبادت:

اہل اللہ اور اہلِ قلوب کی طاقت اور نشاط کا راز ذِکر وعبادت اور خلوَت ومناجات میں پنہاں ہے۔ ان رُوحانی مشاغل میں انہیں عبدیت کا لطف اور حقیقی لذّت ملتی ہے۔ حضرت مدظلہم بھی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں جنہیں ربّ العزت نے عبادت کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے۔ اس بڑھاپے کی حالت میں جس خشوع وخضوع اور بےنظیر اہتمام کے ساتھ آپ طویل قیام وقراءت پر مشتمل نوافل ادا کرتے ہیں، وہ قابلِ دید ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ رشک بھی ہے۔

ہر وقت زبان پر ذِکر و اَوراد کے کلمات جاری رہتے ہیں، اَدعیہ ماثورہ بڑی عقیدت کے ساتھ پڑھنے کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ روزانہ کے مقررہ معمولات، تلاوت، مناجات اور تسبیحات وغیرہ کی بڑی پابندی فرماتے ہیں، سفر ہو کہ حضر کسی بھی صورت میں آپ ناغہ نہیں ہونے دیتے۔

---

(۱) آپ کا یہ خطاب ’’اِختلاف رحمت ہے اور فرقہ بندی حرام‘‘ کے عنوان سے ایک رسالے کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

ورَع وتقویٰ:

آپ متنوع علمی کمالات کے ساتھ ساتھ ''دولتِ تقویٰ'' سے بھی مالا مال ہیں۔ دِین اور دُنیا سے متعلق تمام اُمور میں آپ کا تقویٰ قابلِ تقلید ہے۔ حقوق العباد کے معاملے میں آپ نہایت حساس ہیں، خصوصاً مالی معاملات میں آپ کا تقویٰ گفتن کے بجائے دیدن سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک دفعہ طلبہ کو مالی معاملات میں حزم واحتیاط سے کام لینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

''میرا اپنا طرزِ عمل یہ ہے کہ جب بھی کوئی دارالعلوم کے لئے کوئی چندہ، پیسہ دیتا ہے تو میں فوراً اسے لفافے میں ڈال کر یا کسی کاغذ میں لپیٹ کر اس پر لکھ لیتا ہوں کہ فلاں مد کی رقم ہے اور فلاں نے دی ہے، اس کے بغیر قطعاً اپنی جیب میں نہیں رکھتا تاکہ وہ میرے اپنے پیسوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائے۔''

آپ مالی معاملات میں احتیاط برتنے کی پُرزور تلقین فرماتے ہیں، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ:

''تقویٰ فی المال کی خاصیت یہ ہے کہ اللہ اس بندے کے مال میں برکت دیتا ہے، اور اُسے دُوسروں کا محتاج نہیں بناتا۔''

دارالعلوم کے مالی معاملات میں مثالی احتیاط:

اسٹیشنری کا استعمال: آپ کا دفتر ''رئیس الجامعہ'' کا دفتر ہے، وہاں آپ کی میز پر جتنی بھی طرح طرح کی اسٹیشنری، اور لکھنے پڑھنے کا سامان ہے وہ سب آپ کا اپنا ذاتی ہوتا ہے، یہ سب سامان اگرچہ دارالعلوم ہی کے کاموں کے لئے آتا ہے، اور اُنہی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن دفتر کے منتظمین کو آپ کی طرف سے سختی سے اس کا عادی اور پابند بنادیا گیا ہے کہ اس میز پر کوئی چیز دارالعلوم کی نہ رکھی جائے۔ جب کوئی چیز ختم ہونے لگتی ہے تو حضرت ہی کی رقم سے خرید کر مزید لاکر رکھ دی جاتی ہے، آپ نے اس خریداری وغیرہ کا نظام ایسا مقرر کیا ہوا ہے کہ اس میں آپ کو اپنا وقت خرچ کرنا نہیں پڑتا۔

آپ یہ احتیاط اس لئے کرتے ہیں کہ دفتری کاموں کے دوران کبھی کبھی آپ کو اپنی ذاتی تحریر بھی کرنی پڑجاتی ہے، یا ڈاک میں کوئی ذاتی خط بھی ایسا آجاتا ہے جس کی وصولیابی کے لئے دستخط کرنے پڑتے ہیں، یا اس میں پن وغیرہ استعمال کرنی پڑتی ہے، تو دارالعلوم کی کسی چیز کے اپنے ذاتی استعمال میں آنے سے روکنے کے لئے یہ انتظام کردیا ہے کہ اس میز سے متعلق دارالعلوم کے سب کام بھی آپ کے ذاتی سامان سے کئے جائیں۔

گاڑی اور فون کا استعمال: اپنی گاڑی اور اپنا ذاتی موبائل فون آپ بکثرت دارالعلوم کے کاموں میں بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں، جس کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کرتے۔ لیکن اگر دارالعلوم کی گاڑی یا فون آپ کے ذاتی استعمال میں آجائے تو اس کا معاوضہ مقررہ قاعدے اور نرخ کے مطابق دارالعلوم میں رسید لے کر جمع کرادیتے ہیں۔ اس کا بھی ایک نظام مقرر ہے جس میں آپ کو اپنا وقت زیادہ لگانا نہیں پڑتا۔

تنخواہ سے کٹوتی: دارالعلوم میں یہ ضابطہ مقرر ہے کہ اساتذہ وکارکنانِ جامعہ کو اگر اپنی ڈیوٹی پر حاضری میں ۹ منٹ تک کی تاخیر ہوجائے تو وہ معاف ہے، اس کا حساب نہیں ہوتا۔ ۹ منٹ سے زائد تاخیر ہوجائے تو اسے شمار کیا جاتا ہے، اور مہینے کے اختتام تک جتنے وقت کی کل تاخیر ہوجائے اُس کی تنخواہ وضع کرلی جاتی ہے، اس کا بھی ایک نظام مقرر ہے، جس پر نہایت پابندی سے عمل ہوتا ہے۔

آپ دُوسرے تمام ضوابط کی طرح اس ضابطے کی بھی پوری پابندی فرماتے ہیں، اور آپ کی تنخواہ بھی دُوسروں کی طرح وضع کی جاتی ہے۔

جامعہ کے مہمانوں کے ساتھ کھانے پینے میں شرکت: جامعہ میں مہمان کثرت سے آتے ہیں، اُن کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہ ہوں تو ان کے اِکرام کے خلاف ہے، اور شریک ہوں تو آپ کو یہ اِشکال ہوتا تھا کہ ہم تو جامعہ کے تنخواہ دار ملازم ہیں، مہمان نہیں، ہم اس کھانے پینے میں کیسے شریک ہوجائیں؟

اس اِشکال کا حل آپ نے اور آپ کے برادرِ عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جو ''نائب رئیس الجامعہ'' ہیں، یہ نکالا کہ دونوں حضرات ہر ماہ اپنی تنخواہ میں سے ایک مقرر معقول رقم پابندی سے کٹوا کر مہمان خانے میں جمع کرادیتے ہیں، یہ اتنی ہوتی ہے کہ اِن حضرات کے پاس آنے والے تمام مہمانوں کے کھانے پینے اور تواضع کے لئے آسانی سے کافی ہوجاتی ہے۔

اِختصار کے پیشِ نظر حضرت مدظلہم کی پاکیزہ سیرت کا کچھ نمونہ چند صفحات میں پیش کیا گیا، ورنہ اگر اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ رَبّ العزّت حضرت مدظلہم کے سایۂ عاطفت کو تادیر عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر دراز فرمائے، اور حضرت مدظلہم کے علمی و رُوحانی فیض کو تاقیامت جاری و ساری رکھے (آمین ثم آمین)۔

ان فتاویٰ کی نمایاں خصوصیات

جیسا کہ شروع میں بیان ہوا کہ یہ کتاب مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو حضرت مدظلہم نے شوال ۱۳۸۰ھ مطابق مارچ ۱۹۶۱ء سے اب تک تحریر فرمائے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ان فتاویٰ کی چند بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:

- یہ فتاویٰ ایک ایسے فقیہِ وقت کے تحریر فرمودہ ہیں جن کی اس میدان میں مہارت اور ثقاہت مسلّم ہے اور وقت کے اکابر فقہاء نے ان پر اعتماد کیا ہے۔
- بلاشبہ حضرت مدظلہم اپنے مزاج و مذاق کے اعتبار سے حکیم الأمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے علمی وارث اور جانشین ہیں، چنانچہ ان حضرات کا وصفِ تحقیق اور اعتدال ان فتاویٰ میں بھی پوری طرح موجود ہے۔
- یوں تو اہلِ علم اور عوام دونوں کے نزدیک حضرت مدظلہم کی فقہی رائے بحمد اللہ معتبر سمجھی جاتی ہے اور کسی فتوے کے مستند ہونے کے لئے حضرت مدظلہم کا فتویٰ کسی تصدیق کے بغیر جاری ہونا کافی ہے، لیکن ان فتاویٰ کی اضافی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے بھاری اکثریت ایسے فتاویٰ کی ہے جو آپ کے والدِ ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی نیابت میں ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں لکھے گئے اور ان میں اکثر فتاویٰ پر ان کے تصدیقی دستخط بھی ہیں۔

ایک اہم خصوصیت جو جامعہ دارالعلوم کراچی سے جاری ہونے والے اب تک کے مطبوعہ فتاویٰ میں صرف ان فتاویٰ کی ہے، یہ ہے کہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ تصدیقی دستخط ان فتاویٰ پر ہیں، اور جن فتاویٰ پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے تصدیقی دستخط نہیں، ان میں بھی بہت زیادہ فتاویٰ ایسے ہیں جن میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے زبانی مشورہ کیا گیا۔ اس خصوصیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں حضرت مدظلہم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے باقاعدہ نائب مفتی تھے۔ ایک طویل عرصہ تک ان کی سرپرستی میں کام کرنے کی وجہ سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو آپ کے فتویٰ پر بھی تقریباً ایسا ہی اعتماد ہوگیا تھا جتنا اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر،

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت مدظلہم سے فرمایا تھا کہ اب تم میرے دستخط کے بغیر بھی فتویٰ جاری کر سکتے ہو، چنانچہ اس مجموعۂ فتاویٰ میں آپ کے لکھے ہوئے ایسے بہت سے فتاویٰ موجود ہیں جو ان کی حیات میں بھی ان کے تصدیقی دستخط کے بغیر جاری ہوئے۔

○ حضرت مدظلہم کے بعض اہم فتاویٰ جامعہ دارالعلوم کراچی کے ترجمان ''البلاغ'' میں بھی شائع ہوئے، جن کا مجموعہ "نوادر الفقه" کے نام سے دوجلدوں میں الگ شائع ہو چکا ہے، لیکن وہاں یہ مسائل فقہی ابواب کی ترتیب کے بغیر شائع ہوئے ہیں، اس لئے انہیں یہاں متعلقہ فقہی ابواب میں شامل کیا گیا ہے۔

فتاویٰ کی جمع وترتیب اور تخریج سے متعلق کام کی وضاحت

احقر کے دِل میں ان عظیم اور نابغہ روزگار فتاویٰ کی تخریج وتعلیق کی سعادت حاصل کرنے کی خواہش ایک عرصے سے تھی، لیکن حضرت مدظلہم سے اس سلسلے میں بات کرنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی، کچھ عرصہ پہلے پتہ چلا کہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے تخصص فی الافتاء کے ہونہار طالبِ علم سلطان محمود صاحب اپنی درخواست حضرت مدظلہم کی خدمت میں پیش کر کے اجازت حاصل کر چکے ہیں، احقر کو اس بات کی بہت خوشی ہوئی اور دِل سے دُعا نکلی کہ اللہ کرے وہ یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچائیں، لیکن جب ان کا تخصص فی الافتاء سالِ سوم مکمل ہوا تو وہ فتاویٰ کو مختلف رجسٹروں سے نکال کران کی فوٹو کاپی کا کام تو مکمل کر ہی چکے تھے اس کے علاوہ تخریج کا بھی کافی کام کر چکے تھے جسے انہوں نے اپنے سالِ سوم کے مقالے کے طور پر پیش کیا۔

مولانا سلطان محمود صاحب کے کام کا کچھ اِبتدائی حصہ حضرت مدظلہم نے دیکھا، لیکن اپنی مصروفیات اور مشاغل کے پیشِ نظر پورے کام کو ملاحظہ نہ فرما سکے۔ اس کے لئے حضرتِ والا نے احقر کو متعین فرمایا، اس طرح الحمدللہ، احقر کو ان کے اب تک کے پورے کام کو دیکھنے کا موقع مل گیا۔

لیکن جب مولانا سلطان محمود صاحب تخصص فی الافتاء کا تیسرا سال مکمل کر کے جامعہ دارالعلوم کراچی سے جانے لگے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس کام کو آگے کون بڑھائے؟ اس موقع پر احقر کو اس دِلی خواہش کے اِظہار کا موقع ملا جس کا ذِکر اُوپر ہو چکا ہے، حضرت مدظلہم نے کمالِ شفقت سے میری درخواست کو قبول فرمایا، احقر کو یہ اندازہ تھا کہ شاید اپنی بعض دیگر مصروفیات کی وجہ سے احقر اکیلے اس کام کو نہ نبھا سکے، اس لئے احقر نے حضرت مدظلہم سے عرض کیا کہ اگر مولانا طاہر اقبال صاحب (اُستاذ جامعہ

دارالعلوم کراچی) کو میرے ساتھ شریک کرلیا جائے تو کافی آسانی ہوگی، اسے بھی حضرت مدظلہم نے بخوشی قبول فرمالیا۔

مولانا طاہر اقبال صاحب کا نام پیش کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے بھی احقر ان کی رفاقت میں درسِ مسلم جلد اوّل کی تخریج کا کام کر چکا تھا، جو ان کے تعاون سے بحسن وخوبی پورا ہوا تھا۔ اگر چہ میں نے مولانا طاہر اقبال صاحب کا نام ان کی پیشگی اجازت کے بغیر پیش کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے میری اس جرأت پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار کرنے کے بجائے خوشی سے اسے قبول فرمالیا، اس طرح اس کام کا آغاز ہوا۔

اگر چہ احقر کو مولانا سلطان محمود صاحب کا کیا ہوا کام دیکھنے کا موقع ملا تھا لیکن اس نئی ذمہ داری کے ملنے پر احقر نے اَز سرِنو پورے کام کا دوبارہ جائزہ لیا، تخریجات میں حسبِ ضرورت کمی بیشی کی، نئے متعلقہ حوالہ جات تلاش کئے، اور اسی طرح محنت کی جس طرح ابتداء میں کام کرنے والے کو کرنی چاہئے۔

احقر کام کا باقاعدہ آغاز کرنے کے بعد مختلف مسائل میں حضرت مدظلہم سے مشاورت کرتا رہا اور حضرت مدظلہم کی ہدایات کے مطابق عمل کی کوشش بھی کرتا رہا۔ حضرت مدظلہم کا ایک اہم مشورہ، جس کو میں اپنے طالبِ علم ساتھیوں کے لئے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں، یہ ہے کہ حضرت مدظلہم بار بار فرماتے: ''ہر کام کے شروع میں رُجوع الی اللہ کا بطورِ خاص اہتمام کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہا کرو۔''

دو مرحلے

فتاویٰ کے اس مجموعے کی اشاعت سے پہلے بنیادی طور پر دو کام کئے گئے ہیں:

الف:- جامعہ دارالعلوم کراچی کے نقلِ فتاویٰ کے مختلف رجسٹروں سے حضرت مدظلہم کے فتاویٰ نکال کر ان کی فوٹو کاپی کرانا اور ان کی تبویب کرنا۔

ب:- ان فتاویٰ پر فقہی عبارات کی تخریج وتعلیق۔

پہلا مرحلہ

پہلے مرحلے یعنی فتاویٰ جمع کرنے اور ان کی تبویب کرنے کے مرحلے میں درج ذیل اُمور کا بطورِ خاص لحاظ رکھا گیا، (ان اُمور سے متعلق تقریباً سارا کام مولانا سلطان محمود صاحب نے کیا ہے):

- سب سے پہلے حضرت مدظلہم کے تمام فتاویٰ کو جو دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی کے نقلِ فتاویٰ کے تقریباً ایک ہزار (۱۰۰۰) رجسٹروں میں منتشر تھے، جمع کرکے ان کی فوٹو کاپی حاصل کی گئی۔

○ اس کے بعد ان تمام فتاویٰ کو ان کے موضوعات کے اِعتبار سے الگ الگ کر کے فقہی ابواب کے مطابق ترتیب دی گئی۔ جن فتاویٰ میں صرف ایک سوال و جواب تھا تو اسے موضوع اور باب میں رکھنا آسان تھا، مگر بہت سے فتاویٰ ایسے تھے کہ ان میں مستفتی نے ایک ہی پرچے میں کئی سوالات پوچھے تھے جو مختلف ابواب سے متعلق تھے، تو ایسے فتاویٰ میں جو سوال و جواب ذرا مفصل تھے تو انہیں قینچی سے کاٹ کر الگ الگ صفحے پر سوال و جواب کو ایک ساتھ چپکا دیا گیا اور فتویٰ نمبر، مجیب اور مصحح کا نام اور تاریخ کو ہاتھ سے لکھ دیا گیا، اور جو فتاویٰ مختصر تھے یا فتاویٰ کو الگ کرتے ہوئے درمیان میں جتنا حصہ قینچی سے کاٹنے میں ضائع ہو جاتا، اسے بھی ہاتھ سے لکھنے کا خاص اِہتمام کیا گیا۔

○ حضرت مدظلہم کے صرف ان فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے جو حضرت کے خود نوشتہ ہیں یا دُوسرے مفتی صاحبان کے لکھے ہوئے ایسے مصدقہ فتاویٰ ہیں، جن میں حضرت نے بوقتِ تصدیق کچھ اِضافی تحریر بھی فرمائی ہے۔

○ جمعِ فتاویٰ میں اس بات کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کوئی فتویٰ رہ نہ جائے۔

وضاحت

دارالافتاء کے ۱۳۸۵ھ اور ۱۳۸۶ھ کے فتاویٰ کے آخر میں ناقلین نے جواب لکھنے والے اور ان کی تصدیق کرنے والے مفتی صاحبان کے نام نقل نہیں فرمائے، جس کی وجہ سے ان سالوں کے فتاویٰ کو اس مجموعے میں حاصل نہیں کیا جا سکا، لیکن اس سے پہلے اور بعد کے رجسٹروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حضرت مدظلہم کا زیادہ وقت تدریسی خدمت میں مصروف تھا اور اس کی تائید دفترِ اِہتمام میں حضرت مدظلہم سے متعلق شخصی فائل سے بھی ہوتی ہے کہ اس زمانے میں حضرت کے ذمہ زیادہ تر تدریسی اور اِنتظامی خدمات تھیں، البتہ کچھ فتاویٰ حضرت مدظلہم کے بھی ان رجسٹروں میں ضرور ہوں گے جو اگر جامعہ کے مجموعی فتاویٰ کسی وقت شائع ہوئے تو ان میں شائع ہو سکیں گے۔

دُوسرا مرحلہ

دُوسرے مرحلے میں یعنی تخریج و تعلیق کے مرحلے میں حضرت مدظلہم کی ہدایات کی روشنی میں درج ذیل اُمور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

○ ایسے مکرّر مسائل جن کو بار بار نقل کرنے میں کوئی اِضافی فائدہ نہ ہو، انہیں حذف کر دیا گیا ہے،

البتہ ایسے مسائل جو بادیٔ النظر میں مکرّر نظر آتے ہیں لیکن مخصوص اُسلوب یا کسی مفید اِضافے پر مبنی ہیں، ان کو مکرّر قرار دے کر حذف نہیں کیا گیا، بلکہ جدید فائدے کے پیشِ نظر باقی رکھا گیا ہے۔

○ فقہی عبارات کی تخریج میں زیادہ حوالے لانے کی بجائے بنیادی مستند حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

○ ایسے فتاویٰ جن میں اصل جواب میں مستند حوالے بیان کردیئے گئے ہیں، حاشیہ میں اکثر ان کی مزید تخریج نہیں کی گئی، ہاں اگر جواب کے کسی حصے کی تخریج متن میں نہیں ہوئی تو حاشیہ میں اس کا حوالہ لایا گیا ہے۔

○ اگر کسی مسئلے کی تخریج ایک مرتبہ ہوگئی ہے تو آگے اس مسئلے کی دوبارہ پوری تخریج کرنے کے بجائے گزشتہ تخریج کا حوالہ دے دیا گیا ہے، اگر گزشتہ تخریج بہت پہلے گزری ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ "قد مرّ تخریجه تحت عنوان ....." اور اگر صرف ایک مسئلہ پہلے گزری ہو تو اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ "ملاحظہ فرمایئے: گزشتہ مسئلے کا حاشیہ۔"

○ کتابوں کا حوالہ ذِکر کرنے میں بنیادی طور پر اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جلد اور صفحہ نمبر کے بجائے متعلق کتاب، باب اور فصل کو زیادہ اہمیت دی جائے کیونکہ اس طرح قاری کے لئے ہر مطبع کی کتاب سے اِستفادہ آسان ہوجاتا ہے، اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے بعض جگہ حدیث کا نمبر بھی بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کا بالاستیعاب اِہتمام نہیں کیا گیا۔

○ تخریج وتعلیق کا سارا کام متعلقہ فتویٰ کے نیچے حاشیہ میں کیا گیا ہے، جس کی ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ سب سے پہلے سوال اور اس کا جواب پھر جواب میں جہاں تخریج کی ضرورت تھی، وہاں حاشیہ نمبر لگا کر صفحے کے آخری حصے پر لکیر کے نیچے اس کا حوالہ لایا گیا ہے۔

○ کتاب کو غیر ضروری ضخامت سے بچانے کے لئے ہر فتوے کے آخر میں حضرت مدظلہم کا نام نہیں لکھا گیا، بلکہ اس کی ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ دُوسرے مفتی صاحبان کے لکھے ہوئے ایسے مصدقہ فتاویٰ، جن میں حضرت نے بوقتِ تصدیق کچھ اِضافی تحریر بھی فرمائی ہے، وہاں محرّرِ فتویٰ کے ساتھ حضرت مدظلہم کا نام بھی ذکر کردیا گیا ہے، اسی طرح جس فتوے پر اکابر یا اہلِ فتویٰ میں سے کسی کے تصدیقی دستخط ہیں، وہاں حضرت مدظلہم کے نام کے ساتھ تصدیق کرنے والے مفتی صاحب کا نام بھی ذِکر کیا گیا ہے۔ ان دوصورتوں کے علاوہ کسی فتوے کے آخر میں حضرت مدظلہم کا نام نہیں لکھا گیا بلکہ صرف تاریخ اور فتویٰ نمبر درج کیا گیا ہے کیونکہ ایسے فتاویٰ کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ حضرت مدظلہم ہی کے تحریر فرمودہ ہیں۔

○ ہر فتوے کے آخر میں اس کی تاریخ بھی درج کی گئی ہے اور فتویٰ نمبر بھی لکھ دیا گیا ہے، فتویٰ نمبر سے دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی کے نقلِ فتاویٰ کے رجسٹروں کا نمبر مراد ہے، اور ایسا کرنے کی غرض یہ ہے کہ اگر کبھی اصل فتاویٰ کی مراجعت کی ضرورت پیش آئے تو بآسانی مراجعت کی جاسکے۔ البتہ یہاں یہ وضاحت کرنا مناسب ہے کہ بعض فتاویٰ بہت ہی پُرانے رجسٹروں سے لئے گئے ہیں جن کی اصل لکھائی مدھم ہونے یا صحیح جگہ درج نہ ہونے کی وجہ سے فوٹو کاپی میں اس کی تاریخ یا فتویٰ نمبر نہیں آسکا، اگرچہ ایسے فتاویٰ کی تعداد بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

آخر میں اہلِ علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ تخریج وتعلیق کے مرحلے میں جس غلطی پر مطلع ہوں، بندے کو اس کی اِطلاع ضرور دیں، اِن شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اسے دُور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

دُعا ہے کہ اللہ ربّ العزّت حضرت مدظلہم کی اس عظیم علمی خدمت کو قبول فرمائیں اور ان کے چشمۂ فیض سے لاکھوں بلکہ کروڑوں تشنگانِ علم کو سیراب کریں اور ایمان وصحت کی سلامتی اور عافیت کے ساتھ انہیں درازیٔ عمر عطا فرما کر ان کا سایۂ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر برقرار رکھیں (آمین)۔

اور بارگاہِ الٰہی میں عاجزانہ اِلتماس ہے کہ وہ حضرت مدظلہم اور ہماری اس سعی کو قبول فرمائیں، اس کو حضرت مدظلہم اور ہمارے لئے نیز ہمارے والدین، اساتذۂ کرام اور مشائخِ عظام کے لئے کامل مغفرت اور نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنائیں، اور ان تمام حضرات کو اپنی شان کے مطابق عظیم جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے کسی بھی مرحلے میں کسی بھی قسم کا تعاون کیا، یا اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ (آمین ثم آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اعجاز احمد صمدانی

اُستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

۵/ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ
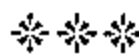
کتاب الإیمان والعقائد

(ایمان اور عقائد کے بیان میں)

فصل فی الإیمان والکفر
(ایمان اور کفر کے بارے میں)

مسلمان کی تعریف

سوال (۱): - مسلمان کی تعریف فرمایئے؟

جواب: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن تعلیمات کا علم یقینی و قطعی طور پر ہو چکا ہے ان سب کو حق ماننے اور اس کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے اور ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ (۱)

واللہ اعلم
۱۵/۹/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۸۸۸)

مشرک کون ہے؟

سوال (۲): - مشرک کس کو کہتے ہیں؟

جواب: - اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا یا ایسی چیز غیر اللہ سے مانگنا جو صرف اللہ سے مانگی جا سکتی ہے مثلاً ان سے مغفرت مانگنا یا بیٹا مانگنا وغیرہ یہ شرک ہے۔ (۲)

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۵/۳/۱۳۹۱ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲/۳۹۶/۳۲ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

---

(۱) فالتحقیق ان الایمان هو تصدیق النبی صلی اللہ علیه وسلم بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیئة به من عند اللہ تعالی اجمالا وانه کاف فی الخروج عن عهدة الایمان ولا تنحط درجته عن الایمان التفصیلی کذا فی شرح العقائد الا ان الاولی ان یقال اجمالا ان لوحظ اجمالا وتفصیلا ان لوحظ تفصیلا فانه یشترط التفصیل فیما لوحظ تفصیلا حتی لو لم یصدق بوجوب الصلوة وحرمة الخمر عند سوال کان کافرا (شرح الفقه الاکبر ص۴۷)۔

انظر ایضًا: شرح العقائد ص:۹۰ (مطبوعه کتب خانه مجیدیه ملتان)۔

وفی الدر المختار، باب المرتد ج:۴ ص:۲۲۳: والکفر لغة الستر وشرعًا تکذیبه صلی اللہ علیه وسلم فی شیٔ مما جاء به من الدین ضرورة والفاظه تعرف فی الفتاوٰی۔

(۲) ومن یشرك باللہ ای فی وجوب الوجود وتأصله او فی العبادة شیئًا (التفسیر المظهری ج:۲ ص:۲۵۳، رشیدیه)۔

وتفصیل فرق الکفر علی ما ذکره فی شرح المقاصد ان الکافر ان اظهر الایمان فهو المنافق ..... وان قال بالشریك فی الالوهیة فهو المشرك (حاشیة الخیالی، تحت قوله وانما عبر عن الکفر بالشرك ص:۱۲۲)۔

.....مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے امداد الفتاویٰ رسالہ نهایة الادراك فی اقسام الاشراك ج:۱ ص:۸۱ تا ۹۲۔

مشرک اور کافر میں کیا فرق ہے؟

سوال (۳): - مشرک اور کافر میں کیا فرق ہے؟

جواب: - کافر عام ہے اور مشرک خاص ہے یعنی کافر تو ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو دین کے عقائدِ ضروریہ میں سے کسی کا منکر ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو یا نہیں اور مشرک اس خاص کافر کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتا ہو۔ حاصل یہ ہوا کہ مشرک کو کافر کہا جائے گا اور مشرک بھی اور جو شرک نہ کرتا ہو مگر اسلام کے کسی ضروری عقیدے کا منکر ہو اسے کافر کہیں گے مشرک نہیں۔ (۱)

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۱۱/۱۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۴۱ ر)

منافق کسے کہتے ہیں

سوال (۴): - منافق کس کو کہتے ہیں؟

جواب: - جو شخص دِل میں ایمان نہ رکھتا ہو اور زبان سے مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتا ہو وہ منافق ہے اور اس کا یہ دوغلا عمل نفاق ہے۔ (۲)

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۳/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۸۰۲ ج)

غیر مسلم کو کافر کہنا دُرست ہے؟

سوال (۵): - غیر مسلموں کو کافر کہنا دُرست ہے؟

---

(۱) فان قيل فهل كل كافر مشرك كما ان كل مشرك كافر ام لا فجواب ما قاله في الباب الخامس والسبعين ومائتين ان كل مشرك كافر وليس كل كافر مشركا فاما كفر المشرك فلعدوله عن احد الاله واما شركه فلأنه نسب الالوهية الى غير الله مع الله وجعل له نسبتين فاشرك واما وجه كونه لا يلزم ان يكون كل كافر مشركا فهو ان الكافر الذى يقول ان اله واحد غير انه اخطأ في تعيين الاله كما انه يكفر ايضاً بكفره بالرسول او ببعض كتابه الخ (اليواقيت والجواهر المبحث الاول في بيان ان الله تعالى واحد الخ ج:۱ ص:۳۳)۔

انظر ايضًا: شرح المقاصد المبحث السادس ج:۵ ص:۲۲۷۔

(۲) واصله من يظهر خلاف ما يضمر ثم غلب على من يظهر الاسلام ويبطن الكفر (المرقاة، باب الكبائر وعلامات النفاق تحت الحديث اية المنافق ثلاث الخ ج:۱ ص:۲۲۵)۔

انظر ايضًا: التعليق الصبيح تحت هذا الحديث۔

جواب :- غیر مسلم کافر ہی کو کہتے ہیں، کافر کو کافر کہنا ہی چاہئے خواہ وہ اہلِ کتاب ہوں۔ (۱)

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۲/۲۳ھ
(فتویٰ نمبر ۴۰۰/۲۶)

قادیانیوں کو کافر کہنا چاہئے یا نہیں؟

سوال (۶) :- بعض حضرات کہتے ہیں کہ قادیانیوں کو کافر نہیں کہنا چاہئے اور آیت "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (۲) استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

جواب :- یہ لوگ غلط کہتے ہیں قادیانی کھلے کافر ہیں پوری اُمت کا اس پر اتفاق ہے کافر کو کافر کہنا گالی نہیں (۳) اور آیتِ مذکورہ میں گالی کی ممانعت ہے کافر کو کافر کہنے کی ممانعت نہیں، قادیانیوں کا کافر ہونا علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں پوری طرح ثابت کردیا ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۸/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۶۲/۳۵و)

***
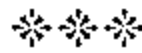
(۱) قال الله تعالیٰ: قل یا ایها الکفرون۔
فی القرطبی تحته، طبعه بیروت ج:۱۰ ص:۲۰۸: اذ کان الرسول صلی الله علیه وسلم یعتمدهم فی نادیهم فیقول لهم یا ایها الکافرون وهو یعلم انهم یغضبون من ان ینسبو الی الکفر ویدخلوا فی جملة اهله الا وهو محروس ممنوع من ان تنبسط علیه منهم ید او تقع به من جهتهم اذیة فمن لم یقرا قل یاایها الکفرون کما انزلها الله اسقط آیة لرسول الله صلی الله علیه وسلم وسبیل اهل الاسلام ان لا یسارعوا الی مثلها۔
(۲) الانعام: ۱۰۸۔
(۳) قل یا ایها الکافرون یشمل کل کافر علی وجه الارض (فی التفسیر لابن کثیر ج:۴ ص:۵۲۹)۔
مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے تفسیر کبیر للرازی: ج:۳۲ ص:۱۲۸،۱۲۷۔

فصل فی الأنبیاء

(انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق سوالات)

مسئلہ عصمتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

سوال (۷):- عصمتِ انبیاء اہل سنت والجماعت کا بنیادی عقیدہ ہے ''عصی آدم فغوی'' وغیرہ قسم کی آیات کا کیا ترجمہ کیا جائے؟

جواب:- انبیائے کرام کا گناہوں سے معصوم ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے اور قرآنِ حکیم میں بعض انبیائے کرام کی بعض لغزشوں کا جو ذِکر ہے وہ یا تو خلافِ اَوْلیٰ کے درجے میں ہیں یا خطاءِ اجتہادی ہے، اور خلافِ اَوْلیٰ یا خطاءِ اجتہادی کا اِرتکاب گناہ نہیں لہٰذا ان کے اِرتکاب سے عصمت میں فرق نہ آیا، مگر قرآنِ حکیم میں ان کے اِرتکاب کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ شان کے لحاظ سے قدرے سخت الفاظ میں اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ بڑے لوگوں کی ادنیٰ خطاء پر مؤاخذہ بھی بڑا ہوتا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ خطاء فی نفسہٖ گناہ تھی، قرآنِ حکیم کی ایسی تمام آیات کا یہ اِجمالی جواب ہے اور تفصیل کتبِ تفسیر سے معلوم ہوسکتی ہے مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن''[1] میں یا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تفسیر ''معارف القرآن'' میں[2] ان کا مفصل جواب دیکھا جاسکتا ہے۔

واللہ اعلم

۳/۷/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۶۵۶ء)

---

(۱) ج:۱ ص:۱۴۔

(۲) ج:۱ ص:۱۹۵ نیز مزید تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن للکاندھلوی ج:۱ ص: ۹۹ تا ۱۱۳۔

فی الیواقیت والجواھر للشعرانی (طبعۃ مصر) ج:۲ ص:۷

واما فی حال وقوع الفعل منه فلا لأجل شبهة التاویل فهو کالمجتهد فی زمان فتواه بأمر ما اعتقادا منه ان ذلك عین الحکم المشروع فی المسئلة وفی ثانی الحال یظهر له بالدلیل انه اخطأ فیکون لسان الظاهر یحکم علیه انه اخطأفی زمان ظهور الدلیل لاقبل ذلك۔

فی شرح الفقه الاکبر ص:۵۵ وقد کانت منهم ......زلات ای تقصیرات وخطیئات ای عثرات لهم بالنسبة الی مالهم من اعلی المقامات وسنی الحالات کما وقع لآدم علیه الصلاة والسلام فی اکله من الشجرة علی وجه النسیان او ترك العزیمة واختیار الرخصة ظنا منه ان المراد بالشجرة المنهیة المشار الیها بقوله تعالیٰ ولا تقربا هٰذه الشجرة هی الشخصیة لا الجنسیة فاکل من الجنس لا من الشخص بناء علی الحکمة الالٰهیة لیظهر ضعف قدرة البشریة وقوة اقتضاء مغفرة الربوبیة۔

انظر ایضا النبراس ص:۴۵۷۔

لغزشاتِ انبیاء عصمت کے منافی نہیں

سوال (۸): - اگر انبیاء سے ایسی غلطیاں ہوئیں جن پر اللہ تعالیٰ نے سخت سزا دی تو پھر عصمتِ انبیاء کا کیا مطلب؟

جواب: ۱ - جن غلطیوں کی نسبت قرآنِ کریم یا حدیثِ نبوی میں انبیاء کی طرف کی گئی ہے درحقیقت وہ کوئی گناہ نہیں تھیں بلکہ اجتہادی خطاء تھیں جو نہ صغیرہ گناہ ہیں نہ کبیرہ، بلکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اجتہاد شرعی قواعد و شرائط کے ساتھ کرے پھر صحیح نتیجے پر پہنچ جائے تو اسے دو ثواب ملتے ہیں: ایک اجتہاد کا، ایک اجتہاد سے صحیح نتیجہ نکالنے کا اور اگر نتیجہ صحیح نہ نکال سکا تو ایک ثواب پھر بھی ملتا ہے یعنی اجتہاد کرنے۔ (۱)

گناہ نہ ہونے کے باوجود ان اجتہادی خطاؤں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیائے کرام کو تنبیہ کی گئی وہ بھی اس لئے نہ تھی کہ ان انبیاء سے کچھ گناہ ہوا تھا بلکہ اس لئے کہ شانِ انبیاء کے لائق یہ تھا کہ اجتہادی خطاء بھی نہ ہوتی جس کا جتنا اُونچا منصب ہوتا ہے اسے جانچنے کا معیار بھی اتنا ہی سخت ہوتا ہے لہٰذا انبیائے کرام کو ان کی عظمتِ شان کے لحاظ سے اجتہادی خطاؤں پر بھی متنبہ فرمایا گیا جب یہ معلوم ہوگیا کہ انبیائے کرام سے گناہ سرزد نہیں ہوا اور یہ خطائیں گناہ نہیں تھیں تو ان کی عظمت پر کوئی اِشکال باقی نہ رہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۳/۷/۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۸۸۳/۲۲ ب)

مسئلہ عصمتِ انبیاءؑ میں قولِ فیصل

سوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ ہمارے یہاں دیوبندی مسلک کے جامع مسجد کے خطیب صاحب اور جماعتِ اسلامی کے ایک ورکر کے مابین عصمتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مسئلے پر اختلافِ رائے پیدا ہوگیا ہے۔

خطیب صاحب کا کہنا ہے کہ

الف: - کہ جملہ اہلِ سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدائش

---

(۱) عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران و اذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر (الجامع الصحيح للبخاري، باب اجر الحاكم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ ۲۶۷۶/۶ رقم الحديث: ۶۹۱۹)۔

سے لے کر وصال تک معصوم ہیں ان حضرات سے ترکِ افضل یا اجتہادی خطائیں سرزد ہوئیں جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

ب:- یہ ترک الافضل یا اجتہادی خطاء جس وقت صادر ہوئیں اس وقت بھی انبیاء علیہم السلام عصمتِ الٰہی میں تھے اور یہ صفت عظمتِ انبیاء علیہم السلام قبل از بعثت یا بعد از بعثت کسی وقت بھی انبیاء علیہم السلام سے منفک نہیں ہوئی حتیٰ کہ صدور کے وقت بھی موجود تھی۔

ج:- یہ اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے، اور اس پر اجماع ہے، کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

د:- جو شخص اس عقیدے سے سرمو انحراف یا اختلاف کرتا ہے یا شبہ لاتا ہے کہ صدور کے وقت حفاظتِ الٰہی کسی نبی سے اُٹھالی گئی تھی وہ بلاشبہ اہلِ سنت والجماعت بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

جماعتِ اسلامی کے امیر مودودی صاحب اور ان کے جماعتی چونکہ مندرجہ بالا تصریحات کے مطابق عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے قائل نہیں ہیں اور صدور اور ترک الافضل کے وقت حفاظتِ الٰہی کا اُٹھایا جانا مانتے ہیں لہٰذا سب کے سب اہلِ سنت والجماعت بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ کسی وقت بھی اگر حفاظتِ الٰہی کا اُٹھایا جانا مان لیا جائے تو پورا دین مشکوک ہو جاتا ہے۔

جماعتِ اسلامی کے ورکر کا کہنا ہے کہ:-

الف:- بلاشبہ جملہ انبیائے کرام معصوم ہیں اور یہ اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے مگر اس کی تفصیلات میں علمائے اہلِ سنت کے مابین اختلاف ہوا ہے اور اس کی گنجائش ہے۔

ب:- اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ صدورِ خطأ کے وقت بھی حفاظتِ الٰہی قائم تھی تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک مجروح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت بھی قائم ہو اور نبی سے وہ بات بھی صادر ہو جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرمادے اور اپنی کتابِ مبین میں واضح طور پر اس کا ذکر فرمائے لہٰذا یہ عقیدہ زیادہ صحیح اور قرینِ احتیاط ہے کہ ایک یا دو مواقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت اُٹھا کر ترک الافضل یا اجتہادی خطأ یا بھول چوک ہونے دی ہے اور فوراً ہی متنبہ فرما کر اس کی اصلاح بھی فرمادی ہے تاکہ ایک طرف یہ واضح ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام گو افضل ترین بشر ہیں مگر ہیں بشر ہی، اِلٰہ نہیں ہیں۔ اگر حفاظتِ الٰہی ایک لمحے کے لئے بھی اُٹھ جائے تو ان سے بھول چوک ہو سکتی ہے دوسرے طرف یہ بات بھی بالکل واضح ہو جائے کہ جن باتوں کا صدور ہوا ہے صرف یہی تھیں جن کی تصریح فرمادی گئی ہے اور اب یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور قطعی یقینی ہے کہ نبی کی پوری زندگی پاکیزہ، شک وشبہ سے بالاتر، واجب الاتباع اور اُسوۂ حسنہ ہے۔ لہٰذا مودودی صاحب اور ان کے ہم عقیدہ لوگ نہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں اور نہ ہی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

چونکہ مولانا مودودی صاحب اور بعض دوسرے علماء حضرات کا یہ اختلاف لاکھوں لوگوں کو

متاثر کر رہا ہے لہٰذا پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ محاکمہ فرما کر فتویٰ صادر فرمایا جائے عند اللہ ماجور ہوں گے۔

جواب :- جماعتِ اسلامی کے ورکر نے جو بات فقرہ (ب) میں کہی ہے، صحیح نہیں ہے اور اپنے دعویٰ کی دلیل میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی صحیح نہیں، اس غلطی کی وجہ دراصل عصمتِ انبیاء کی حقیقت سے ناواقفیت ہے عصمتِ انبیاء کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور ان سے جہاں کہیں ترکِ افضل یا خطأً اجتہادی سرزد ہوئی ہے وہ سرے سے گناہ ہی نہیں، نہ صغیرہ نہ کبیرہ، ترک الافضل کا گناہ نہ ہونا تو ظاہر ہے اور خطأً اجتہادی کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے کہ اس پر بھی مجتہد کو گناہ کے بجائے اس کے اجتہاد کا ثواب ملتا ہے۔[1] تو یہ دونوں چیزیں جب صغیرہ گناہ ہیں نہ کبیرہ تو ان کا صدور عصمت کے منافی نہیں، لہٰذا عصمت کے ہوتے ہوئے بھی ان کا صدور ہوسکتا ہے اور قرآن وسنت میں جہاں کہیں (انبیائے کرام علیہم السلام) کی طرف کسی معصیت کی نسبت یا ان پر عتاب کا ذکر ہے اس کا سبب یہی درحقیقت ترک الافضل یا خطأً اجتہادی ہی ہے معصیت نہیں، اور معصیت کی نسبت مجازی اور عتاب ان کی شان کے لحاظ سے ہے کہ ان کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ ان سے یہ ترک الافضل اور خطأً اجتہادی بھی نہ ہوتی۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تو ان کی ہمہ وقتی عصمت میں کیا شبہ رہا۔[2] لہٰذا یہ کہنا کہ ترک الافضل اور خطأً اجتہادی کے وقت ان کی عصمت مرتفع ہوگئی تھی تعبیر کی غلطی اور شرعی اِصطلاحات سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور بہت بڑی جسارت ہے۔ مگر چونکہ اس غلط تعبیر سے نفسِ مسئلہ میں کوئی تغیر نہیں پڑتا، کیونکہ ترک الافضل اور خطأً اجتہادی کے صدور کا انکار اہل سنت والجماعت بھی نہیں کرتے اور اَب سوال صرف یہ رہ گیا ہے کہ اس ترک الافضل اور خطأً اجتہادی کا نام ''عارضی ارتفاعِ عصمت'' رکھا جائے یا کچھ اور؟ اہلِ سنت والجماعت نے اس تعبیر کی جسارت نہیں کی لہٰذا اس غلط تعبیر سے کلی اجتناب کیا جائے تاہم محض تعبیر کی غلطی کی بناء پر کسی کو دائرۂ اسلام یا اہلِ سنت والجماعت سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا۔

واللہ اعلم بالصواب

۷/۱۱/۸۹ھ

(فتویٰ نمبر ۶۷۶/۲۰ الف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی یا رُوحانی؟

سوال (۱۰):- (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو معراج جسمانی ہوا تھا یا رُوحانی؟ مسجدِ اقصیٰ تک

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ مسئلے کا حاشیہ۔

(۲) والأنبیاء علیہم الصلاة والسلام کلہم علی ما ثبت بالکتاب والسنة واجماع الأمة منزھون ای معصومون عن الصغائر والکبائر ای من جمیع المعاصی (شرح الفقہ الاکبر ص: ۵۴)۔

معراج کا ذکر تو قرآن میں ہے لیکن مسجدِ اقصیٰ سے اُوپر تک قرآن میں مذکور نہیں کیا۔ اس کا ثبوت احادیث سے ہے؟ کیا معراج کے اس دوسرے حصے کے منکر کو کافر کہا جائے گا؟ اسی طرح پہلے حصے کے منکر کا حکم بھی بتلائیں اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی پردے کے دیکھا ہے یا نہیں؟ اگر دیکھا ہے تو اس کی کیفیت کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ معراجِ جسمانی کا انکار فرماتی ہیں اس کے متعلق بھی وضاحت کریں۔

جواب:- مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک راتوں رات لے جانا تو قرآنِ حکیم سے قطعی طور پر ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے اور مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں تک کی معراج احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اس کا انکار کرنے والا سخت گنہگار ہے اس کو توبہ و استغفار کرنا چاہئے البتہ اس شخص کو کافر نہ کہنا چاہئے۔[1] جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر پردے کے کیا ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں صحابہ کرام کی آراء مختلف تھیں لیکن قولِ راجح یہ ہے کہ دیدار ہوا۔[2] اور حضرت عائشہؓ معراجِ جسمانی کا انکار نہ فرماتی تھیں بلکہ دیدار کا انکار فرماتی تھیں۔[3]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۸۹/۱۱/۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۱۵/۲۲ج)

شبِ معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ باری تعالیٰ ہوا یا نہیں؟

سوال (۱۱):- ایک صاحب سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا جب ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا شبِ معراج میں ہم کلامی نہیں کی؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی

---

(۱) غایته ان دلالة الآیة علی الاسراء من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی نص قاطع یکون جاحده کافرا او منافقا ودلالة الأحادیث علی اسرائه الی السماء ... ظنیة منکره یکون مبتدعًا فاسقًا۔ (شرح الشفاء ج:۱ ص:۴۱۹) انظر ایضا شرح الفقه الاکبر ص:۱۰۰ من انکر المعراج الی قوله وهی ظنیة الروایة والدرایة۔

(۲) فی شرح الشفاء ج:۱ ص:۴۱۹ والراجح کما قال النووی عند اکثر العلماء انه رآه بعینی راسه لیلة الاسراء واثبات هذا لیس الا بالسماع منه صلی الله علیه وسلم وهو مما لا شك فیه۔

وفیه ج:۱ ص:۴۰۴ وذهب معظم السلف والمسلمین ای من الخلق الی أنه اسراء بالجسد ای مع الروح لا بالروح دون الجسم وفی الیقظة وهذا هو الحق الثابت عند اهله وهو قول ابن عباس وجابر ..... وهو دلیل قول عائشة ای مذهبها المختار لها وهو لا ینافی ما سبق مما نسب الیها ..... وهو قول الطبری وابن حنبل وجماعة عظیمة ای رتبة وکثرة من المسلمین وهو اکثر المتأخرین من الفقهاء والمحدثین والمتکلمین والمفسرین۔

(۳) وفیه ص:۴۱۵ ج:۱ حدیث عائشة رضی الله تعالیٰ عنها بالثابت عند أئمة الحدیث القادح فی سنده عنها اذ فیه ابن اسحق وقد تکلم فیه مالك وغیره ..... وایضًا فقد روی فی حدیث عائشة ما فقدت ای جسده .... بل الذی یدل علیه صحیح قولها انه ای انّ اسرائه کان بجسده لا نکارها ان یکون رؤیاه لربه ای لیلة الأسراء رؤیا عین ولو کانت عندها مناما لم تنکره ای لم تنکره کون رؤیته لربه مناما۔

اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک چادر حائل تھی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

جواب: - اس مسئلے میں صحابۂ کرام کی رائیں مختلف ہیں: بعض صحابۂ کرام کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل جلالہٗ کا دیدار نہیں کیا اور بعض حضرات صحابہ کا بیان ہے کہ دیدار کیا ہے [۱] محققین نے اس کو ترجیح دی ہے۔ [۲] واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۹۹۶ د)

دیدارِ باری تعالیٰ سے متعلق حضرت عائشہؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ کا اختلاف

سوال (۱۲): - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف میں دیدارِ باری تعالیٰ نصیب ہوا یا نہیں؟ تفسیر ابن کثیر کی جلد سوم میں سورۂ اسرائیل کی تفسیر میں حدیثِ معراج کا ذکر ہوا، حضرت ابنِ عباس نے ثابت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے باری تعالیٰ کو شبِ معراج میں دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ جس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج دیدارِ الٰہی نصیب ہوا اس نے غلط کہا۔ اور ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں شریک نامی راوی ضعیف ہے آپ اس پر روشنی ڈالیں تاکہ یہ مسئلہ حل ہو سکے۔

جواب: - حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا یہ اختلاف کتبِ حدیث میں مذکور ہے، ہمارے بزرگوں نے عموماً ترجیح حضرت ابنِ عباس کے قول کو دی ہے [۳] مگر اس مسئلے کی تحقیق پر نہ کوئی ضروری عقیدہ موقوف ہے نہ عمل۔ لہٰذا اس سے زیادہ ضروری کاموں میں وقت لگانا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۸۴۸ ج)

---

(۱) فی شرح الشفاء ج:۱ ص:۲۱۶ فاختلف السلف فیها فانکرته عائشة رضی الله تعالیٰ عنها .... ص ۲۱۸ وقال جماعة من المحدثین والمتکلمین بقول عائشة وهو المشهور کما رواه الشیخان عن ابن مسعود انه رأی جبریل ومثله ..... عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه انه قال رأی جبریل علیه السلام واختلف عنه ای عن ابی هریرة اذا قد روی عنه انه قال رآه بعینه کابن مسعود وابی ذر والحسن وابن حنبل ..... وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما انه راه بعینه وبه قال انس وعکرمة والربیع۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ مسئلے کا حاشیہ۔

(۳) فی المنهاج شرح صحیح مسلم للنووی ج:۲ ص:۹ واما صاحب التحریر فانه اختار اثبات الرؤیة قال والحجج فی هذه المسئلة وان کانت کثیرة ولکنا لا نتمسك الا بالأقوی منها وهو حدیث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه۔

فی شرح الشفاء ج:۱ ص:۲۱۸ والحاصل انه اختلفت الروایات عن ابن عباس فی مسئلة الرؤیة والأشهر عنه ای عن ابن عباس انه رأی ربه بعینه روی ذالك ای القول الأشهر عنه من طرق ای باسانید متعددة اقتضت الشهرة۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر؟

سوال (۱۳): - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے سلسلے میں تحریر فرمائیں۔

جواب: - قرآن حکیم میں صراحت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور اللہ کے رسول تھے، سورۂ کہف کی آخری آیت میں ارشاد ہے کہ: "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ"(۱) یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں بس ایک ایسا بشر ہوں جس کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے، لیکن اس معنی کے اعتبار سے آپ نور بھی تھے کہ جس طرح آفتاب وغیرہ کی روشنی سے ظاہری تاریکی دور ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کی ذاتِ اقدس اور تعلیمات سے کفر اور گمراہی کی تاریکیاں دور ہوئیں، یعنی اگرچہ آپ اس طرح کا ظاہری نور نہ تھے جیسا کہ آفتاب کی روشنی، بلکہ معنوی نور تھے جس سے معنوی تاریکیاں دور ہوئیں(۲)، اور معنوی نور ہونا بشر ہونے کے منافی نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی

محمد عاشق الٰہی — ۱۳۹۴/۱/۲۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۸۷/۲۵ ب)

عقائدِ فاسدہ کی تبلیغ حرام ہے اور حدیث "نورِ محمدی کی تخلیق تمام اشیاء سے مقدم ہے" کی تشریح

سوال (۱۴): - آج کل ان اُمور کی اس علاقے میں زیادہ تبلیغ ہو رہی ہے:

۱- جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور نہ مانے، ۲- "یا رسول اللہ" نہ پکارے، ۳- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا انکار کرے ۴- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، وہ لوگ تمہیں نمازوں سمیت دوزخ میں لے جاویں گے اور علم الغیب کے لئے ایک آیت بھی پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں سات سال تک حجاز وعرب میں مقیم رہا ہوں اور مجھے عربی کلام پر عبور حاصل ہے کوئی مولوی ہے تو جواب دے۔ آیت "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" پیش کرتے ہیں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کا مفہوم ہے کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا گیا۔

نور یا علم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی کوئی آیت یا حدیث اور فقہاء کا کوئی قول ہے؟ اور

---

(۱) نیز حم السجدۃ، آیت: ۶ اور بنی اسرائیل آیت: ۹۳ میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

(۲) وسمي محمدا والقرآن نور لكونهما كاشفين لظلمات الكفر (تفسير المظهري، تحت قوله تعالى قد جاءكم من الله نور الخ ج: ۳ ص: ۹۹)۔

بریلویوں سے پہلے بھی یہ عقیدہ رائج تھا؟ اور اگر تھا تو اس کا رَدّ ہوا تھا یا نہیں؟

جواب :- ۱ تا ۴ جن اُمور کی تبلیغ کا ذِکر ہے یہ سب باتیں لوگوں نے خود ایجاد کی ہیں، شریعت کی کسی دلیل سے ان کا ثبوت نہیں، یہ سب عقیدے بدعت اور واجب الترک ہیں اور ان کی تبلیغ حرام ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''نشر الطیب'' کے حاشیہ میں حدیث کے یہ الفاظ بحوالہ عبدالرزاق نقل کئے ہیں: "یا جابر ان الله تعالٰی خلق قبل الاشیاء نور نبیك" اس وقت مصنف عبدالرزاق سامنے نہیں لہٰذا اس کی سند کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا[1] البتہ یہ حدیث اگر سنداً ثابت ہو جائے تو اس کا جو مطلب ہوگا وہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ ''نشر الطیب'' میں تحریر فرمایا ہے ذیل میں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:-

''ظاہراً نورِ محمدی رُوحِ محمدی سے عبارت ہے اور حقیقت رُوح کی اکثر محققین کے قول پر مادّہ سے مجرد ہے اور مجرد کا مادّیات کے لئے مادّہ ہونا ممکن نہیں پس ظاہراً اس نور کے فیض سے کوئی مادّہ بنایا گیا ہے کہ اس مادّے کے چار حصے کئے گئے (حاشیہ نشر الطیب ص: ۷ مطبوعہ تاج کمپنی)۔ واللہ اعلم

۱۳۹۵/۶/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۴۹ ر)

---

(۱) کافی تتبع اور تلاش کے باوجود بندہ کو مصنف عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخوں میں یہ روایت نہیں مل سکی البتہ دیگر کتب المواهب اللدنية للزرقاني طبع بیروت ج:۱ ص:۴۷ اور کشف الخفاء ومزيل الألباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة النّاس للعجلوني طبع بیروت ج:۱ ص:۳۱۱ میں یہ روایت موجود ہے لیکن مذکورہ دونوں کتابوں میں بھی سند مذکور نہیں اور روایت کے شروع میں یہ الفاظ درج ہیں: "رواه عبدالرزاق بسنده عن جابر" الخ نیز علامہ عبدالحی لکھنوی نے اس روایت کو اپنی کتاب الآثار المرفوعة في اخبار الموضوعة میں ذکر کر کے اسے موضوع اور غیر ثابت قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی واضح رہے کہ علامہ لکھنوی نے بھی اس روایت کو المواهب اللدنية وغیرہ کے حوالے ہی سے نقل کیا ہے۔ ذیل میں علامہ مرحوم کی تحقیق کے چند اقتباس تحریر کئے جاتے ہیں تا کہ حقیقت تک رسائی ہو سکے۔

في الآثار المرفوعة في اخبار الموضوعة ص:۳۳ "ومنها ما يذكرونه في ذكر المولد النبوي ان نور محمد صلى الله عليه وسلم خلق من نور الله بمعنى ان ذاته المقدسة صارت مادّة لذاته المنورة ...... وهذا سفسطة من القول فانه مستلزم للتجزي وغير ذالك مما يتبعه في ذاته تعالٰى الله عنه والذي اوقعهم في هذه الورطة الظلماء هو ظاهر رواية عبدالرزاق في مصنّفه عن جابر قال قلت يا رسول الله! ..... ان الله خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره ..... الحديث المذكور بتمامه في المواهب اللدنية وغيره وقد اخطأ واافي فهم المراد النبوي قال الزرقاني في شرح المواهب عند شرح قوله من نوره اضافة تشريف . . ، وهي بيانية اى من نور هو ذاته . . . قال ايضًا قبل ذالك باوراق عديدة اما ما ذكر من ان الله قبض من نور وجهه قبضة ونظر اليها فعرقت وذلقت فخلق الله من كل نقطة نبيًا وان القبضة كانت هي النبي صلى الله عليه وسلم ... . وانه كان موجود قبل ان يخلق ابواه وانه كان يحفظ القرآن قبل ان يأتيه جبرائيل وامثال هذه الأمور فقال الحافظ ابو العباس احمد بن تيمية في فتاواه ونقله الحافظ ابن كثير في تاريخه واقره كل ذالك كذب مفترى باتفاق اهل العلم بحديثه انتهٰى۔

تنبيه:- قد ثبت من رواية عبدالرزاق اولية النور المحمدي اول ما خلق نوري وهو حديث لم يثبت بهذا المعنى وان ورد غيره موافقًا له في المعنى . قلت حديث العقل موضوع والثلثة الاخر لم ترد بهذااللفظ فاستغنى عن التاويل انتهٰى۔ قلت نظير اول ما خلق الله نوري في عدم ثبوته لفظًا وورده معنًى ما اشتهر على لسان القصاص والعوام والخواص من حديث لولاك لما خلقت الافلاك"۔

اس تمام تر تفصیل سے اتنی بات تقریباً واضح ہو چکی کہ جن حضرات نے اس روایت کو ذکر کیا ہے انہوں نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور سند بیان نہیں کی اور مطبوعہ نسخے میں یہ روایت نہیں ملی اور علامہ لکھنوی کی تحقیق کے مطابق .... (باقی اگلے صفحے پر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیک وقت متعدد جگہوں پر موجود ہونے اور یہ قول کہ ”جو آسمان پر احد ہے وہی زمین پر احمد ہے“ کی تفصیل

سوال (۱۵): ۱- زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ زندہ ہیں صرف پردہ فرمالیا ہے اپنی روح اور جسمِ خاکی کے ساتھ جہاں چاہیں بیک وقت لاکھوں کروڑوں جگہ اپنے شیدائیوں کی پکار سن کر تشریف لاتے ہیں، رات دن ہر جگہ ملاقات فرماتے ہیں جو آسمان پر احد ہے وہی زمین پر احمد ہے، اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں کبھی بشری حادثات نے نہیں گھیرا، افک کے واقعے کا رنج، شہادتِ دندان کی تکلیف، مکہ میں شہادتِ عثمان کی غلط خبر پر پریشانی، نابینا شخص کے اعتراض پر تنبیہ، جادو کا اثر، مرض الموت یہ سب فرضی قصے ہیں جو آپ کی شان سے بعید ہیں، کیا زید کی اقتداء درست ہے؟

۲- بکر کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں، جہاں چاہیں کرۂ ارض میں اپنی رُوح اور جسم کے ساتھ لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ کیا بکر کا یہ عقیدہ دُرست ہے؟ اور اس کی اِقتداء میں نماز دُرست ہے؟

۳- عمرو کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو لوگوں سے بیان کرتا ہوں، آپ کی وفات ہوچکی ہے، دوسرے انسانوں کی طرح یومِ حساب سے پہلے آپ کی رُوح عالمِ برزخ سے واپس آکر جسمِ خاکی میں داخل نہیں ہوسکتی، بقایا لوازمات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیا عمرو کا عقیدہ دُرست ہے اور اس کی اِمامت میں ادائیگی فرض نماز کی دُرست ہے؟

جواب: ۱- زید کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی صرف پردہ کیا ہے، قرآن وحدیث اور اِجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ آیتِ قرآنی ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ“[1] کا کوئی مفہوم باقی نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)...... یہ موضوع اور لفظاً غیر ثابت روایت ہے تاہم اس کے معنی ثابت ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق سب سے مقدم ہے۔ اس تفصیل کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ جن بزرگوں نے اس روایت کے معنی کی تصحیح کی کوشش فرمائی ہے انہوں نے اس اعتماد پر کہ شاید یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں سندِ صحیح کے ساتھ آئی ہو ایک اور روایت "اول ما خلق الله روحي" کی روشنی میں یہ معنی بیان کیا ہے کہ نورِ محمدی سے مراد رُوحِ محمدی ہے کیونکہ اگر نور سے مراد بھی ذاتِ محمدی ہو تو پھر مضاف اور مضاف الیہ میں اتحاد لازم آئے گا اس لئے نور سے مراد مذکورہ بالا دُوسری روایت کی روشنی میں رُوحِ محمدی مراد لیا گیا، چنانچہ ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں: "قوله اول ما خلق الله نوري وفي رواية روحي ومعناهما واحد فان الارواح نورانية اى اول ما خلق الله من الارواح روحي۔" واللہ اعلم سلطان محمود۔ (المرقاة، باب الایمان بالقدر، الفصل الثاني ج:۱ ص:۱۶۷)۔

(۱) الزمر: ۳۰۔

رہتا۔ اور یہ کہنا کہ بیک وقت لاکھوں کروڑوں جگہ اپنے شیدائیوں کی پکار سن کر تشریف لاتے ہیں، خلافِ نقل ہونے کے ساتھ ساتھ خلافِ عقل بھی ہے، جس کو معمولی عقل بھی ہو وہ اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، کیونکہ ایک آدمی ایک وقت میں دو جگہ بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ لاکھوں جگہ۔ اور یہ کہنا کہ جو آسمان پر اَحد ہے وہی زمین پر اَحمد ہے صریح کفریہ عقیدہ ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں اس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور بشریت کا انکار صریح قرآن کے خلاف ہے بہر کیف جس شخص کا یہ عقیدہ ہو وہ خارج از اِسلام ہے اس کے پیچھے نماز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۱)

۲ - بکر کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں یہ صحیح ہے، لیکن یہ زندگی دُنیاوی زندگی نہیں، بلکہ برزخی زندگی ہے، اس لئے بکر کا یہ کہنا کہ آپ قبر میں کھانا کھاتے ہیں غلط ہے، کیونکہ کھانا پینا یہ دُنیوی زندگی کے لوازمات ہیں نہ کہ برزخی زندگی کے۔ بکر کا یہ کہنا کہ آپ جہاں چاہیں رات یا دن میں کرۂ ارض میں اپنی ہی رُوح اور اپنے جسم کے ساتھ لوگوں سے ملاقات کر سکتے ہیں یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں، اللہ کی قدرت اور مشیت سے ایسا ہو سکتا ہے، (۲) لیکن جب تک اللہ کی مشیت اور قدرت شاملِ حال نہ ہو تو آپ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں وہاں نہیں جا سکتے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں، اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی اور بندے کو بھی اس کی رُوح اور جسم کو کہیں بھیجنا چاہیں تو بھیج سکتے ہیں بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے متعلق ہے، کوئی اللہ کا بندہ خواہ نبی ہو یا ولی اپنی مرضی سے کہیں نہیں جا سکتا، لیکن صرف اس بات کی بنا پر یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی یا ولی مرنے کے بعد جہاں چاہے جا سکتا ہے محتاجِ دلیل ہے، جب تک کسی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ ہر نبی یا ولی مرنے کے بعد اِدھر اُدھر جایا کرتا ہے یہ عقیدہ دُرست نہیں، اللہ کی قدرت کا ہونا اور بات ہے اور کسی بات کا وقوع پذیر ہونا اور بات۔ وقوع کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اس لئے بکر کا یہ عقیدہ کہ ہر بزرگ جو پردہ کر گیا ہے وہ بالکل اپنی مرضی سے جہاں چاہے اور جو کچھ چاہے کر سکتا ہے، قرآن وسنت اور اجماع کے خلاف ہے اور غلط عقیدہ ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے۔

---

(۱) فی تفسیر المظہری ج:۲ ص:۲۵۳ ومن یشرک باللہ ای فی وجوب الوجود وتأصلہ او فی العبادۃ شیئاً۔

فی الھندیۃ ج:۲ ص:۲۵۸ یکفر اذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق بہ ..... او جعل لہ شریکاً۔

فی حاشیۃ الخیالی (تحت قولہ وانما عبر عن الکفر بالشرک) ص:۲۲۴ وتفصیل فرق الکفر علی ما ذکرہ فی شرح المقاصد ..... وان قال بالشریک فی الالوھیۃ فھو المشرک۔

نیز ملاحظہ فرمایئے امداد المفتین میں رسالہ الافصاح عن تصرفات الجن والارواح۔

(۲) فی تفسیر المظہری ج:۱ ص:۱۲۰ وقد تواتر عن کثیر من الاولیاء انھم ینصرون اولیائھم ویدمرون اعدائھم ویھدون الی اللہ تعالیٰ من یشاء اللہ تعالیٰ۔

۳-عمرو کا عقیدہ بالکل صحیح اور اہل سنت والجماعت کے بالکل موافق ہے اس لئے اس کے پیچھے نماز صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ

محمد عبدالغفار ارکانی

۲۷/۱۲/۹۴ھ

جواب صحیح ہے لیکن عمرو کا خط کشیدہ جملہ قابلِ نظر ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

محمد رفیع عثمانی

۲۷/۱۲/۹۴ھ

مُلاَّ علی قاریؒ اور مسئلۂ حاضر ناظر

سوال (۱۶):- اہلِ بدعت حضرات نے کچھ عرصہ اس علاقے کو اپنی خصوصی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنایا ہوا ہے، ان کے پیش کردہ مسائل میں مسئلۂ علم غیب اور مسئلہ حاضر ناظر سرِفہرست ہیں، اس سلسلے میں ہمیں جناب کی تفسیر ''معارف القرآن'' اور حضرت مولانا سرفراز احمد خان صفدر کی تصانیف سے خاصا فائدہ پہنچا ہے، لیکن ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق حضرت مُلاّ علی قاریؒ کے مسلک کے متعلق کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ اہلِ بدعت دعویٰ کرتے ہیں کہ مُلاَّ علی قاریؒ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں کیونکہ وہ شرح الشفاء میں لکھتے ہیں: "ای لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت الاسلام" اس کے جواب میں جناب کے مکتبہ دارالاشاعت کے شائع کردہ رسالہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ص: ۷ پر لکھا ہے ''بعض کوتاہ بینوں کو نسخہ شرح شفا سے جس میں اہلِ مطبع کی غلطی سے ایک "لا" رہ گیا ہے اصل عبارت مُلاَّ قاریؒ کی یہ ہے: "لا لأن روحہ صلی اللہ علیہ وسلم" چنانچہ شرف شفا کی اور صحیح نسخ قلمیہ اور مطبوعہ سے یہ امر واضح ہے'' اس کے جواب میں بدعتی حضرات اپنی تقریروں میں دعویٰ کرتے ہیں کہ شرح شفا کا کوئی ایسا نسخہ موجود نہیں جس میں "لا" کا لفظ موجود ہو، حال میں مولانا سرفراز احمد خان کی ''تبرید النواظر'' کا جواب دیتے ہوئے ایک بدعتی مناظر اپنے رسالہ ''تنویر الخواطر'' میں لکھتے ہیں:-

'' خان صاحب گکھڑوی کو مُلاَّ علی قاریؒ کی عبارت میں "لا" گھسیڑتے ہوئے شرم نہ آئی اور عوام کی آنکھیں سیاہ کرنے کے لئے یہ گوہر فشانی کی کہ بعض نسخوں میں لفظ "لا" رہ گیا ہے اور یہ نہ سوچا کہ جن کے پاس کتاب موجود ہے انہیں میں دھوکا نہیں دے سکتا، کیا خاں صاحب کسی ایسے نسخے کی طرف ہماری رہنمائی فرماسکتے ہیں جس کی اصل عبارت میں "لا" کا لفظ موجود ہو، بندہ دعویٰ کرتا ہے اکیلے خاں صاحب کیا ان کا

سارا طائفہ (دیوبند) بھی یہ ثابت نہیں کرسکتا'' (تنویر الخواطر ص:۳-۴)۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا سرفراز احمد خان صفدر صاحب نے بتایا کہ انہوں نے اپنے رسالے میں یہ دعویٰ دارالاشاعت کے شائع کردہ رسالہ مسئلہ در علم غیب از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے اعتماد پر کیا ہے ورنہ ان کے علم میں شرح الشفاء کا کوئی نسخہ ایسا نہیں جس میں "لا" موجود ہو۔ انہوں نے ہی مشورہ دیا کہ تحقیق کے لئے جناب کی طرف رُجوع کیا جائے اگر جناب کے علم میں پاکستان کے کسی کتب خانے میں شرح شفا کا کوئی ایسا نسخہ ہو، جس میں "لا" کا لفظ موجود ہو تو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

جواب: -مکرمی ومحترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم نے اپنے نسخوں اور کراچی کی لائبریری میں سے جن جن کے نسخوں کی مراجعت ممکن ہوئی ان کی مراجعت کی، ان میں سے کسی میں لفظ "لا" نہیں ملا، لیکن نہ ملنے سے یہ لازم ہرگز نہیں آتا کہ مُلاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، کیونکہ اس عقیدے کے خلاف ان کی صریح عبارتیں موجود ہیں جن میں سے کئی عبارتیں خود رسالہ مسئلہ علم غیب میں باحوالہ مذکور ہیں، ان کے ہوتے ہوئے ان کے بارے میں یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس عقیدے کے قائل تھے۔ لامحالہ ان کی شرح شفاء کی زیرِ بحث عبارت میں ایسی تاویل ناگزیر ہے کہ یہ عبارت ان کی دوسری صریح عبارتوں اور جمہور سلف کے اقوال واعتقادات سے متصادم نہ رہے۔ رسالہ مسئلہ علم غیب میں جو لکھا گیا ہے کہ اس میں لفظ "لا" رہ گیا ہے اور قلمی نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے یہ بھی ایک معقول توجیہ ہے۔ اگر ہمیں موجودہ نسخوں میں یہ لفظ نہیں ملا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو نسخے حضرت گنگوہیؒ کے مطالعے میں آئے ان میں بھی یہ لفظ نہ ہو والمثبت مقدم علی النافي قاعدہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس توجیہ کو تسلیم کیا جائے، اور اگر کسی کا دِل اس توجیہ پر مطمئن نہیں ہوتا تو اس پر کیسے مطمئن ہوجائے گا کہ مُلاّ علی قاریؒ کی طرف ایسا عقیدہ منسوب کیا جائے جس کی نفی صراحۃً انہوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور جو جمہور سلف کے عقیدے کے خلاف ہے،[1] لامحالہ کہنا پڑے گا کہ اگر لفظ "لا" نہیں رہا تو کتابت کی کوئی اور غلطی واقع ہوئی ہے اور بعد کے نسخے اس غلطی کو نقل کرتے رہے ہیں۔ اس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ ایک نسخے میں غلطی کے باعث بعد کے تمام نسخوں میں وہ غلطی نقل ہوتی چلی گئی۔

یہ بھی یاد رہے کہ "مسئلہ علم غیب" حضرت گنگوہیؒ کی کوئی تصنیف نہیں بلکہ ایک خط کا جواب ہے جو

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے مسئلہ علم غیب از حضرت گنگوہیؒ مع علم غیب مؤلفہ حضرت قاری طیب صاحب ص:۱۵۷ تا ۱۵۹۔ نیز ملاحظہ فرمایئے مُلاّ علی قاریؒ اور مسئلہ علم غیب وحاضر ناظر مؤلفہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہم۔

ان کی اجازت سے شائع نہیں ہوا، جس کو خط کا جواب لکھا اس نے اشاعت کرادی، لہٰذا اس کی سند حضرت گنگوہیؒ کی طرف جب تک معتبر طریقے سے ثابت نہ ہو اس کی نسبت حضرت گنگوہیؒ کی طرف یقین سے کرنا مشکل ہے۔ واللہ اعلم

۱۸/۲/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۳۶۷ الف)

عقیدۂ حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سوال (۱۷):- مولانا شمس الحق صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے وہ فوت ہو چکے ہیں اور کچھ نہیں دیکھ سکتے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور جب ہم ان کی قبر مبارک پر جاتے ہیں تو وہ ہمیں دیکھتے ہیں مگر دوسرے شہر میں (مدینہ کے سوا) وہ نہیں دیکھ سکتے، اگر وہ قبر میں زندہ ہیں تو قبر میں کیوں دفن کیا گیا؟ اس کی کیا مصلحت ہے؟

جواب:- ہر انسان کی موت کے بعد بھی اس کی رُوح عالمِ برزخ میں زندہ رہتی ہے، اور رُوح کا ایک گونہ تعلق جسم وقبر سے بھی رہتا ہے، یہ تعلق اپنے اپنے اعمال وحالات کے اعتبار سے کسی کا قوی ہوتا ہے کسی کا کمزور،[1] عام کے مقابلے میں شہیدوں کی رُوح کا تعلق زیادہ قوی ہوتا ہے، اسی زیادتیٔ قوت کے باعث قرآنِ کریم میں شہید کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: "بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" یعنی شہید زندہ ہیں لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کا تعلق جسمِ اطہر کے ساتھ شہید سے بھی زیادہ ہے، اتنا زیادہ ہے کہ کسی اور کی رُوح کو اپنے جسم سے اتنا تعلق نہیں ہوتا۔[2] چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر جو آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے آپ اسے خود سنتے اور جواب عنایت فرماتے ہیں[3] ہاں دیکھنے کا ذکر کسی حدیث میں نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ اعلم

۳۰/۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱۷/۲۵ ب)

---

(۱) ان التعلق ایضًا مما یتفاوت قوة وضعفًا بحسب الأشخاص بل وبحسب الأزمان (روح المعانی ج:۲۱ ص:۵۸ طبع المکتبة الرشیدیة لاهور)۔

(۲) وقد جمع البیهقی کتابًا لطیفًا فی حیاة الأنبیاء فی قبورهم اورد فیه حدیث انس: الأنبیاء احیاء فی قبورهم ... اخرجه وهو من رجال الصحیح وقد وثقه احمد وابن حبان الخ۔ (فتح الباری ج:۶ ص:۶۰۲ قدیمی) ..... وفیه ج:۱ ص:۶۰۳: قال وصلاتهم فی اوقات مختلفة وفی اماکن مختلفة لا یرده العقل وقد ثبت به النقل فدل ذلک علی حیاتهم قلت واذا ثبت انهم احیاء من حیث النقل فانه یقویه من حیث النظر کون الشهداء احیاء بنص القرآن والأنبیاء افضل من الشهداء۔

(۳) عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: لا تجعلوا بیوتکم قبورًا و لا تجعلوا قبری عیدًا و صلّوا علیّ فإن صلاتکم تبلغنی حیث کنتم (شعب الایمان، الباب الخامس والعشرون، فضل الحج والعمرة، حدیث:۴۱۶۲) ... وقال صلی الله علیه وسلم: من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلّی علیّ نائیًا ابلغته (شعب الایمان، الباب الخامس عشر فی تعظیم النبی صلی الله علیه وسلم، حدیث:۱۵۸۳)۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سماعِ موتیٰ وغیرہ مسائل سے متعلق علمائے دیوبند کا مسلک

سوال (۱۸): - مولوی غلام مصطفیٰ اور ناچیز کے درمیان مندرجہ ذیل اُمور میں دیوبندیت کے متعلق تنازع موجود ہے، مسلکِ دیوبند کے مطابق کس کا عقیدہ دُرست ہے اور کس کا غلط ہے؟

۱- انبیاء وفات کے بعد اپنی قبور میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں، عالمِ برزخ میں ہونے کی وجہ سے یہ زندگی برزخی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مبارک اور جسدِ اطہر کا تعلق قائم ہے گو اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔

۲- انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زائرین کے دُرود وسلام کو سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں گو اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔

۳- قبر میں رُوح اور جسم کا تعلق ثواب وعذاب کی حد تک پھر قائم ہو جاتا ہے جس سے رُوح اور جسم ہر دو کو ثواب یا عذاب کا احساس ہوتا ہے۔

۴- جن مواقع میں احادیث میں موتیٰ کا سننا آتا ہے وہ حق ہے، موتیٰ اس موقع پر سنتے ہیں مثلاً دفن کے فوراً بعد۔

۵- سماعِ موتیٰ وعدمِ سماعِ موتیٰ کا اختلاف صحابہ کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔

۶- انبیاء و اولیاء کا توسل ان کی وفات کے بعد بایں الفاظ کہ "الٰہی! ان کے طفیل سے میری حاجت پوری کر" جائز ہے، شرک نہیں ہے۔

۷- تصوف وبیعت مشروع ہیں۔

۸- "البراہین القاطعہ" مؤلفہ خلیل احمد محدث سہارنپور دیوبندی مسلک کے مؤید اور بریلوی کے مخالف معتبر کتاب ہے، اس کے برعکس مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کا عقیدہ ہے، دیوبندی مسلک کے مطابق کس کا عقیدہ ہے؟

جواب: - صورتِ مذکورہ میں محمد امین کا عقیدہ اکابر علمائے دیوبند کے موافق ہے اور غلام مصطفیٰ صاحب کا عقیدہ ان کے موافق نہیں۔ (۱)

واللہ اعلم
۲۲/۴/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۹۷۳ج)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: البراهین القاطعة اور المهند علی المفند از مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دلائل میں تعارض اور ان میں تطبیق

سوال (۱۹) :۱- "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بندے کو موقع دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات پسند کرتا ہے یا دُنیا کو، تو اس بندے نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات پسند کی۔ یہ سن کر ابوبکر صدیقؓ رونے لگے، لوگوں نے کہا کہ اس میں رونے کی کونسی بات ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کیوں روئے تھے۔

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عمر فاروقؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات نہیں ہوئی، ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیا "لوگو سن لو! جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت آگئی اور جو اللہ کا پجاری تھا اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ زندہ جاوید ہے" پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کی آیتیں پڑھیں، اس خطبے کے بعد پوری اُمت کا اتفاق ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اس کے علاوہ بھی بہت ساری حدیثیں وفات کے ثبوت پر موجود ہیں۔

اس کے برعکس دوسری طرف کچھ اور واقعات ملتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نبی قبر میں زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

۲- واقعہ الحرہ کے زمانے میں ۶۳ھ میں پیش آیا، تین رات دن مسجدِ نبوی میں نہ تو اذان دی جاسکی، نہ اقامت ہوئی لیکن سعید بن میتب نے مسجدِ نبوی نہیں چھوڑی، مزار مبارک سے آہستہ آہستہ آنے والی آواز سے نماز کا وقت معلوم کرلیا کرتے تھے۔

۳- ایک بدو مزار اقدس کے پاس آیا اور اپنے آپ کو مزار پر گرا کر دُعا کی کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ میری استغفار کریں، قبرِ نبوی سے آواز آئی تجھے معاف کردیا گیا۔ اس تضاد کو حل فرمادیں۔

جواب :- دونوں باتوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آچکی ہے[۱] مگر عالمِ برزخ جو دُنیا اور عالمِ آخرت کے بین بین ہے اس میں ہر انسان کو ایک قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے یعنی جسم سے رُوح کو ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے اس تعلق کو حیاتِ برزخی کہا جاتا ہے یہ دُنیا کی حیات سے مختلف ہے[۲] مگر اس کی پوری کیفیت قرآن وسنت میں نہیں بتائی گئی، پھر یہ حیات قوت

---

(۱) فی البدایة والنهایة فصل فی کیفیة احتضاره ووفاته ج:۴ ص:۲۱۲- اما بعد فمن کان منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان یعبد الله فان الله حیٌّ لا یموت قال الله تعالیٰ "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ" الخ-

(۲) فی شفاء السقام ص:۲۰۴ وقد اجمع اهل السنة علی اثبات الحیاة فی القبور ..... وقد عرف بهذا ان حیاة جمیع الموتٰی بارواحهم واجسامهم فی قبورهم لا شك فیها-

وضعف اور تکالیف وراحت کے اعتبار سے مختلف لوگوں کی مختلف ہوتی ہے، شہدائے کرام کو عام صلحاء سے زیادہ قوی حیاتِ برزخیہ حاصل ہوتی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات شہداء سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔[۱]

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حیاتِ برزخیہ حاصل ہے جو دیگر اَموات کی حیاتِ برزخیہ سے زیادہ قوی ہے۔ پس آپ کی ذِکر کردہ پہلی قسم کی آیات وروایات حیاتِ دُنیویہ سے متعلق ہیں جو آپ کی حیاتِ دُنیویہ سے متعلق ہیں کہ وہ ختم ہوچکی، اور دُوسری قسم کے واقعات وروایات حیاتِ برزخیہ سے قوی ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا کوئی تعارض دونوں باتوں میں نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۲/۲۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۴۲۳ ب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دُنیا میں تشریف لانا

سوال (۲۰): - کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عقیدہ رکھنا جائز ہے کہ آپ حیاتِ برزخی میں ہوتے ہیں اور بعض مجلسوں اور مقامات میں تشریف لاتے ہیں، اور ذِکر وذرود بھی سکھادیتے ہیں کبھی کبھی کسی مصیبت زدہ کی مدد بھی کرتے ہیں اور یہی عقیدہ بزرگوں کے متعلق بھی رکھنا کیسا ہے؟

جواب: - حاضر وناظر اور قادرِ مطلق صرف اللہ جل جلالہٗ ہے، اس صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں، کوئی زندہ یا مردہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کی کوئی مدد نہیں کرسکتا، نہ نبی، نہ فرشتہ، نہ ولی، ہاں اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ وہ چاہے تو کسی زندہ سے یا مردہ کی رُوح سے کسی کو فائدہ پہنچادیں، مگر اللہ تعالیٰ کسی واسطے کا محتاج نہیں وہ کسی واسطے کے بغیر بھی مدد کرسکتا ہے اور نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیاتِ برزخی میں ہوتے ہوئے بعض مجلسوں میں تشریف لانا اور ذِکر وغیرہ سکھانا یا کسی مصیبت زدہ کی مدد دُنیا میں کرنا قرآنِ حکیم یا حدیث شریف سے ثابت نہیں۔

ہاں یہ عقیدہ رکھنے میں مضائقہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس پر بھی قادر ہے کہ

---

(۱) في شفاء السقام ص:۱۹۱: اعلم ان هذا القول يقتضي اثبات الحياة في احكام الدنيا وذلك زائد على حياة الشهيد والقرآن العزيز ناطق بموته صلى الله عليه وسلم قال تعالى: "إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ إِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" وقال صلى الله عليه وسلم: اني مقبوض وقال الصديق رضي الله تعالى عنه فان محمدًا قد مات واجمع المسلمون على اطلاق ذالك فالوجه اذا ثبت القول المذكور ان يقال ان ذلك موت غير مستمر وانه احيي بعد الموت ويكون انتقال الملك ونحوه مشروطًا بالموت المستمر والا فالحياة الثابتة حياة اخروية ولا شك انها اعلى واكمل من حياة الشهيد وهي ثابتة للروح بلا اشكال وجسد وقد ثبت ان اجساد الأنبياء لا تبلى۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ولی کی رُوح کو کسی جگہ بھیج دے اور کسی کو اس سے فائدہ پہنچا دے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۳۹۴/۱/۱۰ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۸ الف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کانوں سے دُرود وسلام یا دیگر کلام سننا

سوال (۲۱): ۱- رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک کے نزدیک سنتے ہیں یا نہیں؟ ہر بات سنتے ہیں یا بعض اُمور سننے کا ثبوت ہے؟

۲- رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے نزدیک عنصری کانوں سے سننے کا عقیدہ قرآن وسنت، اِجماعِ صحابہؓ اور مسلکِ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہے یا نہیں؟

جواب: ۱، ۲- حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص دُور سے دُرود بھیجے فرشتے اس پر متعین ہیں کہ اس کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، اور جو شخص قبر شریف کے قریب سے دُرود پڑھتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بنفسِ نفیس خود سنتے ہیں اور جمہور اُمت کا یہی عقیدہ ہے جو قرآن وسنت اور اجماع صحابہؓ اور مسلکِ امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلّٰی علیَّ عند قبری سمعتہ ومن صلّٰی علیَّ نائیًا ابلغتہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوۃ ج:۱ ص:۸۷

واللہ اعلم

محمد کمال الدین راشدی

۱۴۰۷/۱۰/۱۱ھ

جواب صحیح ہے، حاضرین کے دُرود وسلام کے علاوہ دُوسرا کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں سنتے ہیں یا نہیں؟ اس کے متعلق قرآن وسنت کی کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے، اور یہ جاننا ہماری ذمہ داری بھی نہیں ہے کیونکہ آخرت میں ہم سے اس کا سوال نہیں ہوگا۔

محمد رفیع عثمانی

(فتویٰ نمبر ۳۸/۱۷۰ ج)

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق وضاحت

سوال (۲۲): - ہمارے نزدیک ایک مسجد ہے، شدید گرمی ہونے کی وجہ سے ہم اکثر اس میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اِمام صاحب جو کہ اس مسجد میں نماز پڑھاتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی رُوح برزخ میں چلی جاتی ہے اور اس کو وہیں قید کردیا جاتا ہے دُنیا سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہوتا، دُنیا میں جو قبریں ہیں یہ قبریں نہیں بلکہ مٹی کے گڑھے ہیں، انسان کی قبر برزخ میں ہے، جو حاجی اور مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر جاتے ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، آپ وفات پاچکے ہیں اب وہ نہ زندہ ہیں نہ سنتے ہیں، جو لوگ سوئم اور چہلم کرتے ہیں وہ بدعت کرتے ہیں۔ کیا ہماری نماز ایسے اِمام کی اِقتداء میں ہوجائے گی؟

جواب: -سوال کی جس عبارت پر خط کھینچا گیا ہے یہ غلط ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے، آپ اسے سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں[۱] اگرچہ وہ جواب ہم نہ سن سکیں۔ روضۂ اقدس پر حاضری اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کے بڑے فضائل احادیث میں آئے ہیں پھر یہ کہنا کہ وہاں حاضری سے کوئی فائدہ نہیں بالکل غلط اور بدعت ہے۔[۲] نیز مرنے کے بعد اِنسان کی رُوح بلاشبہ عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے مگر ایک گونہ تعلق اس کی رُوح کو قبر اور جسم سے بھی رہتا ہے[۳] یہ بات بھی احادیث سے ثابت ہے۔ اہلِ بدعت کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے، لیکن ترکِ جماعت اس سے بھی بڑا گناہ ہے اس لئے اوّل تو کوشش کرکے کسی متبعِ سنت اِمام کے پیچھے نماز پڑھا کریں اس کا موقع نہ ہو تو انہی اِمام صاحب کے پیچھے پڑھ لیا کریں جماعت ترک نہ کریں۔ واللہ اعلم

۶ / ۴ / ۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۶۸۳ ر)

---

(۱) عن ابی هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلّى عليَّ عند قبري سمعته ومن صلّى عليَّ نائيًا ابلغته (رواه البيهقي في شعب الإيمان، الباب الخامس عشر في تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم، حديث:۱۵۸۳)۔

(۲) عن رجل من آل خطاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من زارني متعمدا كان في جواري يوم القيامة ..... وعن ابن عمر مرفوعًا من حجّ فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي۔ (شعب الايمان للبيهقي، فضل الحج و العمرة، حديث:۳۹۹۳، ۳۹۹۶، ايضًا في مشكوة المصابيح، باب حرم المدينة حرسها الله تعالىٰ الفصل الثالث ج:۲ ص:۲۴۰)۔

..... عن ابي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوٰة في مسجدي هذا خير من الف صلوٰة فيما سواه الا المسجد الحرام۔ متفق عليه۔ (المشكوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة الفصل الاول ج:۱ ص:۶۷)۔

(۳) المسألة الرابعة وهي ان الروح هل تموت ام الموت للبدن وحده اختلف الناس في هٰذه .... والصواب أن يقال موت النفوس هو مفارقتها لأجسادها وخروجها منها فهي ذائقة الموت وان اريد ان انها تعدم او تضمحل وتصير عدمًا فهي لا تموت بهٰذا الإعتبار، بل هي باقية بعد خلقها في النعيم او في عذاب .... وكما صرح به النص انها كذٰلك حتى يردها الله في جسدها۔ (كتاب الروح لابن القيم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے متعلق عقیدہ

سوال (۴۳): - زید نے تقریر کی ہے کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین اگر پیغمبر نہیں ہوئے تو اولیاء ہونے میں شک نہیں، تفسیر نعیمی میں پارہ اوّل رُکوع گیارہ "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا" کی تفسیر لکھی ہے کہ حضرت کے والدین شریفین زندہ کئے گئے اور انہوں نے کلمہ پڑھا اور وہ اسلام پر تھے، لیکن "معراج نامہ" کے مصنف قادر یار نے لکھا ہے کہ جب رسولِ کریم معراج پہ تشریف لے گئے، بہشت و دوزخ کی سیر کی، دوزخ میں اپنے والدین کو دیکھا تو بہت پریشان ہوئے، نہایت غمناک ہوئے، خطاب آیا اے محبوب! اپنے دو کاموں میں سے ایک کام اِختیار کرلو اُمت کو بخشوالو یا والدین کو، آپ نے اُمت کی شفاعت اختیار کی اور والدین کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چھوڑا اس پر خطاب ہوا کہ تو نے اُمت کو اِختیار کیا تو میں نے تیری شفاعت قبول کی اور والدین کو تو نے میرے حکم پر چھوڑا تو میں نے ان کو بھی بخش دیا۔

جمہور علماء کا اتفاق ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بطنِ مطہرہ سے ہوئی اور والدین حضور کے بالاتفاق مطہر تھے نیز زید کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ حضور کے والدین ایمان پر تھے لیکن معراج شریف میں امتحان کا وقت تھا۔

فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب نے جلد اوّل "کتاب العقائد" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے عقائد پر بحث کی ہے اور ایک سائل کے جواب میں لکھا ہے کہ حضور کے والدین کو بعضوں نے کافر اور ناری لکھا ہے اور بعضوں کے نزدیک جنتی ہیں اور اس میں تین مسلک ہیں...... تفصیلی بحث کے بعد لکھا ہے کہ پس گو ایمان تفصیلی ان حضرات کا ثابت نہیں مگر ایمانِ اجمالی ثابت ہے، اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فقہ اکبر" میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: "ماتا على الكفر" ان کی تطبیق فرمائیے۔ زید روزانہ قرآن شریف ختم کر کے سرکار کے والدین کے نام بخشتا ہے اور عمر خواہ مخواہ آپ کے والدین کی توہین کرتا ہے، جب حضور کو اپنی اُمت کے جتنا محبت و پیار ہے، اس طرح اُمت کو بھی چاہئے جان و دل سے پیروی کریں، عمر بالکل اَن پڑھ اور جاہل ہے اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: - عوام میں ایسے مسائل چھیڑنا جن پر نہ کسی عقیدے کا مدار ہے اور نہ ان پر کوئی عمل موقوف ہے اور وہ عوام میں اِنتشار پھیلنے کا موجب بھی ہوسکتے ہیں نادانی کی بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے والدین کے بارے میں توقف ہی کرنا چاہئے۔ محققین نے اسی کو ترجیح دی ہے،[1] تاہم زید کی جو باتیں سوال میں کی گئی ہیں ان کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز نہیں ہوگا، اس کے پیچھے نماز دُرست ہے اور اس کی ان باتوں کی وجہ سے اس پر یہ الزام لگانا دُرست نہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۷/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۸۴/۲۵ ج)

کنفوشس، زرتشت اور گوتم بدھ کے متعلق عقیدۂ نبوت

سوال (۲۴):- اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم میں ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے لیکن ان اقوام کا قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا، جبکہ بعض لوگ قرآن کے حوالے سے کنفوشس جو کہ چین کا فلسفی تھا اور زرتشت جس کے پیروکار پارسی کہلاتے ہیں اور بدھ کے بانی گوتم بدھ اور اسی طرح کئی شخصیتوں کو پیغمبر کہتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:- ان تینوں میں سے کسی کے بارے میں قرآن وحدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نبی تھے یا نہیں، ہمارے لئے بھی اس معاملے میں سکوت ہی لازم ہے۔[2] البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام بھیجے وہ سب برحق ہیں، ان کی تعلیمات بھی برحق تھیں، یہ تینوں اگر بالفرض نبی ہوں بھی تو ان کی تعلیمات اب بعینہٖ محفوظ نہیں، اور اگر محفوظ بھی ہوں تو ایک خاص زمانے کے لئے تھیں، اب صرف خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل لازم ہے اس کے خلاف پر عمل جائز نہیں،

---

(۱) واما وجوب الکف عن الخوض فی حکم ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الآخرۃ فللشیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ فی ہذہ المسئلۃ ست مولفات وقد طالعتہا کلہا فرایتہا ترجع الی ان الادب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب وان من اذاہ فقد اذی اللہ وقال تعالٰی: "ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلہم عذاب مہینا" ...... وکان الامام ابوبکر بن العربی المالکی الفقیہ المحدث یقول ما عندی احد اشد اذی لرسول اللہ ممن یقول ان ابوی فی النار وفی حدیث مسلم لا تؤذوا الاحیاء بسبب الأموات فیحرم جزمًا ان یقال ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النار (الیواقیت والجواہر للشعرانی ج:۲ ص:۵۷ طبعۃ مصر)۔

..... انظر ایضًا فتح الملہم ج:۲ ص: ۵۳۲۔

(۲) فی المشکوٰۃ مع التعلیق الصبیح باب الاعتصام بالکتاب والسُّنّۃ الفصل الأول ج:۱ ص:۲۲: وعنہ قال کان اہل الکتاب یقرأون التوراۃ بالعبرانیۃ ویفسرونہا بالعربیۃ لأہل الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوہم وقولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا الآیۃ۔

...... فی التعلیق تحتہ: یعنی اذا احدثت الیہود والنصاریٰ بشئ من التوراۃ والانجیل لا تصدقہم لعلہم حدثوہم بما ہو محرف ولا تکذبوہم ایضًا لاحتمال ان یکون حقًا وصدقًا بل قولوا اٰمنا باللہ ای ان کان حقًا اٰمنا بہ لأنا اٰمنا بجمیع الرسل وما انزل الیہم من اللہ تعالٰی وان لم یکن حقًا فلا نؤمن بہ ولا نصدقہ ابدًا وفی شرح السُّنّۃ ہذا اصل فی وجوب التوقف عما یشکل من الأمور فلا یقضی فیہ بجواز ولا بطلان وعلی ہذا کان السلف۔

..... انظر ایضًا: المرقاۃ ج:۱ ص:۱۹۳۔

پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں سے جو تعلیمات شریعتِ محمدیہ نے بھی برقرار رکھیں ان پر البتہ عمل کیا جائے گا مگر وہ بھی اس حیثیت سے کہ یہ شریعتِ محمدیہ کی تعلیمات ہیں۔ واللہ اعلم

۵/۷/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۰۰/۲۶ د)

عقیدۂ ختمِ نبوت قرآنِ کریم اور اَحادیثِ متواترہ سے ثابت ہے

سوال (۲۵):- کیا احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاتم النبیین ہونے کا ذکر فرمایا ہے؟ کیا خاتم النبیین سے نبی آخر الزمان مراد ہے یا نبیوں میں افضل مراد ہے؟

جواب:- قرآنِ حکیم میں بھی صراحت ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ سورۂ اَحزاب کے پانچویں رُکوع کے آخر میں ارشاد ہے: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور احادیثِ متواترہ سے بھی آپ کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ اس مسئلے کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مفتی صاحب مدظلہم[1] کی کتاب ''ختمِ نبوت'' کا مطالعہ کیجئے، اس میں ایک سو آیاتِ قرآنیہ اور ایک سو اَحادیثِ نبویہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ثابت کیا گیا ہے اور یہ بھی وضاحت اور دلائلِ قطعیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ خاتم النبیین سے مراد آخری نبی ہے نہ کہ محض افضل النبیین۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۲۵/۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۸۷/۲۵ ب)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

عقیدۂ ختمِ نبوت ضروریاتِ دِین میں سے ہے

سوال (۲۶):- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الخلق ہونا اور خاتم النبیین ہونا جیسے اُمور کے بارے میں تحریر کریں کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہیں یا نہیں؟

جواب:- محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں یعنی آپ کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول کسی قسم کا نہیں آسکتا، یہ بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے۔[2] اس کے علاوہ بھی ضروریاتِ دین کی ایک طویل فہرست ہے جو یہاں نہیں لکھی جاسکتی، جب کسی شخص کے عقائد علمائے کرام کے سامنے مفصل طور سے آتے ہیں جب ہی وہ

---

(۱) یعنی مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے ''ختم نبوت'' مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

اس کے کافر یا مسلمان ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں، اجمالی طور پر قاعدہ کلیہ کے مطابق کوئی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا، تکفیر کے مسئلے میں شدید احتیاط کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۳۴۳/۲۵ ب)

لفظ ''خاتم'' سے بیک وقت اِنقطاع و اِجراء دونوں معنی مراد لینا بلا دلیل ہے

سوال (۲۷): -- مسئلہ ختمِ نبوت سے متعلق علمائے اُمت اور قادیانیوں کے لٹریچر کے مطالعے کے بعد سائل کے ذہن میں مسئلے کے متعلق ایک نیا سوال پیدا ہو رہا ہے جو میرے خیال میں مسئلہ ھٰذا لسانی پہلو سے متعلق ہے، آپ کی عدیم الفرصتی کے سبب مختصراً انداز میں سوال پیشِ خدمت ہے۔

۱- اُمتِ مسلمہ اور قادیانیوں میں باعثِ نزاع لفظ ''خاتم'' کی تعبیر و تشریح ہے۔

۲- اُمتِ مسلمہ ''خاتم'' سے اِنقطاع کا مفہوم مراد لیتی ہے یعنی نبوت کا کلی اِنقطاع تشریعی وغیر تشریعی دونوں قسم کی اور دیگر ہر قسم کی نبوت کا کلی اِنقطاع، اور اس تشریح و تعبیر پر آیاتِ قرآنی، تفاسیر، احادیث اور اِجماعِ اُمت سب شاہد ہیں جیسا کہ آنجناب نے اپنی تصنیف ''ختمِ نبوت'' میں اور دیگر علماء نے دیگر تصانیف میں اس مفہوم کی صراحت کی ہے۔

۳- لیکن قادیانی اس لفظ کی تعبیر و تشریح میں اُمتِ مسلمہ سے متفق بھی ہیں اور اِختلاف بھی رکھتے ہیں اور یہی اختلاف باعثِ نزاع ہے، اتفاق اس اعتبار سے کہ وہ بھی لفظ ''خاتم'' سے اِنقطاع مراد لیتے ہیں لیکن صرف تشریعی نبوت کا اِنقطاع، اور بیک وقت اِجراء بھی مراد لیتے ہیں یعنی غیر تشریعی نبوت کا اِجراء، اور یہی اندازِ فکر باعثِ اِختلاف ہے۔

اس سلسلے میں اس سے قطع نظر کہ لفظ ''خاتم'' کا مفہوم بصورتِ اِجراء لغت و قواعد، آیاتِ قرآنی، احادیث و اجماع، کے لحاظ سے دُرست ہے یا نہیں، میرے خیال میں مسئلے کا ایک لسانی پہلو بھی ہے وہ یہ کہ قادیانی تقسیم کے مطابق ایک ہی لفظ ''خاتم'' کے دو مختلف معنی اِنقطاع اور اِجراء دونوں الفاظ کا منبع و مصدر ایک ہی ہے یعنی ''خاتم'' ان دونوں معنی میں باہم اِجتماعِ نقیضین ہے یعنی اِجتماعِ ضدین ہے اور دونوں یعنی بیک وقت استعمال کئے بغیر قادیانی مفہوم (یعنی ختمِ نبوت کا مفہوم) مکمل نہیں ہوتا۔

۴- سوال یہ ہے کہ کیا لسانی نقطۂ نظر اور قواعد کے لحاظ سے کسی زبان میں خصوصاً عربی میں یہ روایت و مثال موجود ہے کہ ایک ہی لفظ کے دو باہم بالکل مختلف و نقیض معنی کو بیک وقت استعمال کیا جائے اور اس اِجتماعِ نقیضین وقت استعمال پر اِجماعِ نقیضین کا اِعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میرے خیال

میں لفظ ''خاتم'' کی تشریح قواعد ولسانی نقطۂ نظر سے بھی غلط ہے۔ سائل عربی گرامر سے واقف نہیں اور غالبًا کسی کتاب میں اس پہلو سے مسئلے پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔

جواب:- اگر قادیانی لفظ ''خاتم'' کے معنی اِنقطاع و اِجراء دونوں بیک وقت مراد لیتے ہیں اور اِنقطاع کا تشریعی نبوّت سے اور اِجراء کا تعلق غیر تشریعی نبوت سے قرار دیتے ہیں تو اس پر اِجتماعِ نقیضین کا اِعتراض تو لازم نہیں آتا کیونکہ اِجتماعِ نقیضین کے لئے وحدتِ محل شرط ہے اور یہاں وہ مفقود ہے یعنی جس چیز کے اِنقطاع کا دعویٰ ہے بعینہٖ اسی چیز کے اِجراء کا دعویٰ نہیں، البتہ ان کا یہ کہنا کہ یہ لفظ ان دونوں معنی میں آتا ہے اور یہاں یہ دونوں معنی بیک وقت مراد ہیں بلا دلیل ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے جو وہ پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۱/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۴ الف)

تشریعی اور غیر تشریعی نبی کا مطلب

سوال (۲۸):- بعض قادیانی انبیائے کرام کو تشریعی و غیر تشریعی سے یاد کرتے ہیں حالانکہ سب انبیائے کرام شریعت کے پابند تھے، اس کا جواب ایسا بتائیں جو قادیانیوں کو قابل قبول ہو۔

جواب:- تشریعی نبی اور غیر تشریعی نبی کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ بعض نبی شریعت کے پابند تھے بعض نہ تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نبی نئی شریعت لے کر آئے ان کو تشریعی نبی کہا گیا اور بعض نبی نئی شریعت لے کر نہیں آئے پچھلی ہی شریعت کی تبلیغ کرتے رہے ان کو غیر تشریعی نبی کہا گیا، قادیانی کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی غیر تشریعی نبی تھا، ان کا یہ دعویٰ ایسا جھوٹا اور باطل ہے کہ صرف مکار اور دھوکے باز شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کے حالاتِ زندگی سے واقف ہو نبی تو بڑی بات ہے اسے ادنیٰ صحیح العقل شریف انسان سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوگا۔ علماء نے قادیانیوں کے اس جھوٹے دعوے کو باطل ثابت کرنے کے لئے بہت سی کتابیں اُردو میں لکھی ہیں ان کا مطالعہ کیجئے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی کتاب ''ختمِ نبوّت کامل'' اور دُوسری کتاب ''مسیحِ موعود کی پہچان'' بھی اس مقصد کے لئے بالکل کافی ہے۔

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۲/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۶۶ الف)

ختمِ نبوّت کی ضرورت اور اس کی حکمت اور مصلحت

سوال (۲۹):- ختمِ نبوت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں ہوئی پہلے کیوں نہ ہوئی؟

جواب: - اگر ختمِ نبوت پہلے ہوجاتی تب بھی یہ سوال ہوسکتا تھا کہ اس سے پہلے کیوں نہیں ہوئی؟ جب کبھی ختمِ نبوت ہوتی یہ سوال پیدا ہوسکتا تھا اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس سوال سے شاید آپ کا مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ ختمِ نبوت کیوں ہوئی؟ اس کی ضرورت کیا تھی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر انسان کی انفرادی زندگی میں بچپن، پھر جوانی، پھر بڑھاپا اور اس کے بعد موت ہے۔ اسی طرح نوعِ انسانی کی زندگی بھی بحیثیت نوعِ انسانی کے انہی ادوار سے گذری اور گذر رہی ہے، آدم علیہ السلام کی ابتدائی نسلوں کا زمانہ معاشرتی اعتبار سے بنی نوعِ انسان کا بچپن ہے، اس وقت وہ دُنیا میں رہنے کے ان سب طریقوں سے واقف نہ تھی جن سے اب واقف ہے، اس نے عمرانیات، اقتصادیات اور معاشرت وغیرہ میں بتدریج ترقی کی ہے، پھر یہ ترقی اپنے درجۂ کمال کو پہنچنے کے بعد رو بہ زوال ہوکر بنی نوعِ انسان کی اجتماعی موت پر منتہی ہوگی، اسی انتہاء کا نام قیامت ہے۔

جس طرح بنی نوعِ انسان نے معیشت ومعاشرت وغیرہ میں بتدریج ترقی کی، اسی طرح اللہ جل شانہٗ کی طرف سے بنی نوعِ انسان کے لئے تدریجی طور پر مختلف قوموں اور مختلف زمانوں کے لئے شریعتیں آتی رہیں، چونکہ وہ دور بنی نوعِ انسان کے کمال کا دور نہ تھا بلکہ عبوری نشوونما کا دور تھا، اس لئے یہ شریعتیں بھی عبوری دور کے لئے مخصوص قوموں کے مخصوص حالات کے مطابق بھیجی گئیں، یہ شریعتیں انبیائے کرام اپنی اپنی قوموں کے لئے لے کر آئے، یہ سب شریعتیں اعتقادات میں تو سب متفق تھیں مگر عملی احکام میں اختلاف ہوتا تھا، اس وقت تک بنی نوعِ انسان میں متعدد وجوہ سے اتنی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایسی کامل شریعت کی امین بن سکے جو زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہو اور قیامت تک کے لئے پوری دُنیا کی رہنمائی کا کارنامہ انجام دے۔

جب بنی نوعِ انسان رُوحانی، شعوری، معاشرتی، تمدنی اور مواصلاتی اعتبار سے اس قابل ہوگئی کہ تمام دُنیا کے انسانوں کو ایک ہی شریعت کافی ہوسکے، اور ایک نسل دُوسری کو اور دُوسری تیسری کو قیامت تک اس شریعت کی تعلیمات علماً اور عملاً بجنسہٖ منتقل کرسکے تو اب ایک ایسی شریعت کی ضرورت تھی جو عبوری دور کے لئے نہ ہو، مستقل ہو، ہر اعتبار سے مکمل ہو، قیامت تک کی ضرورتوں اور تقاضوں کا احاطہ کئے ہوئے ہو، ہر زمانے اور ہر خطے کے لئے ہو۔ اور پوری دُنیا کے تمام انسانوں کو ایک مذہبی برادری میں منسلک کرنے کی پوری اہلیت اور وسعت اپنے اندر رکھتی ہو اور اس میں اتنی لچک موجود ہو کہ ہر خطے اور ہر زمانے کے مختلف اور بدلتے ہوئے حالات کا حل خود اسی میں سے نکل سکے۔ ایسی ہی شریعت اسلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچی اور پوری بنی نوعِ انسان کے لئے قیامت تک حجت اور مشعلِ راہ ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" آج میں

نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا "وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا (سورہ مائدہ، رکوع اول)۔ (۱)

جب شریعت اور دین کی تکمیل ہوگئی اور اس دین اسلام کی امین ایک ایسی اُمت بن گئی کہ خود اسی میں سے ایسے عظیم افراد ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق اس دین کی مٹی ہوئی تعلیمات کو زندہ کرتے رہیں گے، تو اب نہ کسی نئے نبی کی ضرورت رہی، نہ نئی شریعت کی، اب اگر کوئی نبی آتا تو یہ ایک بے ضرورت اور بے فائدہ کام ہوتا اور اللہ تعالیٰ ایسا کوئی کام نہیں کرتا جو بے فائدہ ہو اور اپنے نبی کو ایسی جگہ نہیں بھیجتا جہاں اس کی ضرورت نہ ہو۔

البتہ شریعت محمدیہ ہی کی تبلیغ اور تعلیم و ترویج کے لئے علمائے مجتہدین اور مجددین اس اُمت میں پیدا ہوتے رہے جو مٹی ہوئی سنتوں کو زندہ کرتے رہے اور قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مجدد بن کر تشریف لائیں گے کوئی نئی شریعت ساتھ نہ لائیں گے۔

اس مسئلے کی مزید تفصیلات کے لئے دو کتابیں ملاحظہ فرمائے "ختم نبوت" از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دُوسرا "مباحثہ شاہ جہاں پور" مطبوعہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی (یہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ایک پادری کے مناظرے کی رُوئیداد ہے)۔

واللہ اعلم بالصواب
۱۸/۳/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴/۳۹۷ ج)

نزولِ عیسیٰ ختمِ نبوت کے منافی نہیں

سوال (۳۰):- بخاری شریف میں دو حدیثیں مروی ہیں کہ آخری زمانے میں ابنِ مریم کا نزول ہوگا اور مسلم شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ابنِ مریم کو چار دفعہ نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے، شرعی اعتبار سے اس نزولِ ابنِ مریم کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں، نیز خاتم النبیین کی ترکیب میں وہ کونسا لفظ ہے جس سے یہ استثناء مستنبط ہے؟

جواب:- صرف دو چار ہی نہیں بلکہ ایک سو سے زائد احادیث سے ثابت ہے کہ قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُنیا میں نازل ہوں گے، (۲) وہ اس وقت بھی نبی ہوں گے مگر دُنیا میں ان کا قیام بحیثیت نبی نہیں بلکہ حاکمِ عادل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی حیثیت سے ہوگا۔ وہ خود بھی

---

(۱) آیت نمبر: ۳
(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: التصریح بما تواتر فی نزول المسیح از مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے اور لوگوں کو بھی اسی شریعت پر چلائیں گے، اس سلسلے کی ایک سو سے زائد احادیث ترجمہ وتشریح کے ساتھ ناچیز کی کتاب بنام "علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح" مکتبہ دارالعلوم سے کتابی صورت میں شائع ہوچکی ہے، اس کے مطالعے سے تمام مطلوبہ تفصیلات حاصل ہوجائیں گی۔

"خاتم النبیین" کے معنی ہیں "آخری نبی" جس کا حاصل یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء (بشمول عیسیٰ علیہ السلام) کے آخر میں مبعوث فرمائے گئے، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا، خاتم النبیین کے مفہوم سے عیسیٰ علیہ السلام کے استثناء کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے نبی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث نہ ہوئے ہوں، وہ پہلے ہی مبعوث ہوچکے تھے، اور اب دُنیا میں ان کا نزول نئی زندگی کے ساتھ نہیں بلکہ پہلی ہی زندگی کے ساتھ ہوگا کیونکہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھالئے گئے تھے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے منافی نہیں۔ (۱)

واللہ اعلم بالصواب
۶/۶/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۵۷/۲۵ء)

آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کتنی تھی؟ اور نزول کے بعد ان کی حیثیت

سوال (۱۳۱):- میرے والد اور آپ دونوں ہم سبق تھے، والد بزرگوار مرحوم اکثر آپ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، برابر ملنے کا شوق رہا لیکن موقع نہ ملا، میں ایک امریکن جہاز میں ملازم ہوں میرے ساتھ ایک اور پاکستانی ہے جو کہ احمدی ہے، بعض مسائل میں اکثر اس سے بحث ہوتی رہتی ہے، یہ خط لکھنے کا مقصد ہی ایک دو مسائل معلوم کرنا ہے۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے گئے یا وہ زمین پر انتقال فرماگئے؟ احمدی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی، والد مرحوم بتاتے تھے کہ عمر ۴۰ سال ہے ۳۳ سال کی عمر آپ نے زمین پر پائی، اور سات سال دوبارہ زمین پر تشریف لاکر پوری کریں گے، زمین پر دوبارہ تشریف لانے کے

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "ختم نبوت" مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور "آئینہ قادیانیت" از مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہم۔

بارے میں تحریر فرمائیں؟

جواب:- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابھی تک موت نہیں آئی وہ اپنے جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے تھے اور اب تک زندہ ہیں۔ قرآنِ حکیم کی سورۂ نساء میں ارشاد ہے "وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝" یعنی یہودیوں نے انہیں یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اُٹھالیا اور اللہ تعالیٰ قوت والا حکمت والا ہے۔

آسمان پر اُٹھائے جانے سے پہلے دُنیا میں ایک سو بیس سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عمر پانا کسی معتبر حدیث سے ثابت نہیں۔

قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دُنیا میں تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل فرمائیں گے، پھر دُنیا میں کئی سال حکومت فرمائیں گے، اور پوری دُنیا کو امن وامان سے بھر دیں گے، بالآخر آپ کا انتقال ہو جائے گا اور مسلمان ان پر نمازِ جنازہ پڑھ کر ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کریں گے، (کہ آپ کو پہلے موت نہیں آئی تھی بلکہ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے تھے اور آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں) دُنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور حاکم عادل کی حیثیت سے ہوگا، اور شریعتِ محمدیہ کے مطابق وہ خود بھی عمل کریں گے، اور دُوسروں کو بھی اس پر چلائیں گے، اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب اس وقت باقی نہیں رہے گا، یہ تفصیلات معتبر و مستند احادیث سے ثابت ہیں، وہ سب احادیث اور متعلقہ تفصیلات مطلوب ہیں تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی کتاب ''علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح'' کا مطالعہ کیجئے، یہ کتاب احمدیوں اور قادیانیوں ہی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔[1]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۴/۱/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۸۷ ب)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

---

(۱) نیز نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی خود بائبل میں بھی موجود ہے، چنانچہ انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۸،۲۷ میں ہے:

''ابن انسان اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا، اور تب ہر کو اس کے کاموں کے موافق بدلہ دے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں...... کہ جب تک ابن انسان کو اپنی بادشاہی میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے۔ (انجیل کی ان آیات میں جہاں نزولِ مسیح کی خبر دی جارہی ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کی نفی بھی ہوتی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو ابن انسان سے تعبیر کیا ہے)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزہ کیوں ہے اور وہ خدا کے بیٹے کیوں نہیں؟

سوال (۳۲):- یہ خط تاثر کے ساتھ تحریر کر رہا ہوں، آپ کے دوست سیّد مسرور احمد صاحب آپ کا غائبانہ تعارف کچھ ایسے انداز سے کرایا کہ آپ سے بے انتہا عقیدت ہوگئی، ان شاء اللہ تعالیٰ جب بھی پاکستان آیا ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اس تحریر کا مقصد اصل میں آپ سے تعارف حاصل کرنا اور کچھ اپنی ایک غرض بیان کرنا ہے، میرا مختصر تعارف حافظ صاحب کرادیں گے، میں یہاں پر اپنی تعلیم کی غرض سے مقیم ہوں، اور اس عرصے میں حسبِ توفیق اسلام کی خدمت بھی کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حافظ صاحب عین رمضان المبارک کے موقع پر تشریف لے آئے، چنانچہ یہ ماہِ مبارک ہم نے بہت ہی شان اور اہتمام سے منایا، ان تمام چیزوں کا مقصد نہ صرف ایک فریضہ ادا کرنا تھا بلکہ یہ کوشش بھی تھی کہ وہ مسلمان طلبہ جو مغربی معاشرے کا شکار ہورہے ہیں انہیں اس سے بچانے کی کوشش کی جائے، یہ ماشاء اللہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔

اس سلسلے میں جب میرا تعلق غیر مسلم حضرات یعنی عیسائی اور یہود سے ہوا تو ایک چیز کا احساس بڑی شدت سے ہوا کہ یہ لوگ ہمارے اعتقادات سے قطعی بے بہرہ ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری طرف سے اس ضمن میں بے انتہاء کوتاہی برتی جارہی ہے، یہاں ایک جماعت مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن ہے جس میں بہت سے عرب اور پاکستانی مسلمان بہت ایکٹو ہیں، اور نارتھ امریکہ میں ماشاء اللہ بے انتہاء لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔ میں یہاں پر بھی اس سلسلے میں کافی مصروف تھا، میری نظر میں جو چیزیں آئیں وہ یہ تھیں کہ عیسائی یہ سن کر بہت خوش ہوتے ہیں ہم حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور یہود اس سلسلے میں بہت دلچسپی لیتے ہیں کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کو نبی سمجھتے ہیں خدا نہیں، اس سلسلے میں ایک دفعہ میری کچھ گفتگو ہماری یونیورسٹی کے مذہبی اُمور کے سربراہ (Head of the Dept of Religious Affairs) سے ہوئی انہوں نے اس میں دلچسپی لی جس کا اختتام اس وعدے پر ہوا کہ میں ایک مختصر ریسرچ پیپر لکھوں جس کا موضوع حسبِ ذیل ہے: "Jesus Grist in Judhsm,Christianity of Islam" یعنی میں میں ایک آسان پیپر لکھنا چاہتا ہوں تاکہ عام آدمی سمجھ سکے، اب اس سلسلے میں ایک اہم سوال کا جواب دیں تو مضمون لکھنے میں بہت آسانی ہوگی۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزہ کیوں ہے؟ وہ خدا کے لئے بیٹے کیوں نہیں؟ (نعوذ باللہ)۔

جواب:- جس مقصد کے لئے آپ کو ان سوالات کے جواب درکار ہیں وہ محض ان سوالات کے جواب سے حاصل ہونا مشکل ہے، سوالات کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس سلسلے میں بعض ابتدائی معلومات کی بھی ضرورت ہے، اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمایا جائے:-

۱- بائبل سے قرآن تک (از مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ)۔

۲- علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح (از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم واحقر محمد رفیع عثمانی)۔

۳- ''ختمِ نبوت'' از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم۔

کتاب نمبر ۱ و ۳ آپ کو مل چکی ہوں گی، تاہم نہایت اختصار کے ساتھ سوالات کا جواب بھی نمبر وار لکھتا ہوں، آج کل بیمار ہوں، کتابوں کی مراجعت کا موقع نہیں، کچھ اس وجہ سے بھی کہ جواب میں تاخیر ہو جائے گی اس لئے جو مستحضر ہے مختصراً قلم برداشتہ لکھ رہا ہوں۔ اگر کوئی بات تشنہ رہ جائے تو دوبارہ لکھ دیجئے۔

۱- معجزہ ایسے عجیب واقعے کو کہا جاتا ہے جو عقلاً تو ممکن ہو مگر عام قانونِ قدرت کے خلاف ہونے کی باعث عادۃً ممکن نہ ہو اور کسی نبی کی نبوت وحقانیت کے اظہار کے لئے اللہ جل شانہٗ اس کو ظاہر فرمائے اور دُوسرے لوگ اس کی مثال لانے سے عاجز ہو جائیں۔[1]

معجزے کی یہ تعریف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر پوری طرح صادق آتی ہے اس لئے ان کی پیدائش واضح طور پر ایک معجزہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان کی پیدائش عقلی طور پر چار طریقوں سے ممکن تھی، ایک یہ کہ وہ ماں اور باپ کے ملاپ سے پیدا ہو۔ دُوسرا یہ کہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہو، تیسرا یہ کہ بغیر ماں کے پیدا ہو، چوتھا یہ کہ بغیر باپ کے پیدا ہو۔ یہ چاروں طریقے عقلاً ممکن ہیں کیونکہ ہر چیز کی تخلیق کی اصل علت اللہ ربّ العالمین کا ارادہ ہے جو ہر طریقے پر قادر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے کائنات کے عام اُمور کو اَسباب ومسببات کے سلسلے میں مربوط کیا ہوا ہے، اور عام قانون یہی ہے کہ اسباب وآلات کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آتی، چنانچہ انسان کی تخلیق کا ذریعہ ماں باپ کو بنایا کہ ان کے ملاپ کے بغیر عموماً کوئی انسان پیدا نہیں ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ اظہارِ قدرت اور بعض دُوسری مصلحتوں سے کبھی ظاہری اسباب وآلات کے بغیر بھی کوئی چیز پیدا فرماتا ہے، یہ چیز چونکہ عام طریقے سے ہٹ کر وجود میں آتی ہے، اس لئے انسانی عقل اسے عجیب سمجھتی ہے ورنہ درحقیقت کوئی چیز خواہ اسباب وآلات کے واسطے سے پیدا ہو یا بلا واسطہ، اس کی تخلیق عجیب ہی ہوتی ہے کیونکہ تخلیق عدم سے وجود میں لانے کو کہتے ہیں اور کسی چیز کا عدم سے وجود میں آنا خواہ وہ

---

(۱) فی شرح العقائد للنسفی ص:۹۸

وهی امر یظهر بخلاف العادة علی ید مدعی النبوة عند تحدی المنکرین علی وجه یعجز المنکرین عن الاتیان بمثله۔

کسی بھی طریقے سے ہوا تنا عجیب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی اس پر قادر نہیں، مگر مقررہ اسباب وآلات کے واسطے سے پیدا ہونا چونکہ روزمرہ مشاہدے میں آتا ہے اس لئے وہ ہمیں عجیب معلوم نہیں ہوتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی میں اپنی قدرت کا اظہار چاروں طریقے سے فرمایا، پہلا طریقہ تو عام ہے جس سے تمام انسانوں میں توالد وتناسل کا سلسلہ جاری ہے، اور دُوسرے طریقے سے آدم علیہ السلام کو، تیسرے طریقے سے حضرت حوا کو اور چوتھے طریقے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، آخری تینوں طریقے اگرچہ عقلاً ممکن ہیں مگر عادۃً ممکن نہیں اس لئے یہ تینوں واقعے عقلِ انسانی کے نزدیک عجیب ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا یہ عجیب طریقہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوّت ظاہر فرمانے کے لئے رُونما کیا تھا، کوئی دُوسرا اس پر قادر نہیں اس لئے یہ معجزہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہوسکتے اس کے نقلی دلائل بھی ہیں اور عقلی بھی، نقلی دلائل میں قرآنِ حکیم کی کئی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ بالکل صریح ہیں،[۱] لیکن کلام اگر عیسائیوں سے ہورہا ہو جو قرآن وحدیث کو نہیں مانتے، تو ان کے سامنے قرآن وحدیث کے دلائل کو پیش کرنا مفید نہ ہوگا، انہیں صرف دو قسم کے دلائل مفید ہوسکتے ہیں، ایک وہ جو خود ان کی بائبل سے ثابت ہوں اور خود بائبل کی شہادتیں یہ ثابت کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ تھے۔ دُوسرے وہ دلائل جو محض عقل کی بنیاد پر پیش کئے جائیں یہ دونوں قسم کے دلائل آپ کو پوری شرح وبسط کے ساتھ ''بائبل سے قرآن تک''[۲] میں اُمید ہے کہ مل جائیں گے، بعض عقلی دلیلیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں جو شاید اس کتاب میں نہ ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے درمیان جزئیت کا علاقہ ہونا عقلاً ضروری ہے یعنی بیٹا باپ کے ایک جزء سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ جزئیت نہ ہو تو یہ دونوں آپس میں باپ بیٹے نہیں ہوسکتے، یہ بات اتنی کھلی ہوئی ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اب اگر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ خدا کے کسی جزء سے پیدا ہوئے ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام عقلاء کے نزدیک ازل سے بسیط ہے، مرکب نہیں، اس کا کوئی جزء ہونا عقلاً محال ہے جس کے عقلی دلائل علمِ کلام میں روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، یہ محال حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے کی وجہ سے لازم آیا اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہوتی ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا محال ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ بیٹا یا تو باپ کا ہم جنس ہوگا یا ہم جنس نہ ہوگا، اگر ہم جنس نہ ہو تو یہ باپ اور

---

(۱) بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمایئے: سورۃ نساء آیت: ۱۷۱، سورہ مریم آیت: ۳۴، ۳۵، ۳۰، اور سورۃ مریم آیت: ۳۰۔

...... وفی الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الانبیاء: عن عبادۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من شھد ان لا الہ الا اللہ ...... وان عیسیٰ عبد اللہ ورسولہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ.... الخ۔

(۲) ملاحظہ فرمایئے ج:۲، ص:۲۰۶ تا ۳۰۲۔

بیٹے دونوں کے لئے عیب ہے مثلاً کسی انسان کے نطفے سے اگر گھوڑا پیدا ہو جائے تو پوری دُنیا اسے باپ اور بیٹے دونوں کے لئے عیب قرار دیتی ہے اگر چہ گھوڑا فی نفسہ کوئی عیب کی چیز نہیں۔ پس اگر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا جائے تو دو محالوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گا کہ یا تو عیسیٰ علیہ السلام خدا کے ہم جنس یعنی خدا ہوں گے یا ہم جنس نہ ہوں گے، اور یہ دونوں باتیں عقلاً محال ہیں۔ ہم جنس ہونا تو اس لئے محال ہے کہ اس سے اللہ جل شانہٗ کا عیب لازم آتا ہے جیسا کہ اُوپر گذرا، اور اللہ تعالیٰ کا عیب دار ہونا تمام عقلاء کے نزدیک محال ہے، اور ہم جنس یعنی خدا ہونا عقلاً ممکن نہیں اور توحید کے تمام عقلی ونقلی دلائل اسے محال ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ عیسائی بھی مانتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے معدوم تھے بعد میں وجود میں آئے، حالانکہ خدا کسی بھی وقت معدوم نہیں ہوسکتا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے، زمانۂ ماضی میں ان کا معدوم ہونا ہی ان کے خدا ہونے کی واضح دلیل ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خدا عجز اور جسمانیت سے پاک ہے حالانکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مظلومیت کے قائل ہیں جو ان کے عجز کو ظاہر کرتی ہے، اور جسمانیت کے بھی قائل ہیں کہ ان کا جسم تھا اور گوشت پوست والے تھے، معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں ہوسکتے، ان کا خدا ہونا بھی محال ہے۔

پس خدا کا بیٹا ہونے کی صورت میں جب ان کا ''خدا'' ہونا بھی محال ہے اور غیر خدا ہونا بھی محال تو معلوم ہوا کہ بیٹا ہونا بھی محال ہے کیونکہ بیٹا ہونے کی صورت میں ان دو محالوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گا، اور جو چیز مستلزم ہو محال کو وہ خود محال ہوتی ہے اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا محال ہے۔

واللہ اعلم

۱۸/۳/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۰/۲۴ ج)

حضراتِ انبیاء میں افضلیت کے ثبوت کا اُصول

سوال (۳۳):- بقول عیسائی حضرات کے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ گناہ کیا کہ گندم کھائی جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی میں کوئی گناہ ہی نہ کیا تھا، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوئے۔

جواب:- کسی بھی نبی سے کوئی گناہ نہ ہوتا ہے اور نہ ہوا ہے نہ حضرت آدم علیہ السلام سے نہ عیسیٰ علیہ السلام سے، حضرت آدم علیہ السلام بھی دیگر انبیائے کرام کی طرح ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم تھے[1]

---

(۱) قال ائمة الاصول: الأنبياء عليهم الصلوة والسلام كلهم معصومون لا يصدر عنهم ذنب ولو صغيرة سهواً (اليواقيت والجواهر ج:۲ ص:۲)۔

اور جنت کے ممنوع درخت میں سے کھانے کا جو واقعہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے وہ بھی درحقیقت کوئی گناہ نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اِجتہادی خطاء تھی، اور اِجتہادی خطاء، خطاء تو ہوتی ہے گناہ نہیں ہوتی، چنانچہ آخرت میں اس پر کوئی گرفت بھی نہیں ہوتی، دُوسرے بعض انبیائے کرام کے بھی بعض واقعات قرآنِ حکیم میں اس انداز سے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ سرسری نظر سے گناہ معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت وہ بھی سب اِجتہادی خطائیں تھیں، جنہیں انبیائے کرام کے اعلیٰ مقام کے لحاظ سے اس طرح ذِکر کیا گیا جیسے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہو، یہ کہنا کہ اِجتہادی خطاء تھی اس کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو سورۂ بقرہ کے چوتھے رُکوع میں "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ" کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی مشہور تفسیر "معارف القرآن" میں بھی اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

رہی یہ بات کہ عیسیٰ علیہ السلام سے تو اِجتہادی خطا بھی نہیں ہوئی تو ان کا درجہ آدم علیہ السلام سے افضل ہوا کیونکہ ان سے ایک گونہ خطاء تو سرزد ہوئی۔ ایک درجے میں یہ بات معقول ہے، اور اس حیثیت سے بلاشبہ آدم علیہ السلام پر عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک دوسری حیثیت سے آدم علیہ السلام کو افضلیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ وہ انبیائے کرام سمیت سب انسانوں کے باپ ہیں، خلاصہ یہ کہ ایک حیثیت سے عیسیٰ علیہ السلام کو افضلیت حاصل ہے اور ایک حیثیت سے آدم علیہ السلام کو اور یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں کہ ان میں سے علی الاطلاق کون زیادہ افضل تھا، یہ بات صرف وحی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت تمام انبیائے کرام پر قرآن وسنت سے معلوم ہوگئی تو ہم بھی اس کا عقیدہ رکھتے ہیں، نہ معلوم ہوتی تو سکوت کیا جاتا۔[1]

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ ہم مسلمان تمام انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان سب کو حق جانتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے، اور کسی بھی نبی کی ادنیٰ توہین کو جائز نہیں سمجھتے، لہٰذا انبیائے کرام میں کسی ایک کی افضلیت اس طرح بیان کرنا جائز نہیں کہ اس سے کسی دُوسرے

(۱) اعلم أن المختار عدم التفاضل بين المرسلين على التعيين بالعقل مع ايماننا بأن بعضهم أفضل من بعض عند الله تعالٰى اذا لخوض في مقام المرسلين غير محمد صلى الله عليه وسلم من الفضول فعلم انا نعتقد تفاضلهم على الابهام ولا بد لقوله تعالٰى تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض ولم يعين لنا من هو الأفضل ومعلوم انه لا ذوق لنا في مقامات الأنبياء حتّى نتكلم عليها ..... فلا ينبغي أن يتكلم في مقام الرسول الا رسول ولا في مقام الأنبياء الا نبي، ولا في مقام الوارثين الا رسول او نبي او ولي او من هو منهم هذا هو الادب الالهي ولولا انّ محمدًا صلى الله عليه وسلم اخبرنا انه سيّد ولد آدم لا ساغ لنا ان نفضله بعقولنا (اليواقيت والجواهر ج:۲ ص:۴۷)۔

نبی کی ادنیٰ توہین ہوتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

ہم میں اور اہلِ کتاب میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ ہم تمام انبیائے کرام پر ایمان لاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور اہلِ کتاب بعض پر ایمان رکھتے اور بعض کو جھٹلاتے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۸/۳/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۷/۲۴ ج)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہمارا عقیدہ

سوال (۳۴): - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُٹھائے جانے کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے اگر ایسا ہے تو اس کا کیا انداز ہوگا؟

جواب: - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ان کو نہ قتل کیا گیا، نہ سولی دی گئی، نہ ان کو اب تک موت آئی، سورۂ نساء کے اواخر میں ارشاد ہے کہ "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ"[2] یعنی یہودیوں نے نہ ان کو قتل کیا نہ سولی چڑھائی بلکہ یہودیوں کو شبہ میں ڈال دیا گیا، اور کئی مستند احادیث میں صراحت ہے کہ وہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور قربِ قیامت میں جبکہ دجال کا فتنہ دُنیا میں پھیلا ہوا ہوگا، اسے قتل کرنے کے لئے دُنیا میں نازل ہوں گے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر دجال اور اس کے ساتھیوں سے جنگ فرمائیں گے، دجال کو فلسطین کے ایک مقام بابِ لُد پر اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے، دجال کے ساتھی یہودی ہوں گے اور ان کو شکست ہوگی۔ جن کو مسلمان چن چن کر قتل کریں گے، تمام عیسائی اسلام قبول کرلیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت پوری دُنیا پر قائم ہوگی۔ آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے اور حاکمِ عادل کی حیثیت سے دُنیا میں چالیس سال قیام فرمائیں گے اور قرآن وسنت پر خود بھی عمل فرمائیں گے اور لوگوں کو بھی اسی پر چلائیں گے، آپ اس وقت بھی نبی ہوں گے، مگر دُنیا میں آپ کا قیام بحیثیت نبی نہ ہوگا۔ اس وقت آپ نکاح بھی فرمائیں گے، آپ کی اولاد بھی ہوگی پھر آپ کا انتقال ہوگا، اور مسلمان آپ کی نمازِ جنازہ پڑھ کر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس میں دفن فرمائیں گے۔ چنانچہ روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ انہی کے لئے خالی چھوڑی گئی ہے، یہ سب مستند احادیث

---

(۱) المشکوٰۃ مع المرقاۃ ج:۹ ص:۱۸۸ باب بدء الخلق وذکر الأنبیاء: وعنه قال استب رجل من المسلمین ورجل من الیهود فقال النبی صلی الله علیه وسلم لا تخیرونی علیٰ موسیٰ الخ۔

فی المرقاۃ تحته: ج:۹ ص:۱۸۹ (علیٰ موسیٰ) ای ونحوه من اصحاب النبوۃ تفضیلاً یؤدی الی ایهام المنقصه او الی تسبب الخصومة .. وانما نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن التفضیل بین الأنبیاء علیهم الصلاۃ والسلام من یقول ذلك من رایه لا من یقوله بدلیل او من یقوله بحیث یودی الی تنقیص المفضول او یجرا الی الخصومة الخ۔

(۲) النساء: ۱۵۷۔

نبویہ سے ثابت ہیں اور ان میں سے کوئی بات بھی عقلاً ناممکن نہیں اگرچہ بعض باتیں عجیب ضرور ہیں۔ یہ آپ کے اس سوال کا مختصر جواب ہے، اس کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو ''علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح'' کا مطالعہ کیجئے جو میری اور میرے والد ماجد کی مشترک تالیف ہے۔ واللہ اعلم

۱۸/۳/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۳۷۹/۲۴ج)

حضرت مریم کی شادی ہوئی تھی یا نہیں؟ اور آپ رفعِ عیسیٰ کے وقت زندہ تھیں یا نہیں؟

سوال (۳۵): - کوئی ایسی علامت کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب والا واقعہ ہونے کے وقت زندہ تھیں یا نہیں؟

جواب: - حضرت مریم کی شادی نہیں ہوئی تھی، نہ کسی مرد سے ان کا جنسی تعلق قائم ہوا۔ ان کے بطن سے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت محض ایک معجزہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بقول اہلِ کتاب سولی دیئے جانے اور بقول ہمارے آسمان پر اُٹھائے جانے کے وقت حضرت مریم حیات تھیں یا نہیں؟ قرآنِ حکیم کی کسی آیت سے اس کا جواب نہیں ملتا، احادیث میں بھی نظر سے نہیں گذرا۔ ممکن ہے ''بائبل سے قرآن تک'' میں اس پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہو۔ [1] واللہ اعلم بالصواب

۱۸/۳/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۷/۲۴ج)

حضرت عیسیٰ کی حقیقی عظمت کے قائل مسلمان ہیں یا عیسائی؟

سوال (۳۶): - بحیثیت نبی کے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں سے زیادہ بڑا درجہ کیونکر دے سکتے ہیں؟

جواب: - عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک ایسی صفت ''یعنی خدا کا بیٹا ہونے'' کے مدعی ہیں جس کا انکار خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا اور آخرت میں جب عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا کیا تم نے عیسائیوں کو کہا تھا کہ مجھے خدا کا بیٹا کہو تو وہ بھی انکار اور براءت کریں گے کہ میں نے ہرگز ان سے یہ نہ کہا تھا۔

---

(۱) تلاش کے باوجود ''بائبل سے قرآن تک'' میں یہ بحث نہیں ملی تاہم انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اس وقت زندہ تھیں ملاحظہ فرمائیں: انجیل یوحنا باب ۱۹ آیت ۲۶، ۲۷:

''یسوع نے اپنی ماں کو اور اس شاگرد کو جسے وہ پیار کرتا تھا پاس کھڑے دیکھا اور اپنی ماں سے کہا اے خاتون! دیکھ تیرا بیٹا، پھر شاگرد سے کہا کہ دیکھ تیری ماں، اور اسی وقت سے اس شاگرد نے اسے اپنے ہاں لے لیا۔

(سورۂ مائدہ آخری رکوع)۔[1]

دُنیا کی اکثریت بھی ہر زمانے میں اس بات کو مضحکہ خیز سمجھتی رہی ہے کہ عقل انسانی بھی اس کی نفی کرتی ہے جس کا اِجمالی بیان پیچھے ہو چکا ہے۔[2] تو درحقیقت یہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف وتوصیف اور تحسین نہیں بلکہ ایک قسم کا اِستہزاء ہے جو عیسائی غیر شعوری طور پر کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عقیدے کے بارے میں خود عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلاف اور اس کی تفسیروں میں تضاد پایا جاتا ہے ''بائبل سے قرآن تک'' میں اس کی تفصیل موجود ہے۔[3]

عیسائیوں کے اس دعویٰ کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ نہایت جاہ وجلال والے کنوارے بادشاہ کے کسی دوست کے بارے میں یہ مشہور کرنے لگیں کہ یہ بادشاہ کا بیٹا ہے مگر بادشاہ بھی اس کا منکر ہو اور اسے اپنی توہین کا باعث سمجھتا ہو، دوست بھی اسے غلط قرار دیتا ہو اور بادشاہ کی ناراضگی اور توہین کا باعث سمجھتا ہو، لوگوں کی اکثریت بھی اسے مضحکہ خیز سمجھتی ہو اور عقلی طور پر اسے لوگ ممکن نہ سمجھتے ہوں بلکہ جھوٹ قرار دیتے ہوں تو خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ جنہوں نے اس دوست کو کنوارے بادشاہ کا بیٹا کہا، انہوں نے اس کی تعظیم وتوقیر کی یا سخت توہین وایذا رسانی کے مجرم ہوئے؟

پس عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایسے ہی نادان دوست ہیں کہ تعظیم کی نیت سے وہ اس ذات کی بھی توہین کر رہے ہیں جسے وہ باپ کہتے ہیں اور اس کی بھی جسے وہ بیٹا کہتے ہیں۔ برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسی صفت سے متصف قرار دیتے ہیں جس سے بڑھ کر انسان میں کوئی صفت کمال نہیں ہو سکتی، وہ صفت ''عبدیت'' یعنی بندگی ہے یہی وہ صفت ہے کہ جتنی یہ ترقی کرتی جائے گی انسان اتنا ہی کامل اور اس کا درجہ فرشتوں اور تمام مخلوق سے اتنا ہی افضل وبرتر ہوتا جائے گا، یہ صفت سب سے عظیم اس لئے ہے کہ قرآنِ حکیم میں تخلیقِ انسان کا مقصد ''عبادت'' یعنی بندگی قرار دیا گیا ہے، سورۂ ذاریات کے آخر میں ارشاد ہے ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾''[4] یعنی میں نے جنات اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اور ظاہر ہے کہ جو صفت کسی چیز کا مقصدِ وجود ہو وہی اس چیز کا معیارِ کمال ہے، مثلاً موٹر بنانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ چلے اور اس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ مسافت کم

---

(۱) ''وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾'' سورۃ المائدۃ۔

(۲) مراد ہے گذشتہ فتویٰ بعنوان حضرت عیسیٰ کی پیدائش معجزہ کیوں اور وہ خدا کے بیٹے کیوں نہیں؟

(۳) بائبل سے قرآن تک ج:۲ ص:۲۴۱ تا ۲۴۴، نیز ملاحظہ فرمایئے مقدمہ ''بائبل سے قرآن تک'' ص:۵۸ تا ۶۸۔

(۴) سورۃ الذاریات آیت:۵۶۔

وقت میں بآسانی قطع کی جاسکے، یہی وہ فیصلہ کن صفت ہے جس کی بنیاد پر کسی موٹر کار کو بحیثیت موٹر کار کے اچھا یا بُرا قرار دیا جاسکتا ہے۔ جس کار میں یہ صفت جتنے کمال کے ساتھ پائی جائے گی وہ ہر عاقل کے نزدیک اتنی ہی کامل کار سمجھی جائے گی، اور جو گاڑی بہت سی خوبیوں کے باوجود چلتی نہ ہو وہ بحیثیت ایک کار کے سب کے نزدیک بے کار اور قابلِ مذمت ہے اگرچہ دیکھنے میں وہ کتنی ہی خوبصورت نظر آئے۔

معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر کسی چیز کی وہی صفت معیارِ کمال بن سکتی ہے جو اس کا مقصدِ تخلیق ہو، اور انسان کا مقصدِ وجود اللہ کی بندگی ہے، جس انسان میں یہ صفت جتنی کامل ہوگی وہ اتنا ہی کامل ہوگا، اور انسان کی سب سے بڑی مدح وستائش یہی ہوسکتی ہے کہ اسے اللہ کا کامل بندہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ سورۂ اسراء کی ابتدائی آیات میں جبکہ معراجِ آسمانی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم اعزاز یعنی اسراء کا ذکر کیا گیا ہے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر صفات کی بجائے آپ کی صفتِ عبدیت ہی کو بطورِ امتیازی شان ذکر فرمایا گیا۔

ارشاد ہے "سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا"[1] یعنی پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی، یہاں "بِعَبْدِهٖ" کی بجائے "بحبیبہ" وغیرہ بھی فرمایا جاسکتا تھا، مگر "بِعَبْدِهٖ" کو خاص طور سے اسی لئے ذکر فرمایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت تمام صفات میں عظیم ترین اور کامل ترین تھی، رسول یا نبی ہونا بھی اس لئے سب سے بڑی فضیلت ہے کہ رسول اور نبی میں بندگی کی صفت کامل ہوتی ہے۔

اس پوری بحث سے معلوم ہوا کہ انسان کی سب سے بڑی مدح وثناء یہی ہوسکتی ہے کہ اسے اللہ کا بندۂ کامل قرار دیا جائے، اور مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اسی صفت کے قائل ہیں، چنانچہ سورۂ مریم کے دوسرے رکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ: "قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝"[2] وہ بچہ (عیسیٰ علیہ السلام) خود ہی بول اُٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا۔

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی تین صفات انہی کی زبان سے کہلوائی گئیں، بندۂ خاص ہونا، صاحبِ کتاب ہونا اور نبی ہونا مگر ان میں بھی صفتِ بندگی کو سب سے پہلے ذکر فرمایا گیا۔

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ قرآنِ حکیم میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر مختلف اعزازی اُوصاف کے ساتھ کیا گیا مگر "عَبْدُ اللّٰهِ" کی صفت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے لئے استعمال ہوئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دُوسرے انبیائے کرام اللہ کے بندے نہ تھے،

---

(۱) سورۂ بنی اسرائیل آیت: ۱۔ (۲) سورۂ مریم آیت: ۳۰۔

حقیقت یہ ہے کہ بندے تو تمام انسان ہیں۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کو سورۂ کہف میں "عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ"[1] فرمایا گیا، اور بخت نصر کے ساتھیوں کو سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں "عِبَادًا لَّنَآ"[2] اور تمام انبیائے کرام اللہ کے کامل بندے ہیں، لیکن کامل بندگی میں بھی مختلف درجات ہیں۔ چنانچہ خاص طور سے انہی دو انبیائے کرام کے ساتھ اس خاص انداز میں (عبد کی اضافت اللہ کی طرف کر کے) "اپنا بندہ" اور اللہ کا بندہ فرمانا ایک قسم کا امتیازی خطاب ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں انبیاء میں یہ صفت خصوصی کمال کے ساتھ موجود ہے۔

اگرچہ پھر ان دونوں میں بھی اس کمال کے اعتبار سے فرق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفت اور بھی زیادہ کمال کے ساتھ موجود ہے، من جملہ دیگر دلائل کے خود انہی الفاظ میں اس کا اشارہ بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا "عَبْدُ اللّٰہِ" ہونا تو خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہلوانے پر اکتفاء کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "عبدہ" اور "عبداللہ" ہونے کا اعلان خود اللہ جل شانہٗ نے اپنی طرف سے فرمایا۔ سورۂ جن میں بھی ارشاد ہے: "لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾"[3]۔

خلاصۂ بحث یہ کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے سب سے بڑی صفتِ کمال کے قائل ہیں اور عیسائی اس کا انکار کرتے ہیں۔ اب یہ فیصلہ کر لینا مشکل نہیں کہ ان کی تعظیم ہم زیادہ کرتے ہیں یا عیسائی۔

واللہ اعلم
۱۸/۳/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۳۹۷/۲۴ ج)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تعدّدِ ازواج کا اعتراض و جواب

سوال (۳۷): -نعوذ باللہ غیر مسلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ کی تو کئی بیویاں اور کئی لونڈیاں تھیں، جنگ میں لونڈیوں کا ہاتھ لگنا اور اُن سے بیوی جیسا برتاؤ کرنا کیسا ہے؟

جواب: -صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ حکیم میں چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت نکاح میں رکھنے کی اجازت خصوصی طور پر دی گئی تھی، اُمت کو چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز نہیں، پس اللہ تعالیٰ کے حکم سے بے شمار دینی مصلحتوں کی بنا پر آپ نے چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت نکاح میں رکھیں، اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟

اور لونڈیاں رکھنا بھی اسلام نے چند شرائط کے ساتھ جائز رکھا ہے، اُن سے جماع بھی بعض شرائط

---

(۱) سورۃ الکہف آیت: ۶۵۔ (۲) سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۵۔ (۳) سورۃ الجن آیت: ۱۹۔

کے ساتھ جائز ہے، خود قرآنِ حکیم میں اُسے جائز قرار دیا گیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض نہیں آتا، البتہ اس زمانے میں چونکہ لونڈی بنانے کی شرائط مفقود ہیں اب کسی لونڈی کا وجود نہیں۔

واللہ اعلم

۱۵/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵۷۴/۲۵ ز)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مردے زندہ کرنے کا عقیدہ رکھنا دُرست ہے؟

سوال (۳۸): - کیا مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے؟ برائے کرم رہنمائی فرمائیں۔

جواب: - اللہ جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم و ارادہ سے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے، قرآنِ حکیم (سورۂ آلِ عمران) میں ارشاد ہے: "وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ"[1] لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا دُرست ہے۔

واللہ اعلم

۲۹/۷/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۷۹۹/۲۶ د)
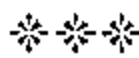
(۱) آیت: ۴۹، وقال تعالیٰ: "وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي" (المائدة: ۱۱۰)
وفي تفسير البغوي تحته: (وإذ تخرج الموتى) من قبورهم أحياء۔

فصل فی السُّنَّة والبدعة
(سنت وبدعت کے بیان میں)

بدعتی کی تعریف

سوال (۳۹):- بدعتی کس کو کہتے ہیں؟

جواب:- ایسا کام عبادت سمجھ کر کرنا جس کا عبادت ہونا قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ یا کسی بھی دلیلِ شرعی سے ثابت نہ ہو"بدعت" کہلاتا ہے جو شخص اس کا ارتکاب کرے، وہ شرعاً بدعتی ہے۔ [۱]

واللہ تعالیٰ اعلم
(فتویٰ نمبر ۲۲/۹۹۶ الف)

تدفین کے بعد قبر پر اَذان دینا

سوال (۴۰):- ہمارے امام صاحب میت دفن کرنے کے بعد قبر پر اَذان پڑھتے ہیں اگر ان کو منع کیا جائے تو اس ممانعت کی کتب سے حوالہ چاہتے ہیں براہِ کرم جواب سے نوازیں۔

جواب:- میت کو دفنانے کے بعد قبر پر اَذان دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت نہیں ہے، اس لئے یہ فعل بطورِ ثواب کرنا بدعت ہے جس سے پرہیز واجب ہے، [۲] اور کتابوں کا حوالہ ان مولوی صاحب کے ذمہ ہے جو قبر پر اَذان دیتے ہیں اگر وہ کسی حدیث سے ثابت نہ کرسکیں تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ فعل بدعت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی (ضلالۃ) قرار دیا ہے اور اس پر عذابِ نار کی خبر دی ہے۔ اگر یہ امام صاحب اس بدعت سے توبہ نہ کریں تو کسی اور متبعِ سنت شخص کو امام بنالیا

---

(۱) والبدعة أصلها ما احدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل السنة فتكون مذمومة (فتح الباري باب فضل من قام رمضان تحت قول عمر نعم البدعة ج:۴ ص:۲۱۸)۔ ..... قال القاضي: المعنى من احدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسُّنَّة سند ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود (المرقاة، باب الإعتصام بالكتاب والسُّنَّة، تحت حديث عائشة "من أحدث في أمرنا هذا فهو ردّ)۔

......نیز ملاحظہ فرمایئے: رسالہ" سنت وبدعت" مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص:۱۱۔

(۲) لا يسن الأذان عند ادخال الميّت في قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة وقال ومن ظن انه سنة قياسًا على ندبهما للمولود الحاقًا لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب (ردّ المحتار، باب صلاة الجنائز ج:۲ ص:۲۳۵ سعيد)۔

......نیز ملاحظہ فرمایئے: امداد الفتاویٰ ج:۵ ص:۳۰۱۔

جائے لیکن جنگ وجدال سے ہر حال میں پرہیز کریں جب تک کسی صالح اِمام کا انتظام نہ ہو موجودہ اِمام کے پیچھے، تنہا نماز پڑھنے سے نماز پڑھنا بہتر ہے جماعت ترک نہ کریں۔ (۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۹۳/ ۲۳ ب)

بدعات کی تردید کا طریقۂ کار

سوال (۴۱): - ایک دیوبندی عالمِ دین اپنی تقریر وتحریر میں بدعت کے خلاف سخت اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں وہاں کے لوگ دُعا بعد الجنازہ کے قائل ہیں اور ایسا نہ کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ایسی حالت میں اس عالم کو دُعا بعد الجنازہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: - ان عالمِ دین کو چاہئے کہ نرمی، ہمدردی اور حکمت سے لوگوں کو صحیح مسئلہ سمجھائیں اور لوگ نہیں مانتے تو نمازِ جنازہ خود نہ پڑھائیں کوئی اور پڑھا دیا کرے یا نمازِ جنازہ پڑھ کر خود دُعا میں شریک نہ ہوں اور لوگوں سے جھگڑا بھی نہ کریں، (۲) نمازِ جنازہ کے بعد اِجتماعی دُعا کا اِلتزام بدعت اور ناجائز ہے۔ (۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۳۹۳/۸/۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۳۷/ ۲۴ و)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

زندگی میں اپنی قبر بنانا

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علمائے دِین کہ قبر کا بنانا اپنی زندگی میں اور کسی بہتر نیت کے ساتھ کہ اس میں ثواب یا زیادہ ثواب کی گنجائش ہو کیا قبر بنوانا شرعاً باعثِ ثواب ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو کس نیت کے ساتھ باعثِ ثواب بن سکتا ہے؟

---

(۱) وفی النهر عن المحیط صلّی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة (الدر المختار، باب الامامة ج:۱ ص:۵۶۵)..... فی الشامیة تحته. (قوله نال فضل الجماعة) افاد ان الصلوٰة خلفهما اولی من الانفراد لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ: "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" (النحل:۱۲۵)۔

فی تفسیر المظهری تحته: (ج:۵ ص:۸) ٦ وقیل الموعظة الحسنة القول اللین الرقیق من غیر غلظة ولا تعسف۔

(۳) اذا فرغ من الصلوٰة لا یقوم بالدعاء (فی الفتاوی السراجیة ص:۷۷ باب الصلاة علی الجنازة)۔

...... وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة (البحر الرائق ج:۲ ص:۳۸۹، طبع بیروت)۔

...... ولا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة لان اکثر صلوٰة الجنازة انما هو الدعاء (المحیط البرهانی ج:۳ ص:۱۰۹)۔

جواب:- زندگی میں اپنی قبر بنانا باعثِ ثواب نہیں، اور سنت سے ثابت بھی نہیں، کسی بھی نیت سے نہیں بنانی چاہئے۔

واللہ اعلم
۱۲/۶/۱۴۰۵ھ
(فتویٰ نمبر ۹۷۵/۳۶ج)

زندگی میں قبر بنوا کر غلہ بھرنے کا حکم

سوال (۴۳):- بزرگوں سے سنا ہے کہ زندگی میں قبر بنوانے سے قبر کو خالی نہیں رکھا جاتا ہے، بلکہ اس میں غلہ بھروادیا جاتا ہے، اور ہر سال وہ غلہ نکال کر خیرات کر دیا جاتا ہے اور پھر دوبارہ غلہ بھر دیا جاتا ہے، شرع میں کیا مسئلہ ہے؟ اور کیا ہر سال کی قبر بنوانا ضروری ہے؟

جواب:- اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں، بے اصل بات ہے، زندگی میں اپنی قبر بنانا بھی بے اصل ہے۔

واللہ اعلم
۱۲/۶/۱۴۰۵ھ
(فتویٰ نمبر ۹۷۵/۳۶ج)

دُعا بعد جنازہ کا حکم

سوال (۴۴): ۱- دُعا بعد نمازِ جنازہ ثابت ہے یا نہیں؟
۲- مُردے کو رکھنا اور جلد دفن نہ کرنا کیسا ہے؟

جواب:- یہ دونوں کام بدعت اور ناجائز ہیں، مُردے کو جس قدر جلد ممکن ہو دفن کرنا ضروری ہے۔[1]

واللہ اعلم
۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/۲۳و)

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مانگنا

سوال (۴۵):- دُعا بعد نمازِ جنازہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:- نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دُعا کا التزام بدعت اور ناجائز ہے۔[2] واللہ اعلم
۲۲/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۵۸۵/۲۵ج)

---

(۱) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخيرٌ تقدمونها، وإن تك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة)۔
(۲) قد مرّ تخريجه تحت عنوان ''بدعات کی تردید کا طریقۂ کار''۔

مختلف مروّجہ بدعات اور اس کا اُصولی جواب

سوال (۴۶): ۱-حضور کے بارے میں علمِ غیب ثابت کرنا کلی یا جزئی تقسیم۔
۲-اور آپ کو حاضر ناظر سمجھنا۔
۳-غیر اللہ سے دُعا مانگنا۔
۴-آپ کو نور سمجھنا۔
۵-دُعا بعد نمازِ جنازہ۔
۶-دُعا بعد صلاۃ سنت اِجتماعی ہیئت کے ساتھ تین بار۔
۷-لکھی ختم کھانا اور لینا۔
۸-مروّج دورِ اِسقاط۔
۹-گیارھویں دینا اگرچہ تاریخ گیارہ نہ ہو۔
۱۰-میت کے تین دن بعد میّت کو ایصالِ ثواب کے لئے ضیافت کرنا۔

جواب:-جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں یہ جس طرح عوام میں رائج ہوگئی ہیں ان کی کوئی اصل نہیں، لوگوں نے محض ناواقفیت سے خود گھڑلی ہیں۔ یہ سب کام بدعت ہیں جسے احادیث میں گمراہی قرار دیا گیا ہے،[۱] لہٰذا واجب الترک ہیں ان سب مسائل کی تفصیل اور دلائل بزرگوں نے مستقل رسائل مثلاً "مسئلۂ علم الغیب" (از حضرت گنگوہیؒ) اور "حیلۂ اِسقاط" (از حضرت مفتی صاحبؒ)[۲] وغیرہ میں بیان کی ہیں جس کو دلائل کی ضرورت ہو ان رسائل کا مطالعہ کرے۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۱/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۸/۲۲ د)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

چند مروّجہ بدعات

سوال (۴۷): -مُردے کے گھر میں پہلے تین دنوں میں طعام کا پکانا اور اُس کا کھانا کیسا ہے؟
۲-مُردے کے مرنے کے بعد ہر جمعہ تعیین کے ساتھ چہلم اور سالگرہ پر خیرات کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) كما جاء في الحديث: إياكم و محدثات الأمور فان كل بدعة ضلالة (المستدرك، كتاب العلم، حديث ۳۲۹،۳۳۲-۳۳۳، سنن ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين حديث: ۴۲)۔
(۲) یعنی حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔

۳- ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ پر خیرات کرنا، یہ سمجھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن بیماری سے صحت یاب ہوئے تھے کیا یہ ثابت ہے؟

۴- کسی بزرگ کے نام پر نذر و نیاز کرنا، چوپایوں اور غلے کا اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام گیارہویں دینا کیسا ہے؟

۵- اولیائے کرام کا عرس کرنا کیسا ہے؟

۶- مُردے کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پاک کا ختم کرنا اور اُس پر بغیر کسی شرط کے پیسے لینا یا کھانا کھانا کیسا ہے؟

جواب:- یہ سب اُمور جس طریقے سے آج کل عوام میں رائج ہو گئے ہیں یہ طریقے بدعت اور واجب الترک ہیں۔

واللہ اعلم
۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/ ۲۳ و)

حیلۂ اِسقاط

سوال (۴۸):- مال دار آدمی کی وصیت کے بغیر اُس کا مال ایک سے دُوسرے مال دار مُلاّ کو بخش دینا، اور خود اُس میں بڑا حصہ لینا غریبوں مسکینوں کو فدیہ سے کم دینا، یہ فدیہ ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:- یہ سب کام بدعت اور ناجائز ہیں۔[1]

واللہ اعلم
۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/ ۲۳ و)

چڑھاوے چڑھانا جائز نہیں

سوال (۴۹):- "بہشتی زیور" میں پڑھا ہے کہ پیروں کے قبروں پر مٹھائیاں باٹنا، جانور ذبح کرنا، چڑھاوا چڑھانا، پختہ قبریں بنانا، میلے لگانا سب گناہ ہیں؟

جواب:- "بہشتی زیور" میں جو بات لکھی ہے،[2] صحیح ہے۔ جس طرح اس زمانے میں لوگ جہالت سے ان بدعات اور لغو کاموں میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح پہلے بھی بعض لوگ لگے رہے، اس زمانے میں بھی علمائے حق ان غلط کاموں کو غلط بتاتے ہیں، پہلے کے علمائے حق بھی ان باتوں کو غلط قرار دے کر فرض ادا کرتے رہے۔ مسئلہ جاننے کے باوجود جو شخص ان لغویات میں مبتلا رہے اس کی ذمہ داری اس پر ہے، علماء پر نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم
(فتویٰ نمبر ۱۵۷/ ۲۴ د)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: جواہر الفقہ ج:۱ ص:۳۸۷ تا ۳۹۲ تحت عنوان "حیلۂ اسقاط کا حکم"۔

(۲) دیکھئے "بہشتی زیور"، حصہ اوّل، بدعتوں اور بُری رسموں اور بُری باتوں کا بیان۔

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دُعا

سوال (۵۰): - میّت کی نمازِ جنازہ کے بعد پھر دُعا مانگنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: - نمازِ جنازہ میں خود میّت کے لئے دُعا ہے چنانچہ نمازِ جنازہ کے بعد اِجتماعی طور پر دُعا مانگنا اور اس کی پابندی کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، صحابہ و تابعین کے تعامل سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا لہٰذا اس کا اِلتزام بدعت اور واجب الترک ہے۔[1] ہاں اِنفرادی طور پر میّت کے لئے ہر وقت دُعا کی جا سکتی ہے، اس کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ واللہ اعلم

۷/۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶۲/۲۵ ب)

نمازِ جنازہ کے بعد اِجتماعی دُعا قرآنِ کریم اور حضراتِ صحابہؓ سے ثابت نہیں

سوال (۵۱): ۱- کیا نمازِ جنازہ کے بعد اِجتماعی حالت میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟

۲- کیا صحابہ کرامؓ سے نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ثابت ہے؟

جواب: - نمازِ جنازہ کے بعد اِجتماعی طور پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا نہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے۔ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال سے بھی ثابت نہیں لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے اس کا اِلتزام بدعت اور واجب الترک ہے۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/۱/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۶/۲۸ الف)

دُعا بعد الجنازۃ بدعت ہے

سوال (۵۲): - ہمارے ملک میں رواج ہے کہ لوگ دفن سے پہلے جنازہ کے بعد بڑے اہتمام سے دُعا کرتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں۔ اس کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

جواب: - یہ چیز بھی دِین میں بے اصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اُمت پر

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان "بدعات کی تردید کا طریقۂ کار" نیز ملاحظہ فرمایئے: امداد الاحکام ج:۱ ص:۱۰۲، رسالہ "راہِ سنت" مولفہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہم ص:۲۰۵ تا ۲۲۰، رسالہ "دلیل الخیرات فی ترک المنکرات" مؤلفہ مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحبؒ ص:۸۳۳ تا ۲۰۔

(۲) بحوالہ بالا۔

مہربان کون ہوگا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت نہیں، نہ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے ثابت ہے، البذا یہ رسم بھی بدعت اور واجب الترک ہے۔[۱]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱/۱۶ھ
(فتویٰ نمبر ۹۸/۲۲ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کا اِلتزام

سوال (۵۳): - کیا نمازِ جنازہ کے بعد دُعا پڑھنا جائز ہے؟

جواب: - نمازِ جنازہ خود میت کے لئے دُعا ہی ہے، نماز کے بعد اِجتماعی طور پر التزاماً کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر دُعا کرنا سنت کے خلاف اور بدعت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔[۲]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۹/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۵۹/۲۲ ج)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کا ثبوت اور وہابی کا مصداق

سوال (۵۴): - نمازِ جنازہ کے بعد دُعا ہے یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کی میت پر دُعا فرمائی ہے اگر نماز کے بعد فرمائی ہے تو وہ دُعا کونسی ہے؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز کے بعد کونسی دُعا فرمائی تھی؟ اگر ہم بھی ثواب سمجھ کر ایسا کریں تو ثواب ہے یا نہیں؟ نیز وہابی کسے کہتے ہیں۔

جواب: - نمازِ جنازہ خود دُعا ہے اس کے بعد اِجتماعی طور پر دُعا کسی حدیث یا صحابہ وتابعین کے تعامل سے ثابت نہیں، اس کا اِلتزام بدعت ہے اس سے روکنے کے باعث کوئی اہلِ سنت والجماعت سے کیسے خارج ہوسکتا ہے۔ وہابی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو شیخ عبدالوہاب نجدی کی پیروی کرتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳۹۴/۱/۳۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۸/۲۵ ب)

---

(۱) بحوالہ بالا۔
(۲) بحوالہ بالا۔

نمازِ جنازہ کے بعد میّت کی چار پائی کو چالیس قدم تک گول چکر میں گھمانا

سوال (۵۵): - ہمارے ملک میں رواج ہے کہ جنازہ کے بعد جب میّت کی چار پائی اُٹھا کر قبر تک لے جاتے ہیں تو اس کو گول چکر میں چالیس قدم گھماتے ہیں اس صورت کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

جواب: - اس صورت کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ وتابعین سے منقول ہوتا۔ لہٰذا یہ چکر لگانا اگر ثواب کی نیت سے ہے تو بدعت اور واجب الترک ہے،[۱] بغیر نیت ثواب کے ہے تو لایعنی اور عبث کام ہے جس سے مسلمانوں کو بچنے کی ہدایت احادیث میں صریح طور پر موجود ہے۔[۲]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱/۱۲ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۲/۶۸ الف)

انتقال کے موقع پر اہلِ میّت کو پاجی (نیوتہ) دینا

سوال (۵۶): - ہمارے علاقے میں کافی عرصے سے یہ رسم رائج ہے کہ جب کسی خاندان میں فوتگی ہو جاتی ہے تو میّت کے ورثاء نمازِ جنازہ سے فارغ ہوتے ہی جنازے میں شریک دوست احباب سے پاجی یا فاتحہ کے نام پر روپے وصول کرتے ہیں، اس رقم کا شادی کی طرح باقاعدہ رجسٹر پر اندراج ہوتا ہے اور یہ رسم بجالانے والے کے خاندان میں جب کوئی میّت ہو جائے تو رجسٹر کے مطابق یہ رقم ورثاء میّت کو پاجی فاتحہ ہی کی شکل میں لوٹادی جاتی ہے۔ عمر رسیدہ بزرگ یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ یہ مذکورہ طریقہ انتہائی غربت کے باعث باہمی تعاون کے اُصول پر اپنایا گیا تھا اور اس کا مقصد اس سانحے پر اہالیانِ علاقہ کی مدد کرنا تھا اور بس۔ لیکن اب یہ طریقہ اپنی افادیت کھو چکا ہے اور بجائے اِمداد کے قرض کی صورت اِختیار کر چکا ہے، اس لئے آسودہ حال، دِینی سوجھ بوجھ رکھنے والے گھرانوں میں یہ رسم زوال پذیر ہے، لوگ آہستہ آہستہ اس رسم

---

(۱) البدعة اصلها ما احدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل السُّنّة فتكون مذمومة (فتح الباری، باب فضل من قام رمضان تحت قولِ عمر نعم البدعة)۔

(۲) عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنيه (جامع الترمذی، باب بدون الترجمة فی ابواب الزهد، حديث: ۲۳۱۷، ۲۳۱۸، صحيح ابن حبان، كتاب الايمان، باب ما جاء في صفات المومنين حديث: ۲۲۹)۔

سے آزادی حاصل کررہے ہیں اور اپنی میت پر شرکاءِ جنازہ اہالیانِ علاقہ دوست، احباب، رشتہ داروں سے پاجی یا فاتحہ کے نام پر یہ رقم نہیں لے رہے، جس پر اس رسم کے پابند لوگ بہت شور مچاتے ہیں اور اس رسم سے رستگاری پانے والوں کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے کرتے ہیں اور انہیں شرپسند اور فتنہ پرور قرار دیتے ہیں، نیز دُوسرے جائز اُمور میں بھی اس رسم کے عملی مخالفین (تارکین) کو قطع تعلق کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ تفصیل طلب امر یہ ہے کہ آیا پابندیٔ رسم زمانہ اور اہالیانِ علاقہ کے اس رویے کے پیشِ نظر اس رسم کی پابندی نہ کرنے والے پاجی یا فاتحہ میت کے نام پر وصول کرلیں یا نہ لینے کے موقف پر قائم رہیں، جو صورت بہتر اور اَقرب الی السنہ ہو پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ تحریر فرما کر ہماری دُعائیں حاصل کریں۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:-

۱- ایک یہ کہ جو رقم شرکاءِ جنازہ سے پاجی یا فاتحہ کے نام سے لی جاتی ہے اس رقم کی کیا حیثیت ہے؟ آیا وہ ہبہ اور امداد ہے یا قرض ہے؟

۲- دُوسری بات یہ کہ قطع نظر قرض و ہبہ سے مذکورہ رسم فی نفسہٖ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو مذکورہ طریقۂ کار سے واضح ہے کہ یہ رقم ہبہ یا امداد نہیں ہے بلکہ یہ قرض ہے، اگرچہ قرض کا باقاعدہ معاہدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی قرض کے نام سے مذکورہ رقم لی جاتی ہے لیکن چونکہ قرض کی طرح اس رقم کے لوٹانے کو ضروری سمجھا جاتا ہے جیسا کہ طریقۂ کار سے واضح ہے، اس لئے قاعدہ ''المعروف کالمشروط'' کے مطابق مذکورہ رقم کا حکم قرض کا ہی ہوگا۔ اور اسی مذکورہ قاعدے کی بناء پر شادیوں میں (نیوتہ کے نام سے) جو رقم دی جاتی ہے وہ بھی قرض ہوتی ہے۔

رہی دُوسری بات کہ یہ رسم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ رسم کئی وجوہ سے شرعاً ناجائز اور باطل ہے۔

۱- ایک وجہ تو یہ ہے کہ بلاضرورت قرض لینا ناجائز ہے، اور صورتِ مسئولہ میں بلاضرورت قرض لیا گیا ہے۔

۲- دُوسری وجہ یہ کہ قطع نظر قرض سے مذکورہ رقم بعض دینے والے اپنی دِلی رضامندی اور خوشی سے نہیں دیتے بلکہ جبراً رسم کی پابندی کی وجہ سے دیتے ہیں، اور کسی شخص کا مال بغیر اس کی رضامندی کے لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث شریف میں مذکور ہے:-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحلُّ مال امرئ إلّا بطيبِ نفسٍ منه۔ (مشکوٰۃ ج:۱ ص:۲۵۳)

لہٰذا مذکورہ محظورات کی وجہ سے مذکورہ رسم سراسر ناجائز ہے، جو لوگ اس رسم پر مصر ہیں وہ سخت

گناہگار ہیں، انہیں چاہئے کہ اس سے توبہ کریں اور آئندہ کے لئے اس سے بالکلیہ احتراز کریں، اور جو لوگ اس رسم کی مخالفت کرتے ہیں اور اس میں شامل نہیں ہوتے ان کا یہ فعل بالکل دُرست ہے۔

فی ردّ المحتار ج:۵ ص:۶۹۶ سئل فیما یرسل الشخص الی غیرہ فی الأعراس ونحوها هل یکون حکمه حکم القرض فیلزم الوفاء به أم لا؟ فأجاب ان کان العرف بانهم یدفعونه علی وجه البدل یلزم الوفاء به ان مثلیًا فمثله وان قیمیًا فقیمته (الی قوله) والأصل فیه ان المعروف عرفًا کالمشروط شرطًا۔ اھ

واللہ اعلم بالصواب
بندہ شبیر احمد عفی عنہ
۲۸/۱/۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲/۶۱)

جواب صحیح ہے، اور اس رسم میں ایک خرابی یہ ہے کہ اسے ضروری اور لازم سمجھا جاتا ہے، جو اس پر عمل نہیں کرتا اُسے ملامت کی جاتی ہے، حالانکہ شریعت نے اسے لازم نہیں کیا، لہٰذا یہ بدعت بھی ہے۔
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۱۲ھ

دورانِ وعظ بآوازِ بلند دُرود شریف پڑھنا

سوال (۵۷): - کسی تقریب یا وعظ میں بآوازِ بلند دُرود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: - تقریر کے شروع میں جو مسنون خطبہ پڑھا جاتا ہے اس میں دُرود شریف بھی ہوتا ہے وہ تو مستحب ہے۔[1] تقریر کے دوران بھی اگر احیاناً دُرود شریف جہراً پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر کھڑے ہوکر اِجتماعی طور پر دُرود و سلام چیخ چیخ کر پڑھنے کی جو رسم لوگوں نے اس زمانے میں اِیجاد کی ہوئی ہے وہ بدعت ہے۔

واللہ اعلم
(فتویٰ نمبر ۲۹/۴۲۲ الف)

چیخ چیخ کر دُرود و سلام پڑھنا

سوال (۵۸): - لوگ چیخ چیخ کر دُرود و سلام "السلام علیك یا رسول الله، السلام علیك یا حبیب الله" پڑھتے ہیں یہ پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) واما سننها ای الخطبة فخمسة عشر ...... وتاسعها الصلوة علی النبی علیه السلام (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة، فصل شروط صحة الجمعة)۔

جواب:- دُرود وسلام پڑھنا بہت ثواب اور فضیلت کا کام ہے لیکن مسجدوں میں جس طرح چیخ چیخ کر یہ آج کل پڑھا جاتا ہے اس کی کوئی اصل نہ قرآن وسنت میں ہے، نہ یہ طریقہ صحابہؓ وتابعینؒ سے ثابت ہے، اگر یہ کوئی نیک کام ہوتا تو صحابہ کرامؓ کبھی نہ چھوڑتے یہ محض بدعت اور گمراہی ہے اس سے ہر مسلمان کو پرہیز کرنا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۳/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۳۹۶ الف)

مروّجہ دُرود وسلام کے ناجائز ہونے کی وجوہات

سوال(۵۹):- نماز کے بعد مسجد میں بلند آواز سے دُرود وسلام کھڑے ہوکر پڑھنا شرعاً جائز ہے؟

جواب:- مسجد میں جب لوگ نماز اور ذِکر وتلاوت میں مشغول ہوں اس وقت بلند آواز سے ذِکر وتلاوت کو بھی فقہاء نے ممنوع قرار دیا ہے[1] اور احادیثِ نبویہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

مروّجہ کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام پڑھنا ایک اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس سے ذِکر وتلاوت اور نماز میں مشغول لوگوں کو تشویش ہوتی ہے اور دُوسری وجہ اس کے ناجائز ہونے کی وہ غلط عقائد ہیں جو لوگوں نے اس خاص طریقے کے ساتھ وابستہ کر لئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مروّجہ طریقہ جو صرف دُرود وسلام کی نمائش کرنا ہے بالکل ناجائز ہے اور نیکی برباد گناہ لازم کے قبیل سے ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہئے البتہ یکسوئی آہستگی کے ساتھ دُرود شریف جتنا زیادہ پڑھا جا سکے اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ دِین ودُنیا کی خیر وبرکت کا موجب ہے۔[2]

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۹/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۲۱۲ ج)

---

(۱) اجمع العلماء سلفًا وخلفًا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قارئ (ردّالمحتار، کتاب الصلوة، فصل فی المکروهات ج:۱ ص:۶۶۰ سعید)۔

(۲) قال ابی بن کعب: یا رسول الله إنی أکثر الصلاة علیك فکم أجعل لك منها قال: ما شئت قال: الربع قال: ما شئت وإن زدت فهو خیر لك قال: النصف قال: ما شئت و إن زدت فهو خیر لك قال: الثلثین قال: ما شئت و إن زدت فهو خیر قال: یا رسول الله اجعلها کلها لك قال: إذا تکفی همك و یغفر لك ذنبك۔ هذا حدیث صحیح الإسناد و لم یخرجاه (المستدرك، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الاحزاب)۔

مروّجہ دُرود وسلام کو مساجد میں بند کروانا کیسا ہے؟

سوال (۶۰):- مسجد منصورہ محلہ عزیز آباد میں ہر جمعہ کو دس سال سے دُرود وسلام ہوتا تھا، کچھ لوگ مودودی جماعت کے مخفی طور پر شامل رہے اور موقع پاکر مسجد مذکور پر قابض ہوگئے اور دُرود و سلام بند کردیا حتیٰ کہ پولیس اور عدالت تک معاملہ جاچکا ہے، امام نہایت جھگڑالو ہے کیا یہ امام کی ڈیوٹی کے لائق ہے۔

جواب:- اس زمانے کے لوگوں نے دُرود وسلام پڑھنے کا جو نیا طریقہ ایجاد کیا ہے کہ بہت سے آدمی کھڑے ہوکر اجتماعی طور پر گا گا کر بلند آواز سے دُرود وسلام پڑھتے ہیں، اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔ اور جو شخص اس مجلس میں شریک نہیں ہوتا لوگ اس پر لعن طعن کرتے ہیں۔ یہ طریقہ بدعت اور ناجائز ہے، شریعت کی کسی دلیل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، صحابہ وتابعین نے بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا، اگر یہ طریقہ کوئی نیک کام ہوتا تو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین اس کو ہرگز نہ چھوڑتے۔ پس اگر اس مسجد میں دُرود وسلام مذکورہ بالا طریقے سے پڑھا جاتا تھا تو اس کو بند کرنا لازم تھا جس نے بند کیا ثواب کا کام کیا، اس پر کوئی ملامت نہیں۔ اور اگر دُرود وسلام مسنون طریقے سے پڑھنے کو بھی کوئی منع کرتا ہے تو وہ سخت گنہگار ہے خواہ امام ہو یا کوئی اور۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳۹۵/۶/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۴۰۲ ج)

مروّجہ صلاۃ وسلام کے جواز پر اِمداد الفتاویٰ کے ایک فتویٰ سے اِستدلال اور اس کا جواب

سوال (۶۱):- آپ کا رسالہ ''سنت وبدعت'' نظر سے گذرا، جس میں فتاویٰ عالمگیری کا بھی حوالہ ہے، مروّجہ صلوٰۃ وسلام کے غیر شرعی ہونے پر بطورِ استدلال پیش ہے مگر مدرسہ احسن البرکات کے مفتی خلیل صاحب حضرت حکیم الاُمت رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتاویٰ امدادیہ سے حوالہ نقل کرتے ہیں کہ جس سے ذکر بالجہر جائز معلوم ہوتا ہے تو صلوٰۃ وسلام بھی ذکر ہے حوالہ یہ ہے کہ: ''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا'' الآیۃ الخ، (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم ص: ۴۴ مطبوعہ رحیمیہ دیوبند) پس ثابت ہوا کہ ذکر ہر طور سے جائز ہے کسی کو کسی طرح سے منع نہ کریں یہی اَرجح اور واضح ہے فتاویٰ امدادیہ۔

جواب:- صلاۃ وسلام کا غیر شرعی ہونا ذکر بالجہر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان غلط عقائد واعمال کی وجہ سے ہے جو اس میں شامل کردیئے گئے ہیں، اِمداد الفتاویٰ کی عبارت سے ذکر بالجہر کی اجازت معلوم

ہوتی ہے مگر ان غلط عقائد و اعمال کا جواز اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے جو مروّجہ صلاۃ وسلام میں شامل کر لئے ہیں جن کی کچھ تفصیل حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے رسالہ ''مروّجہ صلاۃ وسلام'' میں بھی درج ہے۔ پھر ذکر بالجہر کے جواز میں بھی فقہائے کرام نے یہ شرط بیان کی ہے کہ اس سے نماز پڑھنے والے یا سونے والے کو تشویش نہ ہو،(۱) مروّجہ صلوٰۃ وسلام میں عموماً اس شرط کا بھی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸۱۰/۲۵ ح)

مروّجہ صلاۃ وسلام کی محفل میں پھنس جائے تو کیا کرے؟

سوال (۶۲): — مروّجہ صلاۃ وسلام کی محفل میں اگر پھنس جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: — وہاں سے خاموشی کے ساتھ نکل جانا چاہئے۔(۲) واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی
۱۹/۱/۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۹۹/۲۳ الف)

مروّجہ صلاۃ وسلام کی شرعی حیثیت

سوال (۶۳): — مروّجہ صلاۃ وسلام کا پڑھنا سنت ہے یا مستحب؟

جواب: — نہ فرض و واجب ہے نہ جائز بلکہ بدعت ہے، سنت و مستحب بھی نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸۸۰/۲۵ ح)

---

(۱) اجمع العلماء سلفًا وخلفًا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قاری (ردّ المحتار، کتاب الصلوٰة، فصل فی المکروهات ج ۱ ص ۶۶۰ سعید)۔

(۲) قال الله تعالیٰ: "وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ" النساء ۱۴۰۔

فی المظهری (تحت قوله تعالیٰ حتی یخوضوا فی حدیث غیره ج:۳ ص:۱۸): وفی هذه الآیة اشارة الی ما نزل سابقًا بمکة فی سورة الأنعام (واذا رأیت الذین یخوضون فی اٰیاتنا فاعرض عنهم) قال الضحاك عن ابن عباس دخل فی هذه الآیة کل محدث فی الدین وکل مبتدع الی یوم القیامة۔

فی الدر ج ۱ ص ۳۴۷

... دعی الی ولیمة وثمه لعب وغناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدة لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضًا لقوله تعالیٰ "فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین" (الدرّ المختار، کتاب الحظر والاباحة ج:۱ ص:۳۴۷) ... فی ردّالمحتار تحته: (قوله ولا ینبغی ان یقعد) ای یجب علیه الی قوله وکذا اذا کان علی المائدة قوم یغتابون لا یقعد فالغیبة اشد من اللهو واللعب تاتار خانیة۔

جھگڑے والی جگہ صلاۃ وسلام پڑھنا

سوال (۶۴): — مروّجہ صلوٰۃ وسلام ایسی مسجد میں پڑھنا جو اس کو بدعت کہتے ہوں کیسا ہے؟

جواب: — کسی بھی جگہ جائز نہیں خصوصاً ایسی مسجد میں کہ جس کا ذکر سوال میں ہے، پڑھنا تو فتنہ پردازی ہے جس کی قرآن وسنت میں شدید ممانعت آئی ہے ارشاد باری ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"(۱) یعنی فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۱۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸۸۰/۲۵ ج)

لاؤڈ اسپیکر پر صلاۃ وسلام پڑھنا

سوال (۶۵): — آج کل نمازِ فجر کے بعد مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے جاتے ہیں۔ اسلام میں اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنا قرآن وسنت صحابہ سے ثابت ہے اور تابعین کے عمل سے ثابت ہے؟

جواب: — رسولِ اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود وسلام پڑھنا نہایت خیر و برکت اور ثوابِ عظیم کا کام ہے لیکن کھڑے ہوکر زور زور سے گا گا کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا جو طریقہ لوگوں نے اب نکالا ہے اس کا کوئی ثبوت قرآن وسنت یا صحابہ وتابعین وائمۂ مجتہدین سے نہیں ہے لہٰذا یہ طریقہ بدعت، واجب الترک ہے مسلمانوں کو اس سے مکمل پرہیز کرنا لازم ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۹/۲۶ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۸۰/۲۵ و)

فرض نماز کے بعد آیت "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" الخ باآوازِ بلند دُرود پڑھنا

سوال (۶۶): ۱ — اِمام فرض نماز کے اختتام پر دُعا میں "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۚ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝" بلند آواز سے پڑھتے ہیں، اِمام کے بعد نمازی حضرات بلند آواز سے دُرود شریف پڑھتے ہیں۔ اس آیت کو فرض نماز کے بعد دُعا میں پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲ — فرض نماز کی دُعا کے بعد جب اِمام صاحب نماز ختم کر لیتے ہیں تو دُعا ثانی کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتے ہیں اس اِجتماعی دُعا کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

---

(۱) البقرۃ: ۱۹۱۔

جواب: ۱- یہ طریقہ بھی اسلام کا نہیں اور کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں، لوگوں کی خود ایجاد کردہ بدعت اور ناجائز ہے۔

۲- اس کا جواب وہی ہے جو نمبر ۱ میں بیان ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۲۸ / ۳ / ۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۶۲۷ ج)

اِمام نے دُعا کے بعد آیت "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنے کا وعدہ کیا، لیکن اب ایسا نہیں کرتا، اس کا حکم

سوال (۶۷): - ایک شخص ایک مسجد میں اس شرط پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ ہمیشہ بعد نماز آیت کریمہ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" الخ پڑھے گا، اور وہ شخص اس بات کو تسلیم کر کے آٹھ مہینے تک ایسا ہی کرتا رہا، اب وہ چند دنوں سے کہتا ہے کہ آیت کریمہ پڑھنا حرام ہے اور میں اب نہ پڑھوں گا۔ محلے کے لوگ اور تمام مقتدی اِمام مذکور سے درخواست کیا ہے کہ آپ اپنے اقرار پر ثابت رہنے لیکن وہ کہتا ہے کہ خواہ خون کی ندی بہہ جانے میں ایسا نہیں کر سکتا، اور محلے میں آمادہ فساد ہے، کیا ایسے شخص کو جو عہد شکنی کرا اور آمادہ فساد ہو اِمام بنانا جائز ہے؟ اور اِمام صاحب اب یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ میں نے اس وقت جو بات طے کی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے میں اس مسجد پر قبضہ کر کے لوگوں کے عقیدے بدل دوں گا، لیکن یہاں کے لوگ اپنا عقیدہ بدلنے پر تیار نہیں، اس لئے میں نے اپنا پوشیدہ عقیدہ ان کے سامنے ظاہر کر دیا۔

جواب: - کسی بھی نماز کے بعد پابندی سے دُعا کے درمیان مذکورہ آیت شریفہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت سے ثابت نہیں، اور اس طرح کی پابندی کرنا یا اِمام کو اس کا پابند بنانا جائز نہیں۔ اگر یہ آیت پڑھنا ضروری ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی تعلیم فرماتے اور صحابہ کرامؓ ضرور اس پر عمل کرتے۔ اب اس کے باوجود جو شخص اُسے ضروری قرار دے وہ گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تہمت لگاتا ہے کہ العیاذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی پوری تعلیم نہیں دی، ایسے لوگوں کو اپنے اس گناہ سے توبہ کرنی چاہئے۔

اور جن اِمام صاحب نے لوگوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ دُعا میں یہ آیت ضرور پڑھا کریں گے، یہ وعدہ ان کا اگر اپنی تنخواہ کے لئے تھا تو ناجائز تھا، اب تک جو مولوی صاحب یہ آیت دُعا میں پابندی سے پڑھتے رہے یہ انہوں نے گناہ کیا اور جو لوگ انہیں اس پر مجبور کرتے رہے وہ اور زیادہ گناہگار ہوئے۔ سب کو اپنے اس گناہ سے توبہ کرنی چاہئے اور آئندہ یہ غلط رسم ہمیشہ کے لئے ختم کر دینی چاہئے۔ اور اِمام صاحب

نے جو وعدہ کیا چونکہ وہ خلافِ شریعت کام کا وعدہ تھا اس لئے امام صاحب پر اس وعدے کی پابندی لازم نہیں بلکہ شریعت کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، یعنی اس آیت کے پڑھنے کو ترک کردینا لازم ہے، اور اَب تک جو نمازیں پڑھی گئیں وہ سب صحیح اور دُرست ہیں، ان کے اعادے کی قطعاً ضرورت نہیں، البتہ دُعا میں یہ خلافِ شریعت کام جو پابندی سے ہوتا رہا اس کی توبہ کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۵/ ۳/ ۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۳۶۳/ ۲۳ ب)

کیا نماز کی قبولیت آیت "اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنے پر معلق ہوتی ہے؟

سوال (۶۸): - ایک امام صاحب کا یہ ارشاد ہے کہ ہر نماز کے بعد دُعا میں یہ آیت شریفہ "اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" الخ نہ پڑھا جائے تو نماز معلق رہتی ہے اس لئے آیت شریفہ پڑھنا ضروری ہے۔

جواب: - یہ مضمون تو اَحادیث سے ثابت ہے کہ جس دُعا کے ساتھ دُرود شریف نہ پڑھا جائے اس کی مقبولیت معلق رہتی ہے[1] لیکن یہ بات کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں کہ نماز بھی معلق ہوجاتی ہے، نیز کسی دلیلِ شرعی سے یہ بھی ثابت نہیں کہ نماز کے بعد دُعا میں آیت "اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنا ضروری ہے، حدیث یا تعاملِ صحابہ میں کہیں نہیں ملتا کہ نماز کے بعد دُعا میں یہ آیت پڑھی جاتی تھی، لوگوں نے یہ اپنی طرف سے ایجاد کرلیا ہے اس لئے یہ بدعت ہے واجب الترک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵/ ۱/ ۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۵۰/ ۲۶ الف)

فرضوں کے بعد جہراً دُعا مانگنا

سوال (۶۹): - ایک امام "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" جہراً پڑھے تو یہ امام بدعتی ہوسکتا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

---

(۱) عن عمر بن الخطاب قال: ان الدعاء موقوف بین السماء والأرض لا یصعد منہ شئ حتی تصلی علی نبیك صلی اللہ علیہ وسلم (سنن الترمذی، ابواب الوتر، باب ما جاء فی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۴۸۶) ...... فی الکوکب الدری تحت ھذا الحدیث: ووجہ وقوف الدعاء بین السماء والأرض ان جمیع شرائع الاسلام وطرائق الدعاء لما وصلت الینا بتوسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان من ادب الدعاء ایضًا ان یکون وصولہ الیہ تبارك وتعالیٰ بتوسلہ علیہ السلام (ج: ۱ ص: ۴۰۵، طبع ادارۃ القرآن)۔

جواب :- دُعا میں اصلاً تو یہ ہے کہ سراً کی جائے، لیکن مقتدیوں کو سکھانے کے لئے بآوازِ بلند کی جائے تو گنجائش ہے، بدعت نہیں ہے، ایسے اِمام کے پیچھے نماز بلا کراہت دُرست ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی

بندہ محمد شفیع — ۱۲/۳/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۳۸۹/۲۲ الف)

دُعا کا مسنون طریقہ اور بدعت کی حقیقت

سوال (۷۰): -فرضوں کی نماز کے بعد مساجد میں امام صاحب "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ آیت پڑھتے ہیں اور مقتدی بلند آواز سے دُرود پڑھتے ہیں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

جواب :- مسنون طریقہ یہ ہے کہ دُعا کے شروع اور آخر میں دُرود شریف پڑھا جائے،[1] دُعا کے شروع یا درمیان میں یہ آیت پڑھنا یا دُرود شریف پڑھنا نہ حدیث سے ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین کے عمل سے اگر یہ کوئی نیک کام ہوتا تو صحابہ کرامؓ جن سے افضل اس اُمت میں کوئی نہیں ضرور یہ عمل کرتے اور ہر وہ کام جو سنت یا صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں (حالانکہ اس کے کرنے سے ان حضرات کو کوئی چیز مانع بھی نہ تھی) اس کو عبادتِ مقصودہ سمجھ کر کرنا بدعت ہے اعاذنا اللہ منہا،[2] جس پر سخت وعیدیں احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں۔[3]

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی

بندہ محمد شفیع — ۱۲/۱/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۳/۲۲ و)

---

(۱) فضالة بن عبيد صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو في صلوته لم يمجد الله ولم يصل على النبي صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجل هذا ثم دعاه فقال له او لغيره اذا صلّى احدكم فليبدا بتمجيد ربه والثناء عليه ثم يصلّي علَى النبيّ صلى الله عليه وسلم ثم يدعو بعد ما شاء (السنن لأبي داود، ابواب الوتر، باب الدعاء، حديث: ۱۴۸۳، سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب ايها المصلي ادع تجب، حديث: ۳۴۸۸)۔

في الحصن قال الشيخ سليمان الدارانی اذا سألت الله حاجة فابدأ بالصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم ثم ادع بما شئت ثم اختم بالصلوٰة عليه فان الله سبحانه بكرمه يقبل الصلوٰتين وهو اكرم من ان يدع ما بينهما (المرقاة المفاتيح ج: ۳ ص: ۲۲، طبع مكتبة حقانية)۔

(۲) قال القاضي: المعنى من احدث في الاسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر او خفي ملفوظ او مستنبط فهو مردود (المرقاة باب الاعتصام بالكتاب والسنة، تحت حديث عائشة من احدث في امرنا هذا فهو رد)۔

(۳) كما جاء في الحديث: إياكم و محدثات الأمور فإن كل بدعة ضلالة (المستدرك، كتاب العلم، حديث: ۳۲۹، ۳۳۲-۳۳۳، سنن ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين حديث: ۴۲)۔

سنتوں اور نوافل کے بعد اِجتماعی دُعا

سوال (۷۱):- فرض نمازوں کے سنن اور نوافل ادا کرنے کے بعد پھر اجتماعی طور پر دُعا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ یا تابعین سے ثابت ہے؟ اگر نہیں تو یہ فعل کیسا ہے؟

جواب:- فرض نماز کے بعد تو اِجتماعی طور پر دُعا مانگنا معمول و متوارث ہے، مگر فرض نماز کے بعد کی سنتوں اور نوافل کے بعد اِجتماعی دُعا مانگنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، اس کو ضروری سمجھنا یا نہ کرنے والے کو مطعون کرنا یا اس خاص طریقے کو سنت و مستحب سمجھنا بدعت اور واجب الترک ہے، اور کبھی کبھی یہ فعل کرنے سے چونکہ بدعت کرنے والوں کی تائید ہوتی ہے اس لئے کبھی بھی نہ کرے۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۳۹۴/۱/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۸۱/ ۲۵ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

سنتوں اور نفلوں کے بعد مخصوص طریقے سے دُعا مانگنا

سوال (۷۲):- کراچی کی چند مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ جب لوگ فرض، سنت اور نفل نمازوں سے فارغ ہوجاتے ہیں تو امام صاحب مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور سب سے پہلے آیت کریمہ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۚ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کی جہراً تلاوت کرکے زور زور سے دُرود شریف پڑھتے ہیں، جملہ مُصلّین بھی شرکت کرتے ہیں، اگر کسی اِمام نے اس دستور کی پابندی نہ کی تو ایسے اِمام کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں، صحابہ کرامؓ وغیرہم کا کیا طریقہ تھا؟

جواب:- سنتوں اور نفل کے بعد اِجتماعی دُعا کا یہ طریقہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہے نہ صحابہ کرامؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور ائمۂ مجتہدینؒ سے، یہ طریقہ بدعت ہے اور اس کا ترک کرنا واجب ہے، اگر یہ کوئی دِین کا طریقہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اِلزام لگانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ اُمت کو دِین پہنچانے میں کوتاہی کی ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۳/۱۹ھ
(فتویٰ نمبر ۵۸۲/ ۲۵ ج)

فرض نماز کے بعد "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۷۳):- فرض نماز کے بعد "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ" الخ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- قرآن شریف کی ہر آیت کی تلاوت کا بڑا ثواب ہے مگر نماز کے بعد خاص طور سے اس آیت کو پڑھنا کسی حدیث یا تعاملِ صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں، جس پابندی اور خاص انداز میں نماز کے بعد یہ آیت پڑھنے کا اب رواج ہو گیا ہے اور اس کی ایسی پابندی کی جاتی ہے جیسی فرض و واجب کی جو اس میں شریک نہیں ہوتا اس پر ملامت کی جاتی ہے یہ رواج بدعت اور ناجائز ہے اسے ترک کرنا لازم ہے۔

واللہ اعلم
۲۶/۴/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۸۳۵/۲۵)

اَذان سے پہلے دُرود وسلام پڑھنا

سوال (۷۴):- اَذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

۲- ایک اِمام صاحب سے یہی مسئلہ پوچھا، اُن کے جواب سے پہلے درمیان میں ایک شخص بولا کہ ضرور پڑھا جائے گا اور جس کو اِعتراض کو وہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھے۔ مداخلت کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز میں نے اُس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے، میرا یہ فعل دُرست ہے یا نہیں؟ اسی بات پر دُوسرے نمازیوں نے بھی نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے جبکہ وہ اسی محلے کے رہنے والے ہیں۔

جواب:- مروّجہ صلوٰۃ وسلام جو اَذان سے پہلے و نمازوں کے بعد چیخ چیخ کر پڑھا جاتا ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یا آپ کے صحابہؓ سے یا ائمۂ مجتہدینؒ سے اس کا ثبوت نہیں، یہ ایجادِ نو ہے اور بدعت ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ "سلام ضرور پڑھا جائے گا، جس کو اِعتراض ہو وہ مسجد میں نماز نہ پڑھے" ایسا کہنے والا سخت غلطی پر ہے، اس نے جاہلانہ بات کہی، آپ نے جو مسجدِ مذکور چھوڑ دی ہے، اگر دُوسری مسجد میں نماز باجماعت پڑھتے ہیں تو یہ جائز ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ
۷/رجب ۱۳۹۳ھ

جواب صحیح ہے، اور اگر دُوسری مسجد میں باجماعت نہیں پڑھ سکتے تو اسی مسجد میں باجماعت پڑھتے رہیں، جماعت ترک نہ کریں۔[1]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۸/۷/۱۳۹۳ھ

---

(۱) یکرہ إمامۃ عبد وأعرابی وفاسق (الدر المختار) ...
فی ردّ المحتار تحتہ: فإن أمکن الصلوۃ خلف غیرھم فھو أفضل وإلّا فالإقتداء أولیٰ من الانفراد۔ (باب الإمامۃ ج:۱ ص:۵۵۹ طبع سعید)۔

اَذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سوال (۷۵):- کراچی کی مسجدوں میں یہ بھی دستور ہے کہ اَذان سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر "الصلوٰۃ والسلام یارسول اللہ، والصلوٰۃ والسلام یاحبیب اللہ" بلند آواز سے پڑھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- اَذان دینے کا یہ طریقہ نہ عہدِ رسالت میں تھا نہ صحابہ وتابعین کے دور میں، ائمۂ مجتہدین میں سے بھی کسی سے یہ طریقہ منقول نہیں، یہ بھی بدعت ہے جو سخت گناہ ہے اور اس کا ترک کرنا واجب ہے۔[1] واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۸۲ ج)

ضروری سمجھے بغیر اَذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور بدعت وعقیدت میں فرق

سوال (۷۶):- اَذان سے پہلے بلند آواز سے دُرود شریف پڑھنا کیسا ہے جبکہ اس طریقے کو نہ فرض اور نہ سنت وواجب سمجھا جائے؟ بدعت کی صحیح تعریف فرمائیں۔

اِمام مالکؒ مدینہ منورہ میں گھوڑے پر کبھی سوار نہیں ہوئے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بارے میں تحریر ہے کہ جہاں سے روضۂ اقدس نظر آتا تھا وہاں سے ننگے پاؤں چل کر جاتے۔

جواب:- بدعت کی جامع اور مختصر تعریف یہ ہے کہ جو چیز شریعت میں ثابت نہیں اسے شریعت کا جزء وثواب سمجھ کر کیا جائے، اگر دِین کا جزء سمجھ کر اور ثواب کی نیت سے نہیں کیا جاتا تو وہ بدعت نہیں ہے۔[2]

اَذان سے قبل بلند آواز سے دُرود شریف پڑھنا شریعت میں ثابت نہیں، اگر ایک اَمرِ مباح کی حیثیت سے

---

(۱) لا کلام فی ان الصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقب الأذان مطلوبان شرعًا وانما الخلاف فی الجھر بھما علی الکیفیۃ المعروفۃ والصواب انھا بدعۃ مذمومۃ بھذہ الکیفیۃ التی جرت بھا عادۃ المؤذنین من رفع الصوت بھما کالأذان والتمطیط والتغنی فان ذلک احداث شعار دینی علی خلاف ما عھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ والسلف الصالح من ائمۃ المسلمین ...... ومن ثم قال العلامۃ ابن حجر فی فتاویہ الکبرٰی من صلّی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل الأذان او قال محمد رسول اللہ بعدہ معتقدًا سنیتہ فی ذلک المحل ینھی ویمنع منہ لأنہ تشریع بغیر دلیل ومن شرع بغیر دلیل یزجر ویمنع وھذا العلامۃ بن حجر حکم علی من صلّی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل الأذان ... بأنہ شرع فی دین اللہ تعالٰی وانہ یمنع من ذلک ویزجر وما ذاک الا لقبح ما فعل (الا بداع فی مضار الا بتداع، تحت المسئلۃ "السلام عقب الأذان"، ص:۷۷، ۷۸) نیز ملاحظہ فرمائیے: المدخل لابن الحاج ج:۲ ص:۲۵۵ تا ۲۵۸، فصل فی النھی عما احدثوہ باللیل)۔

(۲) والبدعۃ اصلھا ما احدث علی غیر مثال سابق وتطلق فی الشرع فی مقابل السنۃ فتکون مذمومۃ (فتح الباری، باب فضل من قام رمضان تحت قول عمر نعم البدعۃ ج:۴ ص:۳۱۸)۔

...... نیز ملاحظہ فرمائیے: المرقاۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (تحت حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد ج:۱ ص:۳۶۵)...... رسالہ "سنت وبدعت" مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص:۱۱۔

اس پر عمل ہوتا تو اس کی گنجائش تھی لیکن لوگوں نے اسے شریعت کا جزء سمجھا اور اس موقع پر دُرود شریف کا پڑھنے کو خاص طور سے ثواب سمجھنے لگے اور ایسا نہ کرنے والے کو لعن طعن کا ہدف بنایا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ایک اَمرِ مباح کے لئے کسی کو لعن طعن کرنا، اہلِ سنت والجماعت سے خارج قرار دینا کسی طرح دُرست نہیں، اس لئے اسے بدعت کہا گیا۔

رہا یہ کہ اگر کوئی فرض وواجب اور خاص اس موقع کے لئے مستحب سمجھے بغیر اس پر عمل کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ سو اس وقت اس پر اس طرح عمل کرنا بھی دُرست نہیں کیونکہ اب یہ بدعت کا شعار بن چکا ہے۔ فقہاء نے تو یہاں تک صراحت کی ہے کہ اگر کسی سنت پر عمل کرنے سے بدعت پھیلنے کا خطرہ ہو تو وہ سنت بھی واجب الترک ہوجاتی ہے، یہاں تو سنت بھی نہیں صرف مباح اور پھر وہ بدعت کا شعار بن چکا ہے اس لئے اس پر بالکل عمل نہ کریں۔(۱)

اِمام مالکؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے عمل پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ یہ حضرات جو کچھ کرتے تھے وہ شریعت اور دِین کا جزء سمجھ کر نہیں بلکہ محض عقیدت کی بنا پر کرتے تھے، تو یہ ایک اَمرِ مباح ہے اگر آج کوئی اسے شریعت کا حکم اور جزء سمجھ کر کرے گا یا خود ثواب نہ سمجھے مگر لوگ اسے شریعت کا جزء سمجھتے ہوں تو اس کا ترک لازم ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۶/۱۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۳۳۳ ج)

نمازِ جمعہ کے بعد صلوٰۃ وسلام کا مرَوّجہ طریقہ

سوال (۷۷):- اکثر مساجد میں نمازِ جمعہ کے بعد اِمام اور نمازی مل کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اس کی ایجاد کس زمانے میں ہوئی؟

جواب:- یہ طریقہ نہ عہدِ رسالت میں تھا نہ عہدِ صحابہ وتابعین میں، اور آئمہ مجتہدین یا کتبِ فقہ سے بھی منقول نہیں۔ لوگوں نے کچھ عرصے سے یہ طریقہ از خود اِیجاد کرلیا ہے جو بدعت اور ناجائز ہے۔ دُرود شریف پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ خاموشی سے اِنفرادی طور پر جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے دُرود شریف پڑھا

---

(۱) قال الطیبی: من اصر علی امر مندوب وجعله عزمًا ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة او منکر (المرقاة باب الدعا فی التشهد ج:۲ ص:۳۱، تحت حدیث لا یجعل احدکم للشیطان شیئًا من صلاته یری ان حقا علیه ان لا ینصرف الا عن یمینه الخ)۔

...... اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحًا علی فعل البدعة (فی الشامیة ج:۱ ص:۶۴۲، مطلب اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة)۔

کرے اس کے لئے کوئی خاص وقت یا اِجتماع شرعاً ثابت نہیں ہے، اِجتماعی طور پر دُرود شریف پڑھنا صرف نماز باجماعت میں تشہد کے بعد ثابت ہے اور چیخ چیخ کر دُرود شریف پڑھنا کسی وقت بھی ثابت نہیں۔ (۱)

واللہ اعلم
۲۴/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۶۲۷/۲۵ ج)

ہر فرض نماز کے بعد دُرود پڑھنا

سوال (۷۸):- ہر فرض نماز کے بعد دُرود پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- فرضوں کے بعد اِجتماعی دُعا کے درمیان جس طرح دُرود پڑھنے کا رواج ہوگیا ہے یہ بدعت ہے۔ (۲)

واللہ تعالیٰ اعلم
۲۲/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۵۸۵/۲۵ ج)

فرض نمازوں کے بعد اِجتماعی طور پر ذکر بالجہر کا التزام

سوال (۷۹):- ہماری مسجد میں پہلے کوئی بات نہیں تھی اب چند مقتدی شرپسندی کر رہے ہیں ان کا منشا ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد لا اِلٰہ کی ضرب لگائیں با آواز بلند اور دُعا میں قال اللہ تعالیٰ فی شان حبیبہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ سے تَسْلِیْمًا تک دُرود شریف بلند آواز سے پڑھیں۔ ایسا کرنا کہاں تک درست ہے۔ موجودہ امام دُعا میں اوّل و آخر میں دُرود شریف پڑھتے ہیں یہ درست ہے؟

جواب:- فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر باواز بلند حق لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی ضرب لگانا یا دُعا میں آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ صحابہ کرام و تابعین و مجتہدین سے بھی ثابت نہیں، جو طریقہ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں عبادت نہیں سمجھا گیا اسے عبادت سمجھنا اپنی طرف سے دین میں

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے: جواھر الفقه: ج:۱ ص:۲۱۱ تا ۲۱۸ وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قومًا اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیه الصلاة والسلام جهرًا فراح علیهم فقال: ما عهدنا ذالك علی عهده علیه السلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذالك حتی اخرجهم عن المسجد (البزازیة علی هامش الهندیة ج:۱ ص:۳۷۸)۔

...... انظر ایضًا ردّالمحتار ج:۶ ص:۳۹۸ (سعید)۔

.... ان ذکر الله تعالیٰ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت او بشئ دون شئ لم یکن مشروعًا حیث لم یرد الشرع به لانه خلاف المشروع (البحر الرائق ج:۳ ص:۲۴۹ (طبع بیروت)۔

(۲) فالصلوٰة والتسلیم علی النبی صلی الله علیه وسلم احدثوها فی اربعة مواضع لم تکن تفعل فیها فی عهد من مضی والخیر کله فی الاتباع لهم رضی الله تعالیٰ عنهم ..... الصلوٰة والسلام علی النبی صلی الله علیه وسلم لا یشك مسلم انها من اکبر العبادات وأجلها وان کان ذکر الله تعالیٰ والصلوٰة والسلام علی النبی صلی الله علیه وسلم حسنا سرا وعلنا لکن لیس لنا ان نضع العبادات الا فی مواضعها التی وضعها الشارع فیها ومضی علیه سلف الاُمّة (المدخل لابن الحاج المالکی، فصل فی النهی عما احدثوه بالیل ج:۲ ص:۲۵)۔

زیادتی اور بدعت ہے اس کا ترک لازم ہے،[1] البتہ دعا کے اول وآخر میں درود شریف پڑھنا سنت سے ثابت ہے اور قبولیت دعا کے لئے بہت مفید اور باعث اجر و برکت ہے،[2] ویسے بھی اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے جس قدر درود شریف پڑھنے کی توفیق ہو، دین ودنیا کی کامیابی کا بہترین نسخہ ہے زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۹/۵/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۸۱/۲۴ د)

بدعتیوں کی مساجد میں امامت کرنا

سوال (۸۰): - میں ایک مسجد کا امام ہوں، میرا تعلق علمائے دیوبند سے ہے، اس مسجد میں اکثر لوگ بریلوی خیال کے ہیں، تقریباً چار سال سے کام کررہا ہوں اذان سے پہلے درود شریف بند ہوگیا ہے اب صرف اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ والی آیت پڑھتے ہیں، گشت وغیرہ کی تعلیم کتاب کی تبلیغی نصاب بچوں کو بھی پڑھاتا ہوں آیا اس مسجد میں میرا رہنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: - اگر اس مسجد میں امامت جاری رکھنے کی صورت میں بدعت کا ارتکاب خود نہ کریں اور آئندہ یہ امید ہو کہ رفتہ رفتہ باقی بدعات بھی مسجد میں ترک ہوجائیں گی تو موجودہ ملازمت برقرار رکھنا جائز ہے۔[3]

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۹/۱/۱۳۹۹ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۷/۳۰ الف)

نماز فجر کے بعد پابندی سے دانوں پر ختم پڑھنا

سوال (۸۱): - ایک مسجد میں عرصہ تقریباً ایک سال یا اس سے کم وبیش فجر کی نماز کے بعد چند

---

(۱) ولیحذر جمیعا من الجھر بالذکر ... فان ذلک من البدع لما تقدم ذکرہ (المدخل لابن الحاج، تحت المسئلۃ کراھۃ التنفل عقب الجمعۃ فی المسجد، ج۲، ص۲۸۸)۔

ومن ھذا ظھر لک حال ماابتدع بہ الناس من قراءۃ العشر جھرا قبل الشروع فی الصلوۃ خصوصا العصر وکذالک الجھر بختم الصلوۃ المعروف فان کل ذلک علی ھذہ الکیفیۃ المعروفۃ من البدع المکروھۃ (الابداع ص۸۳، تحت المسئلۃ رفع الصوت بالذکر)۔

(۲) عن عبد اللہ قال کنت اصلی والنبی صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر وعمر معہ فلما جلست بدأت بالثناء علی اللہ ثم الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم دعوت لنفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سل تعطہ سل تعطہ (سنن الترمذی، باب ماذکر فی الثناء علی اللہ والصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل الدعاء، ج۱ ص۱۳۰)

(۳) (ولکن ذکری) استدراک من النفی السابق ای ولکن علیھم ان یذکروھم ویمنعوھم عما ھم فیہ من القبائح بما امکن من العظۃ والتذکیر ویظھروا لھم الکراھۃ والنکیر (روح المعانی، تحت قولہ تعالیٰ اذا رأیت الذین یخوضون الی قولہ تعالیٰ ولکن ذکری لعلھم یتقون، ج۷ ص۱۸۵)

نمازی اہتمام کے ساتھ روزانہ بلا ناغہ کپڑا بچھا کر کوئی ختم کے دانے اس پر ڈال کر ختم پڑھتے ہیں یعنی ایک مرتبہ پورے دانوں پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دوسری بار کلمہ طیبہ، تیسری بار لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پھر چوتھی بار آیۂ کریمہ، چنانچہ یہ عمل عرصہ دراز سے ہو رہا ہے، ابھی چند روز پیشتر ایک مولانا صاحب جو اپنے آپ کو مستند مولوی فرماتے تھے، انہوں نے کہا یہ طریقہ بدعت ہے، ہر شخص ذاتی طور پر جس قدر بھی چاہے پڑھ لے لیکن یہ طریقہ جو اہتمام سے کیا جاتا ہے بدعت ہے، اس مسئلہ پر فتویٰ عنایت فرمادیں مشکور رہوں گا۔

جواب:- یہ تمام اذکار عظیم الشان ثواب کے موجب ہیں مگر جس طرح خاص اہتمام واجتماع کے ساتھ پابندی سے پڑھنے کا معمول بنایا گیا ہے فی نفسہ تو اس میں بھی قباحت نہیں لیکن اگر اس خاص ہیئت اور اجتماع کو زیادہ ثواب یا واجب سمجھا جائے تو یہ خاص ہیئت واجتماع بدعت ہوگا۔ (۱) واللہ اعلم

۱۳۹۸/۱۰/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۰۴۰/۲۹ج)

پابندی سے اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا

سوال (۸۲):- محلّہ کی مسجد میں کچھ نمازیوں نے بعد نماز عشاء درود شریف اس طرح پڑھنا شروع کیا کہ ایک چادر بچھادی جاتی ہے اور درمیان میں املی کے بیج ڈالدئے جاتے ہیں، چاروں طرف لوگ بیٹھ کر درود شریف پڑھتے ہیں مگر اکثر لوگ اس کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ درود شریف پڑھنا انفرادی عبادت ہے اور مل کر پڑھنا بدعت ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- یہ بدعت نہیں ہے مگر جو لوگ اس میں شریک نہ ہوں ان کو طعن وتشنیع کرنا جائز نہیں، نیز اگر درود شریف پڑھنے کے اس خاص طریقہ کو واجب اور ضروری سمجھنے لگیں گے تو بھی یہ بدعت ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳۹۵/۴/۲۹ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۲۸/۲۶ج)

''یارسول اللہ'' یا ''یاشیخ عبدالقادر جیلانی'' کہنے کا حکم

سوال (۸۳):- ''یارسول اللہ'' کہنا بطریقہ استعانت یا ''یاشیخ عبدالقادر جیلانی'' کہنا کیسا ہے؟

جواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو متصرف بالذات

---

(۱) والبدعة اصلها ما احدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل السنة فتكون مذمومة (فتح الباری باب فضل من قام رمضان تحت قول عمر نعم البدعة ج۴ ص۳۱۸)

... نیز ملاحظہ فرمائیے: رسالہ ''سنت وبدعت'' مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص:۱۱

سمجھتے ہوئے بطریقِ استعانت ایسا کہنا شرک و بدعت ہے، اور صحیح عقیدے سے کہنا بھی اچھا نہیں کیونکہ سننے والوں کو اس سے غلط عقیدے کا وہم ہوسکتا ہے، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری کے وقت ''یارسول اللہ'' کہہ کر سلام عرض کرنا بلاشبہ جائز ہے۔[1] واللہ اعلم

۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/۲۳ء)

مزارات پر گنبد بنانا، چراغ جلانا، جھنڈے لگانا وغیرہ

سوال (۸۴): -کسی بزرگ، ولی کے مزار شریف پر چونہ گردانی کرنا،[2] اس پر گنبد بنانا،[3] چراغ جلانا، جھنڈے لگانا[4] اور غلاف چڑھانا[5] اور مزار کا طواف کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: -یہ سب کام بدعت ہیں۔ واللہ اعلم

۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/۲۳ء)

قبر پر پھول ڈالنا یا بتی سلگانا

سوال (۸۵): -قبر پر پھول ڈالنا یا گلاب چھڑکنا یا اگربتی سلگانا شرعاً کہاں تک صحیح ہے؟ اور ان سب چیزوں کا نہ کرنا ثواب سے محرومیت ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: -سنت سے ثابت نہیں، یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

۱۶/۶/۱۴۰۵ھ
(فتویٰ نمبر نہیں مل سکا)

مروّجہ حیلہ اسقاط

سوال (۸۶): -ہمارے ملک میں رواج ہے کہ لوگ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوجاتے ہیں تو ایک گول دائرہ کی شکل میں ہوجاتے ہیں اور قرآن کریم پر کچھ نقدی رکھ کر مولوی صاحب کے ہاتھ میں رکھ دیا

---

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیًا ابلغتہ (شعب الایمان للبیہقی، الخامس العشر من شعب الایمان وھو باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۴۱۵۶)۔

(۲،۳) امّا قولہ: چونہ گردانی کرنا، گنبد بنانا فلِمَا فی الدر المختار: "ولا یجصص للنھی عنہ ولا یطین ولا یرفع علیہ البناء" قال ابن عابدین تحتہ: وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناءً من بیت او قبۃ او نحو ذلک لما روی جابرٌ عنہ نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور وان یکتب علیھا وان یبنی علیھا، رواہ مسلم (ردّ المحتار، باب صلوٰۃ الجنازۃ ج:۲ ص:۲۳۳)۔

(۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج" رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)۔

(۵،۴) ما یفعلہ اکثر الناس من وضع ما فیہ رطوبۃ من الریاحین والبقول ونحوھما علی القبور لیس بشیء (عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، قبیل ما جاء فی غسل البول)

... ویکرہ الستور علی القبور (ردّ المحتار، کتاب الکراھیۃ، قبیل فصل فی النظر واللمس ج:۱ ص:۳۶۳ طبع سعید)۔

جاتا ہے اور وہ کچھ دعا پڑھ کر اس کے بعد مولوی صاحب اس دائرہ میں چکر لگواتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں ہم میت کی مغفرت کے لئے حیلہ کرتے ہیں۔

جواب:- یہ صورت ناجائز و حرام اور بدعت ہے بہت ساری قباحتیں شرعاً پائی جاتی ہیں اس رسم سے فوراً توبہ و استغفار کرنا واجب ہے اس مسئلہ کے بارے میں مفصل و مدلل بحث حضرت مفتی شفیع صاحب مدظلہم العالی نے اپنے رسالہ ''حیلہ اسقاط'' میں فرمائی ہے اس کا مطالعہ کرلیا جائے۔[1] ۱۲ پیسے میں مل جاتا ہے اس کا ایک نسخہ ہم اسی لفافہ میں آپ کو بھیج رہے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱/۱۶ھ

حیلہ اسقاط میں امام کا رقم وغیرہ وصول کرنا

سوال (۸۷):- میت کا اسقاط امام کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اسقاط کا مروجہ طریقہ بالکل ناجائز ہے۔ امام کو لینا بھی جائز نہیں اور دینا بھی جائز نہیں۔[2]

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۳/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۷۹ ج)

نمازِ جنازہ کے بعد سورۂ فاتحہ اور اِخلاص پڑھ کر اِجتماعی دُعا اور حیلہ اسقاط

سوال (۸۸):- زید کا تعلق جمعیت علماء اسلام ہزاروی گروپ سے ہے۔ زید ایک مسجد کا امام وخطیب بھی ہے جب وہ نمازِ جنازہ پڑھاتا ہے تو نماز پڑھنے کے بعد خود بھی بیٹھ جاتا ہے باقی لوگوں کو بھی بیٹھ جانے کا حکم دیتا ہے اور چند بار الحمد شریف اور سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم دیتا ہے پھر سب لوگوں کے ساتھ مل کر

---

(۱) اب یہ رسالہ ''جواہر الفقہ'' ج:۱ ص:۳۸۷ تا ۳۹۲ پر بھی شائع ہوچکا ہے۔

... نیز ملاحظہ فرمایئے: عزیز الفتاویٰ ص ۱۲۲، ۱۲۳، امداد الاحکام ج ۱ ص ۹۰ تا ۹۲، راہ سنت مؤلفہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہم ص ۲۷۸ تا ۲۹۲

ونص عليه في تبيين المحارم لا يجب على ولي فعل الدور وان اوصى به الميت لانها وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصي بما يفي بما عليه ان لم يضق الثلث عنه فان اوصى باقل وامر بالدور وترك بقية الثلث للورثة او تبرع به لغيرهم فقد اثم بترك ماوجب عليه وبه ظهر حال وصايا اهل زماننا فان الواحد منهم يكون في ذمته صلوات كثيرة وغيرها من زكوة واضاح وأيمان ويوصي لذلك بدراهم يسيرة وان الآخذ و المعطى آثمان لان ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لا يجوز (رد المحتار، باب قضاء الفوائت ج ۲ ص ۷۳، سعيد)

(۲) قد مرّ تخريجه تحت عنوان ''مروجہ حیلہ اسقاط کا حکم''۔

دعا کرتے ہیں پھر اس کے بعد حیلۂ اسقاط مروجہ بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسقاط کا ثبوت شامی سے ملتا ہے۔ اس لئے اپنی رائے تحریر فرمایئے۔

جواب: - نمازِ جنازہ خود میت اور تمام زندہ مردہ مسلمانوں کے لئے دُعا ہے، نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر التزاماً دُعا کرنا سنت سے ثابت نہیں ہے، نہ تعاملِ صحابہ سے اس طرح کا التزام شرعاً بدعت ہے لہٰذا اس سے پرہیز واجب ہے،(۱) اور مروّجہ حیلۂ اِسقاط میں اس کی رعایت نہیں کی جاتی اس مسئلے کی تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی کا رسالہ حیلۂ اسقاط'' مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴'' سے منگا کر مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔(۲)

ماضی میں جمعیت ہزاروی گروپ نے سوشلزم کی حمایت کی تھی یا نہیں، یہ ایک واقعاتی مسئلہ ہے جس کے فیصلے کے لئے فتویٰ کی ضرورت نہیں، پچھلے اخبارات و رسائل دیکھ کر اس کا فیصلہ غیر عالم بھی کر سکتے ہیں مگر ہر مسلمان کا وقت بہت قیمتی ہے ماضی کے جھگڑوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے حال و مستقبل کو دیکھنا چاہئے، یہ جماعت اگر کوئی اچھا کام کرے اس میں تعاون کرنا چاہئے غلط کام کرے تو اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۲/۲/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳/۲۳۰ب)

مریدین کا اپنے مرحوم شیخ کو ایصالِ ثواب کا بہترین طریقہ

سوال (۸۹): - ایک باکمال اور باشریعت پیر مرحوم کے مریدین ان کی روح کو ایصالِ ثواب کا مناسب اور مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہتے ہیں رہبری فرمایئے، کیا پیر مرحوم کی وصال کی تاریخ کے علاوہ کوئی اور تاریخ مقرر کر کے مریدین عقیدت مند و معتقدین و غرباء اور دیگر حاضرین کے اجتماع میں کھانا پکا کر کھلانا جائز ہے؟

جواب: - مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کی جن تعلیمات کی تلقین اپنے مریدوں کو اپنے قول و عمل سے فرمائی ہے اس پر سب مرید عمل کریں اور ان کی دوسروں کو تبلیغ کریں، اس طرح جو جو شخص بھی نیک عمل کرے گا اس کا ثواب جتنا عمل کرنے والے کو

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ''بدعات کی تردید کا طریقہ کار''۔

(۲) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ''مروّجہ حیلۂ اسقاط کا حکم''۔

ملے گا اتنا ہی پیر صاحب مرحوم کو ملے گا،[1] اس کے علاوہ جتنا ہو سکے صدقہ وخیرات اور تلاوت قرآن کریم کر کے ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں، ایصالِ ثواب کے لئے کوئی خاص تاریخ یا دن یا وقت یا مقام مقرر نہیں، بلکہ مقرر کرنا خلافِ سنت ہے،[2] انفرادی طور پر بھی لیکن اجتماعی طور پر کرنے میں آجکل چونکہ لوگ طرح طرح کی قیدیں اپنی طرف سے لگا کر بدعت کے مرتکب ہو جاتے ہیں لہٰذا ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع نہ کرنا ہی بہتر ہے، دعوت اگر اتفاقی طور پر ایک مرتبہ کر دیں تو مضائقہ نہیں ہمیشہ کے لئے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہ کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی

۱۲/۸/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۱۷/۲۳ ج)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

اگر تیجہ یتیموں کے مال سے کیا جائے تو یہ بدعت کے ساتھ ظلم بھی ہے

سوال (۹۰): - میت کے بعد جو ہم تیجہ کرتے ہیں اگر یتیموں کا مال بھی شامل ہو تو جائز ہے یا نہیں اگر یتیموں کا مال شامل نہ ہو تو کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا صحابہ کرام کا طریقہ ہو سکتا ہے؟

جواب: - تیجہ منانے کا کوئی ثبوت قرآن وسنت اور تعامل صحابہ وتابعین سے نہیں، اگر اس میں یتیموں کا مال خرچ نہ کیا جائے تب بھی یہ بدعت ہونے کے باعث واجب الترک ہے،[3] اگر یتیموں کا مال اس میں خرچ کیا جائے تو ظلم بھی ہے اس طرح یہ دوہرا گناہ ہو جائے گا۔[4]

واللہ اعلم

۳۰/۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱۸/۲۵ ب)

---

(۱) عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله (الصحيح لمسلم، كتاب الوصية، باب مايلحق الانسان من الثواب الخ، حديث ۴۲۱۰)

قال النووی تحت هذا الحديث: قال العلماء معنى الحديث الا في هذه الاشياء الثلاثة لكونه كان سببها فان الولد من كسبه وكذلك العلم الذي خلفه من تعليم او تصنيف۔ وفيه دليل لصحة اصل الوقف وعظيم ثوابه وبيان فضيلة العلم والحث على الاستكثار منه والترغيب في توريثه بالتعليم والتصنيف والايضاح وانه ينبغي أن يختار من العلوم الأنفع فالأنفع۔

(۲) ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعياد ونقل الطعام الى القبر في المواسم (البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۸۲، رشيديه)

(۳) ملاحظہ فرمایئے اگلے مسئلہ کا حاشیہ

(۴) قال الله تعالى: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء، آیت ۱۰)۔

في تفسير القرطبي تحته: (إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا) لان ذلك يؤديهم إلى النار۔

صدقہ وخیرات کے لئے تیسرے دن کی پابندی

سوال (۹۱):- مرنے کے بعد تیسرے دن خیرات کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- تیسرے دن کی کوئی قید یا پابندی نہیں، صدقہ وخیرات ہر دن ہر وقت اور ہر جگہ کر سکتے ہیں، اپنی طرف سے تیسرے یا کسی اور دن کی پابندی کو ضروری یا زیادہ ثواب کا موجب سمجھنا بدعت ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔[۱]

واللہ اعلم
۱۳۹۸/۲/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۵۹۲ ب)

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا؟

سوال (۹۲):- کھانے پر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- کھانے پر فاتحہ پڑھنا بالکل بے اصل ہے، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین سے نہ ائمہ مجتہدین سے، یہ محض بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے سمجھ لینے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو صحابہ جو ایسے کاموں کے عاشق تھے کبھی نہ چھوڑتے اور ہزاروں واقعات ان کے اس بارے میں منقول ہوتے، حالانکہ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں اس کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ مروجہ طریقہ پر کچھ آپ نے کھانے پر فاتحہ پڑھی ہو اس لئے یہ کھلی گمراہی ہے۔[۲] صحیح حدیث میں ارشاد ہے کہ "کل بدعہ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار مشکوۃ"۔[۳]

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۳/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۳۹۶ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

---

(۱) کذالک یحذر مما احدثہ بعضھم من فعل الثالث للمیت وعملھم الاطعمۃ فیہ حتی صار عندھم کانہ امر معمول بہ (المدخل لابن الحاج ج۳ ص۲۹۲، تحت البدع المحدثۃ فی الخاتم)

ولا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام کذا فی التاتارخانیۃ (الھندیۃ، الفصل السادس فی القبر والدفن الخ، ج۱ ص۱۶۷، رشیدیہ)

انظر ایضاً: البزازیۃ علی ہامش الھندیۃ ج۴ ص۸۱ (فی الجنائز)

(۲) ویکرہ اتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص (البزازیۃ علی ہامش الھندیۃ ج۴ ص۸۱، الجنائز)

نیز ملاحظہ فرمایئے: فتاویٰ رشیدیہ ص۱۱۸، امداد الفتاویٰ ص۱۲۲، مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ ج۳ ص۷۷

(۳) کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب السنۃ۔

کھانے کے اوپر کلام پاک کا پڑھنا

سوال (۹۳):- کھانے کے اوپر کلام پاک کی آیت جو پڑھی جاتی ہے اور کھانے کی چیز مولوی صاحب کے سامنے رکھی رہتی ہے اور یہ عام رواج ہے اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اہل سنت سے خارج ہے۔

جواب:- ایصال ثواب کا طریقہ جو دلائل شرعیہ سے ثابت ہے صرف اتنا ہے کہ کوئی کارِ خیر کر کے مثلاً صدقہ خیرات فقراء و مساکین کو دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ اس عمل کا ثواب فلاں کی روح کو پہنچا دیا جائے[1]، باقی خاص اوقات یا خاص مقام کی قید جو لوگوں نے اپنی طرف سے لگا رکھی ہے یا یہ پابندی کہ کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا جائے یہ سب بے اصل باتیں ہیں، شریعت سے ثابت نہیں، بدعت ہیں۔[2] واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱/۳۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۸/ ۲۵ب)

تدفین کے بعد تین دفعہ دُعا کو ضروری قرار دینا

سوال (۹۴):- میّت کو دفن کرنے کے بعد تین دفعہ دُعا کرنا کیسا ہے بعض مولوی اسے ضروری قرار دیتے ہیں۔

جواب:- اس کو ضروری سمجھنا بھی بدعت ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۸/۲/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۵۹۲/ ۲۹ب)

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی

سوال (۹۵):- قرآن خوانی جو ایصال ثواب کے لئے کی جاتی ہے از روئے شریعت اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:- قرآن شریف کی تلاوت کر کے اس کا ثواب میّت کو پہنچانا جائز ہے اور اخلاص کے ساتھ یہ کام صحیح طریقے سے کیا جائے تو میّت کو ثواب پہنچتا ہے مگر اس کے لئے اجتماع یا شیرینی کی پابندی یا یہ پابندی کہ انتقال کے تیسرے یا چالیسویں دن ہی ہو، یہ بدعت ہے جس سے اجتناب لازم

---

(۱) ان الدعاء یصل ثوابه الی المیت وکذالک الصدقة وهما مجمع علیهما (شرح النووی لصحیح لمسلم ج ۲ ص ۱۴، باب مایلحق من الثواب)

(۲) قد مرّ تخریجه تحت عنوان "صدقہ و خیرات کے لئے تیسرے دن کی پابندی"۔

ہے، [1] نیز اُجرت دے کر قرآن ختم کرانے سے نہ پڑھنے والے کو ثواب ہوتا ہے نہ میت کو اور نہ اُجرت دے کر پڑھوانے والے کو۔ [2]

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۱۱/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۳۱/۲۸ ج)

مخلوط اِجتماع کے ساتھ قرآن خوانی

سوال (۹۶): - آج کل عورت و مرد شامل ہوکر قرآن خوانی کرتے ہیں، اکثر جگہ صرف مرد یا صرف عورتوں کی ہوتی ہے، کیا یہ قرآن خوانی جائز ہے؟

جواب: - نامحرم مرد و عورت کا بے پردہ مخلوط اِجتماع تو ہر حال میں ناجائز ہے، اور قرآن خوانی کے موقع پر اور زیادہ گناہ ہے کہ اس میں قرآنِ حکیم کی بے حرمتی بھی ہے، لہٰذا ایسے اِجتماع میں شرکت جائز نہیں، البتہ صرف مردوں یا صرف عورتیں قرآن خوانی کے لئے جمع ہو جائیں تو اگر اُس میں دُوسرے منکرات مثلاً ریا، نمود وغیرہ نہ ہوں اور اِجتماع کو لازمی نہ سمجھا جائے تو ایسی قرآن خوانی میں شرکت کی گنجائش ہے، مگر تنہائی میں تلاوتِ قرآن کرنا زیادہ ثواب ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
۱۳۹۲/۹/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۸۷/۲۳)

بوقت تدفین سوئم کا اعلان کرنا اور اخبارات میں اشتہار دینا

سوال (۹۷): - کچھ عرصہ سے یہ رواج ہوگیا بلکہ بڑھتا جارہا ہے کہ میت کو دفن کرتے وقت اعلان کیا جاتا ہے اور اخبار میں بھی اشتہار دیا جاتا ہے کہ تیسرے دن سوئم ہوگا لوگ قرآنی خوانی میں شرکت کریں۔ آیا اس رسم میں شرکت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: - یہ رسم خلافِ سنت اور بدعت ہے، اس سے پرہیز لازم ہے، ہر شخص کو جہاں اور جس

---

(۱) الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ماله جعل ثوابها لغیره وان نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الأدلة (الدر المختار، باب الحج عن الغیر، ج ۲ ص ۵۹۵، سعید)

فی رد المحتار تحته: (قوله بعبادة ما)ای سواء کانت صلاة او صوماً او صدقةً او قراءة اوذکراً او طوافاً الی قوله وجمیع انواع البر کما فی الهندیة۔

(۲) وصار القاری منهم لا یقرأ شیئا لوجه الله تعالیٰ خالصاً بل یقرأ للاجرة وهو الریاء المحض الذی هو ارادة العمل لغیر الله تعالیٰ فمن این یحصل له الثواب الذی طلب المستأجر ان یهدیه لمیته وقد قال الامام قاضی خان ان اخذ الأجر فی مقابلة الذکر یمنع استحقاق الثواب(مجموعه رسائل ابن عابدین، الرسالة الثانیة شرح عقود، ج۱ ص۴۲) ان القرآن بالأجرة لا یستحق الثواب لا للمیّت ولا للقاری (ردّ المحتار، کتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة ج۶ ص۵۶، طبع سعید)۔

وقت جتنی تلاوت یا صدقہ خیرات کی توفیق ہو وہ کر کے اس کا ثواب میّت کو پہنچا دیا جائے۔[۱] واللہ اعلم

۱۴۰۱/۸/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۲۳/۲۳ ۳۲ ب)

کفن و دفن میں اس شرط پر شریک ہونا کہ ان کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے، خلافِ شرع ہے

سوال (۹۸): - ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی مر جائے تو وہاں کے لوگ اس کے دفن کرنے اور جنازہ کے لوازمات میں تب شرکت کرتے ہیں کہ اس کے ورثاء سب شرکاء جنازہ کے لئے طعام کا انتظام کریں، بالفرض سر دست اگر کوئی اور بھی کر دے تو بعد میں یہ اس کو ادا کرتا ہے، قبرستان چونکہ دور ہے اس لئے شرکاء کی ضرورت بھی ہوتی ہے لہٰذا شرعی مسئلہ کیا ہے؟

جواب: - یہ رواج اسلامی اخلاق اور شریعت کے یکسر خلاف ہے، ہر مسلمان کو کفنانا دفنانا، نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے خواہ وہ میّت کے رشتہ دار ہوں یا اجنبی، اس فرضِ کفایہ کے بدلے میں کھانا طلب کرنا اور کھانا نہ ملے تو فرض سے پہلو تہی کرنا جائز نہیں ایسا کرنے والے گنہگار ہوں گے،[۲] تاہم اگر لوگ اس غلط اور ناجائز رواج کو نہیں چھوڑتے اور اولیاء میّت کی معاونت اس کے بغیر نہیں کرتے اور اولیاء میّت ان کی معاونت حاصل کرنے پر مجبور ہیں تو اتنے لوگوں کو کھانا کھلانے کی گنجائش ہے کہ جن کے بغیر ضروری معاونت حاصل نہ ہو سکے، اس صورت میں یہ کھانا، کفن دفن کی اجرت ہوگا جو حکم قبر کھودنے والے اور غسل دینے والے کی اُجرت کا ہے وہی اس کا بھی ہوگا کہ اس کا ضروری خرچ تقسیم ترکہ، ادائے دیون اور انفاذِ وصیت پر مقدم ہوگا۔[۳]

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۳۹۱/۹/۱۴ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۱۸۷/۲۲ ج)

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ’’صدقہ وخیرات کے لئے تیسرے دن کی پابندی‘‘۔

(۲،۳) والافضل ان یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان کان ثمہ غیرہ والا لا لتعیینہ علیہ وینبغی ان یکون حکم الحمال والحفار کذالک (الدر المختار، باب صلاۃ الجنازۃ، ج۲ ص۱۹۹، سعید)

فی ردالمحتار تحتہ: (قولہ لتعیینہ علیہ) ای لانہ صار واجبا علیہ عینا ولا یجوز اخذ الاجرۃ علی الطاعۃ کالمعصیۃ ولا یجوز الاستئجار علی غسل المیت ویجوز علی الحمل والدفن واجازہ بعضهم فی الغسل ایضاً فلیتامل۔

... یبدأ من ترکۃ المیت الخالیۃ عن تعلق حق الغیر بعینها... تجهیزہ یعم التکفین ثم تقدم دیونہ الخ (الدر المختار، کتاب الفرائض، ج۶ ص۷۵۹)

جنازے کے ہمراہ گڑ لے جا کر قبرستان میں تقسیم کرنا

سوال (۹۹):- ہمارے علاقے میں جب میت ہو جاتی ہے تو مردہ کے ورثاء جنازہ کے ہمراہ گڑ قبرستان لے جاتے ہیں اور پھر وہاں قبرستان پر نماز جنازہ کے بعد سب شرکاء جنازہ کے درمیان گڑ تقسیم کرتے ہیں اور اسے خیرات کرتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب:- میّت کو صدقہ وخیرات کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا بہت اچھی بات ہے مگر اس کے لئے خاص طور سے گڑ کو مقرر کر لینا اور قبرستان کو اور بعد دفن کے وقت کو مقرر کر لینا بدعت ہے، صدقہ کسی بھی مال یا کھانے پینے کی چیز کا کیا جا سکتا ہے ہر جگہ کیا جا سکتا ہے ہر وقت کیا جا سکتا ہے، اپنی طرف سے خاص وقت یا خاص جگہ یا خاص چیز کو اس طرح مقرر کر لینا کہ اس میں زیادہ ثواب سمجھا جائے بدعت ہے اور واجب الترک ہے۔[1]

اور اگر یہ گڑ میّت کے مال سے صدقہ کیا جاتا ہے تو اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ میّت کا مال سب وارثوں کی ملکیت ہو گیا ان سب کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا جائے گا تو غیر کے مال میں ناجائز تصرف ہوگا،[2] اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت سے بھی اس کے حصہ میں تصرف جائز نہ ہوگا نہ صدقہ کرنے والے کو ثواب ملے گا نہ میت کو بلکہ صدقہ کرنے والا خود گنہگار ہوگا۔[3]

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

۱۳۹۳/۵/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۷۱۱ د)

میّت کے ساتھ کھجور یا مٹھائی لے جا کر قبرستان میں تقسیم کرنا

سوال (۱۰۰):- بعض حضرات میت کے ساتھ کھجور یا مٹھائی قبرستان لے جاتے ہیں، دفن کے بعد اس مٹھائی کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے؟

---

(۱) ولیحذر من هذه البدعة بفعلها وهي انهم يحملون امام الجنازة مع الحاملين في الاقفاص الخرفان والخبز ويسمون ذلك بعشاء القبر فاذا اتوا الى القبر ذبحوا ما اتوا به بعد الدفن وفرقوه مع الخبز ويقع بسبب ذلك مزاحمة وضرب ويأخذ ذلك من لا يستحقه ويحرمه المستحق في الغالب وذلك مخالف للسنة من وجوه الاول ان ذلك من فعل الجاهلية والثاني ما فيه من الرياء والسمعة والمباهاة والفخر اعني ان يتخذ ذالك سنة او عادة لانه لم يكن من فعل مضى والخير كلهم في اتباعهم (المدخل لابن الحاج، تحت البدع في المأتم، ج۳ ص۲۸۰)

(۲) عن ابي حرة الرقاشي عن عمه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه (سنن البيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا الخ)

(۳) لا وصية لوارث الا ان يجيزها الورثة ... (وهم كبار) عقلاء فلم تجز اجازة صغيرة ومجنون (الدر المختار، كتاب الوصايا، ج۲ ص۶۵۲ سعيد)

جواب: - یہ خودساختہ رسم ہے قرآن وسنت میں اس کا ثبوت نہیں، بدعت ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ (۱)

واللہ اعلم
۱۳۹۸/۶/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۵۹۲ب)

تدفین سے قبل اہلِ میّت اور دیگر افراد کا ہلکا پھلکا کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال (۱۰۱): - میری ہمشیرہ صاحبہ کا کراچی میں ۲۰ اور ۲۱ جون کی درمیانی شب میں انتقال ہوگیا ہے، ان کے بڑے صاحبزادہ نے اپنے چھوٹے بھائی جو گوجرانوالہ میں ملازم ہے، کو فون پر اطلاع دی ہے جواب ملا کہ وہ ہوائی جہاز سے ۲۱ جون کی دوپہر کو کراچی پہنچے گا، لہٰذا مرحومہ کو چار بجے سہ پہر دفن کردیا گیا میرے بڑے بھانجے میری بیوی کو جو ان کی پھوپھی بھی ہوتی ہے اپنے ہمراہ رات میں اپنے مکان پر لے گئے تھے جہاں بھانجے کا قیام ہے وہاں شب میں تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا ممکن نہیں تھا یہ سب انتظامات دن نکلنے پر ۲۱ جون کو کیے گئے۔ گھر میں ضعیف، بچے، جوان سب ہی ہوتے ہیں میری بیوی کو گھر والوں نے اپنے ساتھ معمولی ناشتہ کروایا جس کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا میت کو دفن کرنے کے بعد شام کو ایک ہمسایہ نے چائے اور کچھ نمکین بھیج دیا تھا اور جو لوگ موجود تھے ان میں سے کچھ نے چائے پی لی تھی، کراچی میں موت کے گھر لوگ میلوں دُور سے آتے ہیں اور میّت کو دفن کرنے کے بعد ہی گھر آکر بیٹھتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ

۱- میری بیوی کا معمولی ناشتہ کرنا جبکہ میّت دفن نہیں ہوئی تھی شرعاً غلط تھا؟

۲- گھر کے لوگ مجبوری یا کمزوری محسوس کریں تو میّت دفن کرنے سے قبل کچھ تھوڑا خاموشی سے اپنے گھر کا کھانا کھا سکتے ہیں اور بعض لوگ جو ان کے مکان پر آکر گھنٹوں سے بیٹھے ہوتے ہیں ان کو بھی بغیر کسی خاص انتظام کے کچھ تھوڑا خاموشی سے کھلا سکتے ہیں؟

جواب: ۱- نہیں۔ (۲)

۲- گنجائش ہے، دعوت نہ کی جائے۔ (۳)

واللہ اعلم
۱۴۰۱/۸/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۳۲۳ب)

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان "جنازہ کے ہمراہ گڑ لے جاکر تقسیم کرنا"۔

(۲) وکذالك یحذر مما احدثه بعضهم وهو ان المیت اذا مات لا یأکل اهله حتی یفرغوا من دفنه (المدخل لابن الحاج، تحت البدع فی المآتم، ج۳ ص ۲۹۰)

(۳) فلو جاء هم الطعام من مواضع متعددة فینبغی ان یتصدقوا بما فضل عنهم او یهدوه لمن یختارون (فی المدخل لابن الحاج ج۳ ص ۲۸۹)

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة (فتح القدیر، فصل فی الدفن، ج۲ ص ۱۵۱)

اہل میّت کا تعزیت کے لئے باقاعدہ بیٹھنا اور اس موقع پر رسم فاتحہ خوانی

سوال (۱۰۲) :- ہمارے علاقہ پنجاب میں رواج ہے کہ اگر کوئی مسلمان فوت ہوجائے تو کئی کئی روز تک لوگ آتے رہتے ہیں اور وارثانِ میّت کے گھر باقاعدہ صفوف وغیرہ ڈالی جاتی ہیں روز آنے والے اصحاب ہاتھ اٹھا کر بطور دعا فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ بعض اقوام چالیس یوم تک اور بعض تین ماہ تک، بعض چھ ماہ تک اور بعض ہفتہ عشرہ یہ سلسلہ جاری رکھتی ہیں، اگر کوئی مسلمان ان کے رواج کے مطابق ہاتھ نہ اٹھائے تو اس کو مطعون کیا جاتا ہے۔ پھر اٹھتے وقت بھی دعا کی جاتی ہے جسے ''دعاءِ خیر'' کہتے ہیں براہ کرم اس مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائیں تا کہ اصل شریعت کا حکم معلوم ہو سکے نیز ہمارے ہاں یہ بھی رواج ہے کہ میّت کے دفن کرنے کے تیسرے دن شہر میں ایک آدمی اعلان کرتا ہے جو کہ ایسے موقع پر خاص مخصوص ہوتا ہے جن کو اطلاع دی جاتی ہے وہ اکٹھے ہوتے ہیں محلے کی مسجد کے امام آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرتے ہیں۔ دیگر حضرات کچھ پڑھتے ہیں کچھ خاموش رہتے ہیں امام صاحب آیاتِ قرآنی کا ثواب میّت کی روح کو باآواز بلند یا خاموشی سے بخش دیتے ہیں، اس رسم کو یہاں قل کہتے ہیں، میّت کی مستعمل اشیاء امام صاحب کو دیدی جاتی ہیں۔

جواب :- اس طرح کی فاتحہ خوانی اور اس کی پابندی بدعت واجب الترک ہے کیونکہ کسی شرعی دلیل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، یہی حال اس مروجہ ''دعاءِ خیر'' کا ہے کہ اس کی ایسی پابندی کرنا کہ جو نہ کرے اس کو مطعون کیا جائے، بدعت ہے جو واجب الترک ہے، [1] اس میں علاوہ بدعت ہونے کے ایک خرابی یہ ہے کہ امام صاحب دعا کرنے کی اُجرت گندم اور دیگر سامان کی صورت میں لیتے ہیں اور دعاء یا

---

(۱) وكذلك يحذر بما احدثه بعضهم من فرش البسط وغيرها في التربة لمن يأتي الى الصبحة وغيرها وقد تقدم الكلام على ذلك ومنعه (في المدخل لابن الحاج تحت البدع في المأتم ج۳ ص ۲۹۲)

واما اجتماع الرجال في المأتم لداعية الحزن على الميت فمعلوم ايضًا مايستلزمه هذا الاجتماع عادة من النفقات الطائلة لغرض المباهات والرياء باعداد محل الاجتماع واحضار البسط والسجاجيد ولا شك في حرمة ذلك لما فيه من اضاعة المال بغير غرض صحيح هذا اذا لم يكن في الورثة قاصر فما بالك اذا كان فيهم قاصر وقد يتكلفون ذلك بالقرض بطريق الربا وان مايقع بعد الدفن من اعمال المأتم ليلة او ثلاثا مثلا لانزاع في انه بدعة ولم يثبت من الشارع ولا عن السلف انهم جلسوا يقصد ان تذهب الناس الى تعزيتهم وكره جلوس للتعزية بان يجلس المصاب بمكان ليعزى او يجلس المعزى عند المصاب بعدها لأنه استدامة للحزن ومما لا شك فيه ان الزيادة على الثلاث بدعة سيئة فان النبي صلى الله عليه وسلم قد جعل نهاية الحزن ثلاثة ايام من حين الموت ..... وصفوة القول أن المأتم اليوم لا تخلوا عن المنكرات ومخالفة سنة النبي صلى الله عليه وسلم وناهيك ما يكون من القراة وتلاوة القرآن وما يفعله المستمعون في المأتم من الخروج عن حد الادب حال تلاوته من رفع اصوات الاستحسان او الاشتغال عن استماعه او شرب الدخان الى غير ذلك مما يحول بين المجلس ونزول الرحمة (الابداع تحت بدع المأتم ص ۱۱۳)

تلاوت پر اُجرت دینا حرام ہے، اس سے نہ میت کو ثواب پہنچتا ہے نہ پڑھنے والے کو بلکہ ایسا کرنے والے گنہگار ہوتے ہیں۔[۱]

نیز اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ میّت کے استعمال کے کپڑے جوتے وغیرہ امام کو دیئے جاتے ہیں حالانکہ یہ سب چیزیں میّت کے انتقال کے بعد سب وارثوں کی مشترکہ ملکیت ہوگئیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعض وارث یہ چیزیں دینے پر دل سے راضی نہ ہوں مگر لوگوں کی شرم سے خاموش رہتے ہوں نیز وارثوں میں بسا اوقات نابالغ بھی ہوتے ہیں وہ اگر یہ چیزیں امام صاحب کو دینے پر راضی بھی ہوں تب بھی نابالغ کا ہبہ (عطیہ) کسی کو لینا جائز نہیں۔[۲]

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی
۱۱/۳/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۳۶۰/۲۳ ب)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

بوقت انتقال اہلِ میّت کو بھاجی (نیوتہ) دینا

سوال (۱۰۳):- ہمارے علاقہ پنجاب میں رواج ہے کہ کسی کی میت پر آنے والے تمام رشتے دار میت والوں کو ایک ایک روپیہ حوالے کرتے ہیں جن کا اندراج کر کے گھروں میں باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے پھر یہ رقم جہاں جہاں سے آتی ہے ان کے یہاں میت ہونے پر واپس کردی جاتی ہے یہاں کی زبان میں اس کو ''بھاجی'' کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب:- بھاجی کی رسم بے اصل ہے جسے ترک کرنا ضروری ہے ہاں اگر یہ طریقہ ہو کہ حاضرین میں سے جو لوگ بخوشی دیں تو ان کا عطیہ قبول کرلیا جائے اور جو نہ دے اسے مطعون یا مجبور نہ کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔[۳]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۱/۳/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۳۶۰/۲۳ ب)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ''ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی''۔

(۲) قد مرّ تخریجہ فی حاشیۃ رقم ۲ تحت عنوان ''جنازے کے ہمراہ گڑ لے جاکر قبرستان میں تقسیم کرنا''۔

(۳) مسئلہ نمبر ۵۶ بعنوان ''انتقال کے موقع پر اہلِ میت کو پاجی (نیوتہ) دینا'' کے تحت اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

اہلِ میّت کے لئے کھانا تیار کرنا اور مہمانوں کا اس میں شریکِ طعام ہونا

سوال (۱۰۴): ۱- میرے جہاں تک علم میں ہے کہ انتقال سے تین دن تک عزیزوں واقارب کو موت والوں کے گھر جانیکی کوشش کرنا چاہئے تاکہ ان کا غم کم ہو اور تسکین ہو اور کھانا پکوا کر تین دن تک موت کے گھر پہنچانا چاہئے کیا یہ صحیح ہے، اور اس آئے ہوئے کھانے کو جو تعزیت کے لئے آئے ہوئے ہیں اہلِ خانہ کے مدعو کرنے پر کھا سکتے ہیں۔

(۱۰۵) ۲- بعض لوگ کہتے ہیں کہ موت سے تین دن تک تعزیت کے لئے آئے ہوئے لوگوں کو میت کے گھر والوں کا کھانا جائز نہیں۔

جواب: ۱- میت کے گھر والوں کے لئے دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ کھانا بھیجیں نہ یہ کہ ان کے اوپر اپنے کھانے کا بار ڈالیں، البتہ دوسروں کا بھیجا ہوا کھانا اگر اہلِ میت کے کہنے پر تعزیت کے لئے آنے والے بھی کھالیں تو مضائقہ نہیں مگر اس کو بھی دعوت کا رنگ نہ دیا جائے پس جو کھانے کے وقت موجود ہوں ان کو کھانے میں بشرطِ گنجائش شریک کیا جا سکتا ہے۔[1]

۲- علی الاطلاق یہ کہنا صحیح نہیں، تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

۲۲/۸/۱۴۰۱ھ

ختمِ قرآن کے بعد روزانہ اجتماعی طور پر سورۂ فاتحہ اور اِخلاص پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا

سوال (۱۰۶): - ہمارے شہر کے ایک مذہبی رہنما روزانہ صبح بعد فجر درسِ قرآن مجید کے بعد ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اور جملہ بزرگانِ دین اور اپنے اساتذہ کرام اور والدین کے لئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ حاضرین بھی اس میں

---

(۱) عَن عَبدِ اللّٰہِ بنِ جَعفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اصنَعُوا لِآلِ جَعفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّہُ قَد أَتَاھُم أَمرٌ شَغَلَھُم (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب صنعۃ الطعام لاھل المیت، حدیث:۳۱۳۲۔ سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الطعام یصنع لاھل المیت، حدیث:۱۰۱۴۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الطعام یبعث الی اھل المیت، حدیث ۱۶۱۰)

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت ... عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ ویستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الا باعد تھیئۃ طعامھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء ھم مایشغلھم (فتح القدیر، فصل فی الدفن ج۲ ص۱۵۱)

فلو جاء ھم الطعام من مواضع متعددۃ فینبغی ان یتصدقا بما فضل عنھم أو یھدوہ لمن یختارون (المدخل لابن الحاج، تحت بدع المآتم، ج۳)

شریک ہوجاتے ہیں۔کیا یہ طریقہ شرعاً صحیح ہے؟

جواب :- ایسا کرنا فی نفسہٖ جائز ہے،لیکن اس خاص وقت اور طریقہ کومسنون سمجھنا یا اس کی ایسی پابندی کرنا کہ دیکھنے والے اس خاص وقت اور طریقہ کومسنون سمجھنے لگیں، درست نہیں۔(۱)　واللہ اعلم

۱۳۹۵/۱/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۳۴/۲۶الف)

چند مروّجہ بدعات سے متعلق ایک تنازعہ اور اس کا تصفیہ

سوال (۱۰۷):۱- زید امام ہے جس محلّہ میں رہتا ہے لوگ وہاں جنازہ کے بعد حیلہ اسقاط کرتے ہیں زید کہتا ہے کہ یہ بدعت ہے،مولوی عمر اس کو کارِثواب کہتے ہیں۔صحیح حکم کیا ہے؟

(۱۰۸) ۲- میت کے گھر تین دن کے بعد یا چار دن کے بعد یا اول دن ایک لکھی ختم کراتے ہیں جس میں لوگ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں اس کے بعد میت کا وارث ان کو کھانا کھلاتا ہے زید اس کو بھی حرام کہتا ہے۔

(۱۰۹) ۳- زید کہتا ہے نیک بندوں کو مرنے کے بعد پکارنا غائبانہ طور پر حاجت روائی کے لئے صریح شرک ہے عمر اس کو شرک نہیں کہتا کہ ہم اس لئے پکارتے ہیں کہ خدا کے آگے سفارش کرتے ہیں۔

جواب :- سوال ۱ تا ۳ کا جواب یہ ہے کہ زید کا قول درست ہے اور عمر کا قول درست نہیں ہے۔(۲)

واللہ اعلم

۱۳۹۶/۱/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۱۲/۲۷د)

نمازِ فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا؟

سوال (۱۱۰):- بعد نمازِ فجر اور عصر بڑے اہتمام سے لوگ مصافحہ کرتے ہیں اور اس بارے میں پابندی کا خیال رکھتے ہیں جبکہ اس سے بچنے والوں کو وہابی گردانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ عمل خلافِ شرع نہیں ہے چونکہ مسجد میں جمع ہونے کی یہی حکمت ہے کہ مسلمان آپس میں ملاقات کریں۔

---

(۱) وما ذلک الا لکونهما لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها فیه توهم العوام بأنها سنة فیه. رد المحتار، باب الجنائز، بعد مطلب فی دفن المیت، ج ۲ ص ۲۳۵ سعید.

(۲) حیلہ اسقاط کے لئے ملاحظہ فرمائیے سوال نمبر ۷۴ بعنوان ''حیلہ اسقاط کا حکم'' کا حاشیہ اور میت کے گھر سے طعام کے لئے ملاحظہ فرمائیے گزشتہ سے پیوستہ مسئلہ بعنوان ''اہلِ میت کے لئے کھانا تیار کرنا...الخ'' کا حاشیہ۔

غیر اللہ کو حاجت روائی کے لئے پکارنے سے متعلق درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں: قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ یونس)

فی التفسیر الکبیر تحت هذه الآیة: یعنی لو اشتغلت بطلب المنفعة والمضرة من غیر اللہ فانت من الظالمین (الجزء ۱۷ ص ۱۳۹)

کیا صحابہ کرام اسی طرح نماز کے بعد مصافحہ کا اہتمام کرتے تھے یا نہیں۔ دوسری صورت میں اس کا جواز کیا ہے جب کہ ایک خاص طبقہ ہر نماز کے بعد اس مصافحہ کا اہتمام کرتا ہے اور خصوصی امتیاز سمجھتا ہے اور نہ کرنے والوں کو ملامت کرتا ہے۔ بینوا وتوجروا۔

جواب:- کسی بھی نماز کے بعد مصافحہ کا خاص طور پر اہتمام کرنا یا اس کی پابندی کرنا نہ کسی حدیث سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام کے عمل سے، لہٰذا اس کو ضروری سمجھنا یا اس کی پابندی کرنا اور مصافحہ نہ کرنے والے کو ملامت کرنا سب بدعت ہے۔ [1] اس سے احتراز لازم ہے، حدیث میں بدعت پر سخت وعید آئی ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۸/۲/۱۳۹۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۴/۲۳ ب)

نمازوں کے بعد مروّجہ مصافحہ؟

سوال (۱۱۱):- نماز کے بعد مسجدوں میں جو رواج ہے کہ نماز کے بعد لوگ آپس میں یا پیش امام صاحب سے مصافحہ کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے کسی اور موقع پر مصافحہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں۔ نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا جو رواج ہو گیا ہے کہ اس وقت مصافحہ کرنے کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں یہ رواج بدعت ہے، جائز نہیں۔ [2]

واللہ اعلم
۲۶/۴/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۸۴۵/۲۵)

---

(۱) وقد صرح بعض علمائنا وغیر هم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع ان المصافحة سنة وما ذالك الا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بانها سنة فيه (ردالمحتار، صلاة الجنائز، ج۲ ص۲۳۵، سعید)

لكن قد يقال ان المواظبة عليها بعد الصلوات خاصة قد يؤدي الجهلة الى اعتقاد سنيتها في خصوص هذا الموضع وان لها خصوصية زائدة على غيرها مع ان ظاهر كلامهم انه لم يفعلها احد من السلف في هذه المواضع ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعد اداء الصلوة بكل حال لان الصحابه رضي الله تعالىٰ عنهم ماصافحوا بعد اداء الصلاة ولانها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر انها بدعة مكروهة لا اصل لها في الشرع وانه ينبه فاعلها اولا ويعزر ثانيا لما اتى به من خلاف السنة (ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره ج۱ ص۳۸۱، سعید)

انظر ايضاً المدخل لابن الحاج، تحت قوله البدع في المساجد، ج۲ ص۲۲۳، الاعتصام للشاطبي ج۱ ص۲۱۱، عزيز الفتاوىٰ ص۱۲۸، امداد الفتاوىٰ ج۵ ص۲۶۰، امداد الاحكام ج۱ ص۱۰۳

(۲) بحوالہ بالا۔

نماز کے بعد امام سے مصافحہ کا التزام بدعت ہے

سوال (۱۱۲): - پانچوں وقت نماز کے بعد بلا ناغہ امام صاحب سے مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: - نماز کے بعد امام سے مصافحہ کا التزام کرنا سنت کے خلاف اور بدعت ہے، احادیث نبویہ اور تعامل صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا، مصافحہ ملاقات کے وقت سنت ہے امام کی یا نماز سے پہلے یا بعد کی کوئی خصوصیت نہیں۔[۱] مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا چاہئے، صرف ایک ہاتھ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔[۲]

واللہ اعلم

۱۷/۳/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۴/۲۴ ھ)

ہر نماز اور بالخصوص فجر کے بعد امام سے مصافحہ کرنا

سوال (۱۱۳): - ہر نماز کے بعد خصوصاً فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: - ہر نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنا سنت سے اور تعامل صحابہ سے ثابت نہیں، اسے ضروری سمجھ کر کرنا یا اس وقت مصافحہ کرنے میں زیادہ ثواب سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے۔[۳] واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۲۰/۱/۱۳۹۴ھ

عید پر معانقہ کا التزام بدعت ہے

سوال (۱۱۴): - عید کے موقع کے وقت معانقہ کا التزام بدعت ہے یا نہیں؟

جواب: - عید پر معانقہ کرنا سنت سے ثابت نہیں لہٰذا اس کا التزام بدعت ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان ''نماز فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم''۔

(۲) وَصَافَحَ حَمَّادُ بنُ زَيدٍ ابنَ المُبَارَكِ بِيَدَيهِ(صحيح البخاري،كتاب الاستيذان، باب الأخذ باليدين)

... وَفِي القُنيَةِ: السُّنَّةُ فِي المُصَافَحَةِ بِكِلتَا يَدَيهِ وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقته عَلَى المُلتَقَى(الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره)۔

في رد المحتار تحته:(قَولُهُ وَتَمَامُهُ إلَخ) وَنَصُّهُ: وَهِيَ إلصَاقُ صَفحَةِ الكَفِّ بِالكَفِّ وَإِقبَالُ الوَجهِ بِالوَجهِ فَأَخذُ الأَصَابِعِ لَيسَ بِمُصَافَحَةٍ خِلَافًا لِلرَّوَافِضِ وَالسُّنَّةُ أَن تَكُونَ بِكِلتَا يَدَيهِ وَبِغَيرِ حَائِلٍ مِن ثَوبٍ أَو غَيرِهِ وَعِندَ اللِّقَاءِ بَعدَ السَّلَامِ وَأَن يَأخُذَ الإِبهَامَ فَإِنَّ فِيهِ عِرقًا يُنبِتُ المَحَبَّةَ كَذَا جَاءَ فِي الحَدِيثِ ذَكَرَهُ القُهُستَانِيُّ وَغَيرُهُ اهـ

(۳) قد مرّ تخریجه تحت عنوان ''نماز فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم''۔

رکھتا ہے کہ عید پر معانقہ سنت ہے یا عید کے ساتھ معانقہ کی شرعاً کوئی خصوصیت ہے تو شرعاً ایسے شخص کے ساتھ معانقہ نہیں کرنا چاہئے۔[1]

والله اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۰/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۳۱۱ د)

عیدین پر معانقہ اور اس کا مسنون وقت اور طریقہ

سوال (۱۱۵): - معانقہ ایک دفعہ سنت ہے یا تین دفعہ، اس کا سنت طریقہ کیا ہے؟ نیز عیدین پر معانقہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: - عیدین پر معانقہ سنت سے ثابت نہیں، اسے ضروری سمجھنا یا عیدین پر معانقہ کرنے کو باعث ثواب سمجھنا بدعت ہے،[2] احادیث سے طویل جدائی اور سفر سے واپسی پر معانقہ کا ثبوت ملتا ہے،[3] ایک دفعہ یا تین دفعہ کی کوئی قید نہیں، دونوں صورتیں بلا کراہت جائز ہیں، اس بارے میں روایات میں کچھ نہیں ملتا۔

والله اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۲/۱۱/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳/۱۵۹۳)

عیدین میں معانقہ کو ضروری سمجھنا

سوال (۱۱۶): - ہمارے یہاں لوگ عید کے روز معانقہ بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے منع کیا تو لوگ برا مان لیتے ہیں، اور مجھے بددین کہا اور بہت سے لوگوں نے میرے پیچھے نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے۔

جواب: - عیدین پر معانقہ کی پابندی کرنا اور اس کو ثواب سمجھنا بدعت اور واجب الترک ہے۔

---

(۱) واما المعانقة فقد كرهها مالك واجازها ابن عيينة اعني عند اللقاء من غيبة كانت واما في العيد لمن هو حاضر معك فلا (المدخل لا بن الحاج، فصل في سلام العيد، ج۲ ص۲۹۵)

انظر ایضاً امداد المفتین ص۲۰۳، مجموعة الفتاویٰ (مترجم اردو) ص۲۰۷

(۲) بحوالہ بالا۔

(۳) عن عايشة رضي الله عنها قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة ورسول الله صلى الله عليه و سلم في بيتي فأتاه فقرع الباب فقام إليه رسول الله صلى الله عليه و سلم فاعتنقه وقبله (سنن الترمذي، كتاب الاستيذان، باب ما جاء في المعانقة والقبلة)

شریعت کی کسی دلیل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا،[۱] معانقہ سفر سے آنے پر حدیث سے ثابت ہے،[۲] عیدین پر ثابت نہیں۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۲۳/۱۱/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

مسجد میں نماز اور عیدین کے بعد مصافحہ کرنا

سوال (۱۱۷): ۱- مسجد میں بعد نماز مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱۸) ۲- اور عیدین کے بعد بھی مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: - مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنا بڑا کار ثواب اور باعث محبت ہے لیکن اس کے لئے نماز کے بعد کوئی خصوصیت یا اہمیت نہیں بلکہ نماز کے بعد مصافحہ کو خاص طور سے ثواب سمجھ کر مصافحہ کرنا بدعت ہے۔ عید کے بعد مصافحہ کا بھی یہی حکم ہے۔[۳]

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۵/۱۰/۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۳۴۹/۲۳ و)

خوش اخلاق امام مسجد کا سنت سمجھے بغیر ہر نمازی سے مصافحہ کرنا

سوال (۱۱۹): - ایک مسجد کا پیش امام بہت ہی با اخلاق آدمی ہے، جب نماز کے لئے حاضر ہوتا ہے جماعت کے ہر فرد سے ہاتھ ملاتا ہے یہ ان کی طبیعت ہوگئی ہے، بعض احباب کہتے ہیں یہ رویہ با تکلف ہے ہر نماز میں ایسا کرنے سے بعض نمازیوں پر شاق گذرتا ہے۔ شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: - جن لوگوں پر یہ مصافحہ شاق ہوتا ہے ان سے مصافحہ نہ کریں اور اگر چہ امام صاحب اس وقت کے مصافحہ کو سنت کا درجہ نہیں دیتے مگر عوام اسے جماعت کی سنت سمجھتے ہیں اور اس طرح بدعت

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان "عید کے موقع پر معانقہ کا التزام بدعت ہے"۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

(۳) واما المصافحة فانها وضعت في الشرع عند لقاء المؤمن لاخيه واما في العيدين على ما اعتاده بعضهم عند الفراغ من الصلوة يتصافحون فلا اعرفه لكن قال الشيخ الامام ابو عبدالله النعمان رحمه الله تعالىٰ انه ادرك بمدينة ناس والعلماء العاملون يعلمهم بها متوافرون انهم كانوا اذا فرغوا من صلاة العيد صافح بعضهم بعضا فان كان يساعده النقل عن السلف فياحبذا وان لم ينقل عنهم فتركه اولىٰ (المدخل لابن الحاج (فصل في سلام العيد) ج۲ ص۲۹۲)۔

کے مرتکب ہوتے ہیں، لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ کبھی کبھی ترک کردیا کریں، نیز ازخود مصافحہ کا کبھی بھی اہتمام نہ کریں کہ ایک ایک سے مصافحہ کرتے پھریں۔ واللہ اعلم

۱۶/۸/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۵۸۰/۲۵و)

عشرۂ محرم میں عورتوں کی مجلس

سوال (۱۲۰):- ماہِ محرم میں پہلی تاریخ سے دسویں تاریخ تک عورتوں کی مجلس قرار پاتی ہے، اس میں مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور آہ و بکا کیا جاتا ہے، شہادت نامہ اور دس مجلس جیسی کتابیں پڑھی جاتی ہیں اور فروٹ تقسیم کیا جاتا ہے، قیام بھی کیا جاتا ہے، کیا عورتوں کی ایسی مجلس جائز ہے؟

جواب:- کتابیں اگرچہ مستند ہوں لیکن جو حالات اس مجلس کے سوال میں تحریر ہیں ان کا مجموعہ بدعت اور حرام ہے، اس لئے یہ مجلس واجب الترک ہے، یہ فروٹ بھی نہیں کھانا چاہئے۔ واللہ اعلم

۶/۱۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۲۵/۲۵ج)

ربیع الاوّل میں عرس منانا

سوال (۱۲۱):- آج کل ہمارے یہاں ربیع الاوّل کے مہینے میں عرس کا مسئلہ ایک عظیم اختلافی مسئلہ بن چکا ہے حتیٰ کہ عشقِ رسول کے لئے کسوٹی بن گیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عرس کرنا عظیم علامت حُبِ رسول ہے جتنا ہو سکے اس ماہ میں کھاؤ، کھلاؤ اور جو نہیں کرتا، چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم دین ہو اس کے اُوپر دُشمنِ رسول اور کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں دوسری طرف علماءِ دیوبند اس کو بدعت کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ اس کی وضاحت کریں۔

جواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا ذکر جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے بہت بڑا کارِ ثواب اور خیر و برکت کا باعث ہے مگر اس کے لئے کسی مہینہ یا تاریخ کی خصوصیت نہیں، ہر مہینہ اور ہر تاریخ میں کرنے کا ثواب یکساں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ یہ ذکر صرف ایک مہینہ میں کر کے فارغ نہ ہو جائیں۔ ربیع الاول کے مہینہ میں جس طرح اب عرس منایا جانے لگا ہے اس کا ثبوت قرآن کریم اور حدیث یا صحابہ کرام وتابعین کے تعامل سے کہیں نہیں ملتا اگر یہ طریقہ کوئی ثواب کی چیز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعلیم ضرور دیتے، کیا اس خاص طریقہ کو دین کا جزء قرار دینے والے حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگانا چاہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

دین کی تبلیغ میں کوتاہی کی ہے اور کیا یہ حضرات صحابہ وتابعین سے زیادہ حُبِ رسول رکھتے ہیں اگر یہ عرس حُبِ رسول ہوتا تو صحابہ وتابعین اسے کیسے ترک کر سکتے تھے۔ عرس کا یہ طریقہ قطعاً بدعت اور واجب الترک ہے۔[۱]

واللہ اعلم
۱۳/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۰۴ج)

محفلِ میلاد کا انعقاد

سوال (۱۲۲): - جو لوگ ماہ ربیع الاول میں محفلِ میلاد منعقد کرتے ہیں اس کے بارے میں فقہی حکم کیا ہے۔ دیوبندی حضرات بھی اس ماہ میں سیرت کے جلسے منعقد کراتے ہیں اور خطبہ جمعہ میں بالمعمول واقعات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وولادت وغیرہ بیان کرتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا مسلک کیا ہے؟

جواب: - ان محفلوں میں اگر کوئی مہینہ یا تاریخ معین اور ضروری نہ سمجھی جائے، شیرینی کو ضروری نہ سمجھیں، روایات غلط نہ بیان کی جائیں، نظم پڑھنے والے بے ریش لڑکے نہ ہوں اور گانا باجانہ کیا جائے اس طرح اور دوسری رسوم بدعت سے خالی ہوں تو جائز ہے اور مذکورہ بالا شرائط کے بغیر جائز نہیں اور تعینات وتخصیصات کے ساتھ کیا جائے تو بدعت ہے،[۲] حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔[۳]

واللہ اعلم
۴/۲/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۹۸ب)

ربیع الاوّل میں جلوس نکالنا شیعوں کی نقالی ہے

سوال (۱۲۳): - علامہ خالد محمود صاحب پروفیسر ایم اے او کالج لاہور نے طبقات من باب

---

(۱) ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات واظهار الشعائر مايفعلونه في شهر ربيع الاول من المولد وقد احتوى على بدع ومحرمات جمة ...... وهذه المفاسد مركبة(لعل الصحيح مترتبة) على فعل المولد اذاعمل بالسماع فان خلا منه وعمل طعاما فقط اذان ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السلف الماضين واتباع السلف اولى بل اوجب من ان يزيد نية مخالفة لماكانوا عليه ولم ينقل عن احد منهم انه نوى المولد ونحن لهم تبع فيسعنا ما وسعهم(المدخل لابن الحاج فصل في المولد ج۲ ص۳)

ومنها التزام الكيفيات والهيات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد واتخاذ يوم ولادة النبي صلى الله عليه وسلم عيدا وما اشبه ذلك في القول المعتمد (بحواله راه سنت) قد اتفق علمائنا المذاهب الاربعة بذم هذالعمل (الاعتصام ج۱ ص۳۹ الباب الاول في تعريف البدع)

.. نیز ملاحظہ فرمائیے: الابداع الفصل الرابع في بدع الموالد ۱۲۶ تا ۱۳۰، فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۳، عزیز الفتاوی ص ۹۹، امداد الفتاوی جلد ص ۲۲۹، امداد المفتیین ص ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، براہین قاطعہ مؤلفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری۔

(۲) بحوالہ بالا۔

(۳) ملاحظہ فرمائیے: امداد الفتاویٰ ج۵ ص ۲۵۰ (مکتبہ دارالعلوم کراچی)

الاستفسارات ص ۱۷۵ پر لکھا ہے کہ ماہ ربیع الاول میں ذکر ولادت امر شرعی نہیں، امر انتظامی ہے کیونکہ تذکار سیرت بعض اوقات ۱۲ ربیع الاول کے بعد بھی ہوتے رہتے ہیں اور اس میں جو جلوس نکالتے ہیں اسے بھی ایک دنیوی اظہار مسرت کا باعث سمجھتے ہیں، امر شرعی نہیں چنانچہ ایک سال بطور احتجاج ناروال اور سیالکوٹ میں نہیں نکالے گئے تھے، باقی جلوسوں میں جو عمل ہوتے ہیں وہ مبرا عن البدعت اور بعید عن الحرمت نہیں اس کے متعلق حضور کا کیا خیال ہے؟

جواب :- جلسوں اور ذکر ولادت کا حکم تو اوپر بیان ہوا اور جلوسوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر امر شرعی اور ثواب سمجھ کر نکالے جائیں تو بدعت ہیں اور اگر محض اظہار خوشی کے لئے ہیں امر شرعی سمجھ کر نہیں نکالتے اور دوسرے منکرات سے بھی خالی ہیں تب بھی ان میں ایک قباحت یہ ہے کہ یہ شیعوں کی نقالی ہے ومن تشبہ بقوم فھو منھم۔(۱) لہٰذا ان سے اجتناب کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانے میں جبکہ جلوسوں میں دیگر خلاف شرع امور کی اتنی کثرت کہ خود منتظمین جلوس بھی ان پر قابو نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم

۴/۲/۱۳۹۳ھ

۱۹۸/۲۴ ب

عید میلاد النبی منانا

سوال (۱۲۴):- ہمارا ایک چھوٹا گاؤں ہے جس میں ہم مقیم ہیں اور مسجد بھی ہے، پانچ وقت کی نماز بھی ہوتی ہے، پیش امام صاحب فرض نماز پڑھنے کے بعد دُعا مانگتے ہیں بعدہٗ سنتیں پڑھی جاتی ہیں اور سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد تین دفعہ ضروری دُعا مانگتے ہیں جس پر ہم نے اعتراض کیا کہ فرض کے بعد کی دُعا تو لازمی ہے لیکن سنتیں پڑھنے کے بعد کی دُعا اگر مانگی جائے تو ایک دفعہ کسی بیمار وغیرہ کے لئے ہو تو ٹھیک ہے لیکن بلاضرورت سنتوں کے بعد دُعا مانگنا ٹھیک نہیں ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

۲-عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں۔

جواب :۱-سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر پابندی سے دُعا کرنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا اس کی پابندی کرنا بدعت اور ترک کرنا واجب ہے۔

۲- شریعت نے عید کے صرف دو دن مقرر کئے ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بلاشبہ ایک عظیم الشان مسرت کا موقع ہے لیکن صحابہ کرامؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے میں سب مسلمانوں سے آگے اور پکے تھے انہوں نے بھی یہ دن عید کے طور پر نہیں منایا،

(۱) سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرة، حدیث: ۴۰۳۱

اگر یہ کوئی نیک کام ہوتا تو تمام صحابہ کرامؓ اس کو چھوڑنے پر متفق نہ ہوتے، پھر جلوس نکالنے میں تو شیعوں کی نقالی اور مشابہت بھی ہے، بینڈ باجا بجانا از روئے حدیث حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے گانے بجانے کا سامان اور صلیب (پرستی) اور بت پرستی کو مٹانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (۱)

یہ بڑی شرم کی بات اور سخت گستاخی ہے کہ جو اجتماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد منانے کے لئے ہو اُس میں کھلم کھلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُحکام کی خلاف ورزی کی جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ / ۳ / ۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۴۰۱ / ۲۳)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

جشن عید میلاد النبی عیسائیوں کی نقالی ہے

سوال (۱۲۵): - حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کی خوشی منانا، چراغاں کرنا، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانا بدعت ہے؟ مسمّٰی نور محمد صاحب جمعہ کے خطبہ سے قبل مشکوۃ شریف اردو مترجم سے بیان کرتے ہیں اور خود بھی واعظانہ طور پر اظہار خیال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی یوم ولادت سے سن عیسوی کی بنیاد ڈالی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے مسلمانوں کا سن ہجری شروع ہوتا ہے اور اس کی بھی تعیین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوئی تھی، نہ تو حضور کی یوم ولادت ان کی زندگی میں منایا گیا اور نہ صحابہ کرام نے منایا لیکن جس اہتمام سے منایا جارہا ہے یہ بدعت ہے اور گمراہی ہے اور بدعت گناہ ہے اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے حالات پڑھنا، دوسروں کو سنانا یا خود سننا بڑے خیر وبرکت کا کام ہے، سیرتِ طیبہ ایسی مبارک چیز ہے کہ اسے جس قدر پڑھا جائے اور سنا جائے خیر ہی خیر ہے اس لئے بغیر کسی قید وشرط اور ماہ وتاریخ کی پابندی کے جب چاہیں ذکرِ رسول کریں اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنیں۔

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بے شمار قیود وشرائط لوگوں نے اپنی طرف سے بڑھا کر انہیں دین کی شکل دیدی ہے اور ان کے کرنے کو ثواب اور نہ کرنے کو موجبِ عذاب جانتے ہیں اور نہ کرنے

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، باقی مسند الأنصار، مسند ابی أمامة الباهلی، حدیث: ۲۲۳۶۱، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان اللہ بعثنی رحمة للعالمین وهدی للعالمین وأمرنی ربی عزّوجلّ بمحق المعازف والمزامیر والأوثان والصلب وأمر الجاهلیة۔

والوں کو ملامت کرتے ہیں اور مستحب چیزوں کو فرض وواجب کا درجہ دیدیا ہے اس لئے حدودِ شریعت سے آگے نکل گئے۔

اور ولادت کے دن کی پابندی کرنا اور پھر سال بھر کے لئے بھول جانا اور راتوں رات سیرت کے نام پر جلسے کر کے صبح کو نماز چھوڑ دینا اور زینت کے لئے روشنی کرنا جو اسراف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر جان کر سلام پڑھنا سلام کو اجتماعی طور پر چیخ چیخ کر پڑھنے کو ضروری سمجھنا یہ سب امور واجب الترک ہیں اور بدعت ہے، یہ بات درست ہے کہ صحابہ کرام نے ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کبھی ربیع الاوّل کو مخصوص نہیں کیا اور یومِ ولادت منانا کسی صحابی سے یا کسی امام سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

بندہ عبدالرؤف سکھروی
۲۹/۴/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۸۸۶/۲۵ د)

جواب صحیح ہے اور یومِ ولادت کو تہوار کے طور پر منانا عیسائیوں کی نقالی ہے جو کرسمس کی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ ولادت پر مناتے ہیں۔

محمد رفیع عثمانی
۳۰/۴/۱۳۹۴ھ

خواتین کے لئے مروّجہ محفلِ میلاد کی متبادل صورت

سوال (۱۲۶): ۔ میری بیوی عورتوں کی میلاد کے لئے عورتوں کو بلاتی ہے کیا حکم ہے؟

جواب: ۔ میلاد کا مروّجہ طریقہ بدعت ہے، پردہ کے ساتھ عورتیں جمع ہوں اور کوئی خاتون کوئی مستند دینی کتاب پڑھ کر سنادیا کرے تو بہت اچھی بات ہے۔[1] واللہ اعلم

۱۱/۸/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۹۸/۲۴ د)

محفلِ میلاد کی ابتداء

سوال (۱۲۷): ۔ میلاد شریف کی محفل میں سلام پڑھنا اور پڑھتے وقت باآدب کھڑے ہوجانا اس کی بنیاد کس ملک میں اور کب پڑی؟

---

(۱) اس میں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ خواتین کا یہ اجتماع میلاد کے نام پر نہ ہو بلکہ مجلس وعظ وغیرہ کے نام پر ہو گو اس میں ولادت باسعادت کا تذکرہ بھی ہوجائے چنانچہ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں "تداعی غیر اشعار کے لئے مکروہ ہے اس لئے اگر یہ صورت ہو کہ تداعی وعظ کے عنوان سے ہو، مولد شریف کے نام سے نہ ہو، پھر بعد اجتماع نشر الطیب بھی سنادی جائے اور کچھ نصائح بھی کی جائیں اس کا مضائقہ نہیں" (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۵۱)۔

جواب:- یہ طریقہ نہ عہدِ رسالت میں تھا نہ عہدِ صحابہ وتابعین میں، ائمہ مجتہدین سے بھی منقول نہیں، بعد میں لوگوں نے خود ایجاد کرلیا ہے نہ معلوم کس نے ایجاد کیا ہے۔[1] واللہ اعلم

۱۹/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۷۵۹/۲۵د)

محفلِ میلاد میں قیام

سوال (۱۲۸):- مولود شریف کی محفل میں اختتام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب وتعظیم کے لئے قیام کرنا اور آپ کی روح پاک پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا بیان خواہ نثر میں ہو یا قصیدہ میں اور آپ پر درود شریف جتنا زیادہ ہو اتنا ہی کارِ خیر اور عظیم ثواب کا کام ہے اور باعثِ برکت ہے لیکن اس کے لئے کوئی خاص مہینہ یا تاریخ یا دن مقرر کرنا یا کھڑے ہوکر کرنے کا التزام یا کھڑے ہونے کو مستحب سمجھنا یا یہ عقیدہ رکھنا

---

(۱) مجلسِ میلاد کی ایجاد کے سلسلے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ میں تحریر فرماتے ہیں: اس کا ایجاد چھ سو سال کے بعد ایک بادشاہ نے کیا، اس کو اکثر اہلِ تاریخ فاسق لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا سرفراز صاحب مدظلہم العالی راہ سنت میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ بدعت ۶۰۴ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری بن اربل المتوفی ۶۳۰ھ کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف اور دین سے بے پرواہ بادشاہ تھا۔

الشیخ علی محفوظ المدرس بقسم التخصص بالازہر الشریف اپنی کتاب "الابداع فی مضار الابتداع" میں محفلِ میلاد کی ایجاد کی تاریخ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بدعت سب سے پہلے قاہرہ میں فاطمی خلفاء نے چوتھی صدی ہجری میں ایجاد کی چنانچہ انہوں نے چھ میلاد قائم کرنے کی بدعت جاری کی: (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد (۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا میلاد (۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا میلاد (۴،۵) حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا میلاد (۶) خلیفہ وقت کا میلاد۔

پھر افضل بن امیر الجیوش نے ان موالید کو ختم کیا پھر ۵۲۴ھ میں الحاکم بامر اللہ کے دورِ خلافت میں ان بدعات کی دوبارہ ترویج ہوئی اور شہر اربل میں سب سے پہلے ساتویں صدی ہجری میں الملک المظفر ابوسعید نے اس بدعت کی ایجاد کی اور اس کے بعد سے یہ امت میں آج تک جاری وساری ہے اور ہر علاقہ کے لوگ اس میں اپنی مرضی سے اضافے کرتے آئے ہیں۔ بالترتیب عبارات ملاحظہ ہوں:

فی وفیات الاعیان لابن خلکان (تحت ترجمۃ عمر بن الحسن) ج۳ص۴۴۹ وقدم مدینۃ اربل فی سنۃ اربع وستمائۃ وھو متوجہ الی خراسان فرای صاحبھا الملک المعظم مظفر الدین بن زین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ مولعا بعمل مولدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عظم الاحتفال بہ کما ھو مذکور فی ترجمتہ فی حرف الکاف من ھذا الکتاب فی القول المعتمد (بحوالہ راہ سنت) کان ملکا مسرفا. ویحتفل لمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الربیع الاول وھو اول من احدث من الملوک ھذا العمل۔

فی الابداع، الفصل الرابع فی بدع الموالد ۱۲۶۔

قیل اول من احدثھا بالقاھرۃ الخلفاء الفاطمیون فی القرن الرابع فابتدعوا ستۃ موالد: المولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومولد الامام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومولد السیدۃ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنھا ومولد الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنھما ومولد الخلیفۃ الحاضر وبقیت ھذہ الموالد علی رسومھا الی ان ابطلھا الافضل بن امیر الجیوش ثم اعیدت فی خلافۃ الحاکم بامر اللہ فی سنۃ اربع وعشرین وخمسمائۃ بعد ماکاد الناس ینسونھا واول من احدث المولد النبی بمدینۃ اربل الملک المظفر ابو سعدی فی القرن السابع وقد استمر العمل بالموالد الی یومنا ھذا وتوسع الناس فیھا وتبدعوا بکل ماتھواہ انفسھم ویوحیہ الیھم الشیطان۔ ۱۲م

کہ آپ اس مجلس میں تشریف لائے ہیں یہ سب باتیں بے اصل ہیں، شریعت میں ان کا کوئی ثبوت نہیں، بدعت اور واجب الترک ہیں۔[1]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۴/۸/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۵۵/۲۴و)

ربیع الاوّل کا حلوہ؟

سوال (۱۲۹):- ایام ربیع الاوّل میں جو حلوہ وغیرہ دیتے ہیں یا کچھ چیز کھلاتے ہیں کیا یہ بدعت ہے؟

جواب:- ماہ ربیع الاول میں حلوا پکانے اور کھلانے کا کوئی ثبوت صحابہ، تابعین اور سلف صالحین میں نہیں ملتا، اگر یہ کوئی نیک کام ہوتا تو وہ یہ کام ضرور کرتے، معلوم ہوا کہ یہ ایک بے اصل کام ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اگر کوئی ربیع الاول میں حلوا بنانا، کھانا اور کھلانا شرعاً ضروری سمجھ کر یہ کام کرتا ہے یا یوں سمجھتا ہے کہ خاص اس مہینہ میں ایسا کرنا ثواب ہوگا باقی مہینوں میں نہ ہوگا تو یہ بدعت ہے، اس سے پرہیز لازم ہے،[2] اور جو شخص ایسا سمجھ کر یہ کام نہیں کرتا تو اس کے لئے یہ کام اگرچہ فی نفسہ بدعت نہیں لیکن عوام میں چونکہ بدعات کا رواج ہے اور وہ غلط عقیدہ سے ایسا کرنے لگتے ہیں اسلئے صحیح العقیدہ اشخاص کو بھی اس سے پرہیز لازم ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۹/۳/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۴۱۹/۲۲ الف)

بارہ ربیع الاوّل کو چندہ کر کے کھانا پکا کر تقسیم کرنا

سوال (۱۳۰):- ۱۲/ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ کو مارکیٹ کے دکانداروں سے چندہ جمع کر کے کھانا پکوا کر لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے براہ کرم یہ بتائیں کہ شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) وما يفعلون من الجهال على رأس كل حول في شهر ربيع الاول ليس بشيء، ويقومون عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ويزعمون ان روحه صلى الله عليه وسلم يجيء، وحاضر فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرك وقد منع الائمة مثل هذا (تحفة القضاة للقاضي شهاب الدين، بحواله فتاوى رشيديه ۱۲۴)۔

(۲) ''کھانے شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح اور تخصیص اور تاکد مروج سے کراہت و بدعت پیدا ہوئی ہے الخ'' (براہین قاطعہ از حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ص:۱۸۸) نیز ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ عزیزی ص:۹۶۔

جواب: - لوگوں کو کھانا کھلانا بڑا کارِ ثواب ہے مگر لوگ کارِ ثواب کو بھی بدعت اور گناہ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں پس اگر مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ کھانا کھلایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱- لوگوں کو چندہ دینے پر مجبور نہ کیا جائے۔

۲- جو چندہ نہ دے اسے ملامت نہ کی جائے اور گنہگار نہ سمجھا جائے۔

۳- خاص ۱۲ ربیع الاوّل کو کھانا کھلانے کو واجب یا مستحب نہ سمجھا جائے۔

۴- اس کی ایسی پابندی نہ کی جائے جیسی واجب کی کی جاتی ہے کبھی کسی اور تاریخ میں کھلا دیا کریں کبھی ناغہ کر دیا کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۴۹۰ ج)

شبِ برأت کو حلوہ اور دیگر کھانا پکا کر خیرات کرنا

سوال (۱۳۱): - امام مسجد نے شبِ برأت کی تقریر میں فرمایا کہ شبِ برأت میں تخصیص کے ساتھ خیرات کرنا، حلوہ پکانا، بریانی چاول گوشت ثواب کی نیت سے پکانا، یہ ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے اس رات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا فضول خرچی ہے، جس کی ممانعت قرآن کریم میں آئی ہے۔ مولوی صاحب نے یہ دلیل دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کے لئے حکم دیا ہے وہ کریں جس کے لئے نہیں حکم فرمایا اس میں عقل کو شامل نہ کریں۔ ہم لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ اس سے باز رہیں یا کرتے رہیں جس طرح نوافل کے لئے یہ رات مخصوص ہے، خیرات کا بھی کیا وہی ثواب ملے گا جتنا کہ نوافل کا ملتا ہے۔

جواب: - امام صاحب نے شبِ برأت کی عبادات جو بتائی ہیں صحیح ہیں، اگر چہ صدقہ خیرات فی نفسہ بڑے ثواب کا کام ہے، مگر صدقہ و خیرات کے لئے اس رات کی کوئی خصوصیت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، اپنی طرف سے اس خصوصیت کا اضافہ بدعت اور واجب الترک ہے اور اس رات میں حلوہ پکانے اور کھلانے کا بھی کوئی ثبوت کسی دلیل شرعی سے نہیں،[1] یہ بھی محض بدعت ہے۔

واللہ اعلم

۶/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۵۸۱ و)

شبِ براءت میں مسجد کو برقی قمقموں اور جھنڈیوں وغیرہ سے سجانا

سوال (۱۳۲): - شبِ براءت میں مسجد کو برقی قمقموں سے سجانا، آرائش و زیبائش کرنا، جھنڈیوں، محرابوں، غباروں اور چمکدار کاغذ وغیرہ سے سجانا کہاں تک درست ہے؟

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے مجموعہ فتاویٰ عبدالحیّ اردو، ص: ۱۱۰، بہشتی زیور حصہ ۶ ص ۶۰، فضائل واحکام شبِ براءت مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب۔

جواب :- ایسا کرنا اسراف ہے جس کی ممانعت قرآن حکیم میں صراحت سے آئی ہے ارشاد ہے "وَلَا تُسْرِفُوْا"[۱] لہٰذا یہ افعال حرام ہیں اور اگر ثواب کی نیت سے کئے جائیں تو بھی بدعت ہے۔[۲]

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۳۹۱/۹/۱۰ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۱۵۲ ج)

رمضان المبارک میں مروّجہ شبینہ؟

سوال (۱۳۳):- رمضان المبارک میں شبینہ سننا یا سنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- قرآن شریف جتنا زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا جائے اتنا ہی موجب ثواب وخیر وبرکت ہے، خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں، نماز میں اور زیادہ ثواب ہے لیکن نفلی نماز کی جماعت دو تین آدمیوں سے زیادہ کی مکروہ ہے۔[۳] بغیر جماعت کے تنہا یا دو تین آدمیوں کی جماعت میں پورا قرآن شریف تین یا زیادہ راتوں میں ختم کرنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے، لیکن جس طرح کے شبینے اب رائج ہوگئے ہیں کہ نفلی جماعت کے لئے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور جماعت بھی تین سے زیادہ آدمیوں کی ہوتی ہے، جو لوگ نماز میں شامل نہیں ہوتے وہ باتیں کرتے رہتے ہیں، قرآن شریف سننے کی طرف دھیان نہیں کرتے،[۴] مسجد

---

(۱) سورۃ اعراف آیت: ۳۱

(۲) بخلاف ما احدثه بعض الناس اليوم من زيادة وقود القناديل الكثيرة الخارجة عن حد المشروع لما فيه من اضاعة المال والسرف والخيلاء سيما اذا اضاف الى ذلك مايفعله بعضهم من وقود الشمع وماير كز فيه ... وهذا الذي ذكر لا يختص بليلة الختم بل هو عام في كل ليلة فعلو ذلك فيها مثل مايفعلونه في ليالي الاعياد وليلة النصف من شعبان فمن لم يحضر ذلك منهم كانه فاتته شعيرة من شعائر الدين (المدخل لابن الحاج، فصل في وقود القناديل ليلة الختم، ج۲ ص ۳۱۱)

نیز مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: امداد المفتین ص: ۲۰۶ تا ۲۱۱۔

(۳) والجماعة سنة مؤكدة للرجال ... وفي وتر غيره (اى رمضان) وتطوع على سبيل التداعي مكروهة (الدر المختار كتاب الصلوة، باب الامامة، ج۱ ص ۵۵۲، سعيد)

في ردالمحتار تحته: (قوله على سبيل التداعي) بان يقتدي اربعة فاكثر بواحد۔

التطوع بالجماعة اذا كان على سبيل التداعي يكره (الهندية الباب الخامس في الامامة ج۱ ص۸۳)

انظر ايضاً ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، ج۲ ص۴۸

(۴) يجب الاستماع للقراءة مطلقا لان العبرة لعموم اللفظ (الدر المختار، قبيل باب الامامة ج۱ ص ۵۴۶)

في ردالمحتار تحته: (قوله يجب الاستماع للقراءة مطلقا) اى في الصلاة وخارجها لان الآية وان كانت واردة في الصلاة على ما مر فالعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب ثم حيث لا عذر ولذا قال في القنية صبي يقرأ في البيت واهله مشغولون بالعمل يعذرون في ترك الاستماع ان افتتحوا العمل قبل القراءة والا فلا ... وفي الفتح عن الخلاصة رجل يكتب الفقه ويجنبه رجل يقرأ القرآن فلا يمكنه استماع القرآن فالاثم على القارئ وعلى هذا لو قرء على السطح والناس نيام ياثم اى لانه يكون سببا لاعراضهم عن استماعه او لانه يؤذيهم بايقاظهم تامل ... فاذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته فيكون الاثم عليه دون اهل الاشتغال دفعا للحرج۔

انظر ايضاً للتفصيل تفسير المظهري ومعارف القرآن (تحت قوله تعالىٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له الآية سورة الاعراف آيت ۲۰۴)

میں چراغاں ہوتا ہے اور لاؤڈ اسپیکر ایسی جگہ لگاتے ہیں کہ پورے محلّہ میں آواز جاتی ہے، کوئی سنتا ہے کوئی نہیں سنتا، بیماروں اور سونے والوں کی نیند اور آرام میں خلل پڑتا ہے اور تنہا عبادت کرنے والوں کی عبادت میں بھی خلل پڑتا ہے[1]، بسا اوقات نمود ونمائش پیش نظر ہوتی ہے، ان سب دینی خرابیوں کی وجہ سے مروجہ شبینوں کو علماء محققین نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ مذکورہ بالا بہت سے گناہوں پر مشتمل ہوجاتے ہیں۔[2]

واللہ تعالیٰ اعلم
۹/۱۰/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۴۹/۲۸ ج)

کیا لاؤڈ اسپیکر پر مروّجہ شبینہ پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے؟

سوال (۱۳۴):- آج کل ہمارے ملک میں ایک عجیب رواج ہے کہ چند حفاظ کرام جمع ہوکر تمام کلام پاک کو ایک رات میں پڑھتے ہیں جس کا نام شبینہ رکھتے ہیں اور اسپیکر کا انتظام بھی لازمی طور پر کیا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں جتنی دور تک آواز جائے زیادہ ثواب ہوتا ہے بظاہر للّٰہیت کے قائل ہیں، قرآن خوانی کے درمیان باتیں بھی بہت کرتے ہیں، روکنے والوں پر منکر قرآن کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

جواب:- قرآنِ کریم کی تلاوت سراسر نور اور برکت اور باعثِ ثواب ہے، لیکن مروجہ شبینوں میں بہت سی منکرات شامل ہوگئی ہیں، جن میں سے بعض سوال میں بھی مذکور ہیں نیز عموماً ریاء اور تصنع بھی ان میں ہوتا ہے اور نفل نماز کی جماعت تداعی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر یہ سب منکرات جمع نہ ہوں تو ان میں سے بعض منکرات کا ہونا بھی باعثِ ترک ہے اس لئے جہاں ان میں سے کسی ایک منکر کا بھی احتمال یا وقوع ہو ایسے شبینے سے اجتناب کرنا ضروری ہے اور یہ کہنا کہ لاؤڈ اسپیکر اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ دور تک آواز جائے شرعاً کوئی معقول بات نہیں، تلاوت اتنے زور سے کرنا کہ سونے والوں کی نیند میں یا عبادت گذاروں کی عبادت میں خلل ہو جائز نہیں۔[3]

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۲۸/۳/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۳۳۰/۲۴)

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے امداد الفتاویٰ باب التراویح ص ۳۲۲ تا ۳۲۴ ج ۱۔

(۲) اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة في المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قاری الخ (رد المحتار، ج ۱ ص ۶۶۰، مطلب في رفع الصوت بالذکر)

(۳) ملاحظہ فرمایئے: گذشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

پیرانِ پیر کی گیارھویں منانا

سوال (۱۳۵):- گیارہویں والے پیر کی لوگ گیارہویں پکا کردیتے ہیں۔ اس کے کھانے کے کون کون لوگ مستحق ہوتے ہیں، دیہات میں ہر چاند کی گیارہویں پر بھینس دودھ والی ہوتی ہے تو لوگ ایک وقت کا دودھ دیتے ہیں پانچ چھٹانک آٹا یا گیہوں دیتے ہیں اس کھانے کے کون مستحق ہوتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صرف سیّد کے لئے یہ چیزیں ہوتی ہیں اور گیارہویں شریف کی ابتداء کیسے اور کیونکر ہوئی؟

جواب:- گیارہویں شریف منانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، لوگوں نے اپنی طرف سے تاریخ مقرر کرکے طرح طرح کی رسمیں نکال لی ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔[1] واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۰/۱/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۴۸/۲۳ الف)

شبِ برأت کے مسنون اعمال اوراس میں اجتماعی پروگرام؟

سوال (۱۳۶):- شعبان کی پندرہ کو شبِ برأت سمجھ کر نعت خوانی کا اہتمام کرنا، تقریر کرنا، لوگوں کو بلانا، اس کے بعد آیتِ کریمہ کا ختم کرنا اور تمام کو مراقبہ کرانا اور اس کے بعد نوافل وغیرہ پڑھنے کو کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- احادیثِ نبویہ سے شعبان کی پندرھویں شب میں صرف مندرجہ ذیل اعمال کا ثبوت ملتا ہے: ۱۔ رات کو جاگ کر نفل پڑھنا۔ ۲۔ تلاوتِ قرآن مجید کرنا۔ ۳۔ دیگر اذکار تسبیح وتہلیل وغیرہ۔

اس رات میں جلسے کرنا یا لوگوں کو جمع کرکے ایک جگہ اجتماعی طور پر مذکورہ بالا اعمال کرنا احادیث سے ثابت نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبادتیں تنہائی اور یکسوئی میں کی جائیں۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۰/۸/۱۳۹۱ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۱۴/۲۲ ج)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۴۳، امداد المفتین ص: ۱۷۱، امداد الفتاویٰ ج ۵ ص: ۳۰۱

(۲) عن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا فان اللہ تعالیٰ ینزل فیھا لغروب الشمس فیھا الی سماء الدنیا فیقول الا من یستغفرلی فاغفرلہ؟ الا من یسترزق فارزقہ؟ الا من مبتلی فاعافیہ؟ الا کذا؟ الا کذا؟ حتی یطلع الفجر (سنن ابن ماجۃ، کتاب اقامۃ الصلوۃ و السنۃ، باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان، حدیث: ۱۳۵۱)

ویحصل القیام بالصلاۃ نفلاً فرادی من غیر مخصوص وبقراءۃ القرآن وبالتسبیح والثناء ... تتمہ اشار بقولہ فرادی الی ماذکرہ بعد فی متنہ من قولہ ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المساجد وتمامہ فی شرحہ وصرح بکراھۃ ذلک فی الحاوی القدسی قال وما روی من الصلوات فی ھذہ الاوقات یصلی فرادی غیر التراویح (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، تحت مطلب فی احیاء لیالی العیدین والنصف الخ ج ۲ ص ۲۵، ۲۶)

یومِ عاشوراء کے اعمالِ مشروعہ اور بدعات مثلاً قبروں کی لپائی اور ماتم وغیرہ

سوال (۱۳۷): - محرم شریف کی نو دس تاریخ کو قبروں کی لپائی یا پانی چھڑکنا ثواب کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اس سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے اور ان تاریخوں کو اچھا اچھا کھانا پکاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: - محرم الحرام کی نو دس تاریخوں میں قبروں کی لپائی کو خاص طور سے زیادہ ثواب سمجھنا بھی بے اصل اور بدعت ہے، ان تاریخوں میں ایسا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، ہاں نویں اور دسویں کا روزہ رکھنا اور اس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے، [۱] اور دسویں تاریخ کو اپنے اہل وعیال کے نفقہ میں دوسرے دنوں کے مقابلہ میں حسبِ استطاعت وسعت کرنا بھی مباح اور رزق میں برکت کا موجب ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، [۲] اس کے علاوہ ان تاریخوں میں کوئی اور خاص عمل کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں۔

ماتم نہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جائز ہے نہ کسی اور کا، ماتم اسلام میں قطعاً ممنوع اور حرام ہے، ہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت پر ہر مومن کو غم ہوتا ہے جس کے لئے کوئی خاص تاریخ مقرر نہیں۔

اسی طرح دوسرے صحابہ کرام اور صالحین کی موت کا غم ہونا بھی محبتِ ایمانی کی وجہ سے ہے۔ مگر سینہ کوبی، بلند آواز سے رونا وغیرہ سب ناجائز کام ہیں اور ماتم میں عملاً شریک ہونیوالا فاسق ہے۔ [۳]

واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱/۳۰ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱۸/۲۵ ب)

---

(۱) سمعت عبد اللہ بن عباس حین صام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء وامر بصیامہ قالو یارسول اللہ انہ یوم یعظمہ الیہود و النصاری فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کان العام المقبل ان شاء اللہ صمنا الیوم التاسع الخ (الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الصیام، باب ای صوم یصام یوم عاشوراء، حدیث ۲۷۲۲، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب ماروی ان عاشوراء الیوم التاسع، ۲۴۴۷)

(۲) عن ابی ھریرۃ قال: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من وسع علی اھلہ و عیالہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ (شعب الایمان، للبیھقی، باب فی الصیام، فصل من وسع علی اھلہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ، حدیث: ۱۹۳۱، ۳۶۲۲، ۳۶۳۳، ۳۶۳۴)

ثم قال البیھقی عقیب ھذہ الاحادیث: وھذہ الاسانید وان کانت ضعیفۃ لکنھا اذا ضم بعضھا الی بعض اخذت قوۃ

(۳) وایاہ ثم ایاہ ان یشتغل ببدع الرافضۃ ونحوھم من الندب والنیاحۃ والحزن اذلیس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذلک واحری (فی ماثبت بالسنۃ للشیخ الدھلوی ص:۷)

- انظر ایضاً الابداع (الموسم الرابع یوم عاشوراء) ص: ۱۳۹، الغنیۃ للشیخ عبدالقادر الجیلانی ج ۲ ص ۳۶، مجلس فی فضائل یوم عاشوراء)

تعزیہ، علم وغیرہ کا جلوس نکالنا یا اس میں شریک ہونا

سوال (۱۳۸): - ماہ محرم میں شیعہ حضرات جو تعزیہ یا علم وغیرہ نکالتے ہیں ان کے مقابلے میں اہل سنت والجماعۃ بھی تعزیے مع جلوس نکالتے ہیں کیا یہ فعل جائز ہے؟

جواب: - شیعہ حضرات کے جلوس اور مجالس میں جو کہ عشرہ محرم میں کئے جاتے ہیں شریک ہونا یا اس طرح کے جلوس خود نکالنا جائز نہیں، بدعت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی قرار دیا ہے اور عذاب جہنم کا سبب قرار دیا ہے نیز حدیث میں ارشاد ہے کہ " من تشبہ بقوم فھو منھم "(۱) یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے اعاذنا اللہ منہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی

محمد عاشق الٰہی — ۱۴/۸/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۲۷/ ۲۳ھ)

محرم میں شربت کی سبیل لگانا

سوال (۱۳۹): - محرم میں رواج ہے کہ سات تاریخ سے دس تک شراب خیرات کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب: - شراب سے آپ کی مراد غالباً شربت ہے کیونکہ شراب پینا پلانا تو شیعوں کے نزدیک بھی حرام ہے اور شربت ان دنوں میں پینے پلانے کو خاص طور پر ثواب سمجھنا یا اس کی پابندی کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔(۲) واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی

محمد عاشق الٰہی — ۱/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۹۷/۲۵ الف)

ماہِ صفر کے آخری بدھ کو چھٹی منانا

سوال (۱۴۰): - آخری چہار شنبہ کے متعلق آنجناب مذہبی، شرعی، اور روایتی واقعات پر روشنی ڈالیں تاکہ اس کی روشنی میں عمل کیا جائے لوگ اس کو مذہبی دن قرار دے کر چھٹی مناتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) مشکوۃ المصابیح کتاب اللباس الفصل الثانی رقم: ۴۳۴۷۔

نیز تعزیہ سازی وغیرہ بدعات سے متعلق تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۲، عزیز الفتاویٰ ص: ۱۰۲، بہشتی زیور حصہ ۶ ص: ۶۱، امداد الفتاویٰ ج: ۵ ص: ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۴، امداد المفتین ص: ۱۵۴ تا ۱۵۶، امداد الاحکام ج: ۱ ص: ۸۸ تا ۹۴۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۴۷، بہشتی زیور حصہ ۶ ص: ۶۱، عزیز الفتاویٰ ص: ۱۲۶، ۱۲۷۔

جواب:- آخری بدھ سے کونسے مہینہ کا آخری بدھ مراد ہے،[1] یہ سوال میں واضح نہیں کیا گیا تاہم کسی مہینہ کے آخری بدھ کی کوئی خصوصیت شریعت میں نہیں ہے اس کی چھٹی کرنا بھی ثابت نہیں۔

واللہ اعلم
۴ / ۳ / ۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۴۴۱ ب)

صفر المظفر میں چُوری خیرات کرنے کی رسم

سوال (۱۴۱):- ہمارے اس علاقہ میں قدیم سے یہ عمل جاری ہے کہ لوگ ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ (بدھ) کے دن روٹی پکا کر اس میں شکر گھی ملا کر چوری بنالیتے ہیں اور محلّہ میں ایک دوسرے کے گھروں میں بہ غرض ثواب تقسیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ عمل صرف اسی ماہ اور اسی تاریخ کو اس غرض سے نہایت عقیدت سے اس لئے کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں کے بعض مولویوں سے باور کرایا گیا ہے کہ اس ماہ اور اسی روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری بنا کر صدقہ کیا تھا۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چوری بنا کر صدقہ کیا تھا اسی روز صدقہ کرنا ضروری ہے، کیا دوسرے روز نہیں دیا جاسکتا ہے؟

جواب:- اول تو ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کو یہ واقعہ ہونا کسی مستند حدیث سے ثابت نہیں،[2] اگر بالفرض ثابت بھی ہوتا تو امت کو اس خاص دن چوری بنا کر صدقہ کرنا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ محض بے اصل ہے، لوگوں نے اختراع کرلیا ہے، اگر ان قیود اور خصوصیتوں کے ساتھ ایسا کرنا کوئی نیک کام ہوتا تو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ و تابعین میں ضرور کیا جاتا، مگر ایسا کرنا نہ صحابہ و تابعین سے ثابت ہے نہ ائمہ مجتہدین سے، یہ بدعت ہے اور اس کا ترک لازم ہے، صدقہ کرنا بہت خیر و برکت کا کام ہے مگر اس کے لئے کوئی مہینہ

---

(۱) غالباً ماہ صفر کی آخری بدھ مراد ہے کیونکہ اسی مہینہ کی آخری بدھ کو بعض لوگ خوشی میں چھٹی مناتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس روز جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفا ہوئی تھی اور آپ نے غسل فرما کر سیر و تفریح فرمائی تھی، اسلئے مسلمانوں کو اس کی خوشی منانی چاہئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ بلکہ اس دن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت مرض واقع ہوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی وہ اب جاہل ہندوں میں رائج ہوگئی۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۴۹) نیز خود بریلوی کے بزرگ مولوی احمد رضا خان بریلوی صاحب احکام شریعت میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتلائی جاتی ہے"۔ (احکام شریعت ج ۲ ص ۵۰ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۶۹)

(۲) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تالیف سیرت خاتم الانبیاء ص ۱۳۴ پر یوں رقمطراز ہیں: "۲۸ صفر ۱۱ھ چہارشنبہ (بدھ) کی رات میں آپ نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لیجا کر اہل قبور کے لئے دعاء مغفرت کی اور فرمایا: اے اہل مقابر تمہیں اپنا یہ حال اور قبروں کا قیام مبارک ہو کیونکہ اب دنیا میں تاریک فتنے ٹوٹ پڑے ہیں وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہوگیا اور یہ بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی میں وفات ہوگئی"۔

یا دن یا خاص کھانا مقرر نہیں ہے، جس چیز کا صدقہ کرنے کی توفیق ہو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کردیا جائے۔ (۱)

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۶ / ۹ / ۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۹۰۶ / ۲۵ و)

مکان کی تعمیر کی ابتداء میں جانور قربان کرنا

سوال (۱۴۲): - بعض لوگ مکان بنواتے وقت یا مکان کی بناء رکھتے وقت بکرے کی قربانی کرنا کیوں ضروری سمجھتے ہیں اس کی شرعی نوعیت کیا ہے؟

جواب: - تعمیرِ مکان کی تکمیل یا بنیاد رکھنے کے وقت بکرے کی قربانی نہ واجب ہے، نہ مستحب، اگر کوئی واجب یا مستحب سمجھ کر کرتا ہے تو ایسا کرنا بدعت اور ناجائز ہے، ہاں فقراء و مساکین کو گوشت یا پکا ہوا کھانا صدقہ و خیرات کرنا بہرحال ثواب و برکت ہے، لوگ تحصیل برکت کے لئے ایسا کرتے ہوں گے۔ (۲)

واللہ تعالیٰ اعلم
۴ / ۳ / ۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۴۲۱ / ۲۵ الف)

امام جعفر کے کونڈے

سوال (۱۴۳): - عرصہ کی بات ہے کہ میں نے مولانا حضرت اشرف علی تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون لکھا تھا کہ یہاں ایک رسم امام جعفر صادق کے کونڈے بھرنے کی ہے۔ اس وقت میں نوشہرہ چھاونی ضلع پشاور میں تھا اور میرے ایک دوست عباس کے ہاں یہ رسم تھی انہوں نے مجھے وہ کہانی لکھ دی اور میں نے وہ مولانا موصوف کی خدمت میں اپنی طرف سے لکھ دیا کہ کیا اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے تو مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا تھا جو مجھے یاد ہے "یہ قصہ گھڑا ہوا ہے اور رسم بدعت ہے"۔

خدا کا شکر ہے کہ اس جواب پر میرے دوست نے اس رسم کو ترک کردیا مگر وہ فتویٰ میں نے اپنے دوست کو دیدیا تھا۔ اس نے تقریباً ۴۰ سال ہوگئے ہونگے پہلے تو یہ رسم میرے گاؤں میں نہ تھی مگر مہاجرین

---

(۱) ومنها التزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لهاذلك التعيين في الشريعة(الاعتصام للشاطبي، الباب الاول في تعريف البدع ج ا ص ۳۹)

...... نیز ملاحظہ فرمایئے فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۴۹

(۲) (قوله والفارق) أي بين ما أهل به لغير الله بسبب تعظيم المخلوق وبين غيره وعلى هذا فالذبح عند وضع الجدار أو عروض مرض أو شفاء منه لا شك في حله لأن القصد منه التصدق حموی (ردالمحتار، كتاب الذبائح ج۶ ص ۳۰۹، سعید)۔

نے یہ رسم شروع کردی ہے اس لئے مجھے آپ کا فتویٰ درکار ہے شاید یہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔

جواب: - امام جعفر صادق کے کونڈوں کی رسم بے اصل، من گھڑت اور بدعت ہے۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (۱)

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۸/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۹۶۵/۲۲ ب)

والد یا استاد کے آنے پر کھڑا ہونا

سوال (۱۴۴): - ایک شخص کا والد یا استاذ المکرم کسی مجلس میں آجائے تو اس کا ولد (بیٹا) یا شاگرد اس کے آنے پر کھڑا ہوجائے تو اس کو بدعتی کہا جاتا ہے، طلباء نے فتویٰ دیا ہے کہ بدعتی ہے؟

جواب: - ایسا شخص بدعتی نہیں ہے۔ (۲)

واللہ اعلم
۱۳۹۱/۳/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۸۹/۲۲ الف)

مسجد میں دوران تقریر اشعار پڑھنا

سوال (۱۴۵): - کوئی مقرر مسجد میں دوران تقریر میں ایسے اشعار پڑھتا ہے جو اللہ ورسول کی مدح اور ترغیب الی الآخرۃ سے متعلق ہوں تو کیا یہ شخص بدعتی ہے۔

جواب: - مدح اگر حدودِ شرعیہ کے اندر ہو تو ایسے اشعار پڑھنا دورانِ تقریر ہوں یا بغیر دوران تقریر ہوں، بدعت نہیں۔ (۳)

واللہ اعلم
۱۳۹۱/۳/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۸۹/۲۲ الف)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: کونڈوں کی حقیقت مرتبہ مولانا محمود الحسن بدایوانی اور احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۶۷، ۳۶۸۔

(۲) وفي الوهبانية يجوز بل يندب القيام تعظيما للقادم كما يجوز القيام ولو للقارى بين يدى العالم وسيجئي نظما (الدرالمختار (كتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغيره) ج۶ ص۳۸۴)

......في ردالمحتار تحته:(قوله يجوز بل يندب الخ) اى ان كان ممن يستحق التعظيم قال في القنية قيام الجالس في المسجد لمن دخل عليه تعظيما وقيام قارئ القرآن لمن يجيء تعظيما لا يكره اذا كان ممن يستحق التعظيم وفي مشكل الآثار القيام لغيره ليس بمكروه لعينه انما المكروه محبة القيام لمن يقام له فان قام لمن لا يقام له لا يكره. وماورد من التوعد في حق من يحب القيام بين يديه كما يفعله الترك والاعاجم.

(۳)(قوله اوشعر) سئل عنه صلى الله عليه وسلم فقال كلام حسنه حسن وقبيحه قبيح ومعناه ان الشعر كالنثر يحمد حين يحمد ويذم حين يذم .. فماكان منه في الوعظ والحكم وذكر نعم الله تعالىٰ وصفه المتقين فهو حسن ..وقد اخرج الامام الطحاوى في شرح المجمع الآثار انه صلى الله عليه وسلم نهي ان تنشد الاشعار في المسجد. .ثم وفق بينه وبين ماورد انه صلى الله عليه وسلم وضع لحسان منبرا ينشد عليه الشعر يحمل الاول على ماكانت قريش تهجوه به ونحوه مما فيه ضرر او مايغلب على المسجد حتى يكون اكثر من فيه متشاغلا به الخ (ردالمحتار مطلب في انشاد الشعر ج۱ ص۶۶۰ سعيد)

مساجد کی صد سالہ تقریب منانا

سوال (۱۴۶): - قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں مساجد کا صد سالہ یا سوا سالہ سالگرہ منانا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں ہے تو کیا بدعت ہے؟ اگر رسم ثابت نہ ہو تو یہ رسم منائی جائے یا نہیں؟

جواب: - مساجد کا صد سالہ یا سوا سو سالہ جشن یا سالگرہ منانا شریعت میں ثابت نہیں، نہ حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام کے تعامل سے۔ پس اس کو اگر عبادت یا ثواب (مقصود شرعی) سمجھ کر منایا جائے تو بدعت ہے، جس کی سخت وعیدیں اور ممانعت قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں اس سے اجتناب لازم ہے اور اگر اسے مقصود شرعی اور عبادت سمجھ کر نہیں منایا جاتا بلکہ محض دل خوش کرنے یا شہرت طلبی کے لئے منایا جاتا ہے تو بدعت تو نہ ہوگا مگر اسراف اور ریاء ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع اور مذموم ہے۔ اس صورت میں بھی اجتناب لازم ہے، (۱) اور اگر مساجد کی کسی معتد بہ مصلحت اور فائدے کے لئے منایا جاتا ہے تو وہ مصلحت اور فائدہ جب تک معلوم نہ ہو اس کے متعلق کچھ لکھنا مشکل ہے۔ (۲)

واللہ اعلم

۸/۲/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۷/۴۸ الف)

حج، موت، شادی وغیرہ کے موقع پر نیوتہ لینا

سوال (۱۴۷): - ہمارے علاقے کا رواج ہے جب کوئی حج سے واپس آتا ہے تو لوگ بڑی تعداد میں اُن سے ملنے جاتے ہیں اور تواضع ومبارک بادی کے طور پر حاجی صاحب کو لوگ پانچ دس روپے دیتے ہیں، اگر آدمی بڑا ہوتا ہے تو سو روپے تک دیتے ہیں، حاجی صاحب لوگوں سے پیسے بخوشی لے لیتے ہیں، لیکن یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر پیسہ دینے والا حج کو گیا اور واپس آیا تو اُس کے پیسے واپس دے دیئے جائیں گے۔ ہمارے علاقے کے مولوی بھی ایسا کرتے ہیں، اُن سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ رواج ہے اور اس سے حاجی کا دل خوش ہوتا ہے۔ کیا یہ رواج جائز ہے؟

۲- اسی طرح کسی کے مرنے پر لوگ تعزیت کے لئے جاتے ہیں اور صاحبِ میت کو پیسے پانچ دس روپے دیتے ہیں، پھر یہ آدمی اس طرح دوسرے گھروں میں بھی صاحبِ میت کو دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

۳- اسی طرح شادی کے موقع پر شادی کے گھر میں لوگ پیسے دیتے ہیں، پھر یہ بھی شادی کے موقع پر دینے والوں کو دیتا ہے، اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ (سورۃ الاعراف آیت نمبر ۳۱)۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۵ تا ۷۰۔

جواب: ا تا ۳- حج، موت، شادی کے مواقع پر روپے لینے دینے کی جو تفصیل سوال میں مذکور ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، یہ کام ثواب یا واجب سمجھ کر کیا جائے گا تو بدعت اور حرام ہے، ثواب یا واجب سمجھ کر نہ کیا جائے تب بھی اس کی پابندی سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ پھر لوگ رفتہ رفتہ اِن رسموں کو وہی درجہ دے دیتے ہیں جو واجب کا ہے، اور ایسا درجہ دینا حرام ہے، ہاں ایسے خاص مواقع کی تعینات کے بغیر ایک مسلمان دوسرے کو ہدیہ دے تو یہ بہت ثواب کی بات ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲/۱/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۴۹/۲۵ الف)

شادی کے موقع پر گانا باجا

سوال (۱۴۸): -شادی کے موقع پر گھر والے گانا باجا کراتے ہیں کیا یہ اسلامی قانون کے منافی ہے؟

جواب: -یہ حرام ہے۔ (۱)

واللہ اعلم
۵/۳/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۲۰ج)

شادی کے موقع پر سہرہ بندھوانا اور رسم مہندی وغیرہ

سوال (۱۴۹): - شادیوں کی مروجہ رسومات مثلاً باجا بجانا، گانا گانا، سہرہ بندھوانا، مہندی لگانا وغیرہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: -یہ سب رسمیں ناجائز ہیں ان سے خود بھی باز رہیں دوسروں کو بھی نرمی اور ہمدردی سے رکنے کی تلقین کریں، ان رسموں کی دینی، معاشی، اور معاشرتی خرابیاں ذہن نشین کرائیں اور جہاں یہ رسمیں ہوتی ہوں وہاں شریک نہ ہوں۔ (۲)

واللہ اعلم
۲۰/۶/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۴۶۲ج)

---

(۱) ومن الناس من يشتري لهو الحديث الاية على ماصح في تفسيره عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه حيث قال هو والله الغناء ... عن ابن عباس بلفظ هو الغناء واشباهه ... وروايات الاحاديث الدالة على تحريم الغناء فالاول منها مارواه البخاري الخ (احكام القرآن للفقيه المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ ج۳ص۲۰۲)

(۲) گانا باجا حرام ہونے کے حوالہ جات کے لئے ملاحظہ فرمائیے گذشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔ سہرہ بندھوانے سے متعلق حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب قدس سرہ مسائل اربعین ص ۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں:
سہرہ کہ از تار نقرہ وطلا باشد مردان را اصلا جائز نیست ... وزنان را استعمال ہر دو جائز است مگر در سہرہ کہ استعمال آن زنان را ہم مکروہ است بجہت مشابہت کفار ومشابہت کفار حرام است قال النبی صلی اللہ علیہ سلم من تشبہ بقوم فهو منهم اما سہرہ کہ از گل تیاری کنند آں ہم بسبب مشابہت کفار جائز نیست بلکہ بارگل کہ بر سر نوشہ وعروس وقت نکاح یا بعد از آں می بندند بدعت است ومشابہت با گبراں واز مشابہت کافراں وگبراں احتراز لازم است ..... نیز ملاحظہ فرمائیے اصلاح الرسوم ص ۹۳، ۹۴ نیز رسم مہندی کے لئے ملاحظہ فرمائیے اصلاح الرسوم ص ۸۶۔

شادی کا اسلامی طریقہ اور مروّجہ رسومات

سوال (۱۵۰): - شادی میں کون سی چیزیں حلال ہیں اور کونسی حرام، شادی میں گانا بجانا کیسا ہے، اپنی بیٹی کو فروخت کرتے ہیں اور لڑکے سے روپیہ لے کر شادی میں خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کی دعوت کرتے ہیں اس میں شرکت اور وہاں کھانا حرام ہے یا حلال؟

جواب: - نکاح کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اس میں بھی بہت تفصیلات ہیں وہ سب یہاں نہیں لکھی جاسکتیں، آپ بہشتی زیور کا مطالعہ کریں، ضرورت کے مطابق سارے مسائل اس سے معلوم ہو جائیں گے۔[۱]

گانا بجانا شادی میں بھی حرام ہے اور غیر شادی میں بھی،[۲] بیٹی کو فروخت کرنا بھی حرام ہے،[۳] اور ریاء وشہرت کے لئے شادی میں روپیہ خرچ کرنا بھی حرام ہے،[۴] اسلام نے سادگی کی تعلیم دی ہے، سادگی سے نکاح کرنا چاہئے ہاں لڑکے کی شادی میں ولیمہ کرنا سنت ہے،[۵] مگر اس میں بھی تکلفات کرنا، گنجائش سے زیادہ کرچ کرنا جائز نہیں۔

جس شادی میں خلافِ شریعت کام ہوتے ہوں اس میں شرکت کی گنجائش ہے مگر ان خلافِ شریعت کاموں میں شریک ہونا جائز نہیں،[۶] ان سب چیزوں کی تفصیلات بھی آپ کو بہشتی زیور میں مل جائیں گی۔

واللہ اعلم

۷/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۶۹۱ د)

عید کارڈ کا حکم

سوال (۱۵۱): - کیا قرآنی آیات والا عید کارڈ یا صرف مساجد و تفریح گاہوں والا عید کارڈ خریدنا اسراف ہے؟ اس میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) حصہ ۶ ص ۴۲ تا ۴۴

(۲) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ''شادی کے موقع پر گانا بجانا''۔

(۳) بطل بیع ما لیس بمال کالدم والحر والبیع بہ ای جعلہ ثمنا بادخال الباء علیہ لان رکن البیع المال بالمال ولم یوجد. (الدر المختار، باب البیع الفاسد، ج ۵ ص ۵۲ سعید)

(۴) ملاحظہ فرمایئے: اگلا مسئلہ بعنوان ''عید کارڈ کا حکم'' کا حاشیہ نمبر ۲۔

(۵) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی علی عبدالرحمن بن عوف اثر صفرة قال بارک اللہ لک اولم ولو بشاة (المشکوة مع المرقاة باب الولیمة الفصل الاول ج ۶ ص ۲۱۵) فی المرقاة تحتہ (قولہ اولم) قال ابن الملک تمسک بظاہرہ من ذہب الی ایجابہا والاکثر علی ان الامر للندب واستحب اصحاب مالک ان تکون سبعة ایام والمختار انہ علی قدر حال الزوج۔

(۶) وثمہ لعب او غناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدة لا ینبغی ان یقعد بل یخرج وان علم اولا باللعب لا یحضر اصلا (فی الدر المختار کتاب الحظر والاباحة)

فی ردالمحتار تحتہ (قولہ لا یحضر اصلا) الا اذا علم انہم یترکون ذلک احتراما لہ فعلیہ ان یذہب (ج ۶ ص ۳۴۸)۔

جواب: — عیدین صرف تہوار نہیں بلکہ شعائر اسلام میں سے ہے، جن کے واجبات وسنن اور آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دیئے ہیں اور صحابہ کرام وسلف صالحین ان پر عمل پیرا رہے ہیں۔ عید کارڈ بھیجنا عیدین کے اعمال میں سے نہیں ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے، نہ سلف صالحین کے تعامل سے۔ اگر یہ کام عیدین کے اعمال وآداب سے سمجھ کر کیا جائیگا تو بدعت ہے جو حرام ہے،[1] اور اگر محض خوشی منانے کے اظہار کے طور پر کیا جائے گا تو اسراف بھی ہے اور تشبہ بالکفار بھی کیونکہ یہ طریقہ عیسائیوں کا ہے جو کرسمس کے موقع پر کرسمس کارڈ ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں اور اسراف اور تشبہ بالکفار دونوں ممنوع ہیں،[2] لہٰذا عید کارڈوں کے اس مشغلہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اعداد وشمار جمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ عید کارڈ چھاپنے خریدنے اور ڈاک سے بھیجنے پر ہر سال قوم کا لاکھوں روپیہ ضائع ہوتا ہے، جس قوم کے بے شمار لوگ پیٹ بھرنے کے لئے روٹی سے، بدن ڈھانپنے کے لئے کپڑے سے، سر چھپانے کے لئے مکان سے، صحت کے لئے علاج سے اور آبرومندانہ زندگی کے لئے تعلیم سے محروم ہوں اس قوم کے لئے اسراف کی شناعت اور بڑھ جاتی ہے۔ واللہ اعلم

۲۴/۱۲/۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۷/۲۸ الف)

عید کارڈ پر قرآنی آیات لکھنا

سوال (۱۵۲): ۱- ڈاک کے ذریعہ بھیجا ہوا عید کارڈ دو مرتبہ زمین پر رکھ کر چھانٹی کی جاتی ہے۔ اکثر ڈاکئے زمین پر بھی پھینک دیتے ہیں اس کا گناہ کس کو ہوگا؟

۲- قرآنی آیات کو بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے جبکہ کارڈ خریدنے والا وصول کرنے والا بے وضو لیتا ہے اور دوسروں کو دکھلاتا ہے، یہ عمل کیسا ہے؟

جواب: — عید کارڈ پر قرآنی آیات لکھنے میں ان کی بے حرمتی اور بے وضوء چھونا بکثرت پیش آتا ہے لہٰذا اس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔[3] واللہ اعلم

۱۴/۱۲/۱۳۹۶ھ

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان: ''بدعتی کی تعریف''۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾ (الاسراء)۔

في تفسير القرطبي تحته: قوله تعالى: ولا تبذر اى لا تسرف في الانفاق في غير حق۔قال الشافعي رضي الله عنه: و التبذير إنفاق المال في غير حقه ولا تبذير في عمل الخير وهذا قول الجمهور في المشكوة كتاب اللباس الفصل الثاني وعنه(اى ابن عمر)قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم رواه احمد وابوداؤد۔

(۳) بساط او غيره كتب عليه الملك لله يكره بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة قلت وظاهره انتفاء الكراهة بمجرد تعظيمه وحفظه علق اولا زين به اولا وهل مايكتب على المراوح وجدر الجوامع كذا يحرر(في الدر المختار قبيل باب المياه ج ا ص۱۷۸ سعيد)

في الشامية تحته: (قوله يحرر) اقول في فتح القدير تكره كتابة القرآن واسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش۔

عید کارڈ کے جواب میں عید کارڈ بھیجنا

سوال (۱۵۳):- عید کے موقع پر کسی کو عید کارڈ وصول ہوا وہ یہ جان کر کہ اس کو جوابی عید کارڈ بھیجنا واجب ہے، اس کو عید کارڈ بھیجتا ہے۔ وجوب سمجھ کر عید کارڈ پر رقم خرچ کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب:- عید کارڈ کے جواب میں عید کارڈ بھیجنا واجب نہیں، عید کارڈ جواباً بھی نہ بھیجا جائے۔

واللہ اعلم

۲۴/۱۲/۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸۲۷/۲۷د)

دلہن کا نکاح کے بعد محرم کا پہلا چاند سسرال میں دیکھنے کو منحوس سمجھنا

سوال (۱۵۴):- نکاح کے بعد ماہ محرم الحرام کا پہلا چاند دلہن اپنے سسرال میں نہ دیکھے، اگر میکہ نہ آسکے تو پڑوس میں یا دلہن کا کوئی عزیز وہاں رہتا ہو وہاں دکھادیا جائے، ان کے مکان پر چاند دکھائی دینے سے کچھ پہلے بھجوادی جائے اور بعد نماز مغرب دلہن کو لے آئیں کیا وجہ ہے یہ عورتوں کی باتیں ہیں اگر دلہن چاند کے وقت سسرال میں رہے گی تو اس کی تمام عمر رنج وغم میں گذر جائے گی کیونکہ یہ غم کا چاند ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا اور عمل کرنے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:- یہ عقیدہ بدعت اور واجب الترک ہے۔[1]

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶۸۳/۲۵ج)

بوقتِ نکاح دلہن والوں کا دولہا کو مخصوص قسم کا دودھ پلانا

سوال (۱۵۵):- ایک صاحب کا عقیدہ اور عمل: نکاح کے ہوتے ہی دولہا کو دولہن والوں کا عزیز ایک پیالہ دودھ وغیرہ کا پلادیتا ہے۔ دولہا کے عزیز واقارب اور دولہا کو ذرا روکنے کی مہلت نہیں دیتا ہے۔ ایک دوسرے صاحب نے بتلایا کہ دودھ میں دو چیزیں ملاتے ہیں چیزوں کا نام نہیں بتایا۔ یہ پیالہ اس لئے پلاتے ہیں کہ آج سے دولہا سسرال والوں کا ہوکر رہے اور اپنوں سے دوری اختیار کرتا رہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا اور اس پر عمل کرنا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) فی المشکوۃ مع المرقاۃ باب الفال والطیر ج۸ ص ۳۱: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا طیرۃ وخیرھا الفال۔

فی المرقاۃ تحتہ: لا یجوز العمل بالطیرۃ وھی التفاول بالطیر والتشاؤم بھاکانوا یجعلون العبرۃ فی ذلک تارۃ باسماء وتارۃ باصوات وتارۃ بالسنوح والبروح وکانو یھیجونھامن اماکنھالذلک۔

.. نیز ملاحظہ فرمایئے اصلاح الرسوم از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ص ۱۱۹ رسم نمبر ۸۹

جواب:- شریعت میں اس کی کوئی پابندی نہیں، لوگوں نے یہ رسم از خود اختراع کرلی ہے اگر اسے سنت سمجھ کر کریں گے تو بدعت کے مرتکب ہوں گے۔ (۱)

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳۹۴/۱۱/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶۸۳/۲۵ ج)

بارات کی روانگی سے پہلے یا نکاح کے بعد دولہا کا اپنی خواتین کو سلام کرنا

سوال (۱۵۶):- بعض قوموں اور برادریوں میں یہ رسم رائج ہے کہ بارات کی روانگی سے قبل یا نکاح کے بعد دولہا اپنی والدہ بہنوں وغیرہ کو سلام کرنے کے لئے گھر میں جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے اور اگر والدہ بہنیں وغیرہ جن میں نامحرم عورتیں نہ ہوں ایک الگ مقام پر جمع ہوجائیں اور وہاں ان کو دولہا سلام کرے تو کیا اس میں کوئی حرج اور قباحت ہے۔

جواب:- اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ خاص اس وقت میں سلام کرنے کو مسنون نہ سمجھے۔ ہر ملاقات کے وقت سلام مسنون ہے، اس ملاقات پر بھی مسنون ہے مگر اس وقت کی کوئی خصوصیت سنت سے ثابت نہیں۔ (۲)

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۴/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۶۷۰/۲۵ ج)

مختلف بدعات سے متعلق اُصولی جواب

سوال (۱۵۷):- سائل نے بدعت اور سنت کے بارے میں بہت سے سوالات کئے تھے جن کے تفصیلی جواب سے صرف نظر کرتے ہوئے ذیلی اصولی جواب دیدیا گیا اور کتب مطبوعہ کی طرف محول کردیا گیا۔

جواب:- ان مسائل کے متعلق حضرات اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ اور رسائل طبع ہوچکے ہیں ان کا مسلک ان سے واضح ہے، ان کے ہوتے ہوئے کسی نئے فتویٰ کی ضرورت نہیں جو ان تحریروں کو نہیں مانتا، وہ نیا فتویٰ کیسے مان لیگا؟ نیز اس وقت جبکہ صریح اور متفق علیہ کفر والحاد و زندقہ ہر مسلم فرقہ کے برسرپیکار ہے مجمع علیہ منکرات تیزی سے پھیل رہے ہیں جن کے حرام اور خلاف اسلام ہونے میں کسی اسلامی فرقہ کا اختلاف نہیں، ایسے وقت میں ان اختلافات میں مسلمانوں کو مشغول کرنا ہم دین کی مصلحت نہیں سمجھتے، صحیح

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان "بدعت کی تعریف"۔

(۲) قد مرّ تخریجه تحت عنوان "نماز فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم"۔

مسئلہ مطبوعہ فتاویٰ اور رسائل سے معلوم ہوسکتا ہے، چند کتب فتویٰ و رسائل کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں ان کی مراجعت فرمائی جائے: ۱- امداد الفتاویٰ جلد چہارم و پنجم، ۲- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (عزیز الفتاویٰ جلد اوّل و امداد المفتیین جلد اوّل)، ۳- حیلۂ اسقاط (مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہم)، ۴- سنت و بدعت (مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہم، ۵- راہِ سنت (مولانا سرفراز خان صفدر صاحب)، ۶- حق السماع، ۷- مسئلہ علم غیب (حضرت گنگوہیؒ)، ۹- حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے رسائل، ۱۰- مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم کے رسائل۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۹/۸/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۱۹۷/۲۴ و)

دُلہن والوں کا کھانا کھلانے اور جہیز دینے کے لئے لڑکے والوں سے رقم لینا

سوال (۱۵۸): ۱- نکاح کے بعد لڑکی کے والدین کی طرف سے بارات میں شریک لوگوں کو کھانا کھلانے کا عام رواج ہے، شریک لوگ رقم دیتے ہیں، اُن کا نام فہرست میں رقم کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

(۱۵۹) ۲- لڑکی والا، لڑکے والے سے رقم لے کر کھانا کھلائے یا جہیز دیوے تو یہ اسلامی قانون کے منافی ہے؟

جواب: ۱- اس کی ایسی پابندی کرنا جیسی فرض و واجب کی جاتی ہے یا اس کو سنت سمجھنا اور کھانا نہ کھلانے والوں کو طعنہ دینا اور ملامت کرنا بالکل ناجائز ہے۔

البتہ اگر دُولہا اور بارات اتنی دُور سے آئی ہے کہ واپس اپنے گھر پہنچنے کے وقت تک اتنی دیر ہوجائے گی کہ اُس وقت تک بھوکا رہنا مشکل ہے تو ایسی صورت میں دُولہا اور بارات کو کھانا کھلا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اس کو ولیمہ کی طرح سنت جاننا صحیح نہیں۔

۲- دُوسروں کو کھلانے یا لڑکی کو جہیز دینے کے لئے لڑکے والوں سے رقم لینا جائز نہیں۔

واللہ اعلم
۵/۳/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۲۰)

شادی کی تقریب میں دعوت کھلا کر معاوضہ لینا

سوال (۱۶۰):- لڑکے اور لڑکی والے برادری کو کھانا کھلا کر پانچ یا دس روپے حساب سے فی آدمی یا فی گھر لیتے ہیں باقاعدہ تحریر کیا جاتا ہے، نہ دینے والے کو لعن طعن کیا جاتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:- یہ رسم بھی ناجائز ہے، (۱) اور ولیمہ مسنونہ رخصتی کے بعد لڑکے کی طرف سے ہوتا ہے۔ (۲)

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۲/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۴۶۲ ج)

تقاریب میں مردوں اور عورتوں کا اجتماع اور لین دین کا رواج

سوال (۱۶۱):- خوشی کے موقع پر مردوں اور عورتوں کی محفلیں ہوا کرتی ہیں اس وقت روپیہ کا لین دین ہوتا ہے یعنی محفل میں آنے والے بلانے والے کو دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے۔

جواب:- روپیہ کے لین دین کی ایسی پابندی کرنا جیسی کہ فرض وواجب کی جاتی ہے یا اس موقع پر اس لین دین کو سنت سمجھنا اور نہ دینے والے کو طعنہ دینا ملامت کرنا، بالکل ناجائز ہے اس لئے اس رسم سے اجتناب لازم ہے، (۳) ان تقریبات میں نامحرم مردوں اور عورتوں کا بلا پردہ جمع ہونا بہر حال حرام ہے، (۴) اور نیوتے کی رسم کے طریقے پر لینا دینا ممنوع ہے۔ (۵)

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۳/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۲۰ ج)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے اگلا مسئلہ بعنوان "تقاریب میں مردوں اور عورتوں کا اجتماع اور لین دین کا رواج" کا حاشیہ نمبر ۳۔

(۲) واختلف العلماء في وليمة العرس هل هي واجبة أم مستحبة والأصح عند اصحابنا انها سُنّة مستحبة ويحملون هذا الأمر في هذا الحديث على الندب وبه قال مالك وغيره واوجبها داود وغيره واختلف العلماء في وقت فعلها فحكى القاضي أن الأصح عند مالك وغيره انه يستحب فعلها بعد الدخول (شرح النووي، كتاب النكاح، باب الصداق وكونه تعليم القرآن)۔

انظر ايضاً: المرقاة (تحت قوله صلى الله عليه وسلم اولم ولوبشاة) باب الوليمة ج۶ ص ۳۶۲

(۳) قد مرّ تخريجه تحت عنوان "بدعت کی تعریف"۔

(۴) تقریبات میں مردوں اور عورتوں کے اجتماع کے مفاسد کے لئے ملاحظہ فرمائیے بہشتی زیور حصہ ۶ ص ۱۶ تا ۱۹

(۵) آج کل شادی بیاہ کی تقریبات میں نیوتہ اور سلامی وغیرہ کے نام سے جو رقم لی دی جاتی ہے وہ متعدد مفاسد پر مشتمل ہے اختصار کے ساتھ انہیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے: (۱) نیوتہ اور سلامی وغیرہ کے نام پر دی ہوئی رقم کو چونکہ واپس لینا ہوتا ہے اور اس کے لئے باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے اس لئے اس کی شرعی حیثیت قرض کی ہے اور بلا ضرورت قرض لینا شرعاً ممنوع ہے۔ (۲) قرض کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ جونہی ادائیگی ممکن ہو ادائیگی کر دی جائے لیکن یہ قرض کی ایسی صورت ہے کہ اس کو انسان مالی کشادگی کے باوجود اپنی مرضی سے ادا نہیں کر سکتا اور یوں قدرت کے باوجود ادائیگی میں تاخیر کے باعث گنہگار ہوتا رہتا ہے (۳) بسا اوقات یہ قرض ادا کئے بغیر لوگ رخصت ہو جاتے ہیں اور قرض خواہ یہ رقم معاف بھی نہیں کرتے اور عام طور پر اس قرض کے متعلق وصیت بھی نہیں کی جاتی اور بسا اوقات اولاد اس کو ادا بھی نہیں کرتی اور یوں یہ شخص ہمیشہ کے لئے قرض کے بوجھ تلے رہتا ہے اور قرض کی ادائیگی یا قرض خواہ کی معافی کے بغیر کسی صورت میں بھی قرض ساقط نہیں ہوتا حتیٰ کہ شہید سے بھی یہ ساقط نہیں ہوتا۔ ....

(باقی اگلے صفحے پر)

مزارات پر قوالی، منتیں ماننا اور عرس وغیرہ کرنا؟

سوال (۱۶۲) :- اولیاء اللہ کی قبروں پر قوالی کرنا، منت ماننا اور عرس وغیرہ کرنا اور غلاف پکڑ کر رونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- یہ سب کام شریعت میں بے اصل اور لغو ہیں، گانے بجانے کی سخت ممانعت احادیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)..................علامہ شامیؒ نے فتاویٰ خیریہ کے حوالے سے اس طرح کی صورت کو تحریر فرمایا ہے اور اسے قرض شمار کر کے ادائیگی کو واجب قرار دیا ہے۔

في الشامية ج۴ ص۵۱۳: عن الخيريه سئل فيما يرسل الشخص الى غيره في الا عراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزم الوفاء به ام لا فاجاب ان كان العرف بانهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به ان مثليا فمثله وان قيميا فقيمته۔

(۴) نیوتہ کی یہ رسم قرض بشرط القرض ہے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ جب یہ قرض ادا ہوگا تو اپنے ساتھ ادھر سے مزید رقم کھینچ کر لائے گا اس طرح یہ قرض ایک طرح کا نفع لانے والا بن گیا اور یہ سود کی ایک صورت ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے معارف القرآن میں قرآن کریم کی آیت "وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس الخ" کی تفسیر کرتے ہوئے اس کو سود کی ایک صورت قرار دیا ہے ملاحظہ فرمایئے ج۶ ص۷۴۸ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر روح المعانی اسی آیت کی تفسیر میں مذکورہ بالا مفہوم کو ادا کیا ہے اور اس کو سود کی ہی ایک صورت قرار دیا ہے۔

في روح المعاني ج۲ ص۴۵

وما اتيتم من ربا الظاهر انه اريد به الزيادة المعروفة في المعاملة التي حرمها الشارع واليه ذهب الجبائي ... وعن ابن عباس ومجاهد ... انه اريد به الزيادة العطية التي يتوقع بها مزيد مكافاة وعليه فتسميتها ربا مجازا لانها سبب للزيادة وقيل لانها فضل لا يجب على المعطى وعن النخعي ان الاية نزلت الى قوم يعطون قراباتهم واخوانهم على معنى نفعهم وتمويلهم والتفضيل عليهم وليزيدوا في اموالهم على جهة النفع لهم وهي رواية عن ابن عباس فالمراد بالربا العطية التي تعطى للاقارب للزيادة في اموالهم۔

(۵) یہ رقم معاشرے اور رواج کے جبر سے لی جاتی ہے اس لئے کہ نہ دینے کی صورت میں طعن و تشنیع اور ملامت کا نشانہ بننا پڑتا ہے یا کم از کم برادری میں گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور اس معاشرتی دباؤ کی وجہ سے اس کی خوشدلی شامل نہیں ہوتی اور حدیث کی رو سے کسی کی خوشدلی کے بغیر اس کا مال لینا حرام ہے۔ فی المشکوۃ باب الغصب والعاریۃ ج۲ ص۲۵۵ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرء الا بطيب نفس منه۔

(۶) بسا اوقات دینے والے کی نیت ریاء اور نام و نمود کی ہوتی ہے اور شرعاً جائز کام بھی ریا اور نمود کی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے: عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لبس ثوب شهرة في الدنيا البسه الله ثوب مذلة يوم القيامة (مشكوة كتاب اللباس)۔

علاوہ ازیں مذکورہ بالا مفاسد کے عقلاً بھی ذرا غور کرنے سے اس رسم کی قباحت واضح ہو جاتی ہے چونکہ شادی بیاہ وغیرہ خوشی کے مواقع ہیں اور جس کو یہ خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اظہار مسرت کے لئے دعوت کھلاتا ہے اور دعوت کھلا کر اس کا عوض وصول کرنا عقل سلیم کے نزدیک باعث عار ہے۔

مذکورہ تفصیل، مفسرین کے اقوال، احادیث و آثار، فقہاء کی عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مذکورہ لین دین ناجائز اور اس میں بہت سے مفاسد ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں کو اس رسم بد سے اجتناب کرنا چاہئے اور اس مد میں جو رقم کسی کے ذمہ ہو اس کو فوراً ادا کرے یا معاف کروائے اور اگر دوسرے کے ذمہ اس کی رقم ہو تو اسے وصول کرنا چاہے تو کر لے ورنہ معاف کر کے معاملہ پاک صاف کرے۔

(ماخذہ تبویب فتاویٰ دارالعلوم کراچی ۱۱۴/ ۳۱ اور نیوتہ کی رسم البلاغ جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ میں جو تفصیلی فتویٰ شائع ہوا تھا)۔

میں آئی ہے، سخت حرام ہے اور جو باتیں سوال میں لکھی گئی ہیں، ان سے مسلمان کو مکمل پرہیز کرنا واجب ہے۔[1]

واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی

بندہ محمد شفیع — ۱۴/۳/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۹۶ /۲۰ ۳ الف)

پہلی مرتبہ حاملہ ہونے پر گودی کی رسم کی ادائیگی اور بوقت ولادت ہدایا دینا

سوال (۱۶۳):- نکاح کے بعد لڑکی کے حاملہ ہونے پر لڑکی کے والدین وہاں جا کر لڑکی کو دوپٹہ ایک جوڑی کپڑا اور سات قسم کا میوہ اس کی گود میں رکھ کر گودی کی رسم ادا کرتے ہیں اور لڑکے والے جانے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ بچہ پیدا ہونے پر بچہ کے لئے پالنا، جوڑے اور زیور بچہ کو دیتے ہیں کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟

جواب:- گودی کی رسم کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اسے ترک کرنا لازم ہے، ہاں پہلی زچگی

---

(۱) قوالی سے متعلق حوالہ جات:

والحاصل ان استجماع شرائط الجواز في هذاالعصر اعز من الكبريت الاحمر والياقوت الاخضر بل مما لا يمكن عادة وان سلمنا اجتماع الشرائط وخلوه عن المنكرات في شاذ من المجالس فهو ايضا ذريعة والتسبب الى المعصية معصية وان سلمنا عدم تسببه ايضا فاى حاجة في هذ االاهتمام وتجشم المشاق ....ولهذا لا ينبغي ان يفتي بجوازه للاهل في زماننا لانه قد بلغ من فساد الزمان الى حيث يدعي كل احد اهله... وحاصل هذا كله ان الواجب على المؤمن التقي الاجتناب عن الغناء المحرم والمختلف فيه كل الاجتناب فان الاسلم خلوه عن المنكرات والمعاصي في بعض الاحيان فهو مظنة الوقوع فيها له او لغيره في المستقبل ومع هذا ليس فيه كثير منفعة بل المحقق عند المحققين انه يضر بالمبتدى ولا يحتاج اليه المنتهي (احكام القرآن للتهانوي ج:۳،ص:۲۵۹)

نیز مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے رسالہ ''حق السماع'' مؤلفہ حضرت تھانویؒ، ''اسلام اور موسیقی'' مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور ''اسلام اور قوالی'' مؤلفہ مفتی حفظ الرحمٰن صاحب۔

منت سے متعلقہ حوالہ جات:

واعلم ان النذر الذی يقع للاموات من اكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام مالم يقصد واصرفها لفقراء الانام (الدر المختار،قبيل باب الاعتكاف،ج۲ ص۴۳۹ سعید)

في ردالمحتار تحته: (قوله باطل وحرام لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق ومنها ان المنذور له ميت والميت لا يملك ومنها انه ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالیٰ واعتقاده ذلك كفر۔

عرس سے متعلق عبارت:

لا يجوز مايفعله الجهال بقبور الاولياء والشهداء من السجود ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسا (تفسير المظهری (تحت قوله تعالیٰ قل ياأهل الكتاب تعالو الى كلمة الخ) ج۲ ص۶۸)

نیز عرس کا تفصیلی حکم دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے: ''سنت و بدعت'' مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب ص۴۷ تا ۸۸۔

کے موقع پر لڑکی کے آرام اور دلبستگی کی خاطر میکے میں لے آنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بچے کی ولادت کے بعد بچے اور اس کے والدین کو تحفے دینے کی جو رسم ہے اس کو فرض واجب کی طرح لازم سمجھنا اور نہ دینے والوں کو طعنہ زنی کرنا جائز نہیں، بہت سے لوگ محض ملامت کے خوف سے تحفے دیتے ہیں، ایسا تحفہ لینا حرام ہے۔ (۱)

واللہ اعلم

۵/۳/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۲۰)

شادی کے بعد بہنوں کا دولہا کی دعوتیں کرنا

سوال (۱۶۴): - شادی کے بعد دولہا کی بہنیں اپنے بھائی کی دعوت کرتی ہیں۔ دعوت فی نفسہ کیسی ہے اور جب بھائی بہن کی دعوت میں جاتا ہے تو کچھ تحفہ بہن کے لئے لے جاتا ہے۔

جواب: - اس رسم کو اگر مسنون نہ سمجھیں اور کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیا کریں ایسی پابندی نہ کریں جیسی واجب کی ہوتی ہے اور کوئی شخص اگر یہ رسم نہ کرے تو شکایت نہ کریں اس کو برا نہ سمجھیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۲)

واللہ اعلم

۵/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۶۷۰)

منگنی سے پہلے اور بعد کی رسومات

سوال (۱۶۵): ۱- لڑکا اور لڑکی کے والدین نکاح سے پہلے رشتہ جوڑنے لڑکے کے والدین لڑکی کے گھر جاتے ہیں ایک سیر مٹھائی، اور دوپٹہ وغیرہ دیتے ہیں کیا یہ رسم اسلامی قوانین کے منافی ہے؟

۲- رشتہ قبول ہو جانے کے بعد منگنی کی رسم ہے اس لڑکے کے والدین اور قریبی رشتہ دار لڑکی کے والدین کے گھر جاتے ہیں جوڑا، کپڑا اور زیور دیتے ہیں اور روپے دئے جاتے ہیں کیا یہ رسم اسلامی قانون کے منافی ہے۔

۳- منگنی ہو جانے کے بعد لڑکے کے والدین لڑکی کو اپنے گھر بلاتے ہیں اور اس خوشی میں لڑکی کو دوپٹے، اور نقد رقم قریبی رشتہ دار اور لڑکے کے والدین کو دیتے ہیں کیا یہ خلاف شرع رسم ہے؟

۴- منگنی ہو جانے کے بعد ہر سال عید کے موقع پر لڑکے کے والدین لڑکی کو عیدی میں ایک جوڑا کپڑا دینے کا رواج ہے کیا یہ بھی خلاف شرع ہے؟

---

(۱) لما جاء في الحديث: لا يحل مال امرئٍ إلّا بطيب نفس منه (سنن البيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا)۔
نیز مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: بہشتی زیور حصہ ۶ ص ۳۵۵ تا ۳۶۰ اور اصلاح الرسوم

(۲) ملاحظہ فرمائیے بہشتی زیور حصہ ۶ ص ۷۰۳ رسم نمبر ۱۹۶ اور اصلاح الرسوم (از حضرت تھانویؒ)۔

جواب:۱- مٹھائی اور دوپٹہ دینے کی ایسی پابندی کرنا جیسی کہ فرض وواجب کی کی جاتی ہے یا اس موقع پر یہ چیزیں دینے کو سنت سمجھنا اور نہ دینے والے کو طعنہ دینا ملامت کرنا بالکل ناجائز ہے اس لئے اس رسم سے اجتناب لازم ہے۔(۱)

۲- اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر ۱ میں بیان ہوا ہے۔

۳- اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر ۱ میں بیان ہوا۔

۴- اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر ۱ میں بیان ہوا۔

واللہ اعلم
۵/۳/۱۳۹۵ھ

۱- گہنہ کی رسم

۲- بوقتِ نکاح دوستوں کا دولہا کو ہدایا دینا

۳- نکاح سے دو تین روز قبل دوستوں کا دولہا سے جیب خرچ مانگنا

سوال (۱۶۶):- شادی اور رخصتی کرنے کے بعد لڑکی والے لڑکی کو تین یا چار ماہ ایک مقررہ مدت کے لئے گھر لے جاتے ہیں اسے گہنہ کہتے ہیں کیا یہ رسم صحیح ہے اور جب گہنہ کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو لڑکی والے دولہا کو بلاتے ہیں اور پھر لڑکی کو بھیجتے ہیں کیا یہ رسم بھی صحیح ہے۔ اس کا یہ جواب آپ کی طرف سے موصول ہوا کہ گہنہ کی رسم غیر شرعی ہے البتہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ مہینہ دو مہینہ انس والفت پیدا کرنے کے لئے نئی دولہن ماں باپ کے یہاں زیادہ آتی جاتی رہے، اتنی عبارت ناکافی ہے اس کی وضاحت فرمادیں۔

۲- نکاح کے بعد دولہا کو اس کے دوست واحباب تحفے تحائف پیش کرتے ہیں یہ تحفے پیش کرنا اور قبول کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱۶۷): ۳- نکاح کے ایک دو روز پہلے سے نکاح کے دو تین روز تک دولہا سے اس کے دوست وغیرہ جیب خرچ مانگتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- یہ سب اور جو سوال نمبر ۱ میں جو آپ نے درج کئے ہیں فی نفسہ ان میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ ان کو رسم نہ بنایا جائے یعنی ان کی ایسی پابندی نہ کی جائے جیسے کہ سنت یا فرض وواجب کی کی جاتی ہے، اگر کوئی ان کے خلاف کرے تو اسے ملامت نہ کی جائے اور برا نہ سمجھا جائے ان کی سنت یا فرض

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: بہشتی زیور حصہ ۶ ص ۲۰ تا ۲۲ اور اصلاح الرسم باب دوم فصل پنجم رسم منگنی ۴۷ تا ۷۹

وواجب کی سی پابندی کرنا اور اس کے خلاف کرنے والے کو ملامت کرنا اور برا سمجھنا جائز نہیں۔ (۱)

۲- اس کا جواب بعینہ وہی ہے جو سوال نمبر ا میں بیان ہوا۔

۳- اس کا جواب بعینہ وہی ہے جو سوال نمبر ا میں بیان ہوا، البتہ اس میں اتنی اور بات سمجھ لیں کہ اس جیب خرچ مانگنے کے جائز ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مانگنے والوں کو یقین ہو کہ دولہا اس مانگنے سے تنگدلی یا ناراضگی دل میں نہ لائے گا بلکہ خوش دلی سے دے گا اگر یہ یقین نہ ہو تب بھی مانگنا ہرگز جائز نہیں۔ (۲)

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۹/۷ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۰۸۲ھ)

رسمِ گہنہ کے بعد سسرال والوں کا دولہا کی دعوت کرنا اور اس کا ہدایا لے کر جانا

سوال (۱۶۸):- اس طرح جب گہنہ کے بعد اپنی بیوی کو سسرال لینے جانا ہوتا ہے تو سسرال والے دعوت کرتے ہیں اور خاوند خالی ہاتھ نہیں جاتا؟

جواب:- اس رسم کو اگر مسنون نہ سمجھیں اور کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیا کریں ایسی پابندی نہ کریں جیسی واجب کی ہوتی ہے اور کوئی شخص اگر یہ رسم نہ کرے تو شکایت نہ کریں، اس کو برا نہ سمجھیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

واللہ اعلم

۱۳۹۴/۴/۵ھ

قومی ترانہ سننا اور اس کے لئے کھڑا ہونا

سوال (۱۶۹):- قومی ترانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر ترانہ ساز کی دھنوں پر گایا جارہا ہو تب اور اگر کوئی شخص اپنی زبان سے گا رہا ہو تب، دونوں صورتوں میں قومی ترانے کے لئے مؤدب کھڑے ہونا کیسا ہے؟

جواب:- قومی ترانہ اگر ساز کے ساتھ نہ پڑھا جائے تو اس کا پڑھنا اور سننا دونوں جائز ہے، اور ساز کے ساتھ پڑھنا اور سننا دونوں ناجائز ہیں۔ جب ترانہ بغیر ساز کے گایا جارہا ہو تو اس کے لئے کھڑے ہونے کی اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ اس کھڑے ہونے کو نہ تو ثواب سمجھا جائے اور نہ شرعاً ضروری سمجھا

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ''بدعتی کی تعریف''۔

(۲) عَنْ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ (سنن البيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا، المشكوة باب الغصب والعارية الفصل الاول ج۲ ص۲۵۵)

جائے، اور جو شخص کھڑا نہ ہو اس پر نکیر نہ کی جائے جیسی کسی فعلِ واجب کے ترک پر کی جاتی ہے، اگر ان میں سے ایک شرط بھی فوت ہوگئی تو یہ کھڑا ہونا بدعت اور ناجائز ہو جائے گا، اور جب ترانہ ساز کے ساتھ گایا جارہا ہو تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں، کیونکہ ساز سننا اور بجانا ازروئے شریعت ناجائز ہیں اور فعلِ ناجائز کی تعظیم گناہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی

۱۳۸۷/۱۲/۷ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی بلند شہری

(فتویٰ نمبر ۱۴۱۶/۱۸ الف)
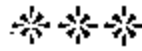
فصل فی کلمات و افعال الکفر
(کفر کے افعال واقوال کے بارے میں)

ناجائز کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

سوال (۱۷۰): - چند آدمی تاش کھیل رہے تھے، میں بھی بیٹھا تھا، کھیل کے درمیان ایک شخص بسم اللہ کہتا تھا، کئی بار اُس نے ایسا کیا، ایسا کہنا کس درجے کا گناہ ہے؟ اور کیا کفارہ ہے؟ اور سننے والوں کو کس قسم کا گناہ ہوا؟

جواب: - بسم اللہ پڑھنا کسی نیک یا جائز کام شروع کرتے وقت تو بہت ثواب اور خیر و برکت کا باعث ہے، نہ پڑھیں تو اس کام میں برکت نہیں ہوتی۔ لیکن کسی ناجائز کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا حرام ہے، اور اگر خدانخواستہ کسی نے تمسخر کے طور پر ایسا کیا تو کافر ہو جاتا ہے،(۱) ان صاحب نے گناہ کیا ہے اس کا کفارہ بس یہی ہے کہ توبہ و استغفار کریں۔ واللہ اعلم

۲۱/۱۱/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۲۷/۲۵ ز)

لاعلمی میں کلمۂ کفر کہنے سے کفر لازم نہیں آتا

سوال (۱۷۱): - میں حال ہی میں راولپنڈی آیا ہوں، دو سال پیشتر ماسکو میں پاکستانی سفارت خانے میں تھا، آج سے دو سال پہلے کی بات ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر مجھے کفر کا خدشہ ہو جاتا تھا، اور بیوی کے کچھ کلمات کہنے پر میں فوراً ان کلمات کو کفریہ سمجھتا تھا، اور یہ سمجھتا تھا کہ نعوذ باللہ نکاح ٹوٹ گیا ہوگا، انہیں دنوں کی بات ہے کہ ایک مرتبہ بیوی نے ایسی بات کہی کہ مجھے خدشہ کفر ہو گیا، اور غصے میں میں نے بیوی سے کہا کہ تم اگر اس طرح کفریہ کلمات کہتی رہیں تو آئندہ ہمارا اُٹھنا بیٹھنا مشکل ہو جائے گا، بیوی رونے لگی، میں نے اُس سے کہا کہ روتی کیوں ہو؟ میں نے تمہیں کوئی طلاق تھوڑے ہی دے دی ہے؟ وہ تو جب پڑے

---

(۱) وتکره عند كشف العورة أو محل النجاسات ... وتحرم عند استعمال محرم، بل في البزازية وغيرها يكفر من يسمي عند مباشرة كل حرام قطعي الحرمة (رد المحتار، مقدمة)۔

گی کہ تم کفر کی بات کہو گی۔ اس کا جواب آپ کی طرف سے مل گیا تھا کہ اب کفریہ کلمہ کہنے پر ایک طلاق ہوگی۔ آپ کا یہ خط ملنے سے پہلے (کہ جس میں کفر لازم ہونے کی وجوہات تحریر تھیں) بیوی نے میرے خیال کے مطابق کفریہ بات کہی تھی تو میں اپنے ذہن میں سمجھا تھا کہ ایک طلاق پڑ چکی ہے، بعد ازاں مجھے شک پڑا تو میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ شرعاً بیوی کو بتانا ضروری ہو، میں نے مفتی جمیل احمد صاحب کو تحریر کیا کہ میرے خیال میں طلاق پڑ چکی ہے، تو کیا یہ بات بیوی بتانا ضروری ہے (خدا کرے کہ طلاق نہ پڑی ہو آمین ثم آمین) کہ نہیں؟ بلکہ سوچا کہ چلو بیوی کو نہیں بتاتا، رجوع تو کر ہی لیا جائے یہ بھی ساری داستان جس کو پڑھ کر آپ تحریر فرماسکیں گے کہ کیا طلاق پڑی تھی یا نہیں؟

اب چند ہی دنوں کی بات ہے کہ ماسکو میں میری بیوی نے مجھے غصے میں بجائے حرامی کے ''حرام'' کہا، جواب میں نے کہا ''تو'' یہاں طلاق وغیرہ کی نیت بلکہ خیال تک ذہن میں نہ تھا، بلکہ گالی کے جواب میں منہ سے لفظ ''تو'' نکل گیا، میں نے مفتی جمیل احمد صاحب کو لکھا، انہوں نے جواب دیا کہ ایک طلاقِ بائن پڑگئی ہے کہ لفظ ''حرام'' صاف لفظ ہے نیت کی ضرورت نہیں، جب مفتی جمیل صاحب کا یہ خط ملا تو میں نے بیوی کو بتایا کہ تم نہ بکواس کرتیں اور نہ یہ نوبت آتی، تو بیوی کہنے لگی کہ کیا مفتی صاحب نے کہا ہے کہ طلاق بیوی کو دے دو؟ میں نے کہا کہ نہیں، پڑ چکی ہے، اور ایک پہلے پڑ چکی ہے، جس کا تذکرہ کفریہ والے مسئلے میں اوائل میں کیا ہے، لہٰذا آئندہ مجھے غصہ نہ چڑھانا۔ براہِ کرم مندرجہ بالا تحریر کو پڑھ کر جواب عنایت فرمائیں، اللہ کی قسم لفظ ''تو'' کہتے وقت طلاق وغیرہ کا خیال تک ذہن میں نہیں تھا۔

جواب:۔ کفر کا کلمہ زبان سے لاعلمی میں نکل جانے سے کفر عائد نہیں ہوتا، اگر کفر اختیار کرنے کی نیت سے کفر کا کلمہ کہے تو اس سے کفر لازم آتا ہے،[1] ہمیں نہیں معلوم کہ سائل کی بیوی نے کیا کلمہ کہا تھا؟ اور کس نیت سے کہا تھا اور کیوں کہا تھا؟ اس لئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کافر ہوئی یا نہیں؟ لہٰذا نیا نکاح کرنے کے بارے میں بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اگر شوہر بیوی کو یہ کہہ دے ''تو مجھ پر حرام ہے'' اور یا ''میں تجھ پر حرام ہوں'' تو اس سے بائن طلاق واقع ہوجاتی ہے،[2] لیکن سائل نے لکھا ہے کہ لفظ ''حرام'' بیوی نے کہا تھا اور میں نے صرف لفظ ''تو'' کہا تھا، اگر صورتِ حال اسی طرح سے ہے تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی

---

(۱) وفي التتارخانية ج:۵ ص:۳۱۲ وإن لم يكن قاصدًا في ذلك بأن أراد أن يتلفظ بلفظ آخر فجرى على لسانه لفظ الكفر من غير قصد وذلك نحو أن أراد أن يقول لا إله إلّا الله فجرىٰ على لسانه أن مع الله آلهة أُخرىٰ أو أراد أن يقول بحق اينكه تو خدائی وما بندگان تو فجرىٰ على لسانه العكس لا يكفر۔

(۲) وفي الشامية ج:۳ ص:۴۵۰ وفي الذخيرة ولو طلق الحرة واحدة ثم قال لها أنت عليّ حرام ينوي ثنتين لا تصح نيته ولو نوى الثلاث تصح نيته وتقع تطليقتان أخريان فافهم۔

اور ”حرام زادی“ کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

العبد امین اشرف عفا اللہ عنہ
۱۳۹۵/۴/۲۸ھ

جواب صحیح ہے، آپ کو یہ سب پریشانی اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ کبھی کسی عالم سے مسئلہ پوچھتے ہیں کبھی کسی سے، ہر عالم آپ کے خصوصی حالات سے واقف نہیں، لہٰذا جوابات کبھی کبھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

۱- آئندہ کفر اور طلاق کے مسائل میں غور کرنا اور کتابوں میں ان کا مطالعہ بالکل ترک کر دیں، پچھلے جو فتوے ان مسائل کے متعلق اب تک حاصل کیے ہیں اُن سب کو ضائع کر دیں اور ہرگز ان کا مطالعہ نہ کریں۔

۲- آئندہ اس قسم کے مسائل کے لئے کسی ایک مفتی کو منتخب کر لیجئے جس پر آپ کو سب سے زیادہ اطمینان ہو، صرف اُسی سے پوچھا کریں، کسی اور سے ہرگز نہ پوچھیں ورنہ آپ سخت پریشانی میں مبتلا رہیں گے، ان ہدایات کی خلاف ورزی ہوئی تو آئندہ ہم جواب لکھنے سے معذور ہوں گے۔ والسلام

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۵/۴/۲۹ھ

اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والا کافر ہے

سوال (۱۷۲): -ایک شخص نے قرآن مجید کے اوراق آگ میں غلطی سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر جلائے اور اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں، اب شرعاً ایسے شخص کا دین رہا یا نہیں۔ ہم مسلمان اس سے عام مسلمانوں کا سا برتاؤ اور بول چال کریں یا نہیں، جنازہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: - جس شخص نے اللہ عزوجل کو گالی اپنے اختیار اور ہوش وحواس میں دی ہے وہ کافر ہو چکا،(۱) اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی،(۲) اس کے ساتھ ایسے معاملات کرنا جو مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جائز نہیں اگر ملک میں اسلامی قانون ہوتا تو توبہ نہ کرنے کی صورت میں اسے قتل کیا جاتا،(۳) اس کو نرمی اور ہمدردی سے تبلیغ کریں، جہنم کے عذاب سے ڈرائیں اگر توبہ کر لے تو فبہا اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو اس

(۱) یکفر اذا وصف اللہ بما لا یلیق بہ، او نسبہ الی الجہل او العجز او النقص (الھندیۃ ۲/۲۵۸، رشیدیہ) انظر ایضاً البزازیۃ ۶/۳۲۲۔

(۲) وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ (الدر المختار، کتاب النکاح ۳/۱۹۳، سعید)

(۳) ویحبس ثلاثۃ ایام فان اسلم والا قتل ھذا اذا استمھل فاما اذا لم یستمھل قتل من ساعتہ الخ (الھندیۃ ۲/۲۵۳)

پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے،(۱) نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے جب تک وہ توبہ نہیں کرتا اسے سلام کرنا یا اس سے دوستانہ تعلقات رکھنا بھی جائز نہیں۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۹/۳/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۴۴۴/۲۴ ج)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

غیر اللہ کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا

سوال (۱۷۳): - ایک شخص نے کہا کہ اگر یہ جانور بڑا ہو جائے تو میں اس کو فلاں ولی کے نام سے ذبح کرونگا کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: - اگر یہ ذبح کیا تو اللہ ہی کے لئے کہ اس کا ثواب اللہ دیگا اور ساتھ ہی یہ نیت کی کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچاؤ نگا پھر ذبح کے وقت صرف بسم اللہ، اللہ اکبر کہا تو یہ ذبیحہ حلال اور اس کا گوشت بھی حلال ہے اور ایصال ثواب بھی جائز ہے اور اگر یہ نیت کی کہ فلاں بزرگ کے لئے ذبح کرتا ہوں تا کہ وہ خوش ہوں اور میری مراد پوری کریں تو ایسا کرنا شرک ہے کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے اس میں دوسرے کو شریک کر دیا اگر کسی نے ایسا کیا تو فوراً توبہ کرنی چاہئے اور کلمہ طیبہ پڑھنا چاہئے اس طرح کا ذبح کیا ہوا جانور مردار ہے اس کا گوشت کسی کے لئے حلال نہیں۔(۲)

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفی اللہ عنہ
۱۵/۳/۱۳۹۱
(فتویٰ نمبر ۳۹۶/۲۲ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا اور چڑھاوے کی دیگر اشیاء کو کھانے پینے کا حکم

سوال (۱۷۴): - ایک شخص غیر اللہ کے نام پر کسی جانور کو ذبح کرتا، یا غیر اللہ کے نام پر دیتا ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر میں نے گیارھویں کا دودھ نہ دیا تو پیر صاحب میری بھینس مار دیں گے اور مجھ

---

(۱) وشرطها اسلام الميت (الهندية، كتاب الصلوٰة، الفصل الخامس فى الصلوٰة على الميّت ۱۶۳/۱)۔

(۲) تفسير نيشابوري (تحت قوله تعالىٰ وما اهل به لغير الله)لو ان مسلماذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله تعالىٰ صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد

ذبح لقدوم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولووصلية ذكر اسم الله تعالىٰ الخ (الدر المختار ۳۰۹/۱)

..... نیز ملاحظہ فرمائیے معارف القرآن ص ۴۲۱ تا ۴۲۴ ج ۱، ۲۹، ۳۰ ج ۳

سے ناراض ہو جائیں گے، دودھ دیتے یا جانور کو اس کے نام پر ذبح کرنے کو تقرب سمجھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ پیر صاحب اب میرے سے راضی ہیں ایسے جانور کا گوشت کھانا یا دودھ پینا حلال ہے یا حرام ہے؟

جواب :- عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے، نیز نفع وضرر کا مالک ومختار غیر اللہ کو سمجھنا بھی شرک ہے پس کسی نبی یا ولی اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ناراض ہو گیا تو مجھے فلاں نقصان پہنچا دے گا اور راضی ہو گیا تو فلاں فائدہ پہنچا دے گا، یہ مشرکانہ عقیدہ ہے جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو وہ جانور بھی مردار ہے اس کا گوشت کھانا کسی کو حلال نہیں۔ [۱]

البتہ اگر کوئی شخص اس عقیدہ سے صدقہ وخیرات کرے کہ یہ خیرات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہوں اور اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو پہنچا دے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نفع وضرر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے، اللہ اگر مجھ سے راضی ہو گیا تو مجھے فائدہ ہوگا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کار ثواب ہے مگر اس میں بھی گیارہویں تاریخ کی تخصیص جائز نہیں کیونکہ یہ تخصیص بدعت ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۵/۳/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۷۵ الف)

"مجھے جو کچھ ملا ہے فلاں پیر نے دیا ہے" کہنے کا حکم

سوال (۱۷۵) :- ایک شخص نے کہا مجھے جو کچھ ملا ہے فلاں پیر نے دیا ہے کیا ایسا کہنا درست ہے؟

جواب :- یہ کہنا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے فلاں پیر صاحب مرحوم نے دیا ہے ناجائز وحرام ہے، اگر اس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ پیر صاحب مرنے کے بعد جس کو جو چاہیں دے سکتے ہیں تو یہ شرک ہے قال فی البحر ان ظن المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک کفر (۱۳۲۱ ج۲)۔ [۲]

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۲/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۴۱۸)

---

(۱) فی الدر المختار واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فھو بالاجماع باطل حرام مالم یقصدوا صرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک (الدر المختار، کتاب الصوم، مطلب فی صوم الست من شوال)۔

نیز ملاحظہ فرمایئے، معارف القرآن ۱/۴۲۱، ۴۲۲ ج۱ اور ص ۲۹، ۳۰ ج ۳

(۲) ومنہا انہ ان ظن المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقادہ ذلک کفر (رد المحتار، ۲/۴۳۹، سعید)

صحیح العقیدہ شخص کا منذور للہ جانور کو کسی مزار پر ذبح کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱۷۶): - کوئی شخص خاص اللہ کے لئے نذر مانتا ہے، غیر اللہ کا تصور بالکل نہیں کرتا، عقائد بھی درست ہیں لیکن وہ شخص منذورہ جانور کو ذبح کرنے کے لئے کسی بزرگ کے مزار پر لے جاتا ہے جہاں مشرکانہ افعال بکثرت ہوتے ہیں اسکے فعل کے نیک یا بد ہونے کے علاوہ مذبوحہ جانور کا گوشت حلال ہے یا حرام؟

جواب: - صورت مذکورہ میں اس مذبوحہ جانور کا گوشت حرام تو نہ ہوگا، اور نذر بھی ادا ہو جائے گی، لیکن ایسے مزار پر لے جا کر ذبح کرنا مشابہ شرک ہے لہٰذا اس فعل کا گناہ ہوگا۔ [1] واللہ تعالیٰ اعلم

۹/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۰۹/۲۵ د)

مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کو بھگوان یا گاڈ کہنا

سوال (۱۷۷): - ایک پاکستانی مسلمان کسی دباؤ کی وجہ سے خدا وحدہ لاشریک کو خدا وحدہ لاشریک سمجھ کر بھگوان یا رام کہہ دے یا انگریزی زبان میں گوڈ (God) کہہ دے تو کیا وہ شخص دین سے خارج ہو جائے گا۔ یا کوئی کفارہ تو لازم نہیں آتا، جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ صدق دل سے ۲۰، ۲۵ آدمیوں کے درمیان کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول ہیں پھر بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بھگوان، رام کہنے کی وجہ سے تم کافر ہو گئے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: - اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کہنا چاہئے بھگوان یا گوڈ کے لفظ سے اجتناب کرنا چاہئے، [2] لیکن ایسا کہنے سے شخص مذکور کافر نہیں ہوا آئندہ احتیاط رکھے اور جس شخص نے اسے کافر کہا وہ بھی اپنی بات سے توبہ کرے، کسی کے کافر ہونے کا فیصلہ صرف اہل فتویٰ علماء کرام ہی کر سکتے ہیں کسی اور کو اس کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/۴/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۴۱۵/۲۸ ب)

---

(۱) اللهم الا ان قال يا الله انى نذرت لك ان شفيت مريضي اور رددت غائبي او قضيت حاجتي ان اطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة او الإمام الشافعي او امام الليث مما يكون فيه نفع للفقراء والنذر لله عز وجل وذكر الشيخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه او مسجده فيجوز بهذا الاعتبار انظر ايضا البحر ۲/۲۹۸ (رد المحتار ۲/۴۳۹، سعید)

انظر ایضاً: البحر الرائق، ۲/۲۹۸، امداد الفتاویٰ ۲/۱۰۰، ۹۹

(۲) قال المبحث الثاني لا خلاف في جواز اطلاق الأسماء والصفات على البارى تعالىٰ اذا ورد اذن الشرع وعدم جوازه اذا ورد منعه وانما الخلاف فيما لم يرد به اذن ولا منع وكان موصوفا بمعناه ولم يكن اطلاقه موهما بما يستحيل في حقه فعندنا لا يجوز وعند المعتزلة يجوز واليه مال القاضي ابو بكر منا وتوقف امام الحرمين قالوا اهل كل لغة يسمونه باسم مختص بلغتهم كقولهم "خداى وتنكرى" وشاع ذالك وذاع من غير نكير وكان اجماعا قلنا كفى بالاجماع دليلا على الاذن الشرعي وهذا مايقال انه لا خلاف فيما يرادف الاسماء الواردة في الشرع (شرح المقاصد للتفتازانى ۲/۱۷۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پہلے ''یا'' حرفِ نداء لکھنا

سوال (۱۷۸): -حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پہلے حرف ''یا'' لکھنا چاہئے یا نہیں جیسے ''یا محمد'' یا صرف اللہ پاک کی ذات کے لئے مخصوص ہے جیسے ''یا اللہ''۔

جواب: - جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کریں تو اس وقت لفظ ''یا'' کہنا ٹھیک ہے، دوسرے مواقع میں اگر لفظ ''یا'' اس عقیدہ سے لگایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو یہ مشرکانہ عقیدہ ہے اور حرام ہے،[۱] اور اگر اس عقیدہ سے نہ لگایا تب بھی چونکہ سننے والے کو اس سے حاضر و ناظر کے عقیدے کا گمان ہوتا ہے اس لئے اس سے احتیاط لازم ہے۔[۲]

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳۹۵/۲/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۳۰۶ الف)

حضور علیہ السلام کو حرفِ ندا سے خطاب کرنا

سوال (۱۷۹): - ایک مذہب کا خیال ہے کہ ''یا محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہئے یا کالفظ اللہ پاک کی ذات کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔

جواب: - اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی یا رسول کے لئے ''یا'' لفظ کا استعمال کرنا اگر اس عقیدہ سے ہو کہ وہ حاضر و ناظر ہیں ہماری ہر بات ہر وقت سنتے ہیں یا عالم الغیب ہیں بالکل شرک ہے،[۳] اگر اس عقیدہ سے نہ ہو تب بھی مشابہہ شرک ہونے کی وجہ سے احتیاط کرنی چاہئے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۰/۸/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۹۶۳ ب)

---

(۱) قال علمائنا من قال ارواح المشائخ حاضرة یکفر (فتاوی البزازیة ۶/۳۲۶)

(۲) اما العرفی الذی جری علیه اصطلاح الملاحدة والقلندریة فهو ان جمیع الاشیاء مباحة لك فالحق یکفر القائل وغایة الامر ان لا یرخص فی التکلم بامثال هذه المقالة قلت فینبغی اویجب التباعد عن هذه العبارة(ردالمحتار، باب المرتد، ۴/۲۵۹ سعید)

(۳) وفی الخلاصة والخانیة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ینعقد ویکفر لاعتقاده ان النبی یعلم الغیب(البحر الرائق، ۵/۱۵۵)
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں: انبیاء مرسلین را اوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس وہر جا قدرت برجمیع مقدورات ثابت کنند۔

مسجد میں لکھے ہوئے ''یا محمد'' سے لفظ ''یا'' مٹانے والا قابلِ ملامت نہیں

سوال (۱۸۰): - اکثر مسجدوں کی دیواروں اور محراب پر لکھا ہوا ہے یا اللہ یا محمد۔ زید ایک مسجد کا پیش امام ہے اور زید نے یا حرف نداء یا محمد سے مٹا دیا اور کہا کہ ندا مافوق الاسباب اللہ ہی کو ہوتا ہے، غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔ قوم نے انکار کیا اور کہنے لگے کہ آپ غلطی پر ہیں اس کو پھر لکھوالیں، کیا زید اس فعل میں مصاب ہے یا غلطی پر جیسا کہ قوم والے کہتے ہیں اور قوم میں بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں تو پھر نداء لکھنے میں کیا جرم ہے بقول ان کے اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو صحابہ کرام کے خطاب کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس طرح تھا؟ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام عبد یا نبی یا رسول لیا گیا ہے اس میں امت مسلمہ کے لئے احترام کا سبق پایا جاتا ہے۔

جواب: - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ لفظ ''یا'' (حرف نداء) کا استعمال صرف اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ آدمی روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرے، صحابہ کرام بھی یہ لفظ اسی وقت استعمال کرتے تھے جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خطاب کررہے ہوں۔ باقی موقع پر اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس لفظ سے شرک کا وہم پیدا ہوتا ہے پس امام صاحب نے اگر لفظ یا مٹا دیا ہے تو ان کو ملامت نہیں کرنی چاہئے۔

واللہ اعلم

۱۳/۱/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۹۵ الف)

عقیدہ حاضر و ناظر، حرفِ ندا سے صلوۃ وسلام پڑھنا اور یا دستگیر لکھنا

سوال (۱۸۱): - میرے خیال میں ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب شرک میں مبتلا ہیں اور میں اس کی مندرجہ ذیل وجوہات سمجھتا ہوں:

۱- اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ ۲- نماز سے دس پندرہ منٹ پہلے (عشاء اور فجر) الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اور اسی طرح کے تین جملے کہتے ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے۔ ۳- مسجد میں مختلف جگہ پر یا دستگیر اور اسی قسم کے بہت سے جملے لکھے ہوئے ہیں مسجد میں اکثر و بیشتر کھڑے ہوکر سلام پڑھتے ہیں مجھے شرک کی صحیح تعریف معلوم ہوئی تو میں نے ان کے

پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے زیادہ تر بغیر جماعت کے نماز پڑھتا ہوں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر وناظر جاننا مشرکانہ عقیدہ ہے اور اس عقیدے سے یارسول اللہ کہنا بھی شرک ہے اور یادستگیر بھی اگر دستگیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے تو یہ کلمہ کہنا جائز ہے، اور اگر غیر اللہ مراد ہے تو جو مراد ہے اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اس آواز کو سنے گا اور مدد کو پہنچے گا مشرکانہ عقیدہ ہے اور اگر یارسول اللہ اور یادستگیر محض تحصیل برکت کی نیت سے کہا جائے تو گنجائش ہے تاہم ایسے موہم الفاظ سے پرہیز لازم ہے اور کھڑے ہوکر سلام پڑھنا بدعت ہے جسے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ضلالت اور موجب عذاب قرار دیا ہے خصوصاً کھڑا ہونا اگر اس عقیدے سے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں حاضر ہوئے ہیں کیونکہ آپ حاضر وناظر ہیں تو اس عقیدہ مشرکانہ کی وجہ سے یہ قیام بھی بُرا ہے۔[1]

جن امام صاحب کا ذکر آپ نے کیا ہے چونکہ ان کے عقائد یقینی طور پر معلوم نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اقوال کی تاویل کرتے ہوں اس لئے ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا، البتہ جس کے اقوال وافعال یہ ہوں اس کے بدعتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے مگر جماعت کے بغیر نماز پڑھنا اس سے زیادہ بُرا ہے، اس لئے یا تو کسی صحیح العقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں اور جب یہ ممکن نہ ہو تو اسی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔[2]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۲/۱۲/۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۸۲/۲۳ د)

غیر اللہ کے لئے علم غیب کا حصول؟

سوال (۱۸۲):- ماسوائے اللہ تعالیٰ کسی کو علم غیب حاصل ہے یا نہیں؟

جواب:- بیشتر لوگ علم غیب کا صحیح مطلب نہیں جانتے، ناواقفیت میں جھگڑتے رہتے ہیں،[3] علم غیب کا جو اصطلاحی مطلب ہے اس کے لحاظ سے علم غیب ماسوائے اللہ تعالیٰ کسی کو حاصل نہیں،[4] البتہ غیب

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا"۔

(۲) وفی النہر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ (الدرالمختار، کتاب الصلوٰۃ، ۱/۵۶۲، سعید) فی ردالمحتار تحتہ: (قولہ نال فضل الجماعۃ) افاد ان الصلوٰۃ خلفہما اولی من الانفراد

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: حضرت مدظلہم کی کتاب درس مسلم، ج ۱ ص: ۲۵۱ تا ۲۵۸۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (النمل) وقال تعالیٰ: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: ۵۹)۔

کی بہت سے باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو بتلائی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ بتلائی ہیں ان کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ واللہ اعلم

۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۳۱۲/۲۳ رو)

اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا، حاجت روا اور کارساز نہیں

سوال (۱۸۳):- ماسواء اللہ تعالیٰ کوئی پیغمبر، ولی، بزرگ، پیر، کارساز، مشکل کشا، حاجت روا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- اللہ تعالیٰ کے سوا خود بخود کوئی بھی کارساز اور مشکل کشا نہیں، یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے،[۱] لیکن اللہ تعالیٰ جس تصرف کی قدرت اپنے خاص بندوں کو دیدیں اس کا ظہور ان بندوں کی طرف سے ہوجاتا ہے مگر درحقیقت وہ تصرف بھی اصالۃً اللہ جل شانہٗ کا ہی ہے۔ واللہ اعلم

۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۳۱۲/۲۳و)

سماعِ موتیٰ کا عقیدہ

سوال (۱۸۴):- زندہ کے لئے کسی مردے کو بلانا خواہ نزدیک ہو یا دور، اور یہ کہ مردہ سنتا ہے یا نہیں۔ یہ کہیں سے ثابت ہے؟

جواب:- بعض مردوں کا بعض کلام کو سننے کی صراحت تو احادیثِ معتبرہ کے اندر موجود ہے مثلاً مقتولینِ بدر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب کرنا اور ان کا سننا،[۲] نیز قبر پر جاکر سلام کرنا اور مردوں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (یونس)۔

فی تفسیر الطبری تحت هذه الآیة: قال ابو جعفر: یقول تعالی ذکره: ولا تدع یا محمد من دون معبودك وخالقك شیئًا لا ینفعك فی الدنیا ولا فی الآخرة ولا یضرك فی دین ولا دنیا یعنی بذلك الآلهة والأصنام۔ یقول. لا تعبدها راجیا نفعها او خائفًا ضرَّها فإنها لا تنفع ولا تضر۔

...نیز تصرف کی حقیقت سے متعلق تفصیل جاننے کے لئے ملاحظہ فرمائیے شریعت و تصوف، ولفہ مولانا مسیح اللہ صاحب، ۳۴۴۳۳۲

(۲) عن ابی طلحة ان نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم امر یوم بدر باربعة وعشرین رجلا من صنادید قریش فقذفوا فی طوی من اطواء بدر ...... حتی قام علی شفة الرکی فجعل ینادیهم باسمائهم واسماء آبائهم فقال عمر یارسول اللہ ماتکلم من اجساد لا ارواح لها فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم (الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل، ۲: ۵۶۹)۔

عن انس بن مالك ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ترك قتلی بدر ثلاثًا ثم اتاهم فقام علیهم فناداهم فقال یا ابا جهل بن هشام یا امیة بن خلف یا عتبة بن ربیعة یا شیبة بن ربیعة الیس قد وجدتم ما وعد ربكم حقًا فإنی قد وجدت ما وعدنی ربی حقًا. فسمع عمر قول النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال یا رسول اللہ كیف یسمعوا وانّی یجیبوا وقد جیفوا قال والذی نفسی بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم ولكنهم لا یقدرون ان یجیبوا (صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب عرض مقعد المیت من الجنة، ۲: ۳۸۶)۔

کا اسے سننا اور جواب دینا احادیث سے ثابت ہے،[1] اور جن مردوں کا سننا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اس میں عقلاً وشرعاً دونوں احتمال ہیں کہ سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں۔ اس قسم کے مسائل پر ہمارا کوئی شرعی عمل موقوف نہیں نہ آخرت میں ہم سے سوال ہوگا کہ اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ کیا تھا لہٰذا ایسے مسائل میں وقت خرچ کرنا اور لڑنا جھگڑنا کسی طرح مناسب نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/۲۳ و)

نور و بشر اور حاضر و ناظر کا مسئلہ

سوال (۱۸۵):- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر اور حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟

جواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں ہیں، یہ صفت صرف اللہ جل شانہ کی ہے،[2] آپ بشر ہیں مگر ہر انسان اور فرشتے سے افضل ہیں، آپ نور معنوی ہیں اس طرح ظاہری نور نہیں جیسا کہ آفتاب یا چاند کا ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/۲۳ و)

نام کے ساتھ مہدی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطور لقب لکھنا

سوال (۱۸۶):- ایک شخص تعلیم یافتہ ہے، عقل سلیم اور اپنے ہوش وحواس خمسہ کی موجودگی میں اپنے نام کے ساتھ مہدی یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھتا ہے کیا از روئے شرع یہ لکھنا صحیح ہے؟ اور کیا یہ تعزیر ہوسکتی ہے؟

جواب:- اپنے نام کے ساتھ اپنا لقب ''مہدی'' اور ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنا بالکل جائز نہیں۔ تعزیر جاری کرنے کا اختیار صرف حکومت کو ہے عوام کو نہیں، اس کو ہمدردی اور نرمی سے سمجھائیں اگر نہ مانے تو اس سے دوستانہ تعلقات منقطع کرلئے جائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۴/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۵۱۱/۲۵ ج)

---

(۱) عن بريدة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمهم اذا خرجوا الى المقابر فكان قائلهم يقول في رواية ابي بكر السلام على اهل الدار وفي رواية زهير السلام عليكم الخ(صحيح مسلم، كتاب الجنائز،باب ما يقول عند دخول القبور،حديث ايضاً في المشكوة،باب زيارة القبور ج ۱ص ۱۵۴ قديمي)

في المرقاة تحت هذا الحديث ج۳ص ۲۵۲ على ان الصواب ان الميت اهل للخطاب مطلقاً لما سبق من حديث مامن احد يمر بقبر اخيه المومن يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام-

(۲) كما قال تعالى: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحديد:۴)، وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ (سورة ق)-

قوالی سے وجد میں آکر پیر کو سجدہ کرنا؟

سوال (۱۸۷): - ایک شخص قوالی کراتا ہے اور حاضرین جوش وخروش سے ناچتے ہیں۔ پیر صاحب کو یا اس کے پاؤں میں بعض سر رکھ کر سجدہ کرتے ہیں، سجدہ کرنے اور کرانے والوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: - جس قوالی میں باجا، طبلہ، سارنگی وغیرہ بجایا جاتا ہے وہ ناجائز اور حرام ہے، احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، اس میں شرکت کرنے والے بھی گنہگار ہیں انہیں فوراً توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور اپنے اختیار سے قوالی کے دوران ناچنا بھی گناہ ہے، البتہ اگر کوئی اتفاقاً قوالی سنتے سنتے ایسا مست ہوا کہ بالکل ہوش نہ رہا اور بے ہوشی کی حالت میں بے اختیار ناچنے لگا اور اسی بے ہوشی کی حالت میں پیر صاحب کے پاؤں میں سجدہ بھی کر دیا تو ایسا شخص اس بات پر تو گنہگار ہوگا کہ وہ ایسی قوالی میں شریک ہوا لیکن جو حرکتیں بے ہوشی کی حالت میں اس سے صادر ہوئیں ان کا اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں[1]، اور اگر خدانخواستہ اس نے اپنے ہوش اور اختیار سے پیر صاحب کو سجدہ کیا تو یہ فعل بلاشبہ شرک ہے۔ اسے فوراً توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہئے۔[2]

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۹۱/۱۱/۱۸ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۴۴۷د)

اولیاء اللہ یا ان کی قبروں کو سجدۂ تعظیمی کرنا؟

سوال (۱۸۸): - اولیاء کی قبروں کو یا خود اولیاء کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر حرام جاننے کے باوجود کوئی سجدہ کرے تو کیا وہ کافر ہے؟

---

(۱) الرخصة فيما ذكر من الاوضاع عند الذكر والسماع للعارفين الصارفين اوقاتهم الى احسن الاعمال (رد المحتار: ۲۵۹/۴ سعید)

وفي التسهيل في الوجد مراتب وبعضه يسلب الاختيار فلا وجه للانكار بتفصيل انتهى (مجمع الانهر ۲۰۰/۴ كتاب الكراهية فصل في المتفرقات)

وشرائط صحتها العقل والصحو والطوع فلا تصح ردة مجنون ومعتوه وموسوس وصبي لا يعقل وسكران ومكره عليها (الدر المختار ۲۲۴/۴)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: حق السماع مؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور اسلام اور موسیقی تالیف حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) ملاحظہ فرمایئے اگلا مسئلہ بعنوان "اولیاء اللہ یا ان کی قبروں کو تعظیمی سجدہ کرنا کیسا ہے"۔

جواب:- قال الله تعالیٰ: لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔[1]

۲- حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ کرام نے اونٹ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربكم واكرموا اخاكم ولو كنت امر احدا ان يسجد لأحد لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها، یہ حدیث تیں صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے۔[2] (تفسیر معارف القرآن ج:۱ ص:۱۳۱)

۳- فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: من سجد للسلطان على وجه التحية لو قبل الارض لا يكفر ولكن يأثم لارتكابه الكبيرة هو المختار قال الفقيه ابو جعفر وان سجد للسلطان بنية العبادة اولم تحضره النية فقد كفر كذا في جواهر الاخلاطي وفي الجامع الصغير تقبيل الارض بين يدى العظماء حرام وان الفاعل والراضي آثمان كذا في التاتارخانيةتقبيل الارض بين يدى العلماء والزهاد فعل الجهال والفاعل والراضي به آثمان۔[3]

۴- درمختار میں ہے: وكذا مايفعلونه من تقبيل الارض بين يدى العلماء والعظماء فحرام والفاعل والرضي به آثمان لانه يشبه عبادة الوثن وهل يكفر ان على وجه العبادة والتعظيم كفر وان على وجه التحية لا وصارآثمان مرتكبا للكبيرة۔[4]

۵- ردالمحتار (شامی) میں ہے: قال القهستاني وفي الظهيرية يكفر بالسجدة مطلقا(الى قوله)اختلفوافي سجود الملائكة قيل كان لله تعالىٰ والتوجه الى آدم للتشريف كاستقبال القبلة وقيل بل لآدم على وجه التحية والاكرام ثم نسخ بقوله عليه السلام لو امرت احدا ان يسجد لاحدلامرت المرأة ان تسجد لزوجها(تاتارخانية)قال في تبيين المحارم والصحيح الثاني ولم يكن عبادة له بل تحية واكراما ولذا امتنع عنه ابليس وكان جائزا فيما مضى كما في قصة يوسف عليه السلام۔[5]

۶- تفسیر مدارک میں ہے: وكان سجود التحية جائزا ثم نسخ بقوله عليه السلام لسلمان رضى الله تعالىٰ عنه حين اراد ان يسجد له لا ينبغي لمخلوق ان يسجد لأحد الا لله تعالىٰ۔[6]

---

(۱) سورة حمٓ السجدة آیت:۳۷۔

(۲) مشكوٰة المصابيح، باب عشرة النساء، ومالكل واحد من الحقوق ج۲ ص ۲۸۲ و ۲۸۳۔ انظر ايضًا السنن الصغير للبيهقي، كتاب النكاح، ابواب الصداق۔

(۳) ج۶ ص ۱۸،۹ ۳ الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك، رشيديه۔

(۴) كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، ج۶ ص ۳۸۳، سعيد۔

(۵) بحوالہ بالا۔

(۶) ج۱ ص ۴۲ المكتبة العلمية لاهور۔

۷-معالم التنزیل میں ہے: وکان ذالك سجود تعظیم وتحیة لا سجود عبادة کسجود اخوة یوسف (الی قوله) فلما جاء الاسلام ابطل ذالك بالسلام۔[1]

مذکورہ بالا عبارات ونصوص سے واضح ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ جو عبادت کی نیت سے ہو وہ مطلقاً کفر ہے اور کسی بھی شریعت میں جائز نہیں رہا، اولیاء کرام یا انکی قبور کو سجدہ بہ نیت عبادت کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

البتہ غیر اللہ کے لئے جو سجدہ محض تعظیم کے لئے ہو وہ بعض پچھلی امتوں میں جائز تھا مثلاً ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کو اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا سجدہ یوسف علیہ السلام کو مگر شریعت محمد یہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اس کو بھی حرام کر دیا گیا۔ پیچھے نمبر ۲ میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے یہ بیس صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے اور اس کا مضمون درجہ تواتر کو پہنچا ہوا ہے، اس حدیث سے اس امت میں سجدہ تعظیمی بھی مطلقاً حرام کر دیا گیا اس کے حرام ہونے پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔

رہا یہ سوال کہ غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟ تو بعض فقہاء کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر فاسق گنہگار اور مرتکب کبیرہ ہو جاتا ہے بہر حال اس کے حرام ہونے پر سب متفق ہیں جیسا کہ اوپر کی عبارات سے واضح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۹۳/۱۲/۲۵ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۲۵/۶۱ الف)

اسلام کو تنگ نظر، ترقی کی راہ میں رُکاوٹ اور اِسلام کے نام پر زندگی کو ناممکن قرار دینا

سوال (۱۸۹): -ایک مولوی صاحب اور ایک روشن خیال نوجوان کے درمیان نئے فیشن کے بال رکھنے کے متعلق یوں گفتگو ہوئی، مولوی صاحب نے کہا کہ تم نے نئے فیشن کا بال کیوں رکھا ہے؟ نوجوان نے کہا کہ ہم نوجوان ہیں، زمانہ کے ساتھ دے رہے ہیں، مولوی صاحب نے کہا تمہارے والد صاحب بھی تو اسی زمانہ میں رہ رہے ہیں۔ نوجوان نے کہا وہ پرانے آدمی ہیں، ترقی کو کیا جانیں، اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ دراصل تمہارے والد اسلامی اقدار کو اپنائے ہوئے ہیں، نوجوان نے کہا کہ اسلام تو ایک محدود اور تنگ نظر مذہب ہے آئندہ اسلام کا نام لے کر زندہ رہنا بھی مشکل ہوگا، اور اسلام کا نام لے کر ہماری قوم ترقی

(۱) ج ۱ ص ۲۲ طبعة ادارة تالیفات اشرفیة۔

نہیں رکھتی، کیا ایسا نظریہ رکھنے والا دائرۂ اسلام میں داخل ہے؟

جواب:- نئے فیشن کے بال رکھنا تو الگ مسئلہ ہے، لیکن جو شخص اسلام کو تنگ نظر مذہب کہے، اسلام کے نام کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دے، اسلام کے نام کے ساتھ زندہ رہنے کو ناممکن کہے اس کے یہ کلمات کفر کے کلمات کے ہیں، ایسے شخص کو فوراً تجدید اسلام اور صدق دل کے ساتھ توبہ کرنی لازم ہے۔[1]

واللہ اعلم

۲۵/۱۲/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۹۷۵ ج)

اسلام کو دورِ جدید کے لئے کافی نہ سمجھنا کفر ہے

سوال (۱۹۰):- میری لڑکی کے رشتہ کے بارے میں ماموں زاد بھائی کی طرف سے زور دیا گیا ہے، مجھے بھی رشتے میں انکار نہیں، آج کل ویسے بھی موزوں رشتے نہیں ملتے اور یہ تو اپنی کفو کا اور اچھا رشتہ ہے مگر پریشانی یہ ہے کہ لڑکا جس کی عمر ۲۵ سال اور کنوارا ہے وہ موجودہ تحریک کمیونیزم اور لینن سے کافی متاثر ہے اور اسلام کو دورِ جدید کے لئے کافی نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ چودہ سو سال پرانے زمانے کے لئے تو ٹھیک ہوگا مگر موجودہ دور میں لینن کے خیالات ٹھیک ہیں، اس سے پہلے بھی ایک رشتہ ہو کر انہیں خیالات کی وجہ سے لڑکی والوں نے انکار کر دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ آج کل خیالات تبدیل ہو رہے ہیں، کسی رشتہ دار کے یہاں گیا تو غلافوں میں رکھے ہوئے قرآن مجید کو دیکھ کر کہنے لگا کہ دیکھو تو کتنی مٹی چڑھ گئی ہے صاف کر دو، یا کعبہ کی طرف پاؤں نہ کرو۔ اب دل کی بات خدا ہی جانتا ہے مجھ سے تبادلہ خیال کا موقع نہیں ملا۔ اب ان حالات میں آپ مشورہ دیں کہ مجھے کیا راستہ اختیار کرنا چاہئے لڑکے کے والد حافظ قرآن تھے، موزوں رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے پریشان خاطر ہوں۔

جواب:- اسلام کو دورِ جدید کے لئے (نعوذ باللہ) مناسب نہ سمجھنا اور موجودہ دور میں لینن کے خیالات اسلام کے مقابلے میں ٹھیک کہنا یہ عقیدہ کافرانہ ہے، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو وہ دین اسلام سے خارج اور کافر ہے،[2] اور اس سے کسی مسلمان عورت یا لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور صرف اتنی بات سے کہ قرآن کریم کے غلاف سے مٹی صاف کر دو اور کعبہ کی طرف پاؤں نہ کرو، کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر اس تعلیم کو ہمیشہ کے لئے حق جانے اور اس کا اقرار کرے جو

---

(۱) من انکار الشریعة او المسائل التی لابد منها کفر (مجمع الانہر ۲/۵۰۹)۔

انظر ایضاً شرح الفقہ الاکبر، فصل فی العلم والعلماء، ص: ۲۸۸، ۲۸۹۔

(۲) او قال من یقدر علی ان یعمل بما امر العلماء به کفر ای لانه یلزم منه اما تکلیف ما لا یطاق او کذب العلماء علی الانبیاء وهو کفر من قال الشرع وامثاله لا ینفعنی ولا ینفذ عندی کفر (الجواهر والیواقیت ص ۲۹۰)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک بالکل یقینی اور قطعی ذریعہ سے پہنچی ہے،[1] جب تک اس شخص کے عقائد صحیح نہ ہوں اس سے نکاح نہ کریں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں مناسب رشتہ کی تلاش میں رہیں ان شاء اللہ تعالیٰ مشکل حل ہو جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۸/۳/۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۹۷/۳/۲۳ ب)

ختمِ نبوّت کا منکر کافر ہے

سوال (۱۹۱):- زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خدا ایسے بندے نامزد کرتا رہا ہے اور کریگا جن سے کوئی غلطی نہیں ہوتی اور جن کے قول فعل اتنے ہی قابل تقلید ہیں جتنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل، کیا ہم ایسے شخص کو صرف کلمہ پڑھنے کی بناء پر مسلمان کہہ سکتے ہیں؟

جواب:- یہ تو صراحۃً سلسلۂ نبوت خاتم النبیین کے بعد جاری رہنے کا عقیدہ ہے جو قرآنِ کریم کے صریح خلاف اور کفر ہے۔[2]

واللہ اعلم
۹/۹/۱۳۹۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۱۴۶ ج)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر مبعوث ہوئے'' کے قائل کو کافر کہنا

سوال (۱۹۲):- ایک عالم دین نے اپنی تقریر کے درمیان یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائش (عالم نور) میں سب سے اوّل، بعثت میں سب انبیاء سے آخر اور قیامت کے روز فیصلہ میں سب سے مقدم بنایا ہے، ایک شخص نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعثت میں مؤخر ہرگز نہیں۔ مولوی صاحب نے قرآن شریف کی آیت وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ....الی.... یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ پڑھ کر سنایا پھر بھی انکار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مولوی صاحب مسلمان ہیں اور نہ حاضرین، شرعاً اس شخص کا کیا حکم ہے اس کا نکاح باقی رہا ہے یا نہیں؟

---

(۱) واما فی الشرع فهو التصدیق بما علم مجیء النبی صلی اللہ علیہ وسلم به ضرورة تفصیلا فیما علم تفصیلا واجمالا فیما علم اجمالا وهذا مذهب جمهور المحققین(مقدمه فتح الملهم ۱/۲۲۴، طبع مکتبة دارالعلوم کراچی)

(۲) واما الایمان بسیدنا علیه الصلاة والسلام فیجب بانه رسولنا فی الحال وخاتم الانبیاء والرسل فاذا امن بانه رسول ولم یومن بانه خاتم الرسل لا ینسخ دینه الی یوم القیامة لا یکون مؤمنا(البزازیة علی هامش الهندیة۶/۳۲۴، رشیدیه)

... نیز تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے حضرت مفتی محمد شفیع کی کتاب ختم نبوت

جواب :- اعتراض کرنے والے شخص کی بات غلط ہے اور ناواقفیت پر مبنی ہے اور اس نے مولوی صاحب اور حاضرین کو جو کافر کہا یہ کہنا سخت حرام ہے، مسلمان کو کافر کہنے پر سخت وعید حدیث شریف میں آئی ہے،[۱] یہ شخص اپنی بات سے فوراً توبہ واستغفار کرے اور سکون اور اطمینان سے مولوی صاحب کی پوری بات سمجھ لے، تقریر کرنے والے حضرات کو بھی تقریر میں ایسی بات کہنے سے پرہیز کرنا لازم ہے جو عوام اور ناواقف لوگ نہ سمجھ سکیں یا اس سے غلط فہمی کا شکار ہو جائیں، اگرچہ بات فی نفسہ حق ہو۔[۲] واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ / ۱ / ۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۸۲ / ۲۵ الف)

خدا رسول اور قرآنِ کریم کے منکر کافر ہے

سوال (۱۹۳) :- جو عورت خدا کو نہ مانے اور نہ ہی اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو اور نہ ہی کلام مجید پر ایمان رکھتی ہے، اس عورت کا کیا حکم ہے؟ اس کا خاوند اس عورت کو کس صورت میں رکھ سکتا ہے؟

جواب :- جو عورت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم پر واقعی ایمان نہ رکھتی ہو، کافر ہے مگر کسی کے اوپر یہ حکم لگانا کہ وہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف پر ایمان نہیں رکھتا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ واضح طور پر ان کا انکار نہ کرے۔ اگر اس نے کوئی ایسی بات کہی ہے جس سے آپ نے اس کا یہ عقیدہ سمجھا ہے تو وہ الفاظ لکھ کر بھیجیں خود اس کے کافر ہونے کا حکم نہ لگائیں۔ اگر عورت پہلے مسلمان تھی بعد میں کافر ہو گئی تو نکاح ختم ہو گیا۔[۳] واللہ اعلم

۲۲ / ۴ / ۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۷۹۸ / ۲۵ د)

---

(۱) انه سمع ابن عمر يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايماامرئ قال لاخيه كافر فقد باء احدهما ان كان كما قال والا رجعت عليه (الجامع الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان من قال لاخيه المسلم يا كافر)

(۲) (فذكر ان نفعت الذكرى) اى ذكر حيث تنفع التذكرة ومن هنا يوخذ الادب فى نشر العلم فلا يضعه عند غير اهله كما قال امير المؤمنين على رضى الله تعالىٰ عنه ماانت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم الا كان فتنة لبعضهم وقال حدث الناس بمايعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله (التفسير لابن كثير ۴/۴۰۲)

(۲) وقال على حدثوا الناس بما يعرفون (صحيح البخارى، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا)

فتح البارى ۱/۲۰۰ (قوله حدثوا الناس بمايعرفون) اى يفهمون (دعوماينكرون) اى يشتبه عليهم فهمه

(۳) والكفر لغة الستر وشرعا تكذيبه صلى الله عليه وسلم فى شيء مماجاء به من الدين ضرورة (الدر المختار، باب المرتد ج ۴ ص ۲۲۲، سعيد)

من لم يقر ببعض الانبياء عليهم الصلاة والسلام فقد كفر اذا انكر الرجل آية من القرآن او تسخر باية من القرآن الكريم وفى الخزانة او عاب كفر كذا فى التاتارخانية (الهندية ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۶)

یہاں کے مولویوں کی ڈاڑھی سکھوں کی جھانٹوں کی مانند ہے، کہنے والے کا حکم

سوال (۱۹۴): - ایک شخص جس نے روبرو شاہدین کے مندرجہ ذیل الفاظ کہے ہیں۔ ''یہاں کے مولویوں کی ڈاڑھی سکھوں کی جھانٹوں کی مانند ہے۔'' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: - یہ جملہ بول کر اس شخص نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے جس کے باعث وہ فاسق ہوگیا اس پر فوراً توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔ حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "سباب المسلم فسوق" یعنی مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے العیاذ باللہ۔[1]

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳۹۴/۱/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۵۲/۲۵ الف)

مسلمان کو کافر کہنے والے، ڈاڑھی کی توہین کرنے والے اور کتبِ حدیث کے منکر کا حکم

سوال (۱۹۵): - محمد شریف ولد کرم داد خان نے اپنے محلّہ کے امام اور استاد کو ایک مسئلہ پر بحث کرتے کرتے ایسی گالیاں دیں جو قابل بیان نہیں ہیں بلکہ چند مسلمانوں کے سامنے یہ کہا کہ مولوی نہیں ہے شیطان ہے بلکہ سکھ ہے، کافر ہے ڈاڑھی تو سکھوں کو بھی ہوتی ہے بلکہ اس کو گرا کر اس کی ڈاڑھی میں پیشاب کروں گا۔ ایسے الفاظ استعمال کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

حدیث شریف میں مسلم شریف، بخاری شریف، موطا امام مالک اور فتاوٰی میں فتاوٰی ہندیہ، فتاوٰی بدیع الدین صاحب وغیرہ میں ہے کہ مسلمان کو ایسے الفاظ کہنے پر کفر لازم آتا ہے چہ جائیکہ امام اور استاد۔

جواب: - مسلمان کو کافر کہنا ایسا سخت گناہ ہے کہ کہنے والے کے کافر ہوجانے کا خطرہ ہے،[2] اور ڈاڑھی کی توہین اگر اس عقیدہ سے کی جائے کہ چونکہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس لئے قابلِ اہانت ہے تو اس عقیدے والا شخص شرعاً کافر ہے،[3] مسلمانوں کو شیطان کہنا بھی حرام ہے، اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ کتابیں احادیثِ نبویہ ہیں یہ کہنا میں کہ ان کو نہیں مانتا کلمۂ کفر ہے، اگر اس کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ

---

(۱) الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان قول النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق، حدیث: ۲۳۰)

(۲) ومن شتم عالماً او فقیہاً من غیر سبب خیف علیہ الکفر (الفتاوی التاتارخانیۃ ۵/۳۲۵)

(۳) وقص الشارب من سنن الانبیاء فتقبیحہ کفر بلا اختلاف بین العلماء (شرح الاکبر ص ۲۱۳ فصل فی العلم والعلماء)

..... انظر ایضاً: الھندیۃ ج۱ ص ۳۶۵

حدیث کو نہیں مانتا تو کافر ہو گیا تجدید ایمان کرے۔[1]

اور اگر عقیدہ کفریہ نہیں تھا تب بھی یہ کلمات مجموعی طور پر کفریہ ہیں ایسا شخص فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور صدقِ دل سے توبہ کرے اور جن لوگوں کے سامنے یہ باتیں کہی تھیں ان کے سامنے اعلان کرے کہ میں نے یہ کلمات کفریہ عقیدے سے نہیں کہے اور یہ کلمات غلط تھے، میں نے ان سے توبہ کر لی ہے۔ یہ اعلان اس لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے یہ شخص کافر نہیں ہے، اس اعلان سے نہ شرمائے، دُنیا کی ندامت آخرت کے دائمی عذاب کے مقابلے میں کچھ نہیں، معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، اگر نکاح میں بیوی ہے تو تجدید نکاح بھی کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۹۳؍۲؍۱۶ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۴۴۱ ب)

ڈاڑھی والے کو بکرا کہنے اور صحابہ کی توہین کرنے کا حکم

سوال (۱۹۶):- مسمّٰی سید مظہر حسین شاہ نے صوفی محمد زرداد اور مولوی احسان الحق (جنہوں نے شرعی داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں) کو دیکھ کر مسمّٰی مظہر حسین نے روبرو گواہان کہا کہ وہ دونوں بکرے جا رہے ہیں، حالانکہ ماسوائے ہم دونوں کے وہاں نہ تو بکری تھی اور نہ بکرا تھا، آج سے دو ماہ پیشتر سید مظہر حسین شاہ ایک ایسے شخص کا عملی معاون و مددگار رہ چکا ہے جس نے صحابہ ثلاثہ کی شان میں توہین کی اور بروئے فتویٰ وہ علاقہ بدر کیا گیا۔ سید مظہر حسین شاہ اپنے آپ کو شیعہ فرقہ سے منسلک بیان کرتا ہے، صحابہ کی بھی توہین کا ارتکاب کر چکا ہے، کل کا اس کا یہ فعل ہمارے نزدیک شرمناک ہے کیونکہ اس نے داڑھی والوں کو بکرا کہا ہے اور ہم لوگ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں ایسے شخص کے ساتھ تعلقات، از قسم مشترکہ نماز یا جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اسکے جو مددگار لوگ ہیں ان کے ساتھ ہمارا تعلق رہنا چاہئے یا نہ، کیا توہینِ سنت اور توہینِ رسول میں کچھ فرق ہے؟

جواب:- اس شخص نے یہ جملہ بول کر سخت گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے اور صحابہ کرام کی توہین بھی سخت گناہ کبیرہ ہے، اہل سنت والجماعت مسلمانوں کو حق ہے کہ ایسے شخص سے دوستانہ تعلقات منقطع کر لیں اور جب تک وہ اپنی ان قبیح حرکتوں سے توبہ نہ کرے اپنی مسجد میں نہ آنے دیں اور اس کی شادی بیاہ میں

---

(۱) والحاصل انه اذا استخف بسنة او حديث من احاديثه عليه السلام كفر (البزازية على هامش الهندية ۶/۳۲۸)

.. انظر ايضًا: شرح الفقه الاكبر، فصل في العلم والعلماء، ص ۲۱۵

شرکت نہ کریں مگر جب تک اس کا صریح کفر ثابت نہ ہو، اسے کافر نہیں کہا جاسکتا جو جملہ اس نے کہا ہے محتمل التاویل ہے۔(۱) واللہ اعلم

۲۹/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱/۲۶ الف)

قرآن مجید اور احادیث رسول کو کہانی کہنے والے کا حکم

سوال (۱۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء امت ان مسائل میں کہ کسی شخص کا قرآن شریف وحدیث شریف کو کہانی کہنا کفر میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب:- قرآن شریف اور حدیث شریف کو کہانی کہنا سخت بے ادبی ہے اگر استہزاء کے طور پر کہے یا کہانی کی طرح جھوٹا کہنا مراد ہے تو کفر ہے،(۲) العیاذ باللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸/۳/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۴۲۹ الف)

نماز، حدیث کا منکر، ڈاڑھی کو نکما کام اور قرآنِ کریم کی بعض سورتوں کو اہلِ محلّہ کی موت کا سبب قرار دینے والا کافر ہے

سوال (۱۹۸):۱- ایک شخص نماز پنج گانہ نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ قرآنِ کریم میں نماز کا حکم پڑھنا نہیں بلکہ دِل میں قائم کرنا ہے اس لئے صرف صبح کی نماز پڑھتا ہے اور باجماعت بھی نہیں پڑھتا۔

۲- حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ان لوگوں کے گھروں کو جلادوں جو اذان سن کر نماز پڑھنے مسجد میں نہیں آتے، اس حدیث کو سن کر کہتا ہے کہ جھوٹ ہے۔

۳- اب اس شخص کی عمر ۶۰، ۷۰ سال کی ہے ڈاڑھی نہیں رکھتا اور کہتا ہے کہ ان بالوں میں کچھ نہیں، نکما کام ہے۔

۴- امام مسجد جماعت کراتے وقت قراءت پڑھتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتا ہے کہ مولوی ہر روز ایک دوسورتیں پڑھتا ہے جس میں لوگوں کے مارنے کی دُعا ہے، ابھی بستی میں چند موتیں ہوئی ہیں ان کی وجہ یہی سورتیں ہیں۔

---

(۱) واعلم انّه لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفرہ خلاف ... الخ (الدر المختار ج:۴ ص:۲۲۹)۔

(۲) اذا انکر الرجل آیة من القرآن او تسخر بآیة من القرآن وفی الخزانة او عاب کفر کذا فی التتارخانیة (الهندیة ج ۲ ص ۲۶۶)

والحاصل انه اذا استخف بسنه او حدیث من احادیثه علیه السلام یکفر (البزازیة علی الهندیة ۶/۳۲۸)

جواب:- از نمبر ایک تا نمبر ۴ جو عقائد بیان کئے گئے ہیں سب ملحدانہ اور کافرانہ عقائد ہیں، اگر اس شخص کے یہی عقائد ہیں کہ پانچوں نمازیں روزانہ پڑھنا فرض نہیں سمجھتا، ڈاڑھی رکھنے کو نکما کام سمجھتا ہے، قرآن مجید کی بعض سورتوں کو محلّہ کی اموات کا سبب سمجھتا ہے اور ان باتوں کا صریح طور پر اقرار کرتا ہے تو یہ شخص کافر ہے۔[1] اگر صریح طور پر ان عقائد کا اقرار نہیں کرتا، تاویلات سے کام لیتا ہے تب بھی فاسق ضرور ہے ایسے شخص سے دوستانہ تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۶/۹/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۱۲/۲۵ و)

قرآنِ حکیم اور انبیاء کی توہین کرنا اور حضرت حسین کو انبیاء سے افضل قرار دینا

سوال (۱۹۹):- اخبار کا ایک تراشہ ارسال خدمت ہے جس میں انبیائے کرام علیہم السلام اور قرآنِ کریم کی توہین کی گئی ہے اور سیّدنا حضرت حسین کو انبیاء سے افضل بتایا گیا ہے، کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انبیائے کرام سے افضل ماننے والے مسلمان ہیں، اگر یہ مسلمان نہیں ہیں تو مکہ مکرمہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح ان کے داخلہ پر پابندی کیوں نہیں ہے؟

جواب:- پوری اُمت کا اجماع ہے کہ نبی سے اونچا درجہ کسی انسان صحابی، ولی، صدیق وغیرہ کا نہیں ہوسکتا،[2] جو شخص صراحۃً کسی غیر نبی (صحابی وغیرہ) کو نبی سے افضل قرار دیتا ہو، کافر ہے۔[3] منسلکہ تراشے کا مضمون اگرچہ غیر محتاط اندازِ بیان پر مشتمل ہے اور اس کے متعدد جملوں سے انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں ایک گونہ گستاخی مترشح ہوتی ہے جو بہت قبیح اور سخت ناجائز حرکت ہے، لیکن محض ان جملوں کی بنا پر

---

(۱) من قال لا اصلی جحوداً او استخفافاً او علی انہ لم یومر اولیس بواجب انتھی فلا شك انہ کفر فی الکل (شرح الاکبر فصل فی القراءۃ والصلوۃ ۲۸۳) وفیہ ص۲۸۹ من قال لفقیہ یذکر شیئاً من العلم او یروی حدیثاً صحیحاً ای ثابتاً لا موضوعاً ھذا لیس بشئی مردا کفر۔

ولو قال این چہ رسم است سبلت بست کردن ودستار بزیر گلو آوردن (ماھذہ العادۃ تقصیر الشرب وارخاء الطیلسان تحت الرقبۃ) فان قال ذالك علی سبیل الطعن فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد کفر کذا فی المحیط (الھندیۃ ۲/۲۶۵)

وفیہ ایضا: اذا انکر الرجل آیۃ من القرآن اوتسخر بآیۃ من القرآن وفی الخزانۃ اوعاب کفر کذا فی التاتارخانیۃ۔

(۲) اجمعت الامۃ علی ان الانبیاء افضل الخلیقۃ وان نبینا علیہ الصلوۃ والسلام افضلھم الخ (ردالمحتار ج۱ ص۵۲۷)

(۳) ان الولی لا یبلغ درجۃ النبی لان الانبیاء علیھم السلام معصومون مامون عن خوف الخاتمۃ ومکرمون بالوحی فمانقل عن بعض الکرامیۃ من جواز کون الولی افضل من النبی کفر ضلالۃ والحاد وجھالۃ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۲۱)

کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان جملوں کی تاویل ممکن ہے اور جب تک کسی کے کلام میں تاویل ممکن ہو اس کی تکفیر سے فقہاء نے منع کیا ہے۔[1]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۰/۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۵/۲۵ الف)

''پانی پتی لہجے کے علاوہ تلاوت کرنے والے قرآنِ کریم کے ساتھ زنا کرتے ہیں'' کہنے والے کا حکم

سوال (۲۰۰): - ایک شخص قاری القرآن ہو اور باقی علوم دینیہ سے بھی واقف ہو اور وہ یہ کہے کہ جو قاری پانی پتی کے علاوہ قرآنِ حکیم کی شب و روز تلاوت کرتے ہیں اور تعلیم و تعلّم کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ (نقلِ کفر کفر نباشد) قرآنِ حکیم کے ساتھ زنا کرتے ہیں، ایسے جاہل حیوان نما انسان کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: - یہ کلمہ سخت نازیبا اور گستاخانہ ہے، یہ شخص فوراً توبہ و استغفار کرے، سزا جاری کرنے کا اختیار حکومت کو ہے، شرعاً عوام کو اِختیار نہیں،[2] اگر اسلامی قانون جاری ہوتا تو اس شخص کو سزا دی جاتی۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۴/۴/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۶۶۲/۲۵ ج)

قرآنِ کریم سناتے ہوئے بچے کے خاموش ہونے پر بھونکتا کیوں نہیں کہنے کا حکم

سوال (۲۰۱): - میرا لڑکا تقریباً ۹ سال کا ہے اردو کی پہلی جماعت میں پڑھتا ہے نماز بھی سکھا دی ہے، کل میں نے قرآن مجید کا سبق پوچھا تو اس نے کہا میرا سبق وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ تک ہے، خَتَمَ اللّٰهُ سے سبق کچا ہے، میں نے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ تک یاد کرایا، جب قُلُوْبِهِمْ پر پہنچا تو اس کو نہ آیا، میں نے اس کو غصّے میں کہا پڑھ، اس نے پھر کچھ دیر کے بعد وَعَلٰى کہا، میرے منہ سے نکل گیا ''بھونکتا کیوں نہیں ہے؟'' اس پر مجھے شرمندگی ہوئی کیونکہ میں قرآن مجید پڑھا رہا تھا، دل میں وسوسہ ہے

---

(۱) واعلم انه لا يفتي بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان في كفر خلاف الخ (الدر المختار ج۴ ص۲۲۹، سعيد)۔
(۲) واستيفاء العقوبات المحكوم بها في جرائم التعزير من حق ولي الأمر او نائبه ايضا ... وليس لأحد غير الإمام او نائبه إقامة عقوبة التعزير (التشريع الجنائي الإسلامي ج۱ ص ۵۸۲)۔

کہ کہیں کلمۂ کفر تو نہیں جس سے ایمان جاتا رہے اور تجدید نکاح کرنا پڑتا ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ سے کس طرح معافی مانگوں؟

جواب :- کلمہ واقعی سخت ہے مگر چونکہ غیر اختیاری طور پر نکلا ہے، نیت اس حکم کے ذریعہ کلام اللہ کی توہین کی نہ تھی، اس لئے ایمان کے منافی نہیں[1]، اور تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، اور توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کلمے کو بہت بُرا سمجھیں، اس پر نادم ہوں اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم صحیح کرلیں اور استغفار بھی کریں اس کے بعد مطمئن ہوجائیں۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲/۳/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳/۳۱۸ ب)

"ذکرِ خدا فانی ہے اور ذکرِ مصطفیٰ غیر فانی" کہنے والے کا حکم

سوال (۲۰۲):- پاکستان میں میرے والد صاحب نے ایک مرتبہ یوں کہا تھا "کہ ذکرِ خدا فانی ہے اور ذکرِ مصطفیٰ غیر فانی ہے" اور استدلال انہوں نے اس آیت سے کیا کہ "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" جب سب کچھ فانی ہوگا تو خدا مصطفیٰ کا ذکر کرتا رہیگا اور خدا کا ذکر کرنے والا کوئی نہ ہوگا وہ بریلوی ہیں، میرے والد صاحب پر ایسا کہنے پر کفر تو لازم نہیں آیا؟

مجھے والد صاحب کو خط لکھنا پڑتا ہے اس میں سلام لکھتا ہوں زکوٰۃ کی رقم بھیجنا چاہتا ہوں تاکہ مستحقین کو تقسیم کردیں، کیا میں ایسا کرسکتا ہوں؟

جواب :- والد صاحب کے اس جملے سے کفر تو لازم نہیں آیا، لیکن ان کو اس طرح سے بات نہیں کہنی چاہئے تھی، آپ ان کے لئے ہدایت کی دعا بھی کرسکتے ہیں اور فضل وکرم کی بھی، کیونکہ ان پر کفر لازم نہیں آیا، اور انہیں سلام بھی کرسکتے ہیں ان کے ساتھ وہی تعلقات رکھیں جیسے کہ ایک مسلمان بیٹے کو مسلمان باپ سے رکھنے چاہئیں، زکوٰۃ بھی حسبِ سابق ان کے ذریعہ تقسیم کراسکتے ہیں۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۱۸/۶/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۷۶/۲۴ھ)

---

(۱) وان لم یکن قاصدا فی ذلک بان اراد ان یتلفظ بلفظ آخر فجری علی لسانہ لفظ الکفر من غیر قصد وذلک نحو ان اراد ان یقول لا الہ الا اللہ فجری علی لسانہ ان مع اللہ آلھۃ اخری او اراد ان یقول بحق اینکہ توخدائی وما بندگان تو فجری علی لسانہ العکس لا یکفر (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۵ ص ۳۱۲)

صحیح بات کرنے سے کفر لازم نہیں آتا

سوال (۲۰۳): - قالین کی موجودگی میں میز پر کھانا رکھ کر کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی شرعی حیثیت کیا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ میں اور میری بیوی کرسی میز پر کھانا کھایا کرتے تھے بعض مرتبہ جی چاہا تھا کہ نیچے قالین پر بیٹھ کر کھانا کھایا جائے، میں اپنی بیوی سے اپنے خیال کو ظاہر نہیں کرتا تھا کہ کہیں وہ مذاق نہ اڑائے، ایک روز اپنے خیال کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگی کہ میں خوش ہوں میں نے اپنے میکے میں اسی طرح کھایا کرتی تھی، اس طرح میری بیوی نے جواباً کہا کہ یہ تو معلوم نہیں کہ سنت ہے البتہ سنا ہے کہ ثواب ہوتا ہے، کھڑے ہوکر کھانے سے کرسی پر بیٹھ کر کھانا بہتر ہے اور کرسی پر بیٹھ کر کھانے سے زمین پر بیٹھ کر کھانا بہتر ہے جو کچھ تحریر کیا کسی بات سے کفر تو لازم نہیں آیا؟

جواب: - کرسی میز پر کھانا، کھانا سنت سے ثابت نہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ زمین پر کوئی فرش مثلاً قالین، دری یا چٹائی وغیرہ بچھا کر اس پر بیٹھ کر کھانا کھائیں، لیکن کرسی میز پر کوئی کھانا کھالے تو اس سے بھی جھگڑنا نہیں چاہئے کیونکہ کرسی میز پر کھانا کھانا بھی گناہ نہیں، اور اس معاملے میں بیوی نے جو عمل کیا اور آپ کی اور اس کی جو گفتگو ہوئی اس سے نہ آپ پر کفر لازم آیا اور نہ بیوی پر، آپ کی بیوی نے یہ بات ٹھیک کہی کہ کھڑے ہوکر کھانے سے کرسی پر بیٹھ کر کھانا بہتر ہے اور اس سے بہتر زمین پر بیٹھ کر کھانا ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد رفیع عثمانی
محمد عاشق الٰہی	۱۸/۶/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۷۶/۲۴ء)

دو متضاد باتیں سوچنے سے کفر لازم نہیں آتا

سوال (۲۰۴): - میری ایک شخص سے ایک دن بات ہوئی اس کے چلے جانے کے بعد دل میں سوچا کہ میں اس کو کہوں گا تم کو وہم ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں، پھر خیال ہوا کہ ہر بیماری کا علاج ہے۔

جواب: - اس سے کفر لازم نہیں آیا۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد رفیع عثمانی
محمد عاشق الٰہی	۱۸/۶/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۷۶/۲۴ء)

مرتے وقت جسے کلمہ اور توبہ نصیب نہ ہو وہ مسلمان مرا یا کافر

سوال (۲۰۵):- جو آدمی کلمہ پڑھ چکا ہے مرتے وقت اس نے کلمہ نہیں پڑھا اور گناہ سے توبہ نہیں کی وہ مسلمان مرا یا نہیں؟

جواب:- جو شخص ایک مرتبہ کلمہ پڑھ چکا ہو، پھر اس نے کفر بھی نہیں کیا اور مرتے وقت کلمہ طیبہ نہیں پڑھا، تو اس کے مسلمان ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے اور جو گناہ اس نے اپنی زندگی میں کئے اگر مرنے سے پہلے ان سے توبہ نہیں کی تب بھی وہ کافر نہیں ہوا بلاشبہ مسلمان مرا[1] البتہ وہ شرعاً فاسق ہے، کافر نہیں، ایسے شخص کے لئے دُعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرنا چاہئے تاکہ گناہوں کے عذاب سے بچ جائے۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۲/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۵۶۵/۲۳ ب)

''میں کیا جانوں شریعت کیا ہوتی ہے'' کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟

سوال (۲۰۶):- داماد محمد نذیر نے روبرو گواہوں کے سائل کو ناجائز الفاظ کہے۔ ہم نے جب اس کو کہا خلافِ شرع بات استعمال نہ کرو، تو اس نے کہا میں کیا جانوں شریعت کیا ہوتی ہے، نیز اس نے زوجہ پر بہتان لگا کر اور اس کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا، زوجہ اپنے والدین کے ہاں چلی گئی، اس نے نکاح کے وقت یہ معاہدہ کیا تھا کہ مساۃ والدین کے پاس رہے گی اور اس کے اخراجات میں برداشت کرونگا، لیکن درمیان میں اس نے یہ معاہدہ توڑ کر ان کو اپنے گھر لے گیا تھا تو اب اس نے مار کر واپس کر دیا ہے، اس کو تحریر کے مطابق اخراجات دینے کو کہا گیا تو وہ بالکل انکاری ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں اس کو نان ونفقہ ہرگز نہیں دونگا، ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب:۱- محمد نذیر کا جملہ ''میں کیا جانوں کہ شریعت کیا ہوتی ہے'' اپنے متبادر معنی کے لحاظ سے

---

(۱) عن عثمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة (في الجامع الصحيح لمسلم ۱/۴۱ باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا)۔

قال النووي تحته: واعلم ان مذهب اهل السنة وماعليه اهل الحق من السلف والخلف ان من مات موحدا دخل الجنة قطعا على كل حال فان كان سالما من المعاصي كالصغير والمجنون الذى اتصل جنونه بالبلوغ والتائب توبة صحيحة من الشرك او غيره من المعاصي فكل هذا الصنف يدخلون الجنة ولا يدخلون النار اصلا واما من كانت له معصية كبيرة ومات من غير توبة فهو في مشية الله تعالىٰ فان شاء عفا عنه وادخله الجنة اولا وجعله كالقسم الاول وان شاء عذبه ثم يدخله الجنة فلا يخلد في النار احد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصي ماعمل كما انه لا يدخل الجنة احد مات على الكفر ولو عمل من اعمال البر ماعمل۔

کافرانہ کلمہ ہے،[1] مگر چونکہ اس میں تاویل ہوسکتی ہے لہٰذا اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔[2] مگر اس نے یہ کلمہ بول کر سخت حرام کا ارتکاب کیا ہے اور ایمان کو خطرے میں ڈال دیا اسے فوراً توبہ کرنی چاہئے۔[3]

۲- بیوی کے حقوق ادا کرنے اس پر شرعاً واجب ہیں، ادا نہ کرنے پر سخت گنہگار ہوگا، اگر وہ بیوی کے ان حقوق کو ادا نہ کرے تو عدالتی چارہ جوئی بیوی کی جانب سے کی جاسکتی ہے۔ بہتر ہے کہ ایسی صورت میں اس سے طلاق یا خلع حاصل کرلیا جائے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۹/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۳۸/۲۲ ج)

''نہ میں شریعت جانتا ہوں اور نہ مسلمان ہوں'' کہنے کا حکم

سوال (۲۰۷):- عبد الغفور نامی گجر کو میں نے کسی بات پر کہا کہ تم مسلمان نہیں ہو، کیا تم شریعت نہیں جانتے ہو۔ وہ بولا نہ میں شریعت جانتا ہوں اور نہ مسلمان ہوں، جب تیسری دفعہ اس سے بات دُہرانے کے لئے کہا تو اس نے مجھے مارنا شروع کر دیا، اب حل طلب بات یہ ہے کہ عبد الغفور ولد سردار قوم گجر نے تین دفعہ کہا ہے کہ وہ نہ تو مسلمان ہے اور نہ ہی شریعت جانتا ہے، بحیثیت مسلمان کیا اس کا نکاح اب بھی قائم ہے یا فسخ ہوگیا؟

جواب:- آپ نے اس شخص کو یہ کہا کہ تم مسلمان نہیں ہو یہ آپ نے سخت گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا، کسی مسلمان کو غیر مسلم کہنا حرام ہے، حدیث شریف میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، آپ فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کریں اور اس شخص سے بھی معافی مانگیں،[4] اس نے جو جملہ آپ کے جواب میں کہا یہ کلمۂ کفر ہے،[5] لیکن چونکہ یہ احتمال ہے کہ اس نے یہ جملہ استفہامِ انکاری کے طور پر کہا ہو اس لئے اس شخص کو محض اس

---

(۱) قال من شریعت چہ دانم اوقال دبوس ہست من شریعت راچہ کنم یکفر (البزازیة علی ہامش الهندية ۳۳۸/۶) انظر ایضاً: خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۸۸، والهندية ۲/۲۷۰، ۲۷۱

(۲) واعلم انه لا یفتی بکفر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن (الدر المختار ج۴ ص۲۲۹، سعید)۔

(۳) وما کان في کونه کفر اختلافا فان قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذالك بطریق الاحتیاط وما کان خطأ من الالفاظ ولا توجب الکفر فقائله مؤمن علی حاله ولا یؤمر بتجدید النکاح ولکن یومر بالاستغفار والرجوع عن ذالك والله تعالیٰ اعلم (التاتارخانية ۵/۴۶۳، قدیمی)

(۴) قد مرّ تخریجه تحت عنوان '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں مبعوث ہوئے'' کے قائل کو کافر کہنا۔

(۵) ملاحظہ فرمائیے اسی صفحے کا حاشیہ نمبر ۱۔

جملے کی بنا پر کافر نہیں کہیں گے اور اس کا نکاح بھی ختم نہیں ہوا مگر یہ شخص اس جملے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوا، فوراً وہ بھی توبہ واستغفار کرے اور احتیاطاً تجدیدِ نکاح بھی کر لے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۶/۷ الف)

''زکوٰۃ مجھ پر تاوان ہے'' کہنے والے کا حکم

سوال (۲۰۸): - اگر عورت یہ کہے کہ یہ زکوٰۃ مجھ پر تاوان ہے اب تو دیتی ہوں پھر اس جمع شدہ رقم وغیرہ کو کہیں خرچ کر دوں گی اور اللہ تعالیٰ کا مجھ جیسی عورت پر بھی ظلم ہے تو کیا یہ کلمات کفریہ ہیں؟ کیا عورت مذکورہ کو ایمان کی تجدید اور توبہ لازم ہے اگر یہ کلمات کفریہ ہیں تو پھر اس سے نکاح ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ اگر ٹوٹ گیا ہے تو تجدیدِ نکاح کیسے ہوگا؟

جواب: - اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنا کفر ہے،(۱) لہٰذا یہ کلمات کفریہ ہیں عورت فوراً صدقِ دل سے توبہ واستغفار کرے اور جن لوگوں کے سامنے یہ کلمات کہے تھے ان کے سامنے احتیاطاً کلمۂ طیبہ بھی پڑھ لے اور بتا دے کہ میں نے ان کلمات سے توبہ کر لی ہے۔ احتیاطاً تجدیدِ نکاح کرنی چاہئے،(۲) عام نکاحوں کی طرح یہ نکاح بھی ہوگا اس میں مہر بھی نیا مقرر ہوگا، عقدِ نکاح صحیح ہونے کے لئے کم از کم دو عاقل بالغ مرد یا انہی صفات کا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونا ضروری ہیں، گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، نکاح کا اعلان کرنا ضروری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

محمد عاشق الٰہی — ۵/۹/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۳۹۵ ز)

رضا بکفر الغیر کفر ہے یا نہیں؟

سوال (۲۰۹): - یہاں ایک مولانا صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان مرد کے پاس کافرہ عورت ہو اور وہ عورت شرک کے رسم ورواج پر کھلم کھلا گامزن ہو اور ساتھ ہی اپنے عبادت خانہ کو جاتی ہو اور اپنی اولاد کو کفر کی ترغیب دیتی ہے اور وہ مسلمان شوہر اس کو کچھ نہیں کہتا تو وہ شخص بھی کافر ہے۔ کیا یہ بات ایسی ہی ہے؟

---

(۱) قال ابو حفص رحمہ اللہ تعالیٰ من نسب اللہ تعالیٰ الی الجور فقد کفر کذا فی الفصول العمادیۃ (الہندیۃ ج۲ ص۲۵۹ مطلب موجبات الکفر)۔

(۲) فی الہندیۃ ج۲ ص۲۸۳ ما کان فی کونہ کفرا اختلاف فان قائلہ یومر بتجدید النکاح وبالتوبۃ والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط۔ انظر ایضاً التاتارخانیۃ، فصل فی اجراء کلمۃ الکفر ج۵ ص۲۱۲۔

جواب :- یہ مسلمان مرد اگر اس کافر عورت کے مذکورہ اعمال وافعال کو گناہ اور شرک سمجھتا ہے تو یہ مرد مسلمان ہے اور اگر عورت کے ان اعمال کو جائز سمجھتا ہے تو یہ مرد بھی کافر ہو گیا۔[1] واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

کتبہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۲/۸/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۸۰/۲۴ و)

''میں مسلمان نہیں ہوں، شیعہ، قادیانی ہو چکا ہوں، میں نے مذہب چھوڑ دیا ہے'' وغیرہ کلمات کہنے کا حکم

سوال (۲۱۰) :- ایک آدمی کو تراویح کے لئے بلایا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہی نہیں ہوں، میں کلمہ نہیں پڑھتا، میں نے روزے ہی نہیں رکھے، میں شیعہ ہو چکا ہوں، میں مرزائی ہو گیا ہوں، میں نے مذہب ہی چھوڑ دیا، کیا یہ آدمی اسلام سے خارج ہو گیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو گئی؟

جواب :- یہ الفاظ بولنے والا سخت گنہگار ہے، اسے فوراً توبہ واستغفار کرنی چاہئے، یہ کام تو بہر حال اس کے ذمہ ضروری ہے، ویسے ان الفاظ کی بنا پر وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ معلوم ہونے پر موقوف ہے کہ اس نے یہ الفاظ بطور اِستفہامِ انکاری کے تو نہ کہے تھے؟ اگر اِستفہامِ انکاری کے طور پر کہے تھے تو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوا اور اس کا نکاح بھی باقی ہے، البتہ ان الفاظ سے سخت گنہگار ہوا جس کا کفارہ توبہ واستغفار ہے۔ اور اگر اِستفہامِ انکاری کے طور پر نہیں کہے تھے بلکہ ان الفاظ کے ذریعہ دینِ اسلام چھوڑنے کی خبر دی تھی تو وہ مرتد ہو گیا ہے،[2] اس کی مسلمان بیوی بھی اس کے نکاح سے خارج ہو گئی، اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے، اگر اسلام قبول کرلے تو اس پر مرتد کی سزا جاری نہیں ہوگی مگر بیوی سے نکاح دوبارہ کرنا ہوگا، اس نکاح کا مہر بھی الگ ہوگا جو پہلے نکاح کے مہر کے علاوہ ہوگا،

---

(۱) ان الرضا بکفر الغیر انما یکون کفراً اذا کان یستجیز الکفر ویستحسنہ، فاما اذا کان لا یستجیزہ ولا یستحسنہ ولکن احب الموت او القتل علی الکفر - فھذا لا یکون کفراً الی قولہ وان رضی بکفرہ لیقول فی اللہ مالا یلیق بصفاتہ یکفر وعلیہ الفتویٰ۔ (التاتارخانیۃ ۳۱۳/۵، فصل فی اجراء کلمۃ الکفر) انظر ایضاً فی الھندیۃ ۲۵۷/۲

(۲) قال ھو یھودی او نصرانی او مجوسی او بریٔ من الاسلام وما اشبہ ذالک فھو یمین عندنا، ثم لو فعلہ کفر لو اعتقد انہ یکفر بہ، لانہ رضاء بالکفر فھو کفر۔ وعلیہ الفتویٰ (جامع الفصولین ۳۰۱/۲) وفی الھندیۃ ج: ۲ ص: ۲۷۹ مسلم قال: انا ملحد یکفر ....الخ۔

وفی التاتارخانیۃ ۳۱۳/۵: ومن رضی بکفر نفسہ فقد کفر۔

اور اگر اسلام قبول نہ کرے تو اس کو بتا دیا جائے کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے،[1] مگر یاد رہے کہ یہ سزا صرف حکومت ہی جاری کر سکتی ہے عوام کے لئے خود یہ سزا جاری کرنا جائز نہیں۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

کتبہٗ محمد رفیع عثمانی
۱۸/۹/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۹۵/۲۲ج)

کسی مسلمان کو منافق، یہودی، اور منکرِ قرآن کہنا؟

سوال (۲۱۱):- ایک عالمِ دین سنی، موحد، فاضل مظاہر علوم خطیب شہر کو ایک اسکول ماسٹر یہودی، منافق، ظالم، مکار، خائن منکرِ آیاتِ قرآن جیسے الفاظ کی گالیاں دیتا ہے۔

جواب:- مسلمان کو منافق، یہودی، یا منکرِ آیاتِ قرآن کہنا مسلمان کی توہین اور گناہ کبیرہ ہے۔[3]

واللہ اعلم
۱۲/۴/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۷۳۲/۲۵و)

کسی مسلمان کو کافر یا کفر سے بدتر جیسا کہنا

سوال (۲۱۲):- کسی مسلمان کو کافر کہنا یا کافر سے بدتر کہنا یا کافر جیسا کہنا درست ہے؟ بعض حضرات جذبات میں کہتے ہیں کہ ایرانی کافر ہیں؟ یا بنگالی کافر ہیں؟

جواب:- کسی مسلمان کو کافر یا کافر سے بدتر یا کافر جیسا کہنا سخت حرام اور گناہ ہے۔[4]

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۶/۱۱/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۸۰۲/۲۴ج)

---

(۱) من ارتد عرض علیه الحاکم السلام استحبابا ثلاثة ایام یعرض علیه الاسلام فی کل یوم منها (خانیة) ان استمهل ای طلب المهلة والا قتله من ساعته الا اذا رجي اسلامه بدائع (الدر المختار ۲۲۵/۴)

(۲) قد مر تخریجه تحت عنوان " پانی پتی لہجے کے علاوہ تلاوت کرنے والے قرآن کریم کے ساتھ زنا کرتے ہیں" کہنے والے کا حکم (سوال ۴۰۰)۔

(۳) عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (الجامع الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان قول النبي صلی الله علیه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر)۔

(۴) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ایما امرئ قال لاخیه المسلم کافر . فقد باء بها احدهما، ان کان کما قال والا رجعت علیه (الجامع الصحیح لمسلم، باب بیان من قال لاخیه المسلم یا کافر)

کسی مسلمان کو کافر کا بچہ یا یہودی کہنا

سوال (۲۱۳): - کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ دو اسکول کے طلبہ جو اس دور جدید کی وضع و قطع سے آراستہ ہیں، ایک عربی مدرسہ میں فون کرنے کی غرض سے گئے مولوی صاحب جن کے پاس فون کی چابی رہتی ہے ان سے ملے۔ مولوی صاحب کو ان کی وضع و قطع نامناسب معلوم ہوئی، بہت جرح وقدح کی اور طرح طرح کے سوالات کئے، انہوں نے اپنے دفاع کی خاطر ایسے جوابات دیئے جس سے مولوی صاحب کو بہت غصہ آیا، طرفین سے بحث وتکرار تیز ہوکر آخر نوبت دست درازی اور ہاتھا پائی تک پہونچ گئی۔ اس اثنا میں ایک اور مولوی جھگڑے میں شامل ہوکر دونوں میں سے ایک کو خوب مارا۔ مارنے کے دوران مولوی صاحب کی زبان سے جو گالیاں نکلی ہیں وہ بالفاظہٖ نقل کی جاتی ہیں، تم کافر کا بچہ ہو، تمہارا باپ عیسائی اور یہودی ہیں، آج سے تم کو، تمہارے باپ کو مسجد و مدرسہ کے احاطہ کے اندر قدم تک رکھنے نہیں دوں گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کسی مسلمان کو شرعاً ایسی گالیاں دینے کی گنجائش ہے یا نہیں، کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی مسلمان کو مدرسہ، مسجد میں آنے سے روکے، ہر دو صورت میں مولوی صاحب کا اس نوعیت کا تشدد شرعاً کیسا ہے اور مولوی صاحب کا کیا حکم ہے؟

جواب: - مسجد و مدرسہ میں کوئی آکر مسجد و مدرسہ کی املاک کو نقصان پہنچائے یا نمازیوں یا پڑھنے پڑھانے والوں کے کام میں خلل اندازی کرے تو انہیں آنے سے روکا جا سکتا ہے، ورنہ کسی مسلمان کو مسجد میں آنے سے روکنا جائز نہیں، اور کسی مسلمان کے بیٹے کو کافر کا بچہ یا کسی مسلمان کو یہودی یا عیسائی کہنا سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔(۱) ایسا کہنے والے کو فوراً توبہ واستغفار کرنی لازم ہے اور جس کو کہا ہے اس سے بھی معاف کرائے۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۲/۱/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۵/۳۰ الف)

سب علمائے دیوبند و بریلوی کو کافر کہنے والے کا حکم

سوال (۲۱۴): - ایک شخص نے یہ کہا کہ علمائے دیوبند اور بریلوی سب کافر ہیں، کیا ایسے شخص کے ساتھ برادری بھائی چارہ جائز ہے یا ناجائز ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے: درس مسلم ج ۱ ص ۲۱۰، نیز ملاحظہ فرمایئے: تبيين الحقائق، فتح القدير، فصل في التعزير، المحيط البرهاني، كتاب القضاء، الفصل الخامس والعشرون في اليمين، ج ۸، ص ۷۵۷۔

جواب:- اس شخص نے سخت حرام گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے،[1] جب تک یہ شخص توبہ نہ کرے اس سے دوستانہ تعلقات منقطع رکھے جائیں۔ واللہ اعلم

۱/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴۴۵/۲۵ ز)

کسی مسلمان کے بارے میں مرزائی ہونے کا اعلان کیا تو اس کا حل

سوال (۲۱۵):- زید ایک معزز دیندار آدمی ہے وہ کسی کی ایماء پر نادانستہ طور پر ایک غلطی کر بیٹھا، وہ یہ کہ اس نے دو کٹر مرزائیوں کے متعلق ایک جلسہ میں بائیکاٹ کا اعلان خفیہ طور پر رقعہ دیکر کرا دیا، اور ساتھ ہی ایک تیسرے شخص بکر کا نام بھی بکر کے مخالف کے کہنے پر لکھ دیا بکر سب سے حلف لے رہا ہے کہ ایسا کس نے کیا، بکر زید سے حلف اٹھوانا چاہتا ہے اگر جھوٹا حلف قرآن پر ہاتھ رکھ کر اٹھاتا ہے تو ایمان کا خطرہ ہے ورنہ جان کا خطرہ ہے، شدید فساد کا احتمال ہے شرعاً کیا کرنا چاہئے؟

جواب:- اگر بکر مرزائی نہیں ہے اس کے مخالفین نے اس پر مرزائی ہونے کی جھوٹی تہمت لگائی ہے تو اس تہمت لگانے اور اس کا اعلان کرنے میں جس جس نے حصہ لیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں، یہ نہایت سنگین گناہ ہوا، آئندہ پوری احتیاط رکھیں، اس تہمت سے چونکہ بکر کو اذیت پہنچی اسلئے اگر امید ہو کہ وہ نقصان نہیں پہنچائیگا تو اس سے معافی مانگ لیں اور جو اعلان اس کے بارے میں غلط کیا گیا تھا اس کی تردید کا اعلان بھی کر دیں، اگر اس کے علم میں لانے اور معافی مانگنے پر معافی کی امید نہ ہو اور اس کی ایذاء رسانی کا خطرہ تو کم از کم اتنا ضرور کریں کہ جس طرح خفیہ طور پر پہلا اعلان کرایا تھا تردیدی اعلان بھی اسی طرح کر دیں۔ واللہ اعلم

۱۹/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۱۹/۲۵ و)

کاہنوں اور نجومیوں کی خبروں کو سچا سمجھنا اور انہیں عالم الغیب تسلیم کرنا

سوال (۲۱۶):- "من اتی کاهنا فصدقه بما یقول فقد بری مما انزل علی محمد صلی الله علیه وسلم" شامی میں بزازیہ سے نقل ہے: یکفر بادعاء علم الغیب وباتیان الکاهن وتصدیقه۔

ان حوالہ جات کے رو سے ان کا مرتکب مسلمان دین سے خارج ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان "کسی مسلمان کو منافق، یہودی اور منکر قرآن کہنا" نیز ملاحظہ فرمائیے: "ایمان وکفر قرآن کی روشنی میں" از مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ ج ص: ۲۱۰، ۲۰۷، ۱۰۰، روحی مسلمہ از حضرت مؤلف مدظلہم ص: ۲۰۸ تا ۲۱۰۔

ہے اگر زوجین میں سے کوئی ایک کاہنوں، نجومیوں کی باتوں کو سچا جانے کیا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اور تجدید نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب:- جو مرد کاہنوں اور نجومیوں کی خبروں کو سچا جانتا ہوں اور انہیں عالم الغیب مانتا ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے،[1] مسلمان عورت سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، اور جو مسلمان عورت اس کے نکاح میں پہلے سے موجود ہو اس سے اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور جب تک وہ اپنے اس مشرکانہ عقیدے سے توبہ نہ کرے دوبارہ نکاح بھی اس مرد سے اس عورت کا نہیں ہوسکتا۔ اور نکاح جب ختم ہو چکا تو اب اگر وہ مرد اپنے اس عقیدے سے توبہ بھی کر لے تب بھی اس عورت سے جبراً تجدید نکاح نہیں ہوسکتی۔[2] واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی

بندہ محمد شفیع — ۱۳۹۱/۹/۲۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۵۷/۲۲ ج)

میدانِ جہاد سے فرار ہونا اور شہادت کو کتے کی موت سے بدتر کہنا

سوال (۲۱۷):- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کے امام مسجد مجاہدین میں بھرتی ہوئے اور تقریباً چھ ماہ بعد وہاں سے چوری چھپے فرار ہو گئے اور گاؤں میں دوبارہ امامت کرنے لگے۔ جب مجاہدین کو ان کے فرار ہونے کا علم ہوا تو دوبارہ ان کو پکڑ کر محاذ پر لے گئے۔ امام صاحب کے بار بار اس فعل پر متقی اور پرہیزگار نمازی امام صاحب سے متنفر ہو کر ان کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور امام صاحب اعلانیہ کہتے ہیں کہ محاذ پر مجاہد کی موت (شہادت) کتے کی موت سے بھی بدتر ہے، اس سے یہ بہتر ہے کہ انسان گھر پر ہی خودکشی کرے ایسا عقیدہ رکھنے والے کے لئے شرعی حکم کیا ہے ان کے پیچھے نماز شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

کیا یہ عقیدہ باطلہ رکھنے والا کوئی بھی مسلمان از روئے اسلام مسلمان کہلانے کا حقدار ہے؟ جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں تیرے راستہ (جہاد) میں بار بار مارا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور مارا جاؤں۔

---

(۱) (قوله فقد برئ الخ)اى كفر وهو محمول على الاستحلال او على التهديد او على الوعيد، وفي رواية لاحمد والحاكم عن ابى هريرة بلفظ من اتى عرافا او كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بماانزل على محمد(المرقاة، باب الكهانة، الفصل الثانى ج۸ص۳٦٦)

والحاصل ان الكاهن من يدعى معرفة الغيب باسباب وهي مختلفة، فلذا انقسم الى انواع متعددة: كالعراف والرمال والمنجم---- والكل مذموم شرعا محكوم عليهم وعلى مصدقهم بالكفر وفي البزازية يكفر بادعاء علم الغيب وباتيان الكاهن وتصديقه، ردالمحتار، باب المرتد،تحت مطلب في الكاهن والعراف، ج۴ص۲۴۲ سعيد)

(۲) کیونکہ نکاح ایک عقد ہے جو باہمی رضامندی سے انجام پاتا ہے، کسی فریق پر جبر کرنا جائز نہیں۔ ۱۲م

جواب:- جو شخص لشکرِ اسلام کے ساتھ شریکِ جہاد ہو، پھر لڑائی کے درمیان ہی موت کے خوف سے فرار ہو جائے وہ سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے،(۱) جب تک وہ اس گناہ عظیم سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو شخص اسلامی جہاد میں شہادت پا جانے کو کتے کی موت کے برابر یا اس سے بھی بدتر کہے اس کے فاسق ہونے میں تو شک ہی نہیں اور خطرہ دائرۂ اسلام سے نکل جانے کا قوی ہے،(۲) لیکن یاد رہے کہ یہ تو اصل مسئلہ ہے جو لکھا گیا ہے، مگر یہ بات کہ واقعۃً کوئی شخص اس جرم کا مرتکب ہوا ہے یا نہیں یا اگر ہوا ہے تو اس نے کن حالات میں یہ جرم کیا ہے اور کس تاویل سے کیا ہے؟ جب تک یہ سب باتیں خود اس کے بیان سے صراحۃً معلوم نہ ہوں اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/۱/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۵۹/۱۲۳ الف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کدورت تھی، کہنے والے کا حکم

سوال (۲۱۸):- شریعتِ غرّہ میں ایسے شخص کے بارے میں جو اپنے آپ کو عالم دین ہونے کا مدعی ہو، جو یہ کہتا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کدورت تھی اور اپنے استدلال میں حضرت وحشیؓ کے واقعہ کو پیش کرتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کدورت نہ ہوتی تو آپ حضرت وحشیؓ کو یہ نہ فرماتے کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے دل میں کدورت تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں وحشی کا ایمان معتبر ہوگا؟ اور وہ صحابی کہلانے کے مستحق ہوں گے؟ اور جس کی طرف سے کدورت ہو، کیا وہ شفاعت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ کسی مفتی کا یہ جواب کدورت کی دو قسمیں ہیں، اختیاری، غیر اختیاری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کدورت غیر اختیاری تھی جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان وحشی کو هل تستطيع ان تغيب عني وجهك اس پر دال ہے اور کیا اس جملہ سے کدورت ثابت ہوتی ہے۔

---

(۱) قال الله تبارك وتعالى: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ (سورۃ الانفال)

في تفسير المظهري تحت هذه الاية، ج۴ ص۳۲: الفرار من الزحف كبيرة من الكبائر وعلى هذا اكثر اهل العلم وبه قال الائمة الاربعة من الفقهاء الخ۔

وفي روح المعاني (تحت هذه الاية) ج۹ ص۱۸۲: وهذا اذالم يكن العدو اكثر من الضعف، لقوله تعالى (الأن خفف الله عنكم) الاية اما اذا كان اكثر فيجوز الفرار فالاية ليست باقية على عمومها والى هذا ذهب اكثر اهل العلم۔

عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اجتنبوا السبع الموبقات۔ قالوا يا رسول الله وما هن قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق واكل الربا واكل مال اليتيم والتولي يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله ان الذين يا كلون اموال اليتامى، كتاب المحاربين، باب رمي المحصنات، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الكبائر)۔

(۲) من اهان الشريعة او المسائل التي لا بدمنها كفر (مجمع الانهر ج۱ ص۵۰۹)

یہ مدعی عالم امامت بھی کرتے ہیں اور نماز کے اندر ایسی نازیبا حرکتیں کرتے ہیں جو کہ مفسد صلوٰۃ ہیں جب کوئی مقتدی ان کو ٹوکتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر تنقید کرنے والے نطفہ حرام ہیں ایسے امام کے پیچھے کیا نماز ہوسکتی ہے؟

جواب: - اگر امام صاحب مذکور کی مراد کدورت سے کینہ اور بغض ہے تو امام صاحب اپنے اس قول سے توبہ واستغفار کریں اور اپنے رجوع کو کم از کم ان لوگوں پر ظاہر کردیں جن کے سامنے انہوں نے یہ بات کہی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسلمان کے بارے میں کینہ رکھنے قطعاً پاک تھے، اور اگر کدورت سے مراد طبعی رنج وغم ہے جو غیر اختیاری ہوتا ہے تو یہ مراد لینا غلط نہیں ہے، لیکن ایسے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کرنے سے پرہیز لازم ہے جن میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہو اور کدورت ایسا ہی لفظ ہے۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۵/۷/۱۳ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۲۹۰د)

''میں قرآن نہیں مانتا'' کہنے والے کا حکم

سوال (۲۱۹): - زید نے کسی چیز کا دعویٰ کیا، بکر نے انکار کردیا، زید نے کہا تیری بات کا کیا اعتبار، بکر نے کہا قرآن پکڑ کر حلف دوں گا تو زید نے کہا میں قرآن نہیں مانتا ہوں اس سے پہلے بھی زید نے دو تین مرتبہ قرآن اٹھا کر حلف اٹھایا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: - زید نے اگر واقعی یہ کہا ہے کہ میں قرآن نہیں مانتا ہوں تو وہ کافر ہوگیا ہے اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے الگ ہوگئی ہے۔

زید پر تجدید ایمان بھی ضروری ہے اور تجدید نکاح بھی ضروری ہے، تجدید نکاح کے بغیر بیوی کے لئے اس کے پاس رہنا حرام ہے۔ واللہ اعلم

عبدالغفار عفا اللہ عنہ

جواب صحیح ہے اور جب تک زید راہ راست پر نہ آئے اور اپنی حرکتوں سے توبہ نہ کرے اس سے دوستانہ تعلقات منقطع رکھے جائیں۔

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۴/۱۱/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۵۱۵ز)

شیطان کی وسعتِ علم نصوص سے ثابت جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی نص نہیں کہنا سخت بے ادبی ہے

سوال (۲۲۰): - اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شیطان کی وسعت علم نصوص سے ثابت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی نص قطعی نہیں، کیا ایسے شخص کا عقیدہ صحیح ہے؟

جواب: - یہ بات واقعہ کے بھی خلاف ہے اور سخت بے ادبی ہے اس شخص پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کرے۔[1]

واللہ اعلم

۱۳/۶/۱۳۹۸ھ

(فتویٰ نمبر ۲۹/۱۰۱ ب)

تقریر کرنے پر ہونے والی خدمت کو چوتھے پارے کا فنڈ کہنا

سوال (۲۲۱): - ایک مولوی صاحب ایک گاؤں میں تقریر کرنے کے لئے گئے۔ واپسی پر کسی نے دریافت کیا کہ آپ کی کیا خدمت ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ چوتھے سپارے کا فنڈ (یعنی چوتھے سپارے کا شروع یا آغاز (لن) پنجابی زبان میں مرد کے آلہ تناسل کو "لن" کہتے ہیں اور ایک غلیظ ترین گالی ہے کیا اس سے قرآن مجید کی توہین ہوئی ہے یا نہیں ایسا کہنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: - اگر اس شخص نے اس لفظ کے یہی معنی مراد لئے تھے وہ سخت بے ادبی اور گناہ کا مرتکب ہوا ہے فوراً صدقِ دل سے توبہ واستغفار کرے اگر توبہ نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

واللہ اعلم

۲۹/۴/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۰۱۹ ج)

بنیادی عقائد سے ناواقف اور عمل کے میدان میں کورے شخص کا حکم

سوال (۲۲۲): - ایک آدمی جس نے مسلمانوں کے گھر میں جنم لیا ہے والدین مسلمان ہیں، یہ آدمی برملا اسلام کے بنیادی عقائد سے انکار بھی نہیں کرتا، صرف عمل کے میدان میں کورا ہے، بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد سے واقفیت بھی نہیں رکھتا، ایسے آدمی کو کیا کہا جائے مسلمان یا کافر؟

---

(۱) سوال: - التاسع عشر: اترون ان ابلیس اللعین اعلم من سید الکائنات علیہ السلام واوسع علما منہ مطلقا الخ

جواب: - ما سبق منا تحریر ھذہ المسئلۃ أن النبی علیہ السلام اعلم الخلق علی الاطلاق بالعلوم والحکم والاسرار وغیرھا من ملکوت الآفاق ونتیقن ان من قال ان فلانا اعلم من النبی علیہ السلام فقد کفر وقد افتی مشائخنا بتکفیر من قال ان ابلیس اللعین اعلم من النبی علیہ السلام الخ (المھند علی المفند، ص ۲۳۸، طبع دار الاشاعت) نیز مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "عبارات اکابر" حصہ اول ص: ۱۵۱ تا ۱۷۱ مؤلفہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہم۔

جواب:- ایسے شخص سے جب تک صریح کفر صادر نہ ہوا سے مسلمان ہی کہا جائے گا، کافر کہنا جائز نہیں۔[۱] واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع — ۱۳۹۱/۱۱/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۱۰/۲۲ د)

سودخور، زانی، دھوکے باز اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور قرآن کے منکر کا حکم

سوال (۲۲۳):- جو مسلمان سود کھائے، اور کسی کو بیٹی بنا کر اس سے زنا کرے، اور کسی مسلمان کو دھوکا دے، اور جس کا اللہ اور رسول اور قرآن پر ایمان نہ ہو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب:- گناہِ کبیرہ ہیں، ایسے شخص کو فوراً توبہ کرنی لازم ہے ورنہ سخت عذاب کا مستحق ہے، لیکن اگر عقائد ٹھیک ہوں تو ان گناہوں سے کافر نہیں ہوا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود یا توحید کا قائل نہ ہو یا کسی رسول کی رسالت یا قرآنِ کریم کے کتاب اللہ ہونے کا منکر ہو، وہ کافر ہے۔[۲] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

محمد عاشق الٰہی — ۱۸/۶/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۲۰/۲۴ د)

مسلمان لڑکی اگر کسی کافر کے ساتھ بھاگ جائے تو وہ کافر ہوگی یا نہیں؟

سوال (۲۲۴):- ایک مسلمان لڑکی ایک بد مذہب چینی کافر کے ساتھ آج سے تین سال قبل بھاگ گئی تھی، اس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا، تین سال کے بعد اس لڑکی کی ماں نے اپنی لڑکی کو واپس لائی،

---

(۱) عن جنادة بن ابی امیة قال: دخلنا علی عبادة بن الصامت وهو مریض قال دعانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعناه - وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا کفرا بواحًا عندکم من اللہ فیه برهان (البخاری مع فتح الباری ۲/۱۳ کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سترون بعدی امورا تنکرونها)

وفی المرقاة فی شرح حدیث زر تحت قوله صلی اللہ علیہ وسلم وان زنی وان سرق (ج ۱ ص ۱۰۰) فیه دلالة علی ان اهل الکبائر لا یسلب عنهم اسم الایمان، فان من لیس بمؤمن لا یدخل الجنة وفاقاً۔

(۲) یکفر اذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق به ... او انکر وعده او وعیده او جعل له شریکا الخ (الهندیة ۲/۲۵۸) وفیه ۲/۲۶۳ من لم یقر ببعض الانبیاء علیهم الصلاة والسلام فقد کفر ... وفیه ۲/۲۶۶ اذا انکر الرجل آیة من القرآن الی قوله او عاب کفر۔

جبکہ اس کا چینی کافر شوہر جس کے ساتھ بھاگ کر گئی وہ پولیس چھاپہ کے دوران مارا گیا تھا، اس کا کوئی پالنے والا نہ تھا، لہٰذا لڑکی کی ماں نے ایک مولوی صاحب کو بلایا اور کہا کہ ہم اس لڑکی کو دوبارہ اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اور مولوی صاحب نے کہا آسان بات ہے لڑکی کو سفید کپڑے پہنادو اس کا نام تبدیل کرا کر اس کو کلمہ پڑھادیا پھر مسلمان ہوگئی، پرانے اسلامی نام کی جگہ دوسرا اسلامی نام رکھ دیا، پھر ایک لڑکے کے ساتھ اس کے نکاح کا بندوبست کردیا اور نکاح کی تاریخ ۲ مئی ۱۹۷۳ء مقرر ہوگئی، ایک سوات کے مولوی صاحب سے بھی کہا گیا کہ آپ بھی اس نکاح میں شرکت کریں تو اس قاضی صاحب نے کہا کہ یہ اس طرح مسلمان نہیں ہوسکتی، یہ اسلام چھوڑ کر کافر ہوگئی تھی اس کو سزا دینی تھی اور اس کا منہ کالا کر کے چالیس دن گھر میں بند کر کے رکھنا تھا تاکہ دوسری لڑکیوں کو عبرت ہو، لیکن پہلے والے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ زانیہ کہا جائے گا۔ دوسرے قاضی کہتے ہیں کہ بالکل کافر ہے تین سال کافر کے ساتھ گذارے ہیں حرام کھایا ہوگا، سور کا گوشت کھایا ہوگا، اس نے بت کی پوجا کی ہوگی، مولوی صاحب نے کہا اس کی کون گواہی دینے والا ہے، لہٰذا یہ گنہگار ہے کافر نہیں، آخر ان دونوں میں ہم کس کی بات کو صحیح تصور کریں۔

جواب: — اس کافر لڑکے کے ساتھ رہنے اور زنا کرنے سے یہ لڑکی کافر قرار نہ دی جائے گی جب تک کہ کوئی صریح دلیل اس کے کفر پر نہ ہو، پھر اس کو اس کی مرضی کے مطابق کلمہ پڑھوایا دیا گیا اور اسلامی عقائد اس نے اختیار کر لئے تو اب اس کے مسلمان ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جو سخت گناہ اس سے سرزد ہوا تھا اس سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ کرے تو وہ گناہ بھی معاف ہوجائے گا۔ جس ملک کا یہ واقعہ ہے وہاں اسلامی حکومت قائم نہیں، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس پر زنا کی سخت سزا جاری کی جاتی۔ عوام کو سزا جاری کرنے کا اختیار نہیں، اس لئے اس لڑکی پر اب سزا جاری نہ کی جائے۔[1] اور اس سوات کے مولوی صاحب نے جو طریقہ مشرف باسلام کرنے کا بتایا ہے صحیح نہیں، جب یہ لڑکی اپنے والدین کے گھر تھی اور اس وقت غیر شادی شدہ تھی اور بعد میں بھی کوئی نکاح نہیں ہوا تو اب اپنے گھر آنے کے بعد کسی مسلمان مرد سے نکاح ہوسکتا ہے، البتہ اگر زنا سے حمل قرار پایا ہے تو جب تک وضع حمل نہ ہو، شوہر اس سے نکاح کے بعد صحبت نہیں کرسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۷/۴/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۵۳/۷ ۲۴ ج)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان "پانی پتی لہجے کے علاوہ تلاوت کرنے والے قرآن کریم کے ساتھ زنا کرتے ہیں" کہنے کا حکم۔

غیر مسلم کے برتن میں پانی پینے سے ایمان ختم نہیں ہوتا

سوال (۲۲۵):- ایک شخص نے عیسائی کے گھر اس کے برتن میں پانی پی لیا اور پانی جان بوجھ کر پیا اور یہ معلوم نہ تھا کہ وہ عیسائی ہے، اس کے بعد سے دل کو سخت پریشانی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایمان باقی رہا یا دوبارہ تجدید ایمان کرنا ہوگا؟

جواب:- ایمان باقی ہے تجدید ایمان کی ضرورت نہیں۔ [۱] واللہ اعلم

۸/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۶۹۵د)

مرغے کے گوشت کو قربانی کا گوشت کہنے سے کفر لازم نہیں آتا

سوال (۲۲۶):- ماسکو میں عورتیں پردہ نہیں کرتیں اس پر بڑا پشیمان ہوں کہ روس کیوں آیا، میں اور میری بیوی یہاں ایک ایسے مکان میں رہ رہے ہیں جس میں ایک بڑا کمرہ ہے اور باورچی خانہ علیحدہ ہے، اچانک ایک روز دروازے کی گھنٹی بجی میں نے فوراً دروازہ کھولا تو میرے افسر اور اس کی بیوی تھی میں نے ان کو اندر بٹھایا اور بیوی کو چائے بنانے کو کہا، کچھ دیر کے بعد میں باورچی خانہ میں گیا اور بیوی سے کہا کہ چائے اندر لے آؤ، وہ کہنے لگی میں اندر نہیں جاتی۔ ایک دو مرتبہ پھر بیوی کو کہا کہ اندر چائے لے چلو اور ساتھ ہی جلدی میں زبان سے یہ بھی کہا کہ چلو نا وہ لوگ کیا کہیں گے، تو بیوی نے کہا مجھے شرم آتی ہے اندر نہیں جاتی، میں نے ان کو کہا ٹھیک ہے تم نہ جاؤ، کیونکہ فوراً ذہن میں آ گیا کہ اس طرح دباؤ نہیں ڈالنا چاہئے، اور ساتھ ہی فوراً ذہن میں باورچی خانہ کے اندر ہی یہ آیا کہ کہیں اس فقرہ سے دین کی توہین تو نہیں ہوتی ہے؟ اگر میرے افسر کی بیوی نہ ہوتیں تو میں بیوی کو یہ نہ کہتا کہ وہ اندر چلے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ جو فقرہ کہا ہے کفریہ کلمہ تو نہیں؟

۲- ہمارے افسر جن کا تذکرہ ابھی کیا ہے ہمارے گھر کے قریب ہی رہتے ہیں اور مرزائی ہیں۔ میں ایک بڑا سا مرغ زندہ لایا اور ذبح کیا۔ گوشت کافی تھا سوچا کہ افسر کے فریج میں جا کر رکھ دیا جائے، ایک پلیٹ میں میں نے کچھ گوشت لیا، دوسری پلیٹ میں میری بیوی نے گوشت رکھا، افسر کے گھر میں جا کر گھنٹی بجائی بیوی کہنے لگی کہ قربانی کا گوشت ہے، میں نے جان بوجھ کر اس کی بات کی طرف توجہ نہ دی، پھر کہنے لگی

---

(۱) قال محمد رحمه الله تعالى: ويكره الاكل والشرب في اواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو اكل او شرب فيها قبل الغسل جاز الخ (الهندية ۵/۳۴۷)

کہ قربانی کا گوشت ہے، ایک دو مرتبہ پھر کہا، میں نے اسے سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کہے، مگر پھر بھی اس نے ایک دو مرتبہ کہہ دیا کہ قربانی کا گوشت ہے، میری بیوی کا مقصد قربانی کا تمسخر اڑانا نہ تھا بلکہ گوشت کی زیادتی دیکھ کر اس کو قربانی یاد آ گئی، اور دروازے پر گوشت کا لیکر کھڑا ہونا قربانی کی سی کیفیت تھی، اس لئے سمجھتا ہوں کہ کفر لازم نہ آیا، کیونکہ بہشتی زیور میں پڑھا تھا کہ اگر کوئی یوں کہے کون اٹھک بیٹھک کرے (نماز کے متعلق) تو کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے نماز کی ہتک کی ہے۔

جواب:- سوالات میں آپ نے اپنے اور اپنی بیوی کے جتنے اقوال اور افعال ذکر کئے ہیں ان میں سے کسی سے نہ طلاق واقع ہوئی اور نہ آپ پر یا آپ کی بیوی پر کفر لازم آیا، آپ نے اپنے اور بیوی کے جتنے کلمات ذکر کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی کلمہ کفر نہیں۔ لہٰذا خواہ یہ کلمات اپنے اختیار سے کہے ہوں یا بلا اختیار اور اس کے معنی جانتے ہوئے کہے ہوں یا بلا جانے کسی حال کفر لازم نہ آیا، آئندہ آپ کفر اور طلاق کے مسائل میں غور کرنا یا کتابوں میں ان کا مطالعہ فوراً ترک کر دیں، خواہ مخواہ نہ خود پریشان ہوں نہ بیوی کو پریشان کریں، اس قسم کے توہمات میں پڑنا کوئی دینداری کی بات نہیں۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۱/۶/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۸۲۸/۲۴ د)

جواب بالکل درست ہے آپ کوشش کریں کہ سعودی حکومت کے سفارت خانے میں منتقل ہو جائیں یا لیبیا میں یہاں منکرات وفواحش کم ہیں، آپ نے روس جیسے دہریہ ملک کو پسند کیا یہ سخت غلطی ہے اور قادیانیوں سے کم سے کم میل جول رکھیں۔ محمد عاشق الٰہی

اللہ تعالیٰ کی خاص صفت کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنے کا حکم

سوال (۲۲۷):- چند دن ہوئے یہاں ایک عرس ہوا نعت خوانی میں یہ شعر پڑھا گیا:

نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا
اس کا جو حکم تھا سیف قضائے مبرم

کیا صاحب مزار کے بارے میں ایسا کہنا جائز ہے؟

جواب:- اوّل تو عرس ہی ناجائز اور بدعت ہے،[1] پھر حکم کی جو صفت اس شعر میں بیان کی گئی

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ''مزارات پر قوالی کرنا منتیں ماننا اور عرس کرنا''۔

ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کے حکم پر صادق آتی ہے کسی اور کے حکم کی یہ صفت بیان کرنا صحیح نہیں۔[1]

الجواب صحیح — واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عاشق الٰہی — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۲/۱۱/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۷۵۷ ج)

موہمِ شرک نعتیہ اشعار عوام کے سامنے نہیں پڑھنے چاہئیں

سوال (۲۲۸):- ذیل میں چند اشعار لکھے جاتے ہیں ملاحظہ فرما کر جواب دیں کہ یہ اشعار پڑھنا کیسا ہے؟

۱- کروڑوں جرموں کے آگے یہ نام کا اسلام
کرے گا یا نبی اللہ مجھ پر کیا پکار
مدد کر اے کرم احمد کے تیرے سوا
نہیں ہے میرا بے کس کا کوئی حامی کار

۲- یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
اے حبیب کبریا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے۔

۳- اے بندوں کی شفاعت کرنے والے میری دستگیری فرمائیے
آپ مشکلات میں میری آخری امید گار ہیں

۴- آپ کے سوا میرا کوئی ملجا وماویٰ نہیں
اے میرے آقا میری فریاد سنئے

۵- جہاز امت کا حق نے کر دیا آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈباؤ یا ترازیا رسول اللہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (یٰس)

.. فی تفسیر المظھری تحتہ(۸/۹۵):قال البیضاوی ھو تمثیل لتاثیر قدرتہ فی مرادہ تعالیٰ بأمر المطاع للمطیع فی حصول المأمور من غیر امتناع وتوقف وافتقار الی مزاولة عمل واستعمال آلة قطعا لمادة الشبھة وھو قیاس قدرة اللہ تعالیٰ علی قدرة الخالق۔

جواب :- ان اشعار کی تاویل کر کے ان کو صحیح معنی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اور صحیح معنی پر محمول کر کے ان اشعار کو پڑھنے کی فی نفسہ گنجائش بھی ہے، لیکن چونکہ ان اشعار کے سامنے یہ اشعار صحیح معنی کی نیت سے بھی پڑھنا نہیں چاہئے۔ واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۲۳۰/۳۸/۳ الف)

تجدیدِ ایمان کے ساتھ تجدیدِ نکاح بھی ضروری ہے

سوال (۲۲۹): - کیا کلمۂ کفر دیدہ ودانستہ کہنے کے بعد تجدیدِ ایمان کے ساتھ ساتھ تجدیدِ نکاح بھی ضروری ہے؟

جواب :- اگر شوہر اور بیوی دونوں نے ایک ساتھ دانستہ کلمۂ کفر کہا اور اس کلمہ کے وہی معنی مراد لئے جو کفر کے ہیں تو دونوں پر تجدیدِ ایمان لازم ہے، تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر ایسا کلمہ صرف شوہر نے یا صرف بیوی نے کہا تو تجدیدِ ایمان بھی ضروری ہے اور تجدیدِ نکاح بھی کیونکہ شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۲/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۰۰ ج)

شرعی فتویٰ تسلیم نہ کرنے والے کا حکم

سوال (۲۳۰) : ۱- جو شخص نقل مطابق اصل کا بھی انکاری ہو جائے اور فتویٰ کی پرواہ نہ کرے ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۲- جس بھائی کی جائیداد تقسیم کرنی ہے اس کی ایک شادی شدہ لڑکی ہے اور تین بھائی کے متروکہ حصہ کی چیز کھا چکا ہے تو وہ چیز ورثاء کو دینی پڑے گی یا نہیں؟ اگر دینی پڑے گی تو وہ شی اصل دیتا ہے نہ اس کی قیمت دیتا ہے جبکہ ورثاء معاف بھی نہ کریں جو فتویٰ آپ سے پہلے منگوایا تھا اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا ایسے شخص کا جنازہ نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

نقل استفتاءِ فتویٰ

ایک شخص نے اپنے بھائی کی جائیداد کے متعلق چار آدمیوں کے سامنے یہ فیصلہ کیا کہ شرع کے مطابق جو حق مجھے ملے گا وہ منظور ہے اور پھر فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا ہے انکار کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی بھاوج سے نکاح پڑھا لیا ہے اب چاہتا ہے کہ اس بھائی کی جائیداد بھی سب میرے پاس رہے۔ شرعی کیا حکم ہے؟

جواب :- فیصلہ شرعی کے ماننے سے انکار وانحراف اور دوسرے کا حق غصب کرنا سخت حرام اور

فسق ہے، اس شخص پر واجب ہے کہ اس پر توبہ واستغفار کرے اس کے ساتھ اصحابِ حق کو ان کا حق واپس کردے۔

مفتی محمد شفیع

جواب :۱- جو شخص شرعی حکم پر عمل کرنے سے انکار کردے اور دوسروں کا حق غصب کر بیٹھے وہ شرعاً سخت گنہگار فاسق اور ظالم ہے، فوراً توبہ کرے اور حق والوں کا حق دے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے[1]، اس کی اصلاح کی نیت سے برادری کے لوگ اس سے برادرانہ اور دوستانہ تعلقات ترک کردیں اور جن لوگوں کا حق اس نے غصب کیا ہے ان کو عدالتی چارہ جوئی کا بھی اختیار ہے۔

۲- یہ سوال واضح نہیں، جس بھائی کی جائیداد تقسیم کرنی ہے اگر وہ مر چکا ہے تو تفصیل سے لکھیں کہ اس کے انتقال کے وقت لڑکی زندہ تھی مگر باقی جو تین وارث کا میت سے رشتہ معلوم نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ وارث مذکر ہے یا مونث؟ اس وقت تک ہر وارث کا حصہ نہیں لکھا جا سکتا نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میت کے انتقال کے وقت میت کے کتنے بھائی زندہ تھے یہ سب باتیں کسی سمجھ دار پڑھے لکھے آدمی سے لکھوا کر اسی کاغذ کے ساتھ بھیجیں تو جواب لکھا جا سکتا ہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۴/۶/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۸۲۶/۲۴ د)

دینی جلسہ اور اذان کو بند کرنے کی کوشش کرنے والے کا حکم

سوال (۲۳۱) :- ہمارے یہاں سیرت النبی کے موضوع پر مسجد میں علمائے کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں وعظ فرمایا لیکن قبل از انعقاد جلسہ حضرات تاج محمد عرف تھوتھا، خورشید عرف ڈپٹی نے جلسہ کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی، اور اشتعال پیدا کیا، بلکہ جب مغرب کی اذان ہونے لگی تو تاج محمد عرف تھوتھا نے اذان بند کرانے کی ناپاک کوشش کی اور جوں ہی اذان ہوئی تو تاج محمد عرف تھوتھا مذکورہ ہاتھ میں اینٹ لئے ہوئے مسجد کی طرف بڑھا اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے "ہم نہ جلسہ ہونے دیں گے اور نہ اذان" عین نماز کے وقت کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے حملہ کرنے کی کوشش کی، جلسہ میں گڑبڑ کرنے کی وجہ سے تاج محمد، خورشید مذکور کس سزا کے مرتکب ہوئے، اذان بند کرانے اور نماز کے وقت حملہ کرنے کے پاداش میں شریعت نے کیا سزا مقرر کی ہے؟

جواب :- اگر مسجد میں تقریریں دینی موضوع پر ہو رہی تھیں اور تقریروں میں کوئی بات خلافِ

(۱) یکرہ إمامة عبد ...... فاسق (الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، ج:۱ ص:۵۶۳، سعید)۔

شرع نہیں کہی گئی تو جن لوگوں نے ان تقریروں میں رخنہ اندازی اور اشتعال انگیزی کی وہ گناہ کے مرتکب ہوئے، خصوصاً اذان کو روکنے کی کوشش تو سخت گناہ ہے، اگر ملک میں اسلامی قانون نافذ ہوتا تو ایسے افراد کو سزا دی جاتی مگر جبکہ ایسا نہیں ہے تو اہلِ دین کو سوائے صبر کے چارہ ہی کیا ہے، سزا جاری کرنا حکومت کا کام ہے عوام کو سزا جاری کرنے کا شرعاً اختیار نہیں[1]، لیکن جن لوگوں نے یہ جرم کیا وہ اپنی قبر و آخرت کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ و استغفار کریں، یہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے پھر اپنے سب اعمال کا جواب اللہ کے حضور دینا ہے اس کی فکر کریں۔

واللہ اعلم
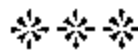
۲۷/۷/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۲۵/۲۵ء)

(۱) واستیفاء العقوبات المحکوم بها فی جرائم التعزیر من حق ولی الامر أو نائبه ایضاً ... ولیس لأحد غیر الامام او نائبه اقامة عقوبة التعزیر (التشریع الجنائی الاسلامی ج۱، ص:۷۸۶)

فصل فی الفرق الاسلامیة والباطلة
(صحیح اور گمراہ فرقوں کے بارے میں)

دیوبندی اہل السنّت والجماعت ہیں

سوال (۲۳۲): – ہم کونسے مذہبی فرقہ میں آتے ہیں جن کے عقائد دیوبندی ہیں ان میں شامل ہیں یا اہل سنت والجماعت سے ہیں۔

جواب: – دیوبندی اہل سنت والجماعت ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

۲۳/۱۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۸۲۶ ج)

کیا بریلوی مشرک ہیں؟

سوال (۲۳۳): – کیا بریلوی عقائد کے لوگ صریحاً مشرک ہیں۔

جواب: – ان کے کافر ہونے کا فتویٰ ہمارے بزرگوں نے نہیں دیا،(۱) البتہ یہ اہلِ بدعت ہیں اور بدعت سخت حرام ہے اور عذاب کا موجب ہے۔(۲) بخشش کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ واللہ اعلم

۲۳/۱۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۸۲۶ ج)

فرقہ بندی ممنوع ہے

سوال (۲۳۴): – فرقہ بندی کرنا اسلام میں کیسا ہے؟

جواب: – فرقہ بندی، مسلمانوں سے بغض وعداوت وکینہ رکھنا اور ناحق کسی کو بُرا بھلا کہنا قرآن

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے: امداد المفتیین ص: ۱۴۲۔

(۲) عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ماليس فيه فهو رد (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: ۲۶۹۷، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الحكام الباطلة و رد محدثات الامور، حديث: ۴۵۸۹)۔

وحدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے ان سے مکمل پرہیز کرنا لازم ہے۔[1] واللہ اعلم

۱۵/۳/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۶/۲۲ الف)

وہابی کسے کہتے ہیں؟

سوال (۲۳۵):- وہابی مذہب سے متعلق تفصیلات سے آگاہ فرمائیں؟

جواب:- شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو ''وہابی'' کہا جاتا ہے، یہ بدعات کے رد میں بہت سخت ہوتے ہیں، بعض ایسی چیزوں کو بھی بدعت کہہ دیتے ہیں جو شرعاً بدعت نہیں ہوتیں، شخصی تقلید کو بھی یہ صحیح نہیں سمجھتے، بعض لوگ ناواقفیت سے دیوبندی حضرات کو بھی وہابی کہہ دیتے ہیں جو غلط ہے، دیوبندی کو وہابی کہنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۵/۱/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۴۳/۲۶ الف)

حضرت مفتی صاحبؒ نے سوشلزم سے متعلق فتویٰ سے رجوع نہیں فرمایا تھا

سوال (۲۳۶):- جو فتویٰ ۱۱۳ علماء کا سوشلزم کے بارے میں الیکشن کے زمانہ میں شائع ہوا تھا اس کے بارے میں بعض عناصر یہ مشہور کررہے ہیں کہ حضرت والا نے اس سے رجوع فرمالیا ہے اور دوسرے خلاف ورزی کرنے والے علماء سے آپ نے اس کی معذرت خواہی بھی کی، اس خبر سے بہت کچھ ترددات ہورہے ہیں درخواست ہے کہ اس امر کی حقیقت کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

جواب:- یہ بات غلط ہے، حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس فتویٰ سے کبھی رجوع نہیں فرمایا وہ فتویٰ جس اصول پر مبنی تھا وہ اصول اب بھی موجود اور صحیح ہے، لہٰذا رجوع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم

۲۳/۱۱/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۳۳/۲۳ و)

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)۔

... وفی تفسیر القرطبی تحتہ: (ولا تفرقوا) یعنی فی دینکم کما افترقت الیہود والنصاریٰ فی أدیانہم عن ابن مسعود وغیرہ۔
وقال تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْہُمْ فِیْ شَیْءٍ﴾ (سورۃ الانعام: ۱۵۹)۔

..... قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن اللہ یرضی لکم ثلاثا ویکرہ لکم ثلاثا یرضی لکم أن تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا وأن تعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ویکرہ لکم ثلاثا قیل وقال وکثرۃ السؤال وإضاعۃ المال (صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النہی عن کثرۃ سوال)

مودودی صاحب اور ان کی کتاب خلافت وملوکیت

سوال (۲۴۳۷): - مولانا مودودی صاحب نے کتاب ''خلافت وملوکیت'' لکھی ہے اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعات درج کیے ہیں۔ ان پر مولانا غلام اللہ خان نے بہت سخت اعتراض کیے ہیں وہ تو یہاں تک کہتے ہیں جو شخص صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرے ان کی شان کے خلاف باتیں کرے تو کیا وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہے؟ اور جو اس جماعت میں شامل ہیں تو کیا وہ بھی مسلمان ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

دوسری بات اس کتاب میں مولانا مودودی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں اس کا حوالہ بھی دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی پھر مجھ پر کیوں اعتراض کرتے ہیں اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو ان لوگوں پر جنہوں نے تاریخ مرتب کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس جماعت میں رہنا ہمارے لئے نقصان دہ ہے یا نہیں؟

جواب: - مولانا مودودی صاحب کے قلم سے بہت سی باتیں ایسی نکلی ہیں جو جمہور فقہاء اور اہل سنت والجماعۃ کے مسلک سے ہٹی ہوئی ہیں خصوصاً ان کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کرام کی شان میں گستاخی ہوئی ہے اور صحابہ کرام پر الزام ثابت کرنے کے لئے جن روایات کو انہوں نے بنیاد بنایا ہے علماء محققین کے نزدیک ان کو بنیاد بنانا صحیح نہیں ہے، جو حوالے اس کتاب میں دیئے گئے ہیں ان میں بھی سخت بے احتیاطی سے کام لیا گیا ہے اس کتاب میں جو علمی غلطیاں مصنف سے ہوئی ہیں ان کو نہایت تفصیل سے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' میں بیان فرمایا ہے اور حدیث وتاریخ کی روایات سے ثابت کیا ہے کہ جو الزامات حضرت معاویہؓ پر مولانا مودودی صاحب کی کتاب میں پائے جاتے ہیں ان میں مصنف سے کیا کیا غلطیاں ہوئی ہیں، غرض کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں حضرت معاویہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے وہ اہل سنت والجماعت اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔

اس لئے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو مکمل اشتراک ان علماء سے رکھنا چاہئے جو جمہور سلف کے طریقہ پر ہیں،[1] اگر شرعی مسائل اور اعتقادات میں مولانا مودودی صاحب کی پیروی کی بجائے ائمہ مجتہدین کا پیرو ہو اور جماعت اسلامی میں بعض دینی خدمت کے جذبہ سے شامل ہو تب بھی یہ خطرہ موجود ہے کہ رفتہ رفتہ ان کے خیالات سے متأثر ہو کر اس کے اعمال وعقائد میں نقصان واقع ہو جائے۔ ہاں جماعت سے الگ رہ کر

---

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الأعظم فإنہ من شذ شذ فی النار۔ (المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، حدیث ۳۹۱ وأیضا فی مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم)۔
... فی المرقاۃ تحت ھذا الحدیث: (قولہ السواد الأعظم) یعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین۔

اکیلے نیک کام کرنے میں تعاون کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ صحابہ کرام کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا مسلک نہایت تفصیل سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے اپنی کتاب ''مقام صحابہ'' میں بیان فرمایا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۳/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۰۳/۲۵ د)

جماعت اسلامی کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے

سوال (۲۳۸): - مودودی صاحب کے متعلق جو کچھ ہمارے اکابرین کا نظریہ ہے اس پر بندہ کو کامل یقین ہے، کیا ان کے مقلدین اور وارثین کے بھی وہی عقائد اور نظریات ہیں جو مودودی صاحب کے تھے یہ حضرات اسلام کے خیر خواہ ہیں یا نہیں؟ اگر خیر خواہ ہیں تو ہمارے علماء، جماعت اسلامی سے اتحاد کرلیں تو کیسا ہے؟

بندہ مودودی صاحب سے متفق نہ ہونے کے باوجود ان کے لٹریچر اور قابلیت سے متاثر ہے، کیا یہ بندہ کی کم علمی اور سخت نادانی کی وجہ تو نہیں، اگر ان لوگوں کے ساتھ بدعت کے سیلاب کو روکنے کے لئے اتحاد کیا جائے تو آپ جیسے جید علماء کرام کی کیا رائے ہوگی؟

جواب: - سید مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے متعلق میرے والد ماجدؒ کی ایک جامع مانع تحریر کتاب ''جواہر الفقہ'' میں چھپ چکی ہے، اس تحریر کی فوٹو کاپی اس لفافے میں مرسل ہے[1]، اسے بغور

---

(۱) وہ فتویٰ یہ ہے:

سوال: - بگرامی خدمت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش آنکہ جیسا کہ حضرت والا کو معلوم ہے کہ احقر کو دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں افتا کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے۔ طرح طرح کے سوالات میں اکثر یہ سوال بھی آتا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت جمہور اہل سنت والجماعت کے طریقے پر ہے یا نہیں؟ اور مذاہب اربعہ میں سے ان کا کس مذہب سے تعلق ہے؟ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے رجحانات سلف صالحین کے خلاف ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ بعض لوگ آپ کی کسی سابقہ تحریر کی بنا پر آپ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان کے نظریات سے اتفاق رکھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟

والسلام

احقر محمد وجیہہ، از دار العلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ)

الجواب: - مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارے میں میرے پاس سالہا سال سے سوالات آتے رہے ہیں، جن کا جواب میں اس وقت کے حالات کے اور ان کے بارے میں اپنی اس وقت کی معلومات کے مطابق لکھتا رہا ہوں۔ ان میں بعض تحریریں شائع بھی ہوئی ہیں اور بعض نجی مکاتیب کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ اس وقت ان تمام تحریروں کو سامنے رکھنا ممکن نہیں، ....

(باقی اگلے صفحے پر)

مطالعہ کر لیا جائے۔ کسی نیک کام میں وقتی طور پر جماعت اسلامی سے اتحاد کرنے میں مضائقہ نہیں۔

واللہ اعلم

۲۲ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

(فتویٰ نمبر ۳۶۹ / ۳۸ الف)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)........البتہ اس عرصے میں احقر کو کچھ ان کی مزید تحریرات کے مطالعے کا موقع ملا، کچھ ان کی نئی تالیفات سامنے آئیں اور کچھ ان کے لٹریچر کے عام اثرات اور ان کی جماعت کے حالات کو مزید دیکھنے کا موقع ملا، اس مجموعے سے اب ان کے بارے میں جو میری رائے ہے وہ بے کم و کاست ذیل میں لکھ رہا ہوں:۔

میری سابقہ تحریرات اگر اس تازہ تحریر کے موافق ہوں تو فبہا، اور اگر سابقہ تحریرات میں کوئی چیز اس کے خلاف محسوس ہو تو اُسے منسوخ سمجھا جائے اور اَب میری رائے کے حوالے کے لئے صرف ذیل کی تحریر پر اعتماد کیا جائے۔

احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں، خواہ ان کا اجتہاد جمہور علمائے سلف کے خلاف ہو، حالانکہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کی شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس بنیادی غلطی کی بناء پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط اور جمہور علمائے اہل سنت کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علمائے سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ انتہائی غلط ہے، خاص طور سے "خلافت و ملوکیت" میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طرح صرف تنقید ہی نہیں بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے، اور اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود اصرار کی جو روش اختیار کی گئی ہے وہ جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔

نیز ان کے عام لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلف صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا، اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا انحصار ہے، اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان کو منکرین حدیث، ملحد یا بے دین یا اباحیت پسند لوگوں کی صف میں کھڑا کرنا بھی میرے نزدیک درست نہیں، جنھوں نے سود، شراب، قمار اور اسلام کے کھلے محرمات کو حلال کرنے کے لئے قرآن و سنت میں تحریفات کی ہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کی تردید میں ان کی تحریریں ایک خاص سطح تک کے تعلیم یافتہ حلقوں میں مؤثر اور مفید بھی ثابت ہوئی ہیں، یہ بات میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص میری اس بات کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ میں مودودی صاحب کے ان نظریات سے متفق ہوں جو انہوں نے جمہور علماء کے خلاف اختیار کئے ہیں تو یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات ہے۔

اگرچہ جماعت کے قانون میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں، اور اس لئے جو بات مولانا مودودی صاحب کے بارے میں درست ہو ضروری نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے بارے میں بھی درست ہو لیکن عملی طور سے جماعت اسلامی نے مولانا مودودی صاحب کے لٹریچر کو نہ صرف جماعت کا علمی سرمایہ اور اپنے عمل کا محور بنایا ہوا ہے بلکہ اس کی طرف سے زبانی اور تحریری مدافعت کا عام طرز عمل ہر جگہ مشاہدے میں آتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کے افراد بھی ان نظریات اور تحریروں سے متفق ہیں، البتہ اگر کچھ مستثنیٰ حضرات ایسے ہوں جو مذکورہ بالا اُمور میں مولانا مودودی سے اختلاف رکھتے ہوں اور جمہور علمائے اہل سنت کے مسلک کو اس کے مقابلے میں درست سمجھتے ہوں تو ان پر اس رائے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

نماز کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ امام اس شخص کو بنانا چاہئے جو جمہور اہل سنت کے مسلک کا پابند ہو لہٰذا جو لوگ مودودی صاحب سے مذکورہ بالا اُمور میں متفق ہوں انہیں باختیار خود امام بنانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھ لی گئی تو نماز ہوگئی۔

یہ میری ذاتی رائے ہے جو اپنی حد تک غور و فکر کے بعد فیما بینی و بین اللہ قائم کی ہے، میں کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی اور بے احتیاطی سے بھی اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور دین کے معاملے میں مداہنت سے بھی۔ جن حضرات کو میری اس رائے سے اتفاق نہ ہو وہ اپنے عمل کے مختار ہیں، مجھے ان سے کوئی مباحثہ کرنا نہیں، نہ میرے قویٰ اور مصروفیت اس کے متحمل ہیں۔ اور اگر کوئی صاحب اس کو شائع کرنا چاہیں تو ان سے میری درخواست ہے کہ اس کو پورا شائع کریں، ادھورا یا کوئی ٹکڑا شائع کر کے خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ / ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

انبیاء کو معصوم یا صحابہ کو معیارِ عدل نہ سمجھنے والے کا حکم

سوال (۲۳۹):- زید اہل سنت والجماعت حنفی دیو بندی ہے، کچھ عرصہ جماعت اسلامی کے ساتھ تعاون کرتا رہا اور اس کا تعاون صرف اس چیز میں رہا کہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں اس کے ساتھ مل کر کوشش کی جائے۔ مودودی صاحب کے ساتھ متنازع مسائل مثلاً عدالتِ صحابہ، عصمتِ انبیاء میں اس کا نظریہ واضح ہے کہ جو صحابہ کرام کو معیار یا عادل نہ سمجھے گمراہ ہے اور انبیاء کو معصوم نہ سمجھے وہ بھی گمراہ ہے۔ اب جماعت اسلامی سے تعلق ختم کر لیا ہے۔ اپنا عقیدہ بھی بایں الفاظ واضح کرتا ہے کہ جو صحابہ کو معیارِ حق یا عادل نہ سمجھے یا انبیاء کرام کو معصوم نہ سمجھے، وہ گمراہ ہے، مودودی صاحب ہوں یا کسے باشد۔ بکر اصرار کرتا ہے کہ الزاماً مودودی صاحب کو بھی گمراہ کہنا چاہئے تو زید کا جواب یہ ہوتا ہے معین طور پر ان کو گمراہ نہیں کہنا چاہئے عموی فتویٰ کافی ہے۔

جواب:- اس مسئلہ میں یہ عموی فتویٰ کافی ہے جو سوال کی خط کشیدہ عبارت میں آپ نے خود لکھا ہے جو شخص صحابہ کرام کو عادل نہیں سمجھتا یا انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم نہیں سمجھتا خود بخود اس کی زد میں آ جائیگا مسلمانوں کو فضول جھگڑوں اور جنگ وجدال میں وقت خراب نہیں کرنا چاہئے، حق بات واضح کر کے کہہ دی جائے، کون مانتا ہے کون نہیں مانتا ہے اس کی ذمہ داری تو انبیاء پر بھی نہیں ہے آپ اور ہم پر کیا ہوتی،[1] اپنا عقیدہ اور عمل درست کرنے کی ذمہ داری ہر شخص پر ہے بس اس کی فکر رکھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۵/۲/۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۳۰/۲۳ ب)

مولوی محمد طاہر پنج پیری کے عقائد؟

سوال (۲۴۰):۱- مولوی شیخ القرآن محمد طاہر پنج پیر ضلع مردان صوبہ سرحد کا کیا عقیدہ ہے اور کون سے مذہب سے تعلق رکھتا ہے؟

جواب:- مولوی صاحب مذکور اور ان کے عقیدوں سے ہمیں مکمل واقفیت نہیں، البتہ اتنا سننے میں آیا ہے کہ ان کا مسلک علماء دیو بند سے مختلف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۵/۳/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۳/۲۳ ب)

---

(۱) قال اللہ تعالی: وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿ (یٰس)۔
..في تفسير المظهري تحت هذه الآية: اى الظاهر البين بالآيات الشاهدة لصحته كابراء الاكمه والابرص واحياء الموتى يعنون ان انكاركم لا يضرنا بعد ما كان علينا من "ذا" التبليغ وانما يعود عليكم بالمضرة۔

قادیانیوں کے دلائل کا جواب

سوال (۲۴۱):- میرپورخاص میں ''لال محمد قادیانی'' پر عدالتِ عالیہ میرپور میں کیس چلا تھا، عدالت میں اہل سنت والجماعت کے علماء کو چیلنج کیا تھا، کیا اس وقت کسی بھی عالم نے اس کی تسلی کی تھی یا شاید وہ خود اپنی کتابوں سے ہی عدالتِ عالیہ میرپورخاص میں قائل ہوا تھا، اس کا جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

جواب:- ہمیں اس واقعہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں یہ کب ہوا اور کیا واقعہ ہوا۔ البتہ یہ کہنا کہ علمائے اہل حق کے پاس قادیانیوں کا جواب موجود نہیں، غلط ہے۔ آج تک کوئی قادیانی کوئی ایسی دلیل نہیں پیش کر سکا جس کا کافی اور مکمل جواب علماء کے پاس موجود نہ ہو۔ (۱)　　والسلام

۱۷/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۳۶ ج)

شیعہ، بریلوی، اور دیوبندیوں میں صراطِ مستقیم پر کون؟

سوال (۲۴۲):- اس گاؤں میں شیعہ، بریلوی، دیوبندی تینوں فرقے آباد ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کونسے گروہ کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کروں تاکہ نجات پاسکوں اگر ایک صراطِ مستقیم پر ہے تو کیا دو اسلام سے باہر نکل گئے؟

جواب:- آپ خود کو دیوبندی حضرات کے ساتھ منسلک رکھیں۔ دوسروں کو کافر نہ کہیں، نہ ان سے جھگڑا فساد کریں۔　　واللہ اعلم

۱۹/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۶۲۷ و)

شیعہ سنی فسادات سے اجتناب ضروری ہے

سوال (۲۴۳):- شیعہ کے خلاف اس وقت جنگ جوئی کرنی چاہئے یا نہیں؟ اور سنی حضرات کی جماعت کرنی ضروری ہے یا نہیں کیونکہ ہماری کالونی کے تمام شیعہ ۲۰ راگست کی رات کو جلوس کی شکل بنا کر کے-ایریا (K-Area) مارکیٹ میں شریک ہوئے ہم اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے؟

جواب:- شیعہ سنی فرقوں کے درمیان جنگ جوئی ہرگز مناسب نہیں، البتہ اگر شیعہ حضرات کی طرف سے کوئی ایسا کام ہو جو سنی مسلمانوں کی بے جا دل شکنی یا اشتعال انگیزی کا سبب بنے تو سنی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قانونی چارہ جوئی کریں باہمی جنگ و فساد سے بہر صورت اجتناب کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۳/۸/۱۳۹۴ھ

---

(۱) بطور مثال ملاحظہ فرمائیے: ''ختم نبوت'' امؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آئینہ قادیانیت از مولانا اللہ وسایا قاسم مدظلہ۔

آغا خانی فرقہ کافر ہے؟

سوال (۲۴۴): - آغا خانی خوجہ جو کریم آغا خان کے پیرو ہیں مسلمان ہیں یا نہیں؟

جواب: - خوجہ جو کہ آغا خان کے پیرو ہیں ان کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہے؟ اس کی تو تحقیق نہیں ہو سکی، البتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ ''الحکم الحقانی فی الحزب الآغا خانی''[1] میں ان کے جو عقائد نقل فرمائے ہیں ان میں سے کئی عقیدے اور طریقے صریح طور پر کافرانہ ہیں مثلاً آغا خان کی تصویر کی پرستش کرنا، حلول کا قائل ہونا وغیرہ، (ان عقائد کی تفصیل مذکورہ بالا رسالہ سے معلوم ہو سکتی ہے) چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر اکابر علمائے دین نے ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

واللہ اعلم

۱۱/۱۱/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۱/۲۲ د)

(فتویٰ نمبر ۱۴۵۳/۲۵ د)

فرقہ آغا خانی کافر ہے اور کسی مسلمان کا ان سے نکاح جائز نہیں

سوال (۲۴۵): - کیا آغا خانی خوجہ اہل تشیع میں شامل ہیں؟ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنا اور ان کو اپنی لڑکیاں دینا کہاں تک درست ہے؟

جواب: - فرقہ آغا خانی کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک مختصر رسالہ بنام ''الحکم الحقانی فی الحزب الآغا خانی'' اردو میں تالیف فرمایا ہے جس میں اس فرقہ کے کافرانہ عقائد جمع مذکور ہیں۔ حضرت تھانویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ فرقہ بلاشبہ کافر ہے کسی مسلمان مرد یا عورت کا نکاح آغا خانی مرد یا عورت سے جائز نہیں، باطل ہے۔[2]

واللہ اعلم

۲۳/۶/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۹۲/۲۴ د)

''ذکری'' فرقہ کافر ہے

سوال (۲۴۶): - ہمارے اس علاقہ میں ایک عجیب و غریب طریقہ ہے کہ ذکری اور مسلمان آپس میں ملے جلے ہیں، بیاہ و شادی میں وغیرہ میں اختلاف ہے حتیٰ کہ ذکری کی لڑکی بحالت ذکری مسلمان کے گھر میں اور مسلمان کی لڑکی بحیثیت مسلمان کے ذکری کے گھر میں ہے، ان سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے تو وہ

---

(۱) یہ رسالہ امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۰۴ تا ۱۲۰ پر شائع ہو چکا ہے۔ نیز ملاحظہ فرمائیے امداد المفتیین ص ۱۵۵، ۱۳۰۔

(۲) بحوالہ بالا۔

اپنے باپ کے دین پر ہوتی ہے، ذکری کی اولاد ذکری باپ کے مذہب پر، مسلمان کی اولاد اپنے مسلمان مذہب پر۔ ایک مسئلہ یہ بنا ہوا ہے بعض علماء یہاں اس کے قائل ہیں کہ مسلمان ذکری کے، اور ذکری مسلمان کے عموم البلوی کی وجہ سے میراث میں وارث قرار دیتے ہیں۔

ذکری کے متعلق یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے اعتقادات یہ ہیں ختم نبوت کے منکر، نماز کی بجائے ذکر کے قائل، روزہ رمضان کے منکر، حج بیت کے منکر ہیں، ان کا حج تربت میں بمقام کوہ مراد پر ہے، کیا کوئی ذکری کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؟

جواب: - ذکری فرقہ کے بارے میں اب تک جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق یہ فرقہ کافر ہے اور سوال میں ان کے جو عقائد لکھے ہیں ان سے بھی سراپا کفر ظاہر ہو رہا ہے، کسی مسلمان مرد یا عورت کا کسی ذکری مرد یا عورت سے نکاح درست نہیں، اگر رسمی طور پر نکاح کرلیا تو شرعاً یہ نکاح معتبر نہ ہوگا اور میاں بیوی والے تعلقات حرام ہوں گے، اگر اولاد پیدا ہوگی تو مرد کی میراث کی مستحق نہ ہوگی۔ اہلِ علم حضرات پر لازم ہے کہ مسلمانوں میں اس امر کی خوب تبلیغ کریں اور ذکری فرقہ کا کفر اور ان کے ساتھ نکاح درست نہ ہونے کا مسئلہ خوب واضح کریں، جن حضرات سے قضاء کا کام متعلق ہے وہ ایسے نکاحوں کے نافذ نہ ہونے کا فیصلہ دیں۔ اور مسلمان ذکری کا اور ذکری مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۲۴/۱۱/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۶۴۲/۲۵ ز)

بہائی فرقہ سے متعلق مختلف سوالات

سوال (۲۴۷): - ایک بہائی خیالات کے آدمی کا قصبہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں انتقال ہوگیا۔ اس کی نماز جنازہ کا اعلان تقریباً ہر مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ہوا، شہر کے کافی افراد نے نماز جناہ میں شمولیت کی۔ شام کے وقت ایک مولوی صاحب جب وہاں آئے تو انہوں نے علم پاتے ہی دوسرے دن فتویٰ دیا کہ جن اشخاص نے بہائی کی نماز لاعلمی سے پڑھی ہے وہ توبہ کریں اور جن اشخاص نے علم کے باوجود کہ بہائی کافر ہے نماز پڑھی خارج از ایمان ہیں، وہ ایمان اور نکاح کی تجدید کریں۔

اس میں چند اُمور قابلِ غور ہیں:

۱- بہائی کافر تھا تو نما جنازہ کا اعلان مسلم مساجد سے کیوں کیا گیا؟

۲- ائمہ کرام وخطیب صاحبان کو جب علم ہوا تھا یا بہائی کی موت سے پیشتر علم تھا تو اس کا تردیدی

اعلان لاؤڈاسپیکر پر کیوں نہ کرایا گیا، تاکہ عوام اس گناہ سے بچ سکتے۔

۳-شہر کا کوئی امام یا خطیب نماز جنازہ میں شامل نہ تھا یا تو ان کو علم نہ ہوا یا وہ بھائی کو جانتے تھے کہ یہ کافر ہے لیکن

عوام الناس کو مطلع نہیں کیا، کیا علماء کی یہی ڈیوٹی ہے۔

۴-ائمہ کرام کی غفلت اور چشم پوشی کی کوئی گرفت شرعاً نہیں ہے؟

۵-جو لوگ لاعلمی کی وجہ سے جنازہ میں شامل ہو گئے ان پر طعن وتشنیع جائز ہے؟

۶-جن صاحبان نے کافر کے لئے دعاء مغفرت کی۔ شرعاً ان کا کیا مقام ہے؟

جواب:- کسی کافر کے جنازے کی نماز پڑھنا یا استغفار کرنا یا اس کو ایصال ثواب کرنا جائز نہیں،[1] جنہوں نے لاعلمی میں ایسا کرلیا انہیں استغفار کرنا چاہئے جنہوں نے دانستہ طور پر نماز جنازہ پڑھی وہ گنہگار ہوئے انہیں توبہ کرنی لازمی ہے مگر کافر نہیں ہوئے،[2] لہذا تجدید ایمان کی ضرورت ہے نہ تجدید نکاح کی۔

اب سوالات کا جواب نمبروار لکھا جاتا ہے:

۱-یہ سوال ان لوگوں سے کیا جائے جنہوں نے اعلان کیا۔

۲-جب یہ یقین نہیں کہ ائمہ مساجد وخطیب صاحبان کو علم تھا یا نہیں تو یہ سوال غیر ضروری ہے۔

۳-بغیر تحقیق کے کسی مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں، ہوسکتا ہے کہ ائمہ صاحبان کو واقعہ کے وقت علم ہی نہ ہوا ہو، آخر کسی مسلمان کے عیوب کی اتنی تحقیق کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۴-کوئی شرعی حد نہیں۔ توبہ استغفار کریں۔

۵-جنہوں نے ناواقفیت میں نماز جنازہ پڑھ لی اور معلوم ہونے کے بعد اپنے فعل پر نادم ہو گئے ان پر طعن وتشنیع بالکل جائز نہیں، سخت گناہ ہے۔

۶-اس کا جواب وہی ہے جو نماز جنازہ کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۸/۲۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۷۰/۲۲ ج)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

***
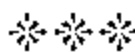
(۱) قال اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (التوبۃ: ۱۱۳)۔
قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا (التوبۃ: ۸۴)۔

(۲) ولا نكفر مسلمًا بذنب من الذنوب وان كانت كبيرة اذا لم يستحلها الفقه الأكبر مع شرحه ص: ۶۳، طبع مصر)۔

فصل فی المتفرقات
(متفرق مسائل)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں مباحثہ کے بجائے علماء سے رُجوع کیا جائے

سوال (۲۴۸): ۱-اس الحادی دور میں لوگ ایسے سوالات کرتے ہیں کہ ان کا زبان پر لانا بھی کفر ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خدا کیسا ہے؟ اور کیا ہے؟ اس کا کوئی ایسا منطقی فلسفی جواب دیں کہ ان کا منہ بند کردیں کیونکہ وہ نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ قرآن کو۔

۲-تقدیر کا بھی عقلی جواب دیں۔

جواب: ۱-ایسے لوگوں سے بحث نہ کریں ان سے کہہ دیں کسی عالم دین سے پوچھیں۔[1]

۲-اعتراض معلوم ہوتو جواب بھی لکھا جائے۔[2] واللہ اعلم

۱۳۹۵/۲/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶۵۲/۲۵ د)

مسئلہ سماعِ موتیٰ حضراتِ صحابہ کے زمانے سے اختلافی ہے

سوال (۲۴۹): - ہمارے علاقہ میں سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہے، بعض سماع کو علی الاطلاق کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ اہلِ سنت کا مسلک اور علمائے دیوبند کا بھی، دوسرے حضرات سماع کے قائل کو

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يأتي الشيطان احدكم فيقول من خلق كذا من خلق كذا حتى يقول من خلق ربك فاذا بلغه فليستعذ بالله ولينته (مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم، باب الوسوسة)۔

..... في المرقاة (تحت قوله ولينته) اى ليترك التفكر في هذا الخاطر وليشتغل بامر آخر لئلا يستحوذ عليه الشيطان فانه انما اوقعه فيه رجاء ان يقف معه ويتمكن في نفسه فيحصل لها شك وريب في تنزيهه تعالىٰ عن سمات الحدوث وان دقت وخفيت فمن تنبه وكف عن الاسترسال مع ذالك الخاطر واشغل نفسه حتى انصرفت عنه فقد خلص ومن لا فقد ارتبك فيخشى عليه مزلة القدم في قعر جهنم

(۲) البتہ حضرت مدظلہم نے اپنی کتاب "مسئلہ تقدیر کا آسان حل" میں اس موضوع کی بہت آسان اور عمدہ انداز میں وضاحت فرمائی ہے، تفصیل جاننے کے لئے اس کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔ ۱۲ اعجاز غفرلہ

کافر کہتے ہیں یہ حضرات ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں جواب ارشاد فرمائیں تاکہ نزاع ختم ہوجائے۔

جواب:- سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کرام کے زمانے سے لے کر اب تک مختلف فیہ ہے، بعض صحابہ کرام سماعِ موتی کے قائل تھے بعض منکر تھے، لہٰذا کسی بھی فریق کو گمراہ یا کافر کہنے کی کسی کو گنجائش نہیں اس سے بہر صورت ہر فریق کو اجتناب لازم ہے، ورنہ صحابہ کرام کے کسی فریق کی تفسیق یا تکفیر لازم آئے گی جو کسی حال میں جائز نہیں۔ نیز مسئلہ ایسا بھی نہیں کہ جس پر کسی عمل کا مدار ہو یا جس کے عقیدے پر آخرت کی نجات موقوف ہو لہٰذا اس مسئلہ میں جدال ونزاع سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔[1] واللہ اعلم

۱۸/۲/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۲۰۸ ۲۸ الف)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم درود کے علاوہ بھی کلام سنتے ہیں؟

سوال (۲۵۰):- ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دور سے نہیں سنتے لیکن قریب سے بطور خرقِ عادت صرف درود وسلام سنتے ہیں وہ بھی سماع روحانی ہے نہ جسمانی اور درود وسلام جسمانی کے علاوہ کوئی لفظ نہیں سنتے اور جو سننے کا قائل ہو وہ کافر اور مشرک ہے کیا یہ عقیدہ غلط ہے یا صحیح؟ اس عقیدہ سے اسلافِ شافعیہ کی تکفیر لازم آتی ہے یا نہیں؟

جواب:- احادیث میں صرف اتنی صراحت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف پر حاضر ہوکر جو شخص سلام عرض کرتا ہے اسے آپ سنتے ہیں اور دور سے درود بھیجنے والے کا درود آپ کو پہنچادیا جاتا ہے،[2] باقی باتیں سننے کا ثبوت احادیث میں نہیں مگر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے جس کی جو بات آپ کو سنوانا چاہیں اللہ تعالیٰ سنوا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

۳/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳/۴۲۳ ۲۵ ب)

---

(۱) تفصیل کے ملاحظہ فرمائیے معارف القرآن ج۶ ص۶۰۲ تا ۶۰۶ اور تکمیل الحبور بسماع اهل القبور مولفه حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ و احکام القرآن ج۳ ص۱۶۳ کا جزء جن کو شائع ہو چکا ہے یہاں اس رسالہ سے دو مقامات کی عبارت نقل کی جاتی ہے: "فاعلم ان مسئلة سماع الموتی وعدمه من المسائل التی تقع الخلاف فیه بین الصحابة رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین فهذا عبد الله بن عمر رضی الله عنهما یثبت السماع للموتی وهذه ام المؤمنین عائشة الصدیقة تنفیه والی کل مالت طائفة من علماء الصحابة والتابعین قال العبد الضعیف والذی ذکره فی الروح من طواف اهل العلم وذکره ابن عبد البر ان الاکثرین علی ذلک یعنی سماعهم فی الجملة هو الحق الحقیق بالقبول والیه یرشد صیغة القرآن وشأن النزول وبه تتوافق الروایات من الصحابة والرسول صلی الله علیه وسلم وهو مختار مشائخنا دامت برکاتهم ماهبت الدبور والقبور۔" (احکام القرآن ج۳ ص ۱۶۳)

(۲) عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من صلّی علیّ عند قبری سمعته ومن صلّی علیّ نائیًا ابلغته (شعب الایمان للبیهقی، الخامس عشر فی تعظیم النبی صلی الله علیه وسلم)۔

مرنے کے بعد انسانی رُوح کا مسکن، اور ایصالِ ثواب سے اسے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال (۲۵۱):- ہمارے مکان کے سامنے ایک مسجد ہے اس کے امام مولانا شمس الحق صاحب جمعہ کے خطبہ میں فرمارہے تھے، کہ انسان کی روحیں انتقال کے بعد اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں بند کردی جاتی ہے اور وہ دنیا میں نہیں آتی، لوگ دونوں کو خوش کرنے کے لئے خیرات کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں، دوسرے مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے مولانا شمس الحق صاحب کی تردید کی اور کہا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح کا قبر میں موجود جسم سے تعلق رہتا ہے، دعا، فاتحہ خیرات کرنے سے انسانی روحوں کو سکون ملتا ہے۔

جواب:- انسان کے انتقال کے بعد قیامت تک اس کی روح عالم برزخ میں رہتی ہے، یہ عالم دنیا وآخرت کے بین بین ہے، رُوح کو ایک گونہ تعلق اپنے جسم وقبر سے بھی رہتا ہے،[1] اور نیک عمل کا ثواب اگر میت کو پہنچایا جائے یا اس کے لئے دُعائے مغفرت کی جائے تو اس کی رُوح کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے، یہ سب باتیں احادیث سے ثابت ہیں جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔[2] واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱/۳۰ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۰۷ ب)

موت کے بعد جسم اور رُوح کا تعلق اور عالم برزخ میں جمعہ کی تعطیل

سوال (۲۵۲):- مسجد الفلاح سوسائٹی میں ایک عالم دین نے فرمایا کہ شہدائے کرام جنت میں زندہ ہیں، لیکن ان کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اس دُنیا میں تشریف لا سکتے ہیں، علامہ سیوطیؒ نے تفسی

---

(۱) (الرابع) تعلقها بالبدن تعلقها به في البرزخ فانها وان فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقه فراقا كليا بحيث لا يبقى لها التفات اليه البتة اوقد ذكرنا في اول جواب من الاحاديث والآثار على ردها اليه وقت سلام المسلم الخ (كتاب الروح لابن القيم ص ۸۲ قال ابن القيم)

(۲) عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه ان رجلا قال للنبي صلى الله عليه وسلم ان ابي مات وترك مالا ولم يوص فهل يكفر عنه ان اتصدق عنه قال نعم (الجامع الصحيح لمسلم، كتاب الوصية، باب وصول ثواب الصدقات الى الميت)

وفي تفسير المظهري (تحت قوله تعالىٰ وان ليس للانسان الا ماسعى) احتج الجمهور على وصول الثواب من غيره بالاحاديث والاجماع اما الاحاديث فمنها وحديث ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية او ولد صالح يدعو له قال السيوطي وقد نقل غير واحد الاجماع على ان الدعاء ينفع الميت ودليله من القرآن قوله تعالىٰ (والذين جاؤوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان) قلت والظاهر ان انتفاع الاموات والاحياء بدعاء الاحياء غير مختصة بهذه الامة وقد قال نوح عليه السلام (رب اغفرلي ولوالدي ولمن دخل بيتي مومنا وللمؤمنين والمؤمنات) الخ

حیـــاۃ بـعـد الـمـوت" میں لکھتے ہیں کہ عالمِ برزخ میں جمعہ کو عام تعطیل ہوتی ہے اور تمام مرنے والوں کی روحیں اپنی اپنی قبروں میں آتی ہیں اور شہدائے کرام دُنیا میں تشریف لاتے ہیں، سنت اللہ کیا ہے؟

جواب:- جسم سے رُوح کے نکل جانے کو موت کہتے ہیں، جسم سے رُوح نکلنے کے بعد رُوح معدوم نہیں ہوجاتی بلکہ عالمِ برزخ میں رہتی ہے اور ایک گونہ تعلق جسم سے بھی رہتا ہے،[1] یہ تعلق کسی کا بہت ضعیف اور کسی کا قوی ہوتا ہے، شہداء کی ارواح کا تعلق اپنے اجسام کے ساتھ نسبۃً زیادہ قوی ہوتا ہے کہ ان کے جسم کو مٹی نہیں کھاسکتی، اسی وجہ سے ان کو احیاء فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حیات برزخیہ بہت قوی ہوتی ہے، انبیائے کرام کی ارواح کا تعلق شہداء سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے،[2] عالمِ برزخ میں جمعہ کی عام تعطیل کے بارے میں جو حدیث آپ نے نقل فرمائی ہے اس کا پورا مفصل حوالہ ہوتا تو اسے تلاش کر کے اس کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا۔ واللہ اعلم

۲۲/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۷/۴ ج)

المهند علی المفند میں ذکر کردہ عقائد درست ہیں

سوال (۲۵۳):- میرا ایک سگا بھائی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کا مرتب کردہ کتاب "المهند علی المفند" جس پر دورِ ثانی کے اکابرین علماء دیوبند اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے دستخط موجود ہیں، یہ کتاب علمائے دیوبند کے اجماعی عقائد کے خلاف ہے کیونکہ اس کتاب میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور مسئلہ توسل بالانبیاء کو جائز قرار دیا ہے اس وجہ سے میرا بھائی اس کتاب کو ہرگز تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اور میں کہتا ہوں کہ یہ کتاب بالکل صحیح ہے اور علمائے دیوبند کے اجماعی عقائد کے مطابق ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا میری بات درست ہے یا میرے بھائی کی بات درست ہے اور کیا سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کا اختلاف ہے اور کیا مسئلہ توسل جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- آپ کی بات درست ہے، آپ کے بھائی کی بات درست نہیں، کتاب "الـمهـنـد عـلـی الـمفند" اپنے موضوع پر اکابر علماء دیوبند کی مستند ترین دستاویز ہے، اس میں جو عقائد علمائے دیوبند

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ نمبر ا۔

(۲) فذهب جماعة من العلماء الى ان هذه الحياة مختص بالشهداء والحق عندي عدم اختصاصها بهم بل حيوة الانبياء اقوى منهم واشد ظهورا آثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بازواج النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد۔ (تفسير المظهري ج۱ ص۱۵۲، طبع المكتبة الرشيدية كوئته)

کے تحریر کیے گئے ہیں وہ مسلکِ دیوبند کے عین مطابق ہیں، جو شخص ان عقائد سے اختلاف رکھتا ہے ان مسائل میں اس کے عقائد مسلک دیوبند کے مطابق نہیں۔

سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف اور مسئلہ توسل کے متعلق بھی جو عقیدہ کتاب "المھند علی المفند" میں بیان کیا گیا ہے وہی ہمارا اور تمام اکابر علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے اور ہمارے نزدیک وہی درست ہے۔ اس کے خلاف کا عقیدہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک درست نہیں ہے۔

واللہ اعلم

۱۳۹۶/۱۰/۳ھ

(فتویٰ نمبر ۹۳۰/۲۷ ج)

شہداء کی ارواح کا دُنیا میں آنا اور جمعہ کو تعطیل منانا

سوال (۲۵۴): - شہدائے کرام جنت میں زندہ ہیں؟ اور دُنیا میں بھی تشریف لاتے ہیں، جمعہ کے دن عام تعطیل ہوتی ہے اور ہر ایک بندے کی رُوح اپنی اپنی قبر میں آتی ہے، اس مسئلے کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

جواب: - اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے وہ چاہے تو شہیدوں کی رُوحوں کو دُنیا میں بھی بھیج سکتا ہے،[1] مگر جمعہ کی چھٹی منانے کے لئے وہ ہمیشہ دُنیا میں آتے ہوں، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۳۹۴/۱/۱۰ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۸ الف)

حضراتِ صحابہ معصوم نہیں

سوال (۲۵۵): - کیا صحابہ کرامؓ معصوم ہیں؟

جواب: - معصوم نہیں، کبھی ان سے بھی گناہ سرزد ہو جاتا تھا لیکن وہ گناہ پر جمتے نہ تھے اور معمولی

---

(۱) واما قول من قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت فھذا مروی عن سلیمان الفارسی والبرزخ ھو الحاجز بین شیئین وکان سلمان اراد فی ارض بین الدنیا والآخرۃ مرسلۃ ھناك تذھب حیث شاءت وھذا قول قوی الخ (کتاب الروح لابن القیم ص ۱۲۸، طبع دار الکتاب العربی، بیروت)۔

.. مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے امداد المفتیین میں رسالہ الافصاح عن تصرفات الجن والارواح ص ۱۱۸ تا ۱۲۴۔

سے گناہ پر بھی اتنی سختی سے توبہ واستغفار کرتے تھے کہ اس سے نہ صرف ان کے گناہ معاف ہوجاتے تھے بلکہ ان کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ (۱) واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۸۸۳/۲۲ ب)

اللہ تعالیٰ کا اپنے لئے صیغۂ جمع استعمال کرنے سے عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث پر استدلال اوراس کا جواب

سوال (۲۵۶):- عیسائی تین خدا پر یقین رکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ مسیح کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں، اب یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ سے متعلق جو احکام آتے ہیں ان میں صیغۂ جمع کا استعمال ہوا ہے واحد کا نہیں اب ان کو کیا جواب دوں؟

جواب:- قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کہیں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی محاورہ میں معظم شخص کی تعظیم کے طور پر اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے کا رواج ہے جیسے اُردو میں بھی بولنے والا اپنے لئے بسا اوقات لفظ "میں" کے بجائے لفظ "ہم" استعمال کرتا ہے، اس کا مقصد صرف بولنے والے کی تعظیم ہے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ بولنے والا شخص کئی اشخاص ہیں اسی طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے مگر چونکہ اس سے مشرکین اور نصاریٰ کو اعتراض کرنے کا موقع مل سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف ہی میں کئی جگہ اپنے لئے صرف واحد کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور قرآن شریف کی بہت سی آیات میں اس کی صراحت بھی فرمادی ہے کہ میں ایک ہوں میرا کوئی شریک اور مثل نہیں۔ جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا ہے وہ بہت زیادہ ہیں یہاں نمونہ کے طور پر بعض آیات ذکر کی جاتی ہیں:

۱- إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا (سورۂ طٰہٰ رکوع ۱) (۲)

۲- فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ۝ (سورۂ طٰہٰ رکوع ۲) (۳)

۳- اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (سورۂ نساء رکوع ۱۱) (۴)

---

(۱) انما صدر عنهم لم يصدر من خلل في عقد الايمان والاستحسان للفسوق والعصيان بل انما صدر بمقتضى البشرية والجبلة الانسية التي لاتخلو عن الخطأ والنسيان وليس المراد بعد التهم انه لم يصدر منهم ذنب ولا معصية ضرورة انه صدر من بعضهم كماعز الاسلمي وكان الله قدر اقتدورا بل المراد انهم ببركة صحبة النبي الاكرم والرسول الاعظم ولو لحظة استقامت قلوبهم على الدين الحق ورسخت قدمهم في الاسلام وان زلت حينا بمقتضى البشرية فقد رجعوا مولاهم حالا واستغفروا وتابوا ودخلوا دخولا اوليا في عموم قوله تعالى والذين اذا فعلوا فاحشة اوظلموا انفسهم ولم يصروا على مافعلوا وهم يعلمون (التعليق الصبيح للكاندهلوي، طبع دار احياء التراث بيروت، جلد ص ۲۵۳)۔

انظر ايضاً العقيدة الواسطية لابن تيمية مع شرحه للعلامة محمد خليل هراس ص ۱۳۲ تا ۱۳۵، اليواقيت والجواهر للشعراني طبعة مصر۔

(۲) آیت ۱۴ (۳) آیت ۱۴ (۴) آیت ۸۷

۴- مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ ﴿۳۵﴾ (سورۂ مریم رکوع ۲)[1]

اور ایسی آیات کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ میں ایک ہوں، میرا کوئی شریک اور مثل نہیں اتنی زیادہ اور مشہور و معروف ہیں کہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں، ان آیات کے ہوتے ہوئے کوئی عیسائی یہ دعویٰ کیسے کرسکتا ہے کہ قرآن شریف سے اللہ کا ایک سے زیادہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔[2]

واللہ اعلم
۱۵/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۴۰ ج)

عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ اور مسلمانوں کے عقیدۂ شفاعت میں فرق

سوال (۲۵۷): - عیسائی نظریہ Sauior (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام عیسائیوں کے گناہ کے بدلے اپنا خون دے دیا چنانچہ یہ سب بخشے جائیں گے) کو کیا ہم اپنے تصورِ شفاعت سے ملا سکتے ہیں؟

جواب: - عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا خون دیکر اپنی اُمت کے گناہوں کا کفارہ بن گئے سراسر غلط ہے۔ اس پر مفصل بحث تو آپ کو ''بائبل سے قرآن تک'' میں ملے گی،[3] بہرحال اس عقیدہ کے صحیح یا غلط ہونے سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ کو یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ کفارہ اور شفاعت میں کیا مشابہت ہے۔

کفارہ اور شفاعت ایک بات میں متفق اور ایک میں مختلف ہیں: متفق اس میں ہیں کہ دونوں کا مقصد اُمتیوں کی مغفرت ہے اور مختلف اس میں ہیں کہ مغفرت کے حصول کے لئے کفارہ میں خود نبی کو عذابِ الٰہی کا مورد قرار دیا گیا ہے جو نبی کی توہین بھی ہے اور اللہ جل شانہ کے عدل کے منافی بھی کہ گناہ کسی کا اور عذاب کسی اور کو۔[4] برخلاف شفاعت کے کہ اس میں نہ نبی موردِ عذاب بنتا ہے نہ منافی عدل کوئی بات لازم آتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کفارہ اور شفاعت مقصد میں متفق ہے اور طریق کار اور نتیجہ میں بہت مختلف ہیں کہ کفارہ

---

(۱) آیت: ۳۵
(۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں'' بائبل سے قرآن تک'، ج: ۲، ص: ۲۴۶،۲۴۵
(۳) مقدمہ بائبل سے قرآن تک، ص: ۷۱ تا ۸۲، نیز، ج: ۲، ص: ۲۷۶،۲۷۵
(۴) فی تفسیر المظهری (تحت قوله تعالیٰ ان لا تزر وازرة وزر اخریٰ، سورہ نجم آیت ۳۸، یعنی لا یوخذ نفس باثم غیرہ

کا عقیدہ نبی اور رب العالمین دونوں کی توہین ہے اور شفاعت کو علی الاطلاق اس کی نظیر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

واللہ اعلم
۱۸/۳/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۳۹۷/۲۴ ج)

حضرت عیسیٰؑ کی فضیلت سے متعلق قرآنی آیات

سوال (۲۵۸): -قرآن کی یہ آیات جن کا مفہوم ہے کہ ''سلامتی ہو مجھ پر اس دن جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں اُٹھایا جاؤں گا'' (سورۂ مریم) دوسری آیت اس وقت یاد نہیں آرہی ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کو یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے اپنے مقربین میں جگہ دی۔ کیا اس مفہوم کی آیات قرآن مجید میں ہیں؟

جواب:- قرآن حکیم کی وہ آیات یہ ہیں، سورۂ مریم کے رُکوع دوم میں ارشاد ہے:

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

وہ بچہ (خود ہی) بول اُٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں، اُس نے مجھے کتاب (انجیل) دی (یعنی دے گا) اور اُس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنادے گا) اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں ہوں، اور اُس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دُنیا میں) زندہ رہوں، اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا، اور اُس نے مجھ کو سرکش بدبخت نہیں بنایا، اور مجھ پر اللہ کی جانب سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا، اور جس روز مروں گا اور جس روز قیامت میں زندہ کرکے اُٹھایا جاؤں گا۔

خط کشیدہ حصہ آپ کی مطلوبہ آیت ہے۔ اور دوسرے مضمون کی آیت سورۂ آل عمران میں یہ ہے:

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾

(اس وقت کو یاد کرو) جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو من جانب اللہ ہوگا اُس کا نام (لقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، باآبرو ہوں گے دُنیا میں اور آخرت میں من جملہ مقربین کے ہوں گے۔

واللہ اعلم بالصواب
۱۸/۳/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۳۹۷/۲۴ ج)

ملائکہ مقربین کا تمام ملائکہ کا سردار ہونا، ضروریاتِ دین میں سے نہیں

سوال (۲۵۹): - ملائکہ اللہ کی مستقل نوری مخلوق ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے فرمانروا ہیں، ان میں سے چار فرشتے: جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام تمام ملائکہ کے سردار ہیں۔ ان امور کے بارے میں تحریر کریں کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہیں یا نہیں؟

جواب: - ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا ''فرماں روا'' لکھا ہے جو کہ غلط ہے، ملائکہ فرمانبردار ہیں[1]، فرمانروا اللہ تعالیٰ ہے اور مذکور چار فرشتوں کا دوسرے تمام ملائکہ کے لئے سردار ہونا ضروریاتِ دین میں سے نہیں[2]، ہاں ان کی فضیلت دوسرے ملائکہ پر فی الجملہ ثابت ہے۔ واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۳۳۳/۲۵ ب)

خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں؟
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کی امداد اور تعلیم ذکر کے لئے
برزخ سے دُنیا میں تشریف لانا
مشتبہ عقائد کے حامل شخص کا حکم

سوال (۲۶۰): - ایک مولوی صاحب ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

۱- خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور بھولے ہوؤں کو راستہ بتلاتے ہیں

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک کے ساتھ اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتے ہیں، ذکر وغیرہ کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔

۳- ہر نماز کے بعد صلی اللہ علیک یا محمد تین مرتبہ پڑھتے ہیں یہ درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ ہے جو پڑھے وہ جنتی ہے، بزرگ مرنے کے بعد بھی سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں ایک بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ عصر سے مغرب تک ایک ختم قرآن کر لیتے تھے، شہید زندہ ہیں دُعاؤں میں کہتے ہیں: اے اللہ کے نبی رحم کر، رسول خدا نگاہ کرم فرمائیے وغیرہ۔

جواب: - حضرت خضر اب بھی زندہ ہیں یا نہیں، قرآن وسنت میں اس کی کوئی صراحت موجود

---

(۱) وقال اللہ تعالیٰ: لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ (سورۃ تحریم)۔

(۲) شرح فقہ اکبر (صفحہ ۱۰۲ طبع مصر) میں تفصیل ملائکہ وغیرہ عقائد کو ان عقائد کی فہرست میں لکھا گیا ہے جن سے جہالت مضر نہیں۔

نہیں، اس لئے علمائے کرام کی آراء اس معاملے میں مختلف ہیں، بعض زندہ کہتے ہیں بعض مردہ، جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے شرعاً کسی پر نہ یہ لازم ہے کہ وہ حضرت خضر کی زندگی کا عقیدہ رکھے، نہ یہ لازم ہے کہ موت کا عقیدہ رکھے، جو شخص اس معاملے میں جو عقیدہ رکھتا ہو دوسرے کو اس پر ملامت کا حق نہیں کیونکہ احتمال زندگی کا بھی ہے اور موت کا بھی، جو لوگ زندگی کے قائل گذرے ہیں ان کے تجربہ اور مشاہدہ میں ایسی باتیں آئیں کہ جن سے ان کو حضرت خضر کی زندگی کا یقین ہوگیا مگر دونوں کو ان کی بات ماننا شرعاً لازم نہیں۔[1]

۲-قرآن وسنت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں، بلا دلیل ایسی بات کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری طرف جھوٹی سی بات قصداً منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے۔[2] مگر اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی قدرت ہے۔

۳-ان میں بعض باتیں صراحۃً غلط ہیں، بعض محتمل التاویل ہیں، بعض بلا دلیل ہیں جس شخص کے اعمال واقوال میں یہ تینوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہوں اس کے عقیدے کو مجموعی طور پر کیسے صحیح کہا جاسکتا ہے؟

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۹/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۵۲۶/۲۰۸۶)

شہید اور ولی اللہ میں سے کس کا مرتبہ بڑا ہے؟

سوال (۲۶۱):-شہید کا مرتبہ بڑا ہے یا ولی اللہ کا؟

جواب:- دونوں کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے اور یہ کہیں صراحۃً نظر سے نہیں گزرا کہ دونوں میں سے کس کا درجہ بڑا ہے البتہ دلائل میں سرسری غور وفکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولی اللہ کا درجہ زیادہ ہے۔

واللہ اعلم
الجواب صحیح
محمد شفیع
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۳/۱۵ھ

---

(۱) قال البغوي اختلف الناس في ان الخضر حي ام ميت قيل ان الخضر والياس حيان يلتقيان كل سنة بالموسم . وذهب الآخرون الى انه مات .... ولا يمكن حل هذا الاشكال الا بكلام المجدد للألف الثاني فانه حين سئل عن حياة الخضر عليه السلام حاضرا عنده فسأله عن حاله فقال انا والياس لسنا من الأحياء لكن الله سبحانه اعطى لأرواحنا قوة نتجسد بها ونفعل بها افعال الأحياء من ارشاد الضال واغاثة الملهوف اذا شاء الله وتعليم العلم اللدني واعطاء النسبة لمن شاء الله تعالىٰ وجعلنا الله تعالىٰ معيناً للقطب المدار الخ(تفسير المظهري،ج۵ص۱۱۰،رشيدية)۔

نیز ملاحظہ فرمائیے: معارف القرآن، ج:۵،ص:۶۲۳، ومعارف القرآن لاکاندھلوی، ج:۴،ص:۴۴۴تا۴۴۴۔

(۲) عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ....ومن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار(الجامع الصحيح للبخاري، كتاب العلم،باب اثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم،حديث:۱۱۰)۔

کسی جگہ کے منحوس ہونے کا اعتقاد، علمِ نجوم کی حقیقت اور اس کی وجہ سے نقل مکانی

سوال (۲۶۲):- میں تقریباً بچپن سے ہی بیماریوں کا شکار چلا آتا ہوں بڑی مشکل سے تعلیم حاصل کی، اب ٹی بی ہوگئی اور سات آٹھ سال اس میں گذر گئے، میرا پہلے خیال تھا کہ میں جس جگہ عرصہ سے رہ رہا ہوں شاید یہ منحوس ہے، علم نجوم کی ایک کتاب کے مطالعے کے بعد یہ خیال کبھی کبھی یقین میں تبدیل ہونے لگتا ہے میں بہت پریشان ہوں، شاید شرک کا مرتکب ہوگیا ہوں، اگر میں اس جگہ سے کسی دوسری جگہ (جو علم نجوم کی رُو سے سعد ہو) چلا جاتا ہوں اور یہ مجھے راس آجاتی ہے تو میرے دل میں یہ خیال رہے گا کہ پہلی جگہ واقعی منحوس تھی (اور علم نجوم میں کچھ حقیقت ہے) اگر وہیں (اس علم کے بعد کہ یہ جگہ نحس ہے) رہتا ہوں تو بھی میرے دل میں یہ خیال رہے گا کہ میں اگر کسی سعد جگہ چلا جاتا تو شاید میرے لئے بہتر ہوتا اور میرے دن بدل جاتے پھر بھی نجوم کے اثراتِ بدستور رہیں گے۔

شوق ہی شوق میں تمام بڑے بڑے شہروں کے متعلق استخراجات نکال چکا ہوں کہ کونسا شہر میرے لئے سعد ہے اور کونسا نحس، لیکن آج کل کے حالات میں نقل مکانی کرنا ناممکن ہے اس لئے میں سخت پریشان ہوں، علاج تجویز فرمائیں اب سوال یہ ہے کہ:

۱- کیا کسی جگہ کو خاص حالات کے تحت منحوس خیال کرنا۔

۲- کسی جگہ کو علم نجوم وغیرہ کی رُو سے سعد یا نحس خیال کرنا دُرست ہے یا نہیں؟ (یہ کس قسم کے گناہ ہیں)۔

۳- علمِ نجوم کی کیا حقیقت ہے اس سے مستفید ہونا درست ہے یا نہیں؟ اگر کہیں جاؤں تو کیا نیت کر کے نکلوں، نیز جگہ کی تعیین کیسے کروں؟

جواب: ۱- اللہ جل شانہٗ کی قدرت وارادہ اور فیصلہ کے بغیر کوئی چیز کسی کو نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اب علومِ نجوم کا جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا، کچھ ادھوری باتیں باقی رہ گئیں جن سے علم یا ظنِ غالب حاصل نہیں ہوسکتا۔ اب جو کچھ نجوم کی کتابوں یا علمِ نجوم کے مدعی کہتے ہیں محض انہی ادھوری باتوں کی بنیاد پر کہتے ہیں، اندھے کا تیر ہے کبھی نشانہ پر لگ جاتا ہے اور اکثر خطا ہوتا ہے اس لئے اس سے استفادہ کی کوشش ایک عبث ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام نہاد علم پر بھروسہ کرنے یا اس میں مشغول ہونے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کیونکہ اس پر بھروسہ کرنا علاوہ بے فائدہ ہونے کے

اضاعتِ وقت بھی ہے، تشویشِ قلب کا باعث بھی ہے اور انسان کو وہمی بنا دینے والا ہے،[۱] ایک مؤمن کو اللہ پر بھروسہ کر کے اپنی تقدیر پر شاکر و صابر رہنا چاہئے۔ ہاں اپنی تکالیف کے ازالے کے لئے جائز تدابیر بھی کرے، علاج و معالجہ، تبدیلِ آب و ہوا کی ضرورت ہو تو وہ بھی کرے مگر نتیجہ اللہ کے سپرد کئے رہے۔

شریعت میں نحوست کوئی چیز نہیں، اس کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں،[۲] ہاں غیر اختیاری طور پر دِل میں خیال آجائے تو اس کا کوئی گناہ نہیں، اپنے مقصد و اختیار سے اس کے خیال کو دل میں جگہ نہ دے، جب خیال آئے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا کرے، ایسی کتابوں کا مطالعہ اور اس کا اعتقاد رکھنے والوں سے میل جول ترک کردے۔

نام نہاد علمِ نجوم کی بناء پر نقل مکانی نہ کریں، ہاں مکان کشادہ نہ ہو، یا صاف ستھرے ماحول میں نہ ہو یا اس شہر کی آب ہوا موافق نہ آتی ہو تو معالجوں سے پوچھ کر جو جگہ وہ تجویز کریں اور وہاں رہائش آپ کے لئے ممکن بھی ہو وہاں منتقل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ بسا اوقات ایک جگہ کسی کو موافق نہیں آتی تبدیلی مقام سے فائدہ ہو جاتا ہے، اس لئے تبدیلی مقام بالکل بے فکر ہو کر کر سکتے ہیں اس میں بالکل کوئی گناہ نہیں۔[۳] ہاں جگہ کا انتخاب نام نہاد علم کی بنیاد پر ہرگز نہ کریں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کریں کہ وہی ہمارا اور ہر چیز کا خالق و مالک ہے، صحت اور بیماری سب اسی کی قدرت میں ہے اور اللہ عزوجل سے اپنی جملہ بیماریوں اور پریشانیوں سے نجات کے لئے خوب دِل لگا کر دعا کیا کریں، نماز، روزہ اور تمام فرائض کی پابندی کریں اور یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ انسان کو دنیا میں جو تکلیف یا مصیبت بھی

---

(۱) عن قتادة رضي الله تعالیٰ عنه قال خلق الله تعالیٰ هذه النجوم لثلاث جعلها زينة للسماء، ورجوماً للشياطين وعلامات يهتدى بها فمن تأول فيها بغير ذلك اخطأ واضاع نصيبه وتكلف مالا يعلم رواه البخارى تعليقاً (وفي المشكوة مع المرقاة، باب الكهانة، طبع مكتبة حبيبية كوئٹه، ج ۸ ص ۱۸۳)

في المرقاة تحته (واخطأ) اي حيث تكلم رجما بالغيب (واضاع نصيبه) اى حظه من عمره وهو الاشتغال بما يعنيه وينفعه في الدنيا والآخرة (وتكلف مالا يعلم) اى شئي يتصور علمه لان اخبار السماء لا تعلم الا من طريق الكتاب والسنة وليس فيها ازيد مما تقدم۔ والله اعلم

انظر ايضاً التعليق الصبيح للشيخ الكاندهلوى ۱۸/۵ (طبعة داراحياء التراث بيروت)، تكملة فتح الملهم: ج ۴ ص ۳۸۴۔ مكتبه دارالعلوم كراچى)

وفي ردالمحتار: وانما زجر عنه من ثلثه اوجه احدها انه مضر باكثر الخلق ۔ وثانيها ان احكام النجوم تخمين محض. وثالثها انه لا فائدة فيه (ج ۱ ص ۴۴، سعيد)

(۲-۳) عن ابى هريرة رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا طيرة وخير الفال الخ (سنن البيهقى، ج ۸ ص ۱۳۹، المشكوة مع المرقاة، باب الفال والطيرة، ج ۸ ص ۳۶۱)

في المرقاة تحته: ۳۶۱/۸: فنفاه الشرع وابطله ونهاهم عنه واخبر انه ليس له تاثير من جلب نفع او دفع ضر۔

انظر ايضاً التعليق الصبيح للشيخ الكاندهلوى (طبعة بيروت) ۵۹/۵

(۳) عن انس رضي الله تعالیٰ عنه قال قال رجل يارسول الله انا كنا في دار كثر فيه عددنا واموالنا فتحولنا الى دار قل فيه عددنا واموالنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذروها ذميمة اى اتركوها بالتحول عنها حال كونها مذمومة لان هواءها غير موافق لكم (الادب المفرد للبخارى، باب الشوم في الفرس)

آتی ہے بڑی ہو یا چھوٹی اس کا بہت بڑا ثواب اس کو ملتا ہے اور بیشمار گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (۱)

واللہ اعلم بالصواب
(فتویٰ نمبر ۳۱۴/۲۵ ب)

سورج اور چاند گرہن کے موقع پر اِحتیاطی تدابیر کرنا؟

سوال (۲۶۳):- سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر حاملہ عورتوں کے لئے کچھ احتیاطی تدابیر بعض گھرانوں میں کی جاتی ہیں جیسے ان اوقات میں کمرہ سے باہر نہ نکلنا، آیا اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے یا نہیں؟

جواب:- شریعت میں ایسی کوئی بات کتابوں میں نہیں ملی، لہذا شرعاً اس طرح کا کوئی عقیدہ رکھنا ثابت نہیں، یہ مسئلہ جسمانی صحت سے متعلق ہے اور عورتوں میں مشہور ہے اگر احتیاط کی جائے تو شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ (۲)

واللہ اعلم
(فتویٰ نمبر ۴۶۲/۳۱ الف)

چاند گرہن کے موقع پر اِحتیاطی تدابیر نہ کرنے سے حمل کا متأثر ہونا

سوال (۲۶۴):- ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے جس کا ہونٹ کٹا ہوا ہے بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ حاملہ خاتون کی حرکات کا اثر ہے چاند گرہن کے موقع پر ایسا ہوتا ہے۔

جواب:- چاند گرہن سے ایسا ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ (۳) واللہ اعلم

۱۳/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۵۰۲/۲۵ ج)

---

(۱) عن عائشة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من شئي يصيب المؤمن حتى الشوكة يصيبه الا كتب الله له بها حسنة او حطت بها خطيئة (الجامع الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب ثواب المومن فيما يصيبه من مرض ۲/۳۱۵، طبع بيروت، برقم الحديث ۲۵۷۲)

(۲) وقال شيخ مشائخنا الكنكوهي قدس سره في الكوكب الدري ..... والذى ينبغي ان يعقد عليه القلب انه تعالىٰ هو المؤثر الحقيقي يفعل ما شاء حيث ما شاء وانما امثال هذه امارات جرت عادته سبحانه وتعالىٰ انه يفعل بعد اظهارها ولو شاء لم يفعل مع ظهور الامارات ايضا كما انه وضع في الادوية افعالا وخواص وقد تتخلف عن موجبها كذلك نعتقد في العدوى وتاثيرات النجوم وامطار الانواء انه تعالىٰ وضع فيه اثرا من غير ان يكون لها تاثيرا في ابداء ه فامرها ليس الا كامر الامطار اذا تنشأت سحابة فالظاهر منها انها تمطر ومع ذلك لسنا بالامطار مستيقنين الا ان يشاء الله رب العالمين . وبعد اوراق تحت قوله عليه السلام ولا نوء وان اعتقد ان ذلك من قبيل التجربة فليس بشرك (تكملة فتح الملهم، ج: ۴، ص: ۳۷۱)

انظر ايضا حجة الله البالغة، ج: ۲، ص: ۱۹۵ والمرقاة (تحت قوله صلى الله عليه وسلم ولا نوء) ج: ۸، ص: ۳۶۹ والتعليق الصبيح، ج: ۵، ص: ۴۳

(۳) بحوالہ بالا۔

آیاتِ قرآنیہ اور ماثور دُعاؤں سے عملیات کرنا

سوال (۲۶۵):- میں ایک عامل ہوں، میرا توحید اور رسالت پر ایمان ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوں میں نہ کوئی نجومی ہوں نہ کاہن، جو توحید ورسالت کا منکر ہوگا کافر ہوگا کیا میرا عقیدہ یہ صحیح ہے اور میرا یہ عملیات کرنا کیسا ہے؟

جواب:- اگر آپ کے عقیدے یہ ہیں اور عملیات بھی آیات قرآنیہ اور مسنون دُعاؤں سے کرتے ہیں تو یہ سب ٹھیک ہے اور بلاشبہ جائز ہے کسی کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔[1] واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۱۲/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۵۱۷/۲۲ د)

زیارت وخانقاہ پر سلام ودُعا کرنا

سوال (۲۶۶):- زیارت وخانقاہ پر سلام کرنا دعا کرنا کہاں تک صحیح ہے، آیا یہ بزرگ جو دنیا سے رخصت ہوگئے، مدد کر سکتے ہیں؟

جواب:- مسلمان مُردوں کو سلام کرنا سنت سے ثابت ہے اور کسی بزرگ کے مزار کے پاس اس خیال سے دعا کرنا کہ اس متبرک مقام کی برکت سے شاید دعا زیادہ قبول ہوجائے، گنجائش ہے، اللہ کے سوا کوئی کسی کی حقیقی مدد نہیں کرسکتا، جو کچھ مانگیں اللہ سے مانگیں کسی مُردہ سے مانگنا جائز نہیں۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۸/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۹۶۳/۲۲ ب)

---

(۱) عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله عنه قال كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يارسول الله كيف ترى في ذلك فقال اعرضوا علي رقاكم لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك)

وفي المشكوٰة مع المرقاة كتاب الطب والرقى الفصل الاول ۸/۳۰۱ وعن انس رضي الله تعالىٰ عنه قال رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم في الرقية من العين والحمة والنملة

في المرقاة تحته والمراد بالرقية هنا ما يقرأ من الدعاء وايات القرآن لطلب الشفاء

ولد الزنا اگر ایمان اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرے تو جنت میں جائے گا

سوال (۲۶۷):- ولدزنا اگر ایمان دار ہو اور عمل صالح کریں تو یہ ولد الزنا جنت میں جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

جواب:- ولدزنا اگر مؤمن ہے اور نیک متقی ہے اور ایمان ہی پر مرا تو جنت میں جائے گا۔

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

محمد شفیع ۲۹/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۸۲۵ د)

متہم بالتشیع کا جنازہ پڑھنے والوں پر کفر وفسق کا فتویٰ لگانا درست نہیں

سوال (۲۶۸):- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عشرہ محرم میں تمام رسوم ادا کرتا تھا تحفظ حقوق شیعہ کا صدر بھی تھا۔ بعض لوگ اس پر سبِ صحابہ کا الزام بھی لگاتے ہیں لیکن اس کے ورثاء، اس الزام کی حلفاً تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اہل بیت سے محبت ضرور ہے لیکن ہمارا سارا خاندان صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا کفر سمجھتا ہے اور شخص مذکور کا عقیدہ بھی یہی تھا۔ کثیر شہادتوں سے شخص مذکور کا نمازِ پنج گانہ اور نمازِ جمعہ وغیرہ اہل سنت کی مساجد میں اہل سنت کے طریق پر ادا کرنا نیز تلاوتِ کلام پاک کرنا، اہل تشیع نے اس کی تجہیز وتکفین اپنے طریقے پر کرنی چاہی لیکن ورثاء نے صاف انکار کر دیا، اہل سنت والجماعت کے کچھ لوگوں نے شخصِ مذکور کی نمازِ جنازہ ادا کرنے سے انکار کر دیا لیکن اہل سنت والجماعت میں سے کچھ لوگوں نے شخصِ مذکور کو فاسق سمجھتے ہوئے اس کی نمازِ جنازہ ادا کر دی۔ جنازہ نہ پڑھنے والے سنی حضرات نماز پڑھنے والے سنیوں پر کفر اور فسخِ نکاح کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ فتویٰ پر مفتی شفیع صاحب مدظلہ کے دستخط ضرور ہوں۔

جواب:- سبِ صحابہ کا الزام چونکہ ثابت نہیں ہے اور ورثاء میت حلفاً اس کی نفی بھی کرتے ہیں، نمازیں اہل سنت کے طریقے پر پڑھنا بھی اس کے شیعہ ہونے کی منافی ہے اور ورثاء میت کی خواہش بھی یہی تھی کہ اہل سنت والجماعت کے طریقے پر تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ ہو اس لئے اس پر جن سنی حضرات نے نماز

جنازہ پڑھی وہ کسی قسم کی ملامت کے مستحق نہیں،[1] ان پر کفر یا فسق کے فتویٰ لگانا یا یہ کہنا کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں، بالکل غلط ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۱/۸/۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح
محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۲/۱۰۱۲/ ۲۳د)

چاند تک انسان کی رسائی خلافِ عقل وشرع نہیں

سوال (۲۶۹):- چاند پر انسان کی رسائی قرآن کی رُو سے ممکن ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے کفر سمجھتے ہیں؟

جواب:- قرآن وسنت میں چاند تک انسان کے پہنچنے کو نہ تو ممکن کہا گیا اور نہ غیر ممکن کہا گیا، یہ سراسر تجربہ اور مشاہدہ کی چیز ہے اور کوئی عقلی یا شرعی دلیل انسان کے چاند تک پہنچنے کو ناممکن قرار نہیں دیتی۔[2]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱/۱۱/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۶۸۱/ ۲۴ج)

اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت ہے

سوال (۲۷۰):- محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عرض اینکہ حضرت مولانا محمد حارث صاحب نے ایک نیک مبارک تحریک شروع کی ہے، اس میں آپ حضرات سے بھی تعاون لینا چاہتے ہیں، اُمید ہے آپ خصوصی توجہ دے کر ممنون فرمائیں گے۔

جواب:- اس وقت اُمتِ مسلمہ کا سب سے اہم مسئلہ اتحاد بین المسلمین ہے، ہر وہ کام حرام ہے

---

(۱) في المشكوٰة مع المرقاة كتاب الايمان، الفصل الأول: ۸۲/۱: عن انس انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفر الله في ذمته.

في المرقاة تحته: ۸۲/۱ (من صلى صلاتنا) اى كما نصلي ولا توجد الا من موحد معترف بنبوته ومن اعترف به فقد اعترف بجميع ما جاء به فلذا جعل الصلاة علما لإسلامه.

(۲) تفصیل کے ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ عثمانی، ج:۱، ص:۱۷۲ تا ۱۷۵ اور فتاویٰ حقانیہ، ج:۱، ص:۳۴۰ تا ۳۴۳۔

جس سے اُمتِ مسلمہ میں اِفتراق پیدا ہو[1]، اور ہر وہ کوشش باعثِ اجر و ثواب ہے جو شریعت کے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے اتحاد بین المسلمین کے لئے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مضمونِ بالا سے متعلق عربی میں علمائے کرام کی آراء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ایہا الطلباء الکرام علیکم من اللہ السلام خُضْتم فی امر فخیم وخطب جسیم ۔

بقدر الکد تکتسب المعالی

علیکم بتقوی اللہ فان التقوی ملاک الحسنات وانما لامرءٍ ما نوی فلا تکونوا لانفسکم بل کونوا انصار اللہ ان تنصروا اللہ ینصرکم وکونوا علی حذر لا کن جہادکم قتالًا فیما بینکم فقد قال جلّ مجدہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم ولکن سعیکم فی اتحاد کلمتکم۔ لقد شمّر حارث الحراث ساعد الجد ولقد اُتی بما یعجز عنہ فئات المسلمین والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا فالمسئول من اللہ ان ینجحنا وایاہ معکم فی سبیل الخیر۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون۔ والسلام خیر ختام

وانا الأحقر محمد یعقوب شرودی
خادم الجامعۃ الرشیدیۃ سرکی روڈ
کوئٹہ بلوچستان، پاکستان
۱۶/شعبان ۱۴۱۵ھ – ۱۸/جنوری ۱۹۹۵ء

نعم ما کتب الشیخ محمد یعقوب شرودی مدّظلہ۔

گل حسن عفی عنہ
ناظم دارالعلوم رحیمیہ نیلا گنبد
۱۹/۱/۱۹۹۵ء

انا مؤید لما کتب الشیخ مولانا محمد یعقوب شرودی حفظہ اللہ۔

احقر الانام مہر اللہ عفا اللہ عنہ
خادم بمرکزی تجوید القرآن کوئٹہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (آل عمران: ۱۰۳)۔

.... عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنَّ اللہ یرضی لکم ثلاثًا ویکرہ لکم ثلاثًا یرضیٰ لکم ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئًا، وان تعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرّقوا، ویکرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال۔ (صحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب النہی عن کثرۃ السؤال من غیر حاجۃ، حدیث: ۴۵۷۸)

.... فی شرح النووی تحت ہٰذا الحدیث (ج: ۲، ص: ۱۴۴) قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: (ولا تفرّقوا) فہو امرٌ بلزوم جماعۃ المسلمین وتألف بعضہم ببعض وہٰذہ احدی قواعد الاسلام۔

ما کتب مولوی محمد یعقوب شرودی فصحیح واللہ المستعان علیٰ ما یجھد فی ذالک۔

عارف گل عفی عنہ
ہارون آباد کراچی

واللہ اعلم بالصواب وما توفیقی الا باللہ۔

احقر عبدالکریم عابد
مدیر جامعہ مدنیہ
گلشن اقبال کراچی
۵/رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح

محمد زر ولی خان عفا اللہ عنہ
جامعۃ احسن العلوم
گلشن اقبال کراچی

محمد مظہر عفا اللہ عنہ
اشرف المدارس
گلشن اقبال کراچی

انا موافق ومؤید لھٰذا التحریر وادعوا اللہ سبحانہ وتعالیٰ لصاحب ھٰذا التحریر۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
خادم طلبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
کورنگی کے ایریا

محمد عبدالمنان عفی عنہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴
۸/۹/۱۴۱۵ھ
نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴

٭٭٭
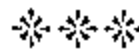
فصل فی التقدیر
(تقدیر سے متعلق سوالات)

ہر کام اللہ کے علم اور مشیت کے مطابق ہوتا ہے

سوال (۲۷۱):- آپ نے مسئلہ تقدیر میں فرمایا تھا کہ علم باری میں ہر شئے پہلے سے طے شدہ ہے اور انسان اپنی مرضی و اختیار سے وہی کام کرتا ہے، مرض، شفاء، علاج، ہر چیز مطابق تقدیر ہے، کیا مندرجہ بالا عقیدہ درست ہے مثلاً یہ خط جو میں لکھ رہا ہوں اسی کاغذ اور اسی قلم اور اسی وقت لکھا جانا علم باری میں تھا اور یہ ناگزیر تھا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان پر کسی قسم کی کوئی تکلیف دکھ پہنچے اتفاقی یا اپنے اعمال سے تو وہ ضرور ہونے والی تھی ہو کر رہی، یعنی انسان کی ہر حرکت اور سکون پہلے سے اللہ کے علم میں ہوتا ہے وہ ضرور ہو کر رہتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر کام اللہ کی رضا سے ہونا ضروری نہیں، بعض کام اللہ کی پسند اور بعض ناپسند کے ہوتے ہیں لیکن اللہ کو علم ضرور ہوتا ہے آپ کے جوابات سے میں نے تقدیر کا یہی مفہوم اخذ کیا ہے؟ جواب دیں تاکہ تسلی ہو۔

جواب:- خط کی مثال میں جو عقیدہ آپ نے تحریر کیا ہے درست ہے اور خط کشیدہ عبارت کے بعد یہ جملہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ ہی کے پیدا کرنے سے وجود میں آتا ہے یعنی اسی کے حکم و ارادہ سے اس کام کا وجود ہوتا ہے۔ اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو وہ کام وجود میں نہ آتا اگرچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا من کل الوجوہ راضی ہونا ضروری ہے۔[1]

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۸/۹/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح

محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۸۰۸ و)

---

(۱) قال اللہ تعالی: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ (سورۃ الانعام)۔

کیا تقدیر بدل سکتی ہے؟

سوال (۲۷۲): - لوگ کہتے ہیں کہ تدبیر سے تقدیر بدل جاتی ہے کیا صحیح ہے؟

جواب: - تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک تقدیر معلق، دوسری تقدیر مبرم۔

پہلی قسم تدبیر سے متاثر ہو جاتی ہے دوسری قسم متاثر نہیں ہوتی،[1] مسئلہ نازک اور تفصیل طلب ہے، کارڈ میں اس کی گنجائش نہیں، سمجھ میں نہ آیا ہو تو کسی وقت زبانی آکر معلوم کر لیں یا لفافہ بھیج کر پوچھ لیں۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۱۱/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۴۲۲/۲۲ و)

الجواب صحیح

محمد شفیع

تدبیر کی حدود

سوال (۲۷۳): - کسی شخص کو کہاں تک تدبیر کرنی چاہئے اور کب معاملے کو تقدیر پر چھوڑنا چاہئے؟

جواب: - تدبیر متوسط درجہ کی کرنی چاہئے، حدیث میں ہے کہ متوسط درجہ کی کوشش کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو،[2] اور متوسط درجہ کی کوشش و تدبیر یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حقوق اللہ یا حقوق العباد (جو کہ واجب ہیں) ترک نہ ہوتے ہوں۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۸/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲/۱۰۱۲/۲۲ ج)

الجواب صحیح

محمد شفیع

جب موت وحیات غیر اختیاری ہیں تو جزاء وسزا کس بنیاد پر؟

سوال (۲۷۴): - ایک بے ثبات دُنیا ہے، یہاں پر بنی نوع انسان کا قیام عارضی ہے بعد

---

(۱) وقال ابن عباس یمحوا اللہ مایشاء ویثبت یعنی مما کان فی اللوح فما کان مکتوبا قابلا للمحو یسمی بالقضاء المعلق یمحوہ اللہ تعالیٰ بایجاد ما علق محوہ بہ سواء کان ذلک التعلیق مکتوبا فی اللوح او مضمرا فی علم اللہ تعالیٰ وما لیس قابلا للمحو یسمی بالقضاء المبرم وذلک القضاء لا یرد (فی تفسیر المظہری: ج۵ ص۲۱۰ رشیدیۃ)

نیز تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، معارف القرآن: ج:۵ ص:۲۱۴، ۲۱۵، اور درس مسلم از حضرت مؤلف مدظلہم: ج:۱ ص:۲۲۳، ۲۲۵ (ادارۃ المعارف، کراچی)۔

(۲) عن جابر بن عبداللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أیہا الناس اتقوا اللہ واجملوا فی الطلب فإن نفسا لن تموت حتّٰی تستوفی رزقہا وإن أبطأ عنہا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب خذوا ما حل ودعوا ما حرم (سنن ابن ماجۃ، کتاب التجارات، باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ)۔

ازاں ہر آدمی کو موت کے بعد اعمال کی سزا و جزاء ملے گی، اب سوال یہ ہے کہ جب انسان نہ اپنی مرضی سے آیا اور نہ گیا تو پھر اس سے حساب وکتاب کس بات کا؟

جواب:- اشکال جب ہوتا کہ آخرت کی جزاء وسزا انسان کے دُنیا میں آنے یا دُنیا سے جانے کی ہوتی حالانکہ معاملہ یہ نہیں بلکہ جزاء وسزا انسان کے اپنے اختیاری افعال پر ہوتی ہے، دُنیا میں آنے یا یہاں سے جانے کی نہ کوئی سزا ہے نہ جزاء لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

یعنی دُنیا میں انسان غیر اختیاری طور پر لایا گیا لہٰذا اس کی انسان کو نہ کوئی سزا ملے گی نہ جزاء، اسی طرح اسے غیر اختیاری طور پر واپس بلا لیا جاتا ہے اس پر بھی کوئی باز پرس اور جزاء وسزا نہیں، جزاء وسزا اور حساب وکتاب صرف ان افعال کا ہے جو اس نے دُنیا میں آنے کے بعد اور دُنیا سے جانے سے پہلے کے درمیانی وقت میں عقل وبلوغ اور حالتِ اختیار میں کئے ہیں۔ (۱)

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۴۹۳/۱۱/۱۰ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۷۵۲ ج)

جب تقدیر میں سب کچھ لکھا ہوا ہے تو دُعا کیوں کی جائے؟

سوال (۲۷۵):- قرآن پاک کی تفسیر معارف القرآن سورہ عبس کی تفسیر لفظ قدرہ ص:۶۷۶ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ انسان جب بطن مادر میں زیرِ تخلیق ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی چار چیزوں کی مقدار لکھ دیتے ہیں: ۱- وہ یہ کہ وہ کیا کیا کیسے کیسے عمل کریگا۔ ۲- اس کی عمر کتنی ہوگی۔ ۳- اس کو رزق کتنا ملے گا؟ ۴- اور وہ انجام کار سعید ونیک بخت ہوگا یا شقی بد بخت ہوگا؟ (کما فی حدیث ابن مسعودؓ عند الشیخین)۔

عرض یہ ہے جب سب کچھ پیدا ہونے سے پہلے لکھا جا چکا ہے تو عمر دراز کی دُعا، وسعتِ رزق کی دُعا، نیک بختی کی دُعا پھر کیسے ہے؟ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

جواب:- تقدیر کا مسئلہ فتویٰ کا نہیں ہے، یہ بہت پیچیدہ مسئلہ ہے البتہ اگر آپ چاہیں تو مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں (یا کسی محقق عالم سے زبانی سمجھ لیں)۔

۱- مسئلہ تقدیر: از حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ، اور حضرت مولانا قاری طیبؒ ناشر ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور۔

(۱) وللعباد افعال اختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية (شرح العقائد، ص ۱۲)

۲-اطیب الثمر فی تحقیق مسئلۃ القضاء والقدر (اُردو) از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ۔
۳-کتاب التقدیر از ابن القیم (اُردو ترجمہ)۔
۴-مظاہر حق جدید جلد اول باب الایمان بالقدر۔[1]

واللہ اعلم بالصواب
محمد خیر اللہ
۲۲/۳/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی

(فتویٰ نمبر ۳۹/۵۵۲ب)

جواب صحیح ہے اور یہ بات کہ یہ شخص اپنی زندگی میں ان اُمور کی دُعا کرے گا یا نہیں؟ اور دُعا کرے گا تو قبول ہوگی یا نہیں؟ یہ سب بھی اس کی تقدیر میں پہلے لکھا ہوا ہے مگر چونکہ ہمیں اپنی وہ تقدیر معلوم نہیں۔ دُعا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے دُعا کرنی چاہئے، موجبِ ثواب ہے۔[2]

محمد رفیع عثمانی

جب کفار کے دِل مہر شدہ ہیں تو وہ مستحقِ عذاب کیوں؟

سوال (۲۷۶):- زید نے قرآن مجید کی ان آیات کا ترجمہ کیا "إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ (الیٰ قولہ) وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝"۔

سامعین میں سے ایک نے سوال کیا کہ جب خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو پھر ان کے لئے عذابِ عظیم کی دھمکی کیوں دی جارہی ہے جبکہ اسلام کا یہ اُصول ہے کہ درخت کا پتہ بھی بغیر حکم خدا نہیں گرتا۔ تو پھر یہ بھی عین تقدیر کے موافق ہے کہ اس کے مقدر میں ایسا ہے تو پھر سزا کی تجویز چہ معنی دارد جبکہ خدا تعالیٰ خود فرماتے ہیں وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝، جنابِ والا سے اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہے۔

جواب:- یہ تقدیر کا مسئلہ ہے جو بہت باریک ہے، عوام کو اس میں اُلجھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے روکا ہے،[3] مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس میں نہ اُلجھیں، اور مختصراً یہ عقیدہ رکھیں انسان نہ مجبورِ محض ہے اور نہ قادرِ مطلق ہے بلکہ معاملہ بین بین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ اختیار بھی دیا ہے اور اسی

---

(۱) نیز حضرت مؤلف مدظلہم کا اس موضوع پر آسان اور جامع رسالہ "مسئلہ تقدیر کا آسان حل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲) فی المشکوٰۃ مع المرقاۃ، باب الایمان بالقدر، الفصل الثانی، ج:۱، ص:۲۶۸: عن ابی خزامۃ عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ! ارایت رقی نسترقیہا ودواء نتداوی بہ وتقاۃ نتقیہا ھل ترد من قدر اللہ شیئاً قال ھی من قدر اللہ۔

فی المرقاۃ تحت قولہ ھی من قدر اللہ: ایضاً یعنی کما ان اللہ قدر الداء قدر زوالہ بالدواء ومن استعملہ ولم ینفعہ فلیعلم ان اللہ تعالیٰ ما قدرہ۔

(۳) عن ابی ھریرۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجھہ حتی کأنما فقیء فی وجنتیہ الرمان فقال ابھذا امرتم ام بھذا ارسلت إلیکم إنما ھلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی ھذا الأمر عزمت علیکم ألا تتنازعوا فیہ (سنن الترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء فی التشدید فی الخوض فی القدر)۔

اختیار پر جزاء وسزا ہے۔[1] اورآیتِ مذکورہ بالا میں جو دِلوں پر مہر لگادینا مذکور ہے وہ بھی ان کے کفرِ سابق کی وجہ سے ہے اور کفر ہی کی سزا کے طور پر ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا کفر سابق ان کے اپنے اختیار سے تھا۔ کیونکہ اس وقت ان کے دِلوں پر مہر نہ لگی تھی یہ نہیں ہے کہ مہر پہلے لگائی گئی اور وہ کافر بعد میں ہوئے بلکہ وہ کافر پہلے ہوئے اور مہر بعد میں لگائی گئی،[2] خود مذکورہ بالا آیت ہی میں اس کی صراحت ہے۔

اور سائل کو اس قسم کے نازک مسائل میں عوام کو اُلجھانے کے بجائے کسی ماہر عالمِ دین کے پاس فرصت میں جا کر اپنے شبہات دُور کرنے چاہئے۔ اگر طلبِ حق کی نیت ہوگی تو ان شاء اللہ ضرور تسلی ہو جائے گی کہیں اور تسلی نہ ہو تو ہمارے پاس آجائیں مگر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے سے کلی اجتناب کریں، سائل نے جو بات کہی ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے یہ اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے، اس کو اس عقیدے سے توبہ کرنی چاہئے۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۹/۲۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع
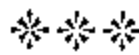
(۱) واللہ تعالیٰ خالق لا فعال العباد من الکفر والایمان والطاعة والعصیان لا کما زعمت المعتزلة ان العبد خالق لا فعاله-الی قوله وللعباد افعال اختیاریة یثابون بها ان کانت طاعة ویعاقبون علیها ان کانت معصیة لا کما زعمت الجبریة انه لا فعل للعبد اصلا وان حرکاته بمنزلة حرکات الجمادات لا قدرة علیها ولا قصد ولا اختیار وهذا باطل (شرح العقائد، ص:۶۰)

(۲) او یقال ان المراد بالختم ما یخلق اللہ تعالیٰ من السواد علی القلوب باقتران المعاصی روی البغوی عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن اذا اذنب کانت نکتة سوداء فی قلبه الی قوله ولما کان حال ذنب المؤمن کذلک فما بال الکافر (تفسیر المظهری: ۲/۳۰)...... نیز ملاحظہ فرمائیے معارف القرآن، ج:۱، ص:۱۱۹۔

فصل فی الوسوسة

(وسوسہ اور خیالات کے بارے میں)

غیر اِختیاری وساوس ایمان کے منافی نہیں

سوال (۲۷۷):- میں بے حد پریشان ہوں مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں، سوچتا ہوں رذائل کیوں طاری رہتے ہیں، پھر میرا دماغ خالق کی طرف بڑھ جاتا ہے اور بہت ہی خراب خیالات وجذبات خالق کی طرف سے آتے ہیں۔ معلوم نہیں میری حالت اب مسلمان ہونے کے تحت آتی ہے یا خدا نہ کرے کسی اور حالت میں ہوں تو بہ تو کرتا ہوں مگر خیالات کا کیا کروں ایسی حالت میں نماز وقرآن وغیرہ بھی جیسا ہوتا ہے وہ میں ہی جانتا ہوں میری عمر بھی پچپن سال ہے اور میں زیادہ پریشان ہوتا ہوں کہ اگر حالت یہ ہے تو پھر نکاح بھی صحیح رہا یا نہیں؟ یہ اور مزید غلطی کر رہی ہوں اب میں کہاں جاؤں، کس طرح کس سے کہوں، نکاح کے متعلق اس قدر شک گذرتا ہے کہ میری حالت، صحت اندر اندر ڈوبتی جارہی ہے اگر کوئی حل ہوتو مہربانی کرکے بتادیں۔

جواب:- جو خیالات وسوسے غیر اختیاری طور پر آتے ہیں ان سے نہ ایمان میں کوئی خلل آتا ہے، نہ کسی قسم کا گناہ ہوتا ہے، [1] بلکہ ان خیالات سے طبیعت کو جو تکلیف ہوتی ہے اس کا ثواب بھی ملتا ہے، جب یہ بات ہے تو نکاح کے متعلق بھی شبہ نہ رہنا چاہئے۔ ان خیالات کی بالکل پرواہ نہ کیجئے، نماز، روزہ اور فرائض واجبات اور سنتیں ادا کرتی رہیں۔ اور یقین کیجئے یہی راستہ نجات کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۸/۹/۱۴۰۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۰۴/۳۲ ج)

---

(۱) جاء ناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى النبي صلى الله عليه وسلم فسألوه انا نجد في انفسنا ما يتعاظم احدنا ان يتكلم به قال أوقد وجدتموه قالوا نعم قال ذالك صريح الايمان(صحيح مسلم،كتاب الايمان، باب بيان الوسوسة من الايمان،حديث:۳۵۷)

و في التعليق الصبيح للشيخ الكاندهلوىؒ،باب في الوسوسة،ص:۵۹،ج:۱اعلم ان الوسوسة ضرورية واختيارية فالضرورية ما يجري في الصدر من الخواطر ابتداء ولا يقدر الانسان على دفعه فهو معفو عنه عن جميع الامم قال تعالىٰ لا يكلف الله نفسها الا وسعها

في مرقاة المفاتيح،باب في الوسوسة (۱۳۶/۱):وقيل المعنى ان الوسوسة امارة الايمان لان اللص لا يدخل البيت الخالي ولذا روى عن علي رضي الله عنه وكرم الله وجهه ان الصلوٰة التي لا وسوسة فيها هي صلاة اليهود والنصارىٰ۔

شیطانی وسوسے اوران کا علاج

سوال (۲۷۸): - کچھ عرصہ سے مجھے اپنے بارے میں یہ خوف لاحق ہوگیا ہے کہ میں نے گناہوں کے سوا کچھ نہیں کیا ہے، ٹھکانہ دوزخ کے سوا نہیں، کبھی دل چاہتا ہے جنگلوں میں نکل جاؤں، پریشانیوں کا ہجوم ہے۔ کوئی حل ہے؟

جواب: - یہ سب شیطانی وسوسے ہیں اور آپ کے پختہ ایمان کی علامت ہے،[1] اللہ کی رحمت کے سامنے ہمارے گناہ ہیچ ہیں وہ ایسا قادر مطلق کیا ہمارے گناہ نہیں بخش سکتا، جس کی رحمت بخشش کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ علاج یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنت کی نعمتوں کا ذکر سنا کریں اور لوگوں کو سنایا کریں اور کسی متبعِ سنت شیخ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر کے سب حالات ان کو بتایا کریں اور ان کے ارشاد کے مطابق عمل کریں، آپ یقیناً مسلمان ہیں اور یہ سب حالات آپ کے ایمان کی واضح علامت ہیں۔

واللہ اعلم
۱۸/۳/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۶۸۴/۲۵ د)

برے خیالات سے چھٹکارے کا طریقہ اوران کی وجہ سے ہونے والے گناہوں سے نجات

سوال (۲۷۹): - ہمارے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں لیکن اکثر وبیشتر برے خیالات غالب آجاتے ہیں اور برے کام سرزد ہوجاتے ہیں، عبادت میں جی نہیں لگتا؟ لہٰذا ایسی دعا بتائیے جس کی بناء پر خدا کی یاد میں غرق رہوں۔

جواب: - اپنے اختیار سے دل میں برے خیالات کو نہ لائیں اور جگہ نہ دیں، جب برے خیالات دل میں آئیں کسی جائز یا نیک کام میں مشغول ہوجائیں اس کے باوجود برے خیالات آتے رہیں تو اس میں نہ کوئی گناہ ہے نہ نقصان، اس کی فکر نہ کریں، نماز میں بھی ایسے خیالات آتے رہیں تو پروا نہ کریں نماز پوری کریں، اس قسم کے خیالات جب غیر اختیاری طور پر آئیں تو ان سے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، جب کوئی گناہ ہوجائے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں اور کوئی نیک کام اسکے بدلہ میں کریں،[2] توبہ واستغفار

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے: گذشتہ مسئلے کا حاشیہ۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ" (سورۂ ہود، آیت نمبر ۱۱۴)۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اباذر اتق اللہ حیث کنت واتبع السیئة الحسنة تمحها (سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی معاشرة الناس، حدیث: ۲۱۱۵)

سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔[۱]

والله اعلم بالصواب

۱/۲/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶۶/۲۶ الف)

گناہ کا عزمِ مصمم کر کے گھر سے نکلے اور کسی وجہ سے گناہ نہ کر سکے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۲۸۰):- کوئی شخص جان بوجھ کر غلط کام کرنے کی نیت سے گھر سے روانہ ہو، مگر عمل کرنے سے پہلے اس کی موت واقع ہو جائے تو ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب:- اگر وہ گناہ کا ایسا عزم کر کے چلا تھا کہ اگر موت نہ آتی تو وہ گناہ ضرور کرتا تب تو وہ گناہ کی حالت میں مرا ہے،[۲] اس کے لئے بہت اہتمام کر کے دُعا مغفرت کرنی چاہئے، اور ہو سکے تو اس کی طرف سے صدقہ وخیرات بھی کریں،[۳] مگر اسے کافر ہرگز نہ سمجھیں اور نہ یقین کریں کہ اس کو ضرور عذاب ہوگا کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے ہوسکتا ہے کہ اس کی کسی دوسری نیکی کی بدولت اللہ نے اسے معاف کر دیا ہو۔[۴]

والله اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳/۷/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۸۸/۲۲ ب)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

***
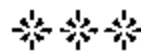
(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له (سنن ابن ماجه كتاب الزهد، باب ذكر التوبة)۔

(۲) اختلفوا في نية السيئة والحق انه لا عقاب عليها الا ان انضم اليها عزم او تصميم اى عزم على الفعل بالفعل او تصميم على انه سيفعل (مرقاة المفاتيح، خطبة الكتاب ج: ۱ ص: ۴۳)۔

و في التعليق الصبيح: ۱/۴۹۵، باب في الوسوسة: فاذا قوي وترجح الفعل حتى صار جازما مصمما بحيث لا يقدر على التحرك سمي عزما فهذا يثاب عليه ان كان في الخير ويعاقب عليه ان كان في الشر

(۳) في شرح الطحاوية لابن ابي العز الحنفي (طبعة المملكة العربية السعودية) ص: ۴۵۸

(قوله وفي دعاء الاحياء وصدقاتهم منفعة للاموات) ش اتفق اهل السنة ان الاموات ينتفعون من سعي الاحياء بامرين: وثانيهما دعاء المسلمين واستغفارهم له والصدقة الخ

(۴) في اصول الدين عند الامام ابي حنيفة للخميس (طبعة المملكة العربية السعودية) ص: ۴۵۱: نصوص الكتاب والسنة تدل دلالة واضحةً على ان مرتكب الكبيرة لا يكفر ولا يخرج من الدين بسبب ارتكابه للكبيرة ..... وارتكاب الكبير ليس سببا للخلود في النار الا الشرك بالله قال الله تعالىٰ: ان الله لا يغفر ان يشرك به الآية قال ابن جرير وقد ابانت هذه الآية ان كل صاحب كبيرة ففي مشية الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه عليها ما لم تكن الكبيرة شركاء بالله۔

وفي الفقه الاكبر مع شرحه (طبعة مصر) ص: ۶۳: ولا نكفر مسلما بذنب من الذنوب وان كانت كبيرة اذا لم يستحلها۔

انظر ايضاً: في شرح الطحاوية لابن ابي العز (طبعة السعودية ص: ۲۹۶)

کتاب العلم

(علم کے فضائل اور مسائل کے بارے میں)

فصل فی تعظیم العلم و العلماء
(علم اور علماء کی تعظیم کے بارے میں)

فتویٰ کسے کہتے ہیں؟
مفتی کسے کہتے ہیں؟ اور مفتی بننے کے لئے کیا شرائط ہیں؟

سوال (۲۸۱): - فتویٰ کے کیا مطالب ہیں؟ اور فتویٰ کس طرح سے صادر کیا جاتا ہے؟ کیا مفتی کی ذاتی رائے ہوتی ہے؟

(۲۸۲) ۲ - مفتی ہونے سے کیا مراد ہے؟ مفتی، علم کی سند ہے؟ خطاب ہے؟ یا عہدہ؟ اگر یہ خطاب و عہدہ ہے تو اس کا دینا کس کے اختیار میں ہے؟

(۲۸۳) ۳ - مفتی ہونے کے لئے کون کون سی اسناد اور کس قدر دینی علم کی ضرورت ہوتی ہے؟

(۲۸۴) ۴ - اگر یہ عہدہ یا خطاب ہے تو یہ کسی عالم کو علوم کے کن مدارج پر پہنچنے کے بعد دیا جاتا ہے؟ اور ان مدارج کا اندازہ کون اور کس طرح کرتا ہے؟

(۲۸۵) ۵ - کسی بات کے آخر میں ''واللہ اعلم'' کس مقصد کے تحت لکھا جاتا ہے؟ کیا یہ کلمہ فتویٰ کے آخر میں بھی لکھا جانا ضروری ہے؟

جواب: ۱ - کسی دینی سوال، کسی مسئلے کا شرعی حکم جو کسی کے سوال پر کوئی عالم دین شرعی دلائل کی روشنی میں بتائے وہ ''فتویٰ'' ہے، جواب میں اگرچہ دلیل مذکور نہ ہو مگر جواب دینے والے نے وہ جواب ذہن میں دلیل قائم کرنے کے بعد دیا ہو۔ فتویٰ مفتی کی ذاتی رائے نہیں ہوتی بلکہ شریعت کی چار دلیلوں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس میں سے کم از کم کسی ایک دلیل سے ثابت شدہ حکم ہوتا ہے جس کا اظہار مفتی اپنے فتویٰ کی صورت میں کرتا ہے۔ غرض مفتی اللہ کا حکم بتانے والا ہوتا ہے، بنانے والا نہیں ہوتا۔

۲ - مفتی وہ شخص ہے جو فتویٰ دینے کی اہلیت اور اس کا مشغلہ رکھتا ہو، جن مسلم ممالک میں اسلامی قوانین رائج ہوتے ہیں اُن میں یہ ایک عہدہ ہوتا ہے، جس پر تقرر حکومت کرتی ہے، جہاں اسلامی قوانین رائج نہیں ہوتے وہاں یہ سرکاری عہدہ نہیں ہوتا، مستند اور محقق علمائے کرام جس عالم دین کے فتویٰ پر اعتماد

کرنے لگیں اُسے "مفتی" کہا جاتا ہے اور اُس کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا ہے۔

۳، ۴- مفتی ہونے کے لئے حدیث، تفسیر، فقہ، اُصولِ فقہ اور علومِ عربیہ میں مہارت کے علاوہ تقویٰ بھی لازمی ہے۔

۵- اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے کسی ماہر مفتی کی نگرانی میں سالہا سال فتویٰ کا کام کیا ہو، وہ ماہر مفتی جب اُس کے فتویٰ پر اعتماد کرنے لگے تو یہ شخص بھی مفتی ہوجاتا ہے، مفتی ہونے کے لئے محض کسی دینی دارالعلوم کی سندِ فراغت حاصل کرلینا کافی نہیں ہے۔

"واللہ اعلم" کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔ یہ فتویٰ کے آخر میں لکھنے کا معمول احتیاط کے لئے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مفتی کو حکمِ شرعی سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہو مگر یہ لکھنا ضروری نہیں، بہتر ہے۔

واللہ اعلم
(فتویٰ نمبر ۲۳۹۰/۲۵ ز)

اِمامِ مسجد کو بُرا بھلا کہنا

سوال (۲۸۶):- ایک شخص اِمامِ مسجد سے گالی گلوچ کرتا ہے اور بھری مجلس میں اُس کا اقرار بھی کرتا ہے، اس سے قبل چند ائمہ کرام کی توہین کرکے انہیں برطرف بھی کرواچکا ہے، ائمہ کرام کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ اُس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتے ہیں، اس کی اہلیہ اور شخصِ مذکور سے اہلِ گاؤں اور پڑوسیوں کی اکثر بے عزتی ہوتی رہتی ہے، شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس کی عزت محفوظ رہی ہوگی۔

جواب:- ایسا شخص سخت گناہگار، مرتکبِ کبیرہ اور فاسق ہے،[1] اُس پر لازم ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ اُس نے یہ معاملہ کیا ہے اُن سے معاف کرائے، قبر و آخرت کو خراب نہ کرے، ورنہ سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔[2] اگر اِسلامی قانون نافذ ہوتا تو ایسے شخص کو حکومت سزا دیتی، عوام کو سزا جاری کرنے کا اختیار نہیں، ہاں ایسے شخص سے سب مسلمانوں کو دوستانہ تعلقات منقطع کرلینے چاہئیں۔

واللہ اعلم
۱۲/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۵۰۱/۲۵ ج)

---

(۱) سباب المسلم فسوق وقتاله كفر (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من ان يحبط عمله، صحيح مسلم كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم سباب المسلم ...الخ)۔

...... وفي المرقاة: واجمع اهل السُّنَّة على انّه (اى مرتكب الكبيرة) مؤمن فاسق۔

(۲) إنّ اشد الناس عذابًا يوم القيامة رجل من شتم الأنبياء ثم اصحابي ثم المسلمين (كنز العمال ج:۳ ص:۱۰۳ ايضًا في حلية الأولياء (في روايات ميمون بن مهران) ج:۴ ص:۹۱، و ج:۱۰ ص:۲۱۵، (في روايات احمد بن مسروق) وجامع الكبير للسيوطي، حرف الهمزة)۔

''میں فلاں مولانا کی جوتی کے برابر نہیں'' کہنے والے کا حکم

سوال (۲۸۷):- اظہارِ ادب کے طور پر زید نے بکر سے کہا کہ ''میں تو فلاں مولانا کی جوتی کے برابر بھی نہیں'' کیا یہ تحقیری بیان میں تو شمار نہیں ہوتا؟

جواب:- ایسے جملوں کے لغوی معنی عام طور سے مراد نہیں ہوتے، مقصود ان کا صرف دوسرے کی تعظیم اور اس کے مقابلے میں اپنی کمتری کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ مقصد بُرا نہیں، لہٰذا ایسے جملوں کو ناجائز نہیں کہہ سکتے۔

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۲/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۷۵/۲۶)

اُستاذوں کے حقوق میں تفاوت ہوسکتا ہے

سوال (۲۸۸):- کیا شاگرد کے لئے اُستاذوں کے درجے کم زیادہ ہوتے ہیں یا ایک ہے؟ جیسے مثلاً ایک اُستاذ نے شروع سے لے کر پانچ سال تک لگاتار پڑھایا، اور ایک نے کچھ دن یا کچھ مہینے پڑھایا، کیا دونوں کا درجہ کم زیادہ ہے یا کچھ فرق ہے؟

جواب:- اس صورت میں دونوں ہی اُستاذ ہیں اور دونوں کا ادب واحترام ضروری ہے، لیکن جس اُستاذ کے پاس زیادہ عرصے تک پڑھا اُس کا حق زیادہ ہے بہ نسبت اُس اُستاذ کے جس کے پاس بہت کم پڑھا۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۱۱/۲۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۶۹/۲۲د)

خلافِ شریعت مواد کے رسائل جلانا

سوال (۲۸۹):- ہندوستان سے ایک صاحب نے مکہ معظمہ کے ایک تاجر کے پاس کچھ رسائل تقسیم کے لئے بھیجے، ایک عالم نے تقسیم کنندہ کو ان رسائل کو جلادینے کا حکم دیا، دُوسرے عالم نے اس پر اعتراض کیا کہ اگر اس کی اشاعت پہلے عالم کی نظر میں جائز نہیں تھی تو مرسل کے پاس کرنا ضروری تھا، شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں جب ان کے پیر و مرشد نے رسالہ ''فیصلۂ ہفت مسئلہ'' اپنے مریدین میں تقسیم کے لئے بھیجا تھا تو حضرت گنگوہیؒ نے بجائے تقسیم کے خادم کو الماری میں رکھ دینے کو کہا، اور کہا: ''آج رات میرا حمام ان سے ہی گرم ہوگا'' کیا واقعی یہ صحیح واقعہ ہے؟

جواب:- مذکورہ صورت میں اگر وہ رسائل خلافِ شریعت اور ناجائز اُمور پر مشتمل تھے کہ جن کے پڑھنے سے ہر مسلمان کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ تھا تو ان کا جلا دینا جائز ہوا۔ (۱) واللہ اعلم

۱۳۹۴/۳/۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۵۲۶/۲۵ج)

والدین، اُستاذ اور شیخ کے حق میں ترتیب

سوال (۲۹۰):- اُستاذ کا حق کیا ہے؟

جواب:- اسلام میں اُستاذ کا بہت حق ہے، مگر حقوق میں ترتیب ہے کہ پہلا حق ماں باپ کا ہے، دُوسرے نمبر پر اُستاذ کا حق اور تیسرے نمبر پر شیخ کا حق ہے۔ (۲)

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۴۸/۲۲د)

مولوی صاحب کے لئے محلے سے روٹیاں جمع کرنا

سوال (۲۹۱):- کیا مولوی محلے سے خود روٹیاں اپنے گزارے کے لئے لاسکتا ہے؟

جواب:- اگر یہ اِمامِ مسجد ایسا معذور ہے کہ محنت مزدوری نہیں کرسکتا اور مسجد سے بھی اتنی تنخواہ نہیں ملتی کہ اس کے ضروری گزارے کے لئے کافی ہو تو زندہ رہنے کے لئے جتنی خوراک کی ضرورت ہے اتنی لوگوں کے گھروں سے جا کر لاسکتا ہے، ورنہ یہ صورت جائز نہیں۔ مگر محلہ والوں کی شرعاً ذمہ داری ہے کہ اپنے اِمامِ مسجد کی اتنی خدمت تو کریں کہ وہ بآسانی گزارہ کرسکے، اور جو لوگ کھانا اِمام صاحب کو دینا چاہیں وہ خود کھانا اِمام صاحب کے پاس بھجوایا کریں۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۱/۲۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۴۷۳/۲۲د)

***

---
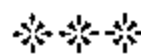
(۱) لأنه داخل تحت هذا الحديث: من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان)۔

... في المرقاة تحت هذا الحديث: فليغيره بيده أي بأن يمنعه بالفعل بأن يكسر الآلات ويريق الخمر ويردّ المغصوب إلى مالكه ..... الخ۔

(۲) امداد الفتاویٰ ج:۴ ص:۳۷۳ واشرف الأحکام ص:۱۳۔

فصل فی التَّعلیم و التَّبلیغ
(تعلیم اور تبلیغ کے بارے میں)

علم حاصل کرنے کی فرضیت کا حکم کب ادا ہوگا؟

سوال (۲۹۲):- حضرت مفتی صاحب، السلام علیکم، گزارش یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ طلب علم فرض، اور علم کی فرضیت کی کوئی حد بھی ہے، جس طالبِ علم نے نور الایضاح سے لے کر ہدایہ رابع تک فقہ شریف پڑھ لی اور فن نحو شرح جامی تک منطق شرحِ تہذیب تک پڑھی تو اس طالبِ علم کی فرضیت ساقط ہوئی یا نہیں؟

جواب:- جتنے علم پر فرائض و واجبات کی ادائیگی موقوف ہے اتنا علمِ دین فرضِ عین ہے، اس سے زائد فرضِ کفایہ ہے۔[1] چنانچہ جو تاجر ہے اُس کو بھی اپنی تجارت سے متعلق اَحکام جاننا یا علماء سے پوچھ کر عمل کرنا واجب ہے، اسی طرح جو شوہر ہے اُس کو نکاح وطلاق وحقوقِ زوجہ کے اَحکام جاننا ضروری ہے، جو باپ ہے اُسے اولاد کے حقوق جاننا وغیرہ، پس اگر یہ بقدرِ ضرورت مسائل کوئی اُردو یا کسی اور زبان کی کتاب میں پڑھ لے یا کسی عالم سے زبانی پوچھ کر یاد کرلے تو فرض ادا ہوگیا، اور اگر ان مسائل کو نہیں جانا تو خواہ وہ دورۂ حدیث بھی کر چکا ہو فرض ادا نہ ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۲/۱/۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۵ / ۲۳ الف)

بیوی بچوں کی ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کرنا

سوال (۲۹۳):- میں علمِ دین پڑھنے کا بہت خواہش مند ہوں، مگر میں بال بچہ دار ہوں، اس وقت میری کفالت میں بیوی اور دو چھوٹے بچے ہیں، اُن کا ذریعہ سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں ہے، ان دونوں

---

(۱) واعلم انّ تعلم العلم یکون فرض عین وهو بقدر ما یحتاج لدینه، وفرض کفایة وهو ما زاد علیه لنفع غیره (الدر المختار، مقدمة، ج:۱ ص:۴۲، سعید)۔

باتوں میں میرے لئے دُنیا اور آخرت کی رُو سے کونسا مفید ہے؟

جواب:- بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا فرضِ عین ہے، پورا عالمِ دین سند یافتہ بننا فرضِ عین نہیں، ہاں جن مسائل کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے اُن کا جاننا ضروری ہے مگر یہ مسائل اُردو کی آسان کتابوں سے بھی معلوم کر سکتے ہیں، جو بات ان میں سمجھ میں نہ آئے کسی مستند عالم سے دریافت کرلیا کریں اور روزانہ کچھ وقت اس کام کے لئے اس طرح مقرر کرلیں کہ یہ کام بھی ہوتا رہے اور بیوی بچوں کے حقوق میں بھی کوتاہی نہ ہو۔ (۱)

واللہ اعلم
۲۹/۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۴۱۰/۲۵ ب)

کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے جادو یا علمِ نجوم سیکھنا جائز نہیں

سوال (۲۹۴):- کیا جادو یا علمِ نجوم اس نیت سے سیکھنا کہ کسی کو نقصان پہنچے جائز ہے؟

جواب:- جائز نہیں۔ (۲)

واللہ اعلم
۱۵/۱۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۷۴/۲۵ ج)

مخلوط نظامِ تعلیم؟

سوال (۲۹۵):- کیا مخلوط نظامِ تعلیم جائز ہے؟

جواب:- جائز نہیں۔ (۳)

واللہ اعلم
۱۵/۱۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۷۴/۲۵)

---

(۱) (قوله وله الخروج ... الخ) اي ان لم يخف على والديه الضيعة ان كانا موسرين ولم تكن نفقتهما عليه ..... فان احتاجا الى النفقة ولا يقدر ان يخلف لهما نفقة كاملة او امكنه إلّا ان الغالب في الطريق الخوف فلا يخرج وفي بعض الروايات لا يخرج الى الجهاد إلّا باذنهما ولو اذن احدهما فقط لا ينبغي له الخروج، لأنّ مراعاة حقهما فرض عين والجهاد فرض كفاية ... ولو خرج المتعلم وضيع عياله يراعي حق العيال۔ (ردّ المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع ج ۶ ص ۴۰۶، سعيد)۔

(۲) (قوله السحر) وفي ذخيرة الناظر تعلمه فرض لردّ ساحر اهل الحرب وحرام ليفرق به بين المرأة وزوجها وجائز ليوفق بينهما (ردّ المحتار، مقدمة، ج ۱ ص ۴۴، سعيد)۔

وفيه ايضًا (قوله التنجيم) افاد وان تعلم الزائد على هذا المقدار فيه بأس بل صرّح في الفصول بحرمته وهو ما مشى عليه الشارح۔

(۳) کیونکہ مروّجہ مخلوط نظامِ تعلیم میں بے پردگی ایک لازمی چیز ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں، قال اللہ تعالیٰ: "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ" (الاحزاب: ۵۹) وقال تعالىٰ: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ" (النور: ۳۰) وقال تعالىٰ: "وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ" (النور: ۳۱)۔

نوسال یا اس سے بڑی لڑکی کو لڑکوں کے ساتھ تعلیم جائز نہیں

سوال (۲۹۶): -کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک اُستاذ لڑکے لڑکیوں کو قرآن شریف اور اُردو پڑھاتا ہے، پڑھنے والے سب بچے بچیاں نابالغ ہیں اور بے پردہ ہیں، آیا ان کو مخلوط تعلیم جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اُستاذ کا کنٹرول بھی پورا ہے، بینوا توجروا۔

جواب: -نوسال یا اس سے زیادہ عمر کی لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ تعلیم میں شریک نہ کیا جائے، ان کے لئے علیحدہ کسی خاتون کو اُستاذ مقرر کر کے الگ تعلیم دی جائے۔ نوسال سے کم عمر کی بچیوں کو بچوں کے مدرسے میں مرد اُستاذ کے زیرِ نگرانی تعلیم دینے کی گنجائش ہے۔ فی ردّ المحتار ج:۲ ص:۸۸ بنت تسع فصاعدا مشتہاۃ اتفاقًا فسائحانی۔[1] واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۵/۶/۸ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۳۴۵/۲۶ ج)

جس طرف بچے کا طبعی رُجحان ہو وہ تعلیم دِلوانی چاہئے

سوال (۲۹۷): -ایک آٹھ سال کی عمر کا لڑکا ہے، چاہتا ہوں کہ حافظ ہوجائے اور دُنیاوی علوم بھی سیکھ لے، کیا کروں؟

جواب: -اپنے قریب کسی قابلِ اعتماد مدرسے میں حفظِ قرآن کے لئے بچے کو داخل کرادیں، کچھ عرصہ تجربے کے بعد اندازہ ہوجائے گا کہ بچے کا طبعی رُجحان حفظِ قرآن کی طرف ہے یا نہیں؟ اگر رُجحان ہو تو اللہ کا شکر اَدا کریں، ورنہ اُسے کم از کم ناظرہ قرآن شریف ختم کرا کے کسی اسکول میں داخل کرادیں، اور بہتر یہ ہے کہ پورا عالمِ دِین بنانے کے لئے کسی دارالعلوم میں داخل کرادیں۔ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴ میں بچوں کا ایک بورڈنگ بھی ہے،[2] پچاس روپے ماہوار فیس ہے، اس میں داخل کرانا بھی مفید ہوگا، بچے کو ساتھ لاکر اتالیق دارالتربیت سے ملاقات فرمالیں۔ والسلام

۱۳۹۴/۳/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۵۷۵/۲۵ ج)

---

(۱) واختلف فی حد الشهوة لبنی علیه أخذ الأب وثبوت حرمة المصاهرة، قالوا: بنت تسع مشتهات وخمس لیست مشتهاة، وست وسبع وثمان إن کانت عبلة مشتهاة وإلّا فلا (فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب الولد من أحق به)

..... نیز ملاحظہ فرمائیے: المبسوط للسرخسی، کتاب الحیض والنفاس ج:۳ ص:۲۱۷، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، فصل فی المحرمات ج:۵ ص:۲۴۳۔

(۲) یہ بورڈنگ ''دارالتربیت'' کے نام سے تھا، اب ختم ہوچکا ہے۔ ۱۲م

طالبِ علم سے خدمت لینا؟

سوال (۲۹۸):- کیا اُستاذ اپنے شاگردوں سے خدمت لے سکتا ہے؟ مثلاً تیل مالش، ہاتھ پاؤں دبوانا، چائے پان منگوانا۔

جواب:- یہ خدمات لینا مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:-

۱- ظنِ غالب یہ ہو کہ طالبِ علم یہ خدمات بخوشی انجام دیتا ہے، بار محسوس نہیں کرتا، اور کسی خوف کے بغیر محض اپنی خوشی سے کرتا ہے۔

۲- طالبِ علم کی تعلیم میں حرج نہ ہو، اور اس کے والدین کے حقوق میں ان خدمات کے باعث کوتاہی نہ ہو۔

۳- طالبِ علم بے ریش (اَمرد) نہ ہو اور دُور دُور بھی شہوت کا گمان نہ ہو۔ (۱)

ان شرائط میں سے اگر ایک بھی مفقود ہوگی تو طالبِ علم سے یہ کام کرانا جائز نہیں، پاؤں دبانے سے احتراز لازم ہے، اس سے تہمت کے مواقع نکلتے ہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۳/۸/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۷۲/۲۴ د)

صبح کے وقت حدیثیں سنانا

سوال (۲۹۹):- صبح کے وقت قرآن کی تلاوت کا حکم ہے اور ذِکر اللہ کا، لیکن ہمارے اِمام صاحب اُردو کی حدیث کی کتابیں سناتے ہیں، یہ دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:- بلا کراہت دُرست اور کارِ ثواب ہے، بشرطیکہ حدیثیں مستند ہوں۔ واللہ اعلم
۱۳۹۳/۴/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۸۲۸/۲۵)

والدین کو خدمت کی ضرورت ہو تو دِینی تعلیم حاصل کرنا؟

سوال (۳۰۰):- میں آلِ رسول ہوں، یعنی سیّد ہوں، تقریباً چھ سال سے ایک فیکٹری میں ملازمت کرتا ہوں، فارغ وقت میں قرآن پاک کا ترجمہ بھی کرتا ہوں، میں بدن سے یعنی جسم سے بیمار ہوں،

---

(۱) والغلام إذا بلغ مبلغ الرجال ولم يكن صبيحًا فحكمه حكم الرجال وإن كان صبيحًا فحكمه حكم النساء وهو عورة من قرنه إلى قدمه لا يحل النظر إليه عن شهوة أمّا الخلوة والنظر إليه لا عن شهوة فلا بأس به ولذا لم يؤمر بالنقاب۔ (ردّ المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللبس)۔

اس کے باوجود بھی مجھے دینی تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے، لیکن میرے والدین اور چار چھوٹے بھائی ہیں، والدین نہ جوان ہیں اور نہ ضعیف، ان کو چھوڑ کر اگر دینی تعلیم حاصل کرنا چاہوں تو کیسا ہے؟

جواب :- بے شک والدین کو آپ کی خدمت کی حاجت ہے، ان کو چھوڑ کر نہ جائیں[1]۔ ملازمت اور اُن کی خدمت کے ساتھ جتنا علم آپ حاصل کرسکتے ہیں کرتے رہیں، اُردو، پشتو زبان میں بھی دینی کتابیں موجود ہیں، اُن کا مطالعہ کیا کریں، جو بات سمجھ میں نہ آئے کسی مستند عالم سے دریافت کرلیا کریں۔ نیز اگر قریب میں کوئی عالم میسر ہوں تو اُن سے روزانہ کچھ پڑھنے کا وقت مقرر کرلیں۔

واللہ اعلم

۲۹/۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۴۱۱)

بزرگوں کے اَحوال بیان کرنا

سوال (۳۰۱):- زید اکابرین علمائے دیوبند، علامہ رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسمؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ اور دیگر علمائے دین سے بے پناہ عقیدت ہے، اور اِتوار کو کیونکہ چھوٹی کا دِن ہوتا ہے، مذکورہ بزرگانِ دِین کی سیرت، ان کا علمی مقام، دینی کارنامے، اُن کے فضائل بیان کرتا ہوں، جب تک ایسا نہ کروں سکون حاصل نہیں ہوتا، مجھے اُن کے ذِکر سے قلبی تسکین حاصل ہوتی ہے اور دوستوں پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے۔

جواب :- شرعاً کوئی قباحت نہیں، بلکہ باعثِ برکت ہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۲/۸/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۲۷۵ و)

جواب صحیح ہے، ان بزرگوں کے اَحوال واعمال کا ذِکر موجبِ برکت تو ہے ہی، اس سے انسان کو ہر شعبۂ زندگی میں صحیح راستے کی ہدایت بھی ملتی ہے۔

بندہ محمد شفیع

۲۳/۸/۱۳۹۳ھ

---

(۱) ولہ الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه لو ملتحيا ..... في الرد تحته: (ولہ الخروج) أي إن لم يخف على والديه الضيعة إن كانا موسرين ولم تكن نفقتهما عليه وفي الخانية: ولو أراد الخروج الى الحج وكره ذلك قالوا: ان استغنى الأب عن خدمته فلا بأس وإلّا فلا يسعه الخروج (الدر المختار ج:٦ ص:٤٠٨ كتاب الكراهية)۔

.....نیز ملاحظہ فرمائیے: الهندية ج:٥ ص:٣٦٥، كتاب الحظر والاباحة وامداد الفتاوىٰ ج:٤ ص:٥٨٥۔

بچوں کی پٹائی کی شرائط

سوال (۳۰۲):- میں پرائمری اسکول کا ماسٹر ہوں، ملازمت کے ۲۵-۲۶ سال ہوگئے ہیں، عمر کے لحاظ سے پنشن پر جانے کو ۱۲-۱۳ سال باقی ہیں، غصہ اب زیادہ آنے لگا ہے، اکثر طبیعت بے قابو ہوجاتی ہے اور سزا دینے میں زیادتی ہوجاتی ہے، اس حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب:- جس وقت بچوں پر غصہ آئے اُس وقت نہ ماریں، جب غصہ جاتا رہے تو بقدرِ ضرورت تنبیہ کردیں، اس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ بچوں کے حق میں تعدی نہ ہوگی، اس طریقے پر بھی قدرت نہ ہوتو دُوسری ملازمت تلاش کریں، جب کوئی ملازمت بقدرِ ضرورت مل جائے تو موجودہ ملازمت ترک کردیں، دُوسری ملازمت ملنے سے پہلے یہی ملازمت جاری رکھیں، اس عرصے میں کوشش کے باوجود بچوں پر زیادتی ہوجانے تو علاوہ توبہ واستغفار کے ایک کام یہ کریں کہ جس پر زیادتی ہو بعد میں اُس کے ساتھ کوئی ایسا نیک سلوک کریں جس سے بچے کا غم جاتا رہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۴/۷/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۷۵/۲۴ھ)

اہلِ علم مبلغین کا ضروری مسائل بتانا بھی ضروری ہے

سوال (۳۰۳):- ایسے سمجھ دار احباب جو اکثر جماعتوں میں نکل کر ضروری مسائل دُوسروں کو بتاتے بھی ہیں، اور دِین کے ضروری مسائل سے بھی واقف ہیں، ایسے احباب کو اپنے ناواقف ساتھیوں کو ضروری مسائل بتانا اہم ہے یا صرف فضائل سنا کر اپنے کو بَری الذمہ سمجھیں؟

جواب:- جن ساتھیوں کو ضروری مسائل معلوم نہیں، ان کو وہ مسائل بتانا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر حقِ تبلیغ ادا نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم

۲۰/۱/۱۳۹۸ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱/۲۹ الف)

تبلیغی جماعت اور علماء کے پاس جانا دونوں مفید کام ہیں

سوال (۳۰۴):- الحمدللہ تبلیغی جماعت ایک اصلاحی جماعت ہے، لیکن پُرانے تبلیغی بھائی اپنے محدود علم پر گزارہ کرتے ہیں، اور نئے لوگ جو کچھ وقت لگاتے ہیں اس ماحول سے ہٹ کر پھر پُرانی رَوِش اختیار کرلیتے ہیں، اگر ان حضرات کو بجائے تبلیغی ماحول میں لے جانے کے علمائے کرام کی صحبت میں

رکھا جائے تو یقیناً ان کا یقین اور علم بھی پختہ ہوگا، جس کے بعد تبلیغی کام مؤثر ہو سکے گا اور تبلیغِ دین کی مقدس محنت بدنامی سے بچے گی۔

جواب:- تبلیغی جماعت میں جانا اور علمائے کرام کی صحبت میں جانا دونوں میں کوئی تضاد نہیں، دونوں کام کرنے چاہئیں۔ واللہ اعلم

۲/۳/۱۴۰۷ھ

(فتویٰ نمبر ۳۶۹/۳۸ الف)

تبلیغ کا صحیح انداز کیا ہے؟

سوال (۳۰۵):- میرے ہاں درسِ قرآن میں ہر طبقے کے لوگ آتے ہیں، سمجھ دار ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، ایسے بھی ہیں جو یہاں ہفتہ وار درس میں بروز اتوار بلاناغہ شریک ہوتے ہیں، اور روزانہ خود محلے کی مسجد میں درس دیتے ہیں، اہلِ حدیث بھی ہیں، پیر پرست قسم کے (جو پیر کی پرستش کی حد تک احترام و تعظیم کرتے ہیں) بھی ہیں، دیوبند کے اِعتدال پسند بھی۔ انہی احباب میں سے بعض کا اصرار رہتا ہے کہ میں رَدِّ بدعت میں (جو خدا کی تائید سے حسب الوسع کرتا ہوں) وہی اِصطلاحی الفاظ جو پشاور کے پنج پیری طبقے کے حضرات (جو اپنی نسبت دیوبند سے بتاتے ہیں) استعمال کرتے ہیں، میں بھی استعمال کروں اور اسی گونہ غلو کو (کہ جن مسائل میں بنیادِ صحیح موجود بھی ہیں اس کی صحیح بنیاد سے ہی انکار کر دوں) اپنالوں۔ مگر میں اب تک اس سے اِحتراز کرتا رہا ہوں اور کوشش یہ رہی ہے کہ ان خرابیوں کو جو عام لوگوں نے اپنی طرف سے اضافہ کی ہیں جڑ پھینک کر رکھ دی جائے۔ غرض اپنی طرف سے کسی ایسے مسئلے میں جہاں کہ صحیح رُخ کی تاویل ہو سکتی ہو اور اس کی بنیادی اصل کا وجود بھی ثابت ہو فروعی اجتہادی مسئلہ ہو کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس سے کسی کی دِل شکنی ہو بلکہ اس کو برداشت کر جاتا ہوں۔ گفتگو کے لئے موضوعات کی کمی نہیں، توحید، بعث ونشر، حساب یوم الحساب، دستورِ آئین اسلام، مسائلِ شرعیہ، نئے پیدا شدہ شکوک وشبہات، تعلیم یافتہ طبقے میں ملائکہ، معراج، اسی گونہ موضوعات پر بات کرتا ہوں۔ بصورت دیگر (پاکستان میں مسلمانوں کے اندر اسی قسم کی بے خبری کی بناء پر جو جہالت کے رسوم رواج پاچکے ہیں اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام اگر ہم سے کٹ کر رہیں اور پاس ہی نہ آئیں تو اپنا جو محدود حلقہ ہوگا وہ تو سب کچھ ہمیں دیکھا دیکھی کرتے بھی ہیں، انہیں تو کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں، تو ہمارے لئے کارگزاری کا حلقہ ہی نہ رہے گا۔

خواہش یہ رہتی ہے کہ میری طرف سے جانب دارانہ غلو نہ دیکھ کر وہ قرآن کے سامنے آئیں گے اور شوق سے آئیں گے، پھر ان میں سے اگر کوئی بغرض سمجھنے کے ایسا ہی کوئی مسئلہ پوچھے تو اس کی اضافہ کی ہوئی خرابیوں پر نشاندہی کر کے اس کی بنیادی وجودی صورت صحیح صحیح بتلا دی جائے گی، اور یہ بیان اور

وضاحت اس طرح پر ہوگا کہ بفضلہ ساتھ ساتھ تسلیم کرتا جائے گا کہ واقعی یہ ہماری عوامی کوتاہیاں ہیں۔

مثلاً زیارت کے بارے میں پوچھا تو پورا بتادیا کہ دیکھو حاجت روا ایک خدا ہے، یہ اولیاء خدا کے اطاعت گزار بندے ہیں، وہ انتہائی عظیم خدا ہی ہے اس سے انتہائی تعظیم وہ قابل اور مستحق ہے کسی اور کو سجدہ و رُجوع جائز نہیں، خیر ہے زیارت جایا کرو، کوئی منع نہیں، مگر غیر محرم عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھو یہ حرام ہے۔

غیب یا علمِ غیب کے بارے میں پوچھا تو بتادیا کہ حضور کو بعض مغیبات کا علم موقع پر خداوندی مصلحت کی بناء پر دیا بھی گیا تھا، لیکن اتنے سے وہ عالم الغیب نہ ہوئے، وہ صرف خدا ہے جو کل ما کان وما یکون کا علم رکھتا ہے، اگر فتح مندی کے پیش آمدہ نتائج سے حضور کو پہلے سے علم دیا جاتا تو جہاد کے لئے اتنی فکرمندی میں شب و روز بیدار رہنے کی ضرورت پیش نہ آتی، معلوم ہوتا ہے بعض مغیبات کو حضور سے غائب اور پوشیدہ رکھنے میں حکمتیں تھیں۔ اور اس قسم کی چند اور باتیں دوستانہ ماحول میں گوش گزار پاکر وہ ان شاء اللہ مطمئن اُٹھے گا، وقس علیہ۔

مشاہدہ ہے کہ عصرِ حاضر کے وہ ذمہ دار علمائے محققین جو کسی نہ کسی زیادہ اہم اور عظیم دینی مدرسے، دار العلوم یا ادارے کے مدیر مہتمم ہیں اور اہم تبلیغی اور بنیادی کام کا ذمہ اُٹھائے ہوئے ہیں، وہ اس درجہ تنگ نظر نہیں ہوتے کہ ذرا سے پانی میں ڈوب جاتے ہوں، بلکہ چونکہ ان کے پیشِ نظر ہر لمحہ وہ کافی اہم دینی ادارہ اور اس کی کارگزاری کو آگے بڑھانا ہوتا ہے وہ اِعتدال اور میانہ روی کی رَوِش اپنائے ہوئے ہیں اور کبھی ایسے مسائل میں جس میں خاموش رہنے اور برداشت کرنے کی گنجائش ہو نہیں بول پڑتے اور کبھی فروعی اجتہادی مسئلے کو بنائے مخاصمت ومخالفت نہیں گردانتے۔

جنابِ والا سے وضاحت طلب یہ بات ہے کہ اسی رَوِش کو اپنانے اور اِختیار کرنے میں مصلحت ہے، یہی رَوِش مناسب ہے؟ یا وہ رُخ اختیار کیا جائے جو بعض متشددین استعمال کر کے کہتے ہیں کہ منع ہی کیا جائے گو اَب خرابی نہیں لیکن عقیدے کی خرابی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

جواب: — آپ نے اپنا جو طریقہ کار تحریر فرمایا ہے، وہی مناسب ہے، اور سنتِ انبیاء ہے، تبلیغ ودعوت اور ردِّ بدعات کا مقصد اِحیائے سنت ہے نہ کہ اپنے دِل کا غصہ نکالنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ ودعوت کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ: "اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ"[1]، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس دعوت کے لئے بھیجا گیا تو انہیں یہ تعلیم دی گئی کہ: "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا"[2] ظاہر ہے کہ ہم حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے بڑے مصلح نہیں اور

(۱) النحل: ۱۲۵۔ (۲) طٰہٰ: ۴۴۔

ہمارے مخاطب جو کہ مسلمان ہیں فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں۔ البتہ مصلحت اندیشی اتنی بھی نہ ہو کہ مداہنت کی حدود میں داخل ہوجائے، راہِ اعتدال پر قائم رہنا چاہئے اور چونکہ راہِ اعتدال بہت باریک ہے اللہ کی توفیق کے بغیر اس پر قائم رہنا ممکن نہیں، اس لئے ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہیں اور توفیق کے طالب رہیں، جہاں شک ہونے لگے کہ ہمارا فلاں فعل مداہنت یا نفس پرستی میں داخل نہیں تو فوراً کسی رہبر حاذق مشفق کی طرف رُجوع کریں۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۲۱ر۷ر۱۳۹۱ھ
(فتویٰ نمبر ۹۵۱ / ۲۲ب)

مکرم ومحترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا گرامی نامہ تو دُوسرے سے پڑھوا کر سنا اور اس کا جو جواب میرے لڑکے مولوی محمد رفیع سلّمہٗ نے لکھا ہے وہ بالکل میرے مذاق کی بات ہے، اور میرے نزدیک صحیح ہے، البتہ آخری بات کا ہر وقت دھیان اور اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کو فریضہ وقت بنانا ضروری ہے۔ اب احقر کے بھی قوی جواب دے رہے ہیں، لکھنے پڑھنے کے قابل نہیں رہا، بصارت کا ضعف بہت بڑھ رہا ہے، اس لئے اسی پر اکتفا کررہا ہوں اور آپ سے دُعا کا اُمیدوار ہوں۔

والسلام
بندہ محمد شفیع
۲۰ رجب ۱۳۹۱ھ

تبلیغ میں جانے والوں کے گھر والوں کو بھی ثواب ملے گا؟

سوال (۳۰۶):- تبلیغی جماعت سے تو آپ واقف ہوں گے، اس جماعت کے حضرات دخواتین تبلیغ کرنے کے لئے چالیس چالیس دن چلّہ پر چلے جاتے ہیں، اور مرد حضرات اپنے بیوی بچوں اور ملازمتوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، میرے خیال میں یہ غلط ہے کیونکہ اہل وعیال کی ذمہ داری بھی تو فرض ہے۔

جواب:- تبلیغی جماعت دِین کا بہت اچھا کام کررہی ہے، دُنیا کی مختلف قوموں اور علاقوں میں اس کے نہایت مفید اثرات مرتب ہوئے ہیں، جس کا عظیم اجر ان شاء اللہ تعالیٰ اِن حضرات کو ملے گا، اور ان کے جو اہل وعیال ان کے ساتھ اس کام میں جتنا تعاون کریں گے اُتنا ہی ثواب اہل وعیال کو بھی ملے گا۔ اس میں جو مشقت اہل وعیال کو اُٹھانا پڑے گی اس کا ثواب بھی اہل وعیال کو ملے گا۔[1] پوری دُنیا میں بُرائیاں پھیل

---

(۱) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من جهّز غازیًا في سبیل اللہ فقد غزا، ومن خلف غازیًا في سبیل اللہ بخیر فقد غزا (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب فضل من جهز غازیًا ..... الخ، صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل اعانة الغازي في سبیل اللہ) وهٰذا الأجر یحصل لکل جهاد سواء قلیله وکثیره ولکل خالف له في اهله بخیر من قضاء حاجة لهم (شرح النووي علیٰ صحیح مسلم تحت الحدیث المذکورة آنفًا)۔

رہی ہیں، ان کو مٹانے کے لئے جتنے لوگ کام کر رہے ہیں کافی نہیں، لہٰذا عاقل بالغ مرد و عورت کو اپنی وسعت کی حد تک ان کے مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے، مگر بیوی بچوں کے بقدرِ کفایت گزارے، اور ان کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام دوسروں کو تبلیغ کرنے سے مقدم اور فرضِ عین ہے، اس فریضے میں تبلیغی جماعت میں جانے کی وجہ سے کوتاہی کرنا جائز نہیں، اس فریضے میں کوتاہی کئے بغیر جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے تبلیغی جماعت میں شریک ہونا چاہئے، کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ انفرادی طور پر کام اتنا مؤثر نہیں ہوتا جتنا اجتماعی طور پر ہوتا ہے، جماعت میں جانے سے اپنے نفس کی اصلاح بھی ہوتی ہے، تبلیغی جماعت میں جانے کے لئے اتنی رخصتیں لینا بھی درست نہیں کہ ملازمت جاتی رہے یا بقدرِ کفایت ترقی رک جائے جس کی وجہ سے بیوی بچوں کے حقوق میں کوتاہی ہو۔ واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۷۷۲/۲۵ د)

نیک ماحول بنانے کے لئے کیا کوشش کرنی چاہئے؟

سوال (۳۰۷):- آرمی رجمنٹ کے ماحول کو نیک بنانے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟

جواب:- نہایت ہمدردی اور نرمی سے لوگوں کا اور خصوصاً افسروں کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نصیحت کیا کریں، اپنی آرمی کی لائبریری میں دینی کتابیں اور رسالے منگوانے کی کوشش کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اور سب لوگوں کی ہدایت کی دعا کیا کریں۔ واللہ اعلم

۱۲/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۵۲۷/۲۵)

چھٹیوں میں تبلیغ اور والدین کی خدمت دونوں کام کرنے چاہئیں

سوال (۳۰۸):- ایک آدمی والدین سے دور کسی شہر میں ملازمت کرتا ہے، اور ہر ماہ جو کماتا ہے وہ گھر والدین کو بھی روانہ کرتا ہے، لیکن اُن کی خدمت نہیں کر سکتا، چھٹیوں میں وہ اپنا وقت تبلیغی جماعت میں لگانا چاہتا ہے، کیا اس سے والدین کے حقوق سلب ہوتے ہیں؟ چونکہ ان چھٹیوں کے علاوہ والدین کی خدمت کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے، اگر تبلیغی کام میں وقت نہ لگائے تو پھر اس کام کو کون کرے گا؟ اُمت کی حالت آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اب کتنا وقت تبلیغی جماعت میں لگائیں اور کتنا والدین کی خدمت میں؟

جواب:- اپنی چھٹی کے ایام کچھ والدین کے پاس گزار دیں کچھ جماعت میں لگائیں، دونوں

کاموں کی اہمیت ہے، والدین کے سامنے ہروقت حاضر رہنا فرض نہیں ہے، جس سے ان کی حق تلفی ہو۔

واللہ اعلم

محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۳/۶/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۹۵/۲۴ د)

جواب صحیح ہے، چھٹی کے ایام میں سے جتنے دن والدین کو آپ کی خدمت کی حاجت ہے، اتنے دن اُن کی خدمت میں لگائیے، باقی ایام تبلیغ میں لگادیں۔ [1]

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۳/۶/۲۴ھ

فضائل سے متعلق حدیث کی کتاب کون سنائے؟

سوال (۳۰۹):- فضائلِ حدیث کا درس، بیان وغیرہ وہ آدمی جس کی زندگی خلافِ شرع ہو یعنی داڑھی منڈواتا ہو، اور کتاب بھی صحیح نہ پڑھ سکتا ہو، شرعاً اس کے لئے درس دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- بہتر یہ ہے کہ یہ کام وہ شخص کرے جو خود شریعت کا پابند اور اس کا بقدرِ ضرورت علم رکھنے والا ہو، مگر جہاں ایسا شخص یہ کام کرنے والا موجود نہ ہو یا یہ کام کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہاں جیسا شخص بھی اس کام کے لئے میسر آجائے اُسے غنیمت سمجھنا چاہئے، وہ خود اگرچہ عمل نہیں کرتا مگر بات صحیح بتارہا ہے، سننے والوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے، کسی وقت اس شخص کو بھی اپنے اس نیک کام (تبلیغ) کی برکت سے ان شاء اللہ عمل کی توفیق ہوجائے گی۔ [2]

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۶۱/۲۹ الف)

---

(۱) فلو فی سفر تجارة أو حج لا بأس به بلا إذن الأبوين إن استغنيا عن خدمته إذ ليس فيه ابطال حقهما إلّا اذا كان الطريق مخوفاً كالبحر فلا يخرج إلّا باذنهما وإن استغنيا عن خدمته (ردّ المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، ج:۶ ص:۴۰۸، سعيد)۔

.....نیز ملاحظہ فرمائیے: الهندية ج:۵ ص:۳۶۵، كتاب الحظر والاباحة، الباب السادس والعشرون اور وشرح السير الكبير، رقم المسئلة:۲۱۶، ۲۱۷، ج:۱ ص:۱۹۲۔

(۲) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ قرآن مجید کی آیت: "يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞" کے تحت فرماتے ہیں: "اس آیت نے امر بالمعروف اور وعظ ونصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو۔ اور مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے، جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو، خود بھی اس پر عمل کرو، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کے خود کرنے کی ہمت و توفیق نہیں ہے، اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کا سلسلہ نہ چھوڑے، اُمید ہے کہ اس وعظ ونصیحت کی برکت سے کسی وقت اس کو بھی عمل کی توفیق ہوجائے گی، جیسا کہ بکثرت تجربہ ومشاہدہ میں آیا ہے۔" ۱۲م

تبلیغی جماعت کی طرف منسوب چند غلط باتیں

سوال (۳۱۰):- میں ان دنوں پاکستان سے بھارت آیا ہوا ہوں، یہاں پر تبلیغی جماعت کا اجتماع میں شرکت کے لئے میں بھی ایک جگہ گیا۔ جب میں اجتماع میں شرکت کے بعد واپس اپنے شہر میں آیا تو یہاں کے مولوی صاحبان نے مجھ سے کہا کہ یہ تبلیغ کرنے والے ہیں ان کے دِل صاف نہیں ہیں، یہ دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتے ہیں، اور حضور کی شان کے خلاف توہین کرتے ہیں، اس لئے آپ کو وہاں نہیں جانا چاہئے، جو لوگ تبلیغی جماعت کے اجتماع میں جاتے ہیں وہ لوگ شیطان ہیں، اس لئے ان سے پرہیز کریں۔ کیا یہ صحیح ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں؟

جواب:- تبلیغی جماعت کے بارے میں یہ باتیں بالکل غلط ہیں، تبلیغی جماعت بھی اچھا دینی کام کر رہی ہے، عوام کو اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۸/۴/۳۰ھ
(فتویٰ نمبر ۴۳۸/۲۹ الف)

دینی کام مثبت انداز میں کرنا چاہئے

سوال (۳۱۱):- السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آزاد کشمیر میں اس وقت جماعتِ اسلامی اور پیپلز پارٹی کی کشمکش نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی ہے، ہر جماعت ایک دوسرے پر برتری کی کوشش کر رہی ہے، علمائے دیوبند جو اکثریت میں تھے یا تو سرکاری ملازم ہو چکے ہیں یا بالکل خاموش ہیں، علمائے دیوبند کے مسلک کے تحفظ کی غرض سے آزاد کشمیر نے ایک تنظیم بنائی ہے، جس کا مقصد جماعتِ اسلامی اور پیپلز پارٹی کے اثرات کو ختم کر کے علمائے دیوبند کے وقار کو بحال کرنا ہے۔

جواب:- وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والد صاحب مدظلہم اپنی طویل وشدید علالت کے باعث جواب لکھنے سے معذور ہیں، ان کے ارشاد پر احقر یہ سطور لکھ رہا ہے۔

آپ کی تنظیم کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ہر دو پارٹی سے جنگ وجدال سے ہر قیمت پر پرہیز کرتے ہوئے محض مثبت کام کرتے رہیں، منفی سرگرمیوں سے بہرحال پرہیز ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اس تنظیم کو اسلام اور مسلمانوں کی مخلصانہ مفید خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے، والسلام

۱۳۹۳/۱۰/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۵۹/۲۴ ر)

گناہ میں مبتلا افراد بھی تبلیغ کر سکتے ہیں

سوال (۳۱۲):- تبلیغی جماعت جس کا مرکز مکی مسجد، گارڈن روڈ ہے، یہاں سے جو جماعتیں دیگر مقامات پر جاتی ہیں اور وہاں ایسے لوگوں کو متکلم بنا کر بھیجتی ہیں جو غیر قوم کا شعار اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً ان کے چہرے پر داڑھی نہیں ہوتی، اس طرح لوگ اس جماعت اور دین دار لوگوں پر انگلیاں اُٹھاتے ہیں۔

جواب:- غیر قوم کا شعار اختیار کرنا(۱) یا داڑھی نہ رکھنا(۲) سخت گناہ ہے، لیکن تبلیغ ایک نیک کام ہے، کسی گناہ کی وجہ سے وہ نیکی نہیں چھوڑنی چاہئے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس نیکی کی برکت سے اُس گناہ کو چھوڑنے کی بھی توفیق عطا فرمادیں۔ البتہ کسی خاص جگہ کے بارے میں اگر معلوم ہو کہ وہاں ایسے لوگ تبلیغ کے لئے جائیں گے تو اُلٹا اثر ہوگا تو اس جگہ ایسے لوگوں کو نہیں بھیجنا چاہئے۔(۳) واللہ اعلم

۱۳۹۲/۱/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۲/ ۲۳ الف)

چھوٹی داڑھی والے کے لئے وعظ کہنا

سوال (۳۱۳):- ایک صاحب داڑھی چھوٹی رکھتے ہیں، مگر معلوماتِ شرعی کافی رکھتے ہیں، کیا یہ وعظ وتقریر کر سکتے ہیں؟

جواب:- اگر باتیں غلط نہ بتاتے ہوں، اور کسی دین دار عالمِ دین سے دین کی باتیں سیکھی اور سمجھی ہوں، تو یہ صاحب وعظ وتقریر کرنے کے مجاز ہیں، کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۱/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۱۴/ ۲۲ د)

ریڈیو پر دینی پروگرام نشر کرنے کی شرائط

سوال (۳۱۴):- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام کہ ہمارے یہاں برطانیہ میں رمضان المبارک کے مہینے میں مختلف شہروں میں ''ریڈیو رمضان'' کے نام سے مختلف دینی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں، یہ پروگرام چوبیس گھنٹے چلتے ہیں، جس میں تلاوت، نعت ونظم، بیانات اور مختلف مساجد سے نماز و

(۱) وفي الحديث: من تشبه بقوم فهو منهم۔ سنن ابي داود، باب في لبس الشهرة، رقم الحديث: ۴۰۳۱۔
(۲) في الحديث: إعفوا اللحى واحفوا الشوارب۔ (مسند احمد ج:۲ ص:۱۵۶)۔
(۳) قد مرّ تخريجه تحت عنوان ''فضائل سے متعلق حدیث کی کتاب کون سنائے''۔

تراویح وغیرہ نشر کیا جاتا ہے، ایک پروگرام یہ ہوتا ہے کہ لوگ فون کرکے تلاوت اور نظم و نعت وغیرہ سناتے ہیں، سنانے والوں میں خواتین بھی ہوتی ہیں، اس طرح فون کے ذریعے سوالات کے جوابات بھی دیئے جاتے ہیں، جوابات دینے کے لئے علمائے کرام کو بلایا جاتا ہے، کیا اس طرح کے ریڈیو پروگرام نشر کرنا اور سننا جائز ہے؟ اور کیا اس میں مسلمانوں کو حصہ لینا چاہئے یا نہیں؟

جواب:- ریڈیو اپنی ذات کے لحاظ سے نشر و اشاعت کا ایک آلہ ہے، جس میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں ہے، اس کے استعمال سے اس کا حکم بدلتا ہے، لہٰذا اگر مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ دینی پروگرام ریڈیو پر نشر کئے جائیں تو نہ صرف اس کی گنجائش ہے بلکہ یہ تبلیغ کا ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ہے۔

۱- جو پروگرام نشر کئے جائیں وہ منکرات اور گمراہی کی باتوں سے خالی ہوں۔

۲- شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے پروگرام نشر کئے جائیں۔

۳- ریڈیو سے تلاوت، نعت، تقاریر، علمی، اخلاقی اور اصلاحی مضامین کا نشر کرنا جائز ہے بلکہ باعثِ ثواب ہے، البتہ قرآنِ کریم کی تلاوت میں آدابِ تلاوت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۴- خواتین کی آواز میں ترنم اور خوش الحانی کے ساتھ اذان، تلاوت، نعت و نظم اور ترانہ وغیرہ نشر نہ کئے جائیں۔

خواتین کی آواز ستر میں داخل ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں جامع خلاصہ وہ ہے جو مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں بیان فرمایا ہے، جو حسبِ ذیل ہے:

> کیا عورت کی آواز فی نفسہٖ ستر میں داخل ہے اور غیر محرم کو آواز سنانا جائز ہے؟ اس معاملے میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ کی کتب میں عورت کی آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا، حنفیہ کے نزدیک بھی مختلف اقوال ہیں، ابن الہمامؒ نے نوازل کی روایت کی بناء پر ستر میں داخل قرار دیا، اس لئے حنفیہ کے یہاں عورت کی اذان مکروہ ہے، لیکن حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ نزولِ حجاب کے بعد بھی پسِ پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں، اس مجموعے سے راجح اور واضح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع پر اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے، اور جہاں یہ نہ ہو وہاں جائز ہے، اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلاضرورت عورتیں پسِ پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ (معارف القرآن)

۵- تمام پروگراموں کی نشر و اشاعت جید علمائے کرام کی رہنمائی اور ان کی زیرِ نگرانی کی جائے۔

۶- سامعین کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ریڈیو سننے میں اس قدر منہمک نہ ہوں کہ دیگر فرائض اور واجبات میں خلل واقع ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (الاعراف)۔

وقال تعالیٰ: "يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ" (الاحزاب: ۳۲)۔

وقال تعالیٰ: "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۚ" (الاحزاب: ۵۳)۔

وفی روح المعانی: وربما يستدل بهذا النهی عن النهی عن إستماع صوتهنّ، والمذكور فی معتبرات كتب الشافعيّة وإليه أميل إن صوتهنّ ليس بعورة فلا يحرم سماعه إلّا أن خشی منه فتنة وكذا إن التذ به كما بحثه الزركشی۔ (ج:۱۸ ص:۱۴۶)۔

وفی الفقه الإسلامی وأدلّته للزحيلیّ: وصوت المرأة عند الجمهور ليس بعورة لكن يحرم سماع صوتها بالتطريب والتغنيم ولو بتلاوة القرآن بسبب خوف الفتنة (ج:۱ ص:۵۹۵)۔

واللہ اعلم بالصواب

احقر محمد بن آدم برطانوی غفرلہٗ
۱۴۱۹/۹/۱۱ھ
(فتویٰ نمبر ۴۴/ ۳۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ لہٗ
۱۴۱۹/۹/۱۱ھ

ماشاء اللہ جواب دُرست ہے، مزید یہ احتیاط ضروری ہے کہ نشریات کے اوقات ایسے ہونے چاہئیں کہ سننے والے حضرات کے دینی مشاغل میں خلل واقع نہ ہو، مثلاً یہ کہ تراویح کے وقت نشریات بند رہنی چاہئیں۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۹/۱۱ھ

الجواب صحیح
محمد عبد المنان عفی عنہ
۱۴۱۹/۹/۱۱ھ

تبلیغی جماعت میں مجموعی طور پر خیر غالب ہے

سوال (۳۱۵):- فضائلِ تبلیغ سن کر جماعت تبلیغ والے تبلیغِ دین کے جوش میں آکر جماعت میں نکلتے ہیں، پھر ان کے والدین اکثر ناراض رہتے ہیں، ان کو کہا جاتا ہے کہ تم والدین کو ناراض مت کرو، تو

جواب میں کہتے ہیں کہ والدین دین کی تبلیغ کے لئے ناراض رہیں تو کیا ہوا، خود صحابہ کرامؓ تبلیغ کے لئے نکل جاتے تھے۔ ان کا یہ جواب صحیح ہے یا غلط؟

۲- تبلیغی جماعت والوں کا ظاہری طریقہ تو اچھا ہے لیکن اُن کا ذہن یعنی خیالات بہت خراب ہیں، کیونکہ علماء وطلباء اور مدارس اور دُوسری دینی جماعتیں اپنے پیٹ اور کرسی کے لئے کام کر رہے ہیں۔

۳- علماء تقاریر پر پیسے لیتے ہیں اور تبلیغ والے اپنے گھر سے پیسے خرچ کرتے ہیں۔

۴- تحریکِ ختمِ نبوت میں ان لوگوں نے اکثر جگہوں پر حصہ نہیں لیا، اور جس نے لیا ان کے اُوپر یہ ناراض ہوتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ علماء کو دین کا کام کرنے والا سمجھتے ہی نہیں اور چلّے میں چلنے کو تنگ کرتے ہیں، اگر سمجھتے تو تنگ نہ کرتے، جب ان کا اصل مقصد دین کا تبلیغ کرنا ہے تو دُوسری جماعتیں جو دین کی تبلیغ کررہی ہیں ان کے ساتھ ملنا، شریک ہونا بے حد ضروری نہیں ہے؟

۵- کہتے ہیں کہ ہماری تعلیم میں بعد مغرب شامل ہونا مدرسے میں سال بھر پڑھنے سے بہتر ہے۔

سب سے بڑا دُکھ اس کا ہے کہ ہیں یہ دیوبندی اور اس کے بانی بھی دیوبندی تھے، اب ان کی جماعت میں حق، ناحق، عقائدِ صحیحہ، غیر صحیحہ کا کوئی فرق نہیں کرتے، حضور کے زمانے میں منافق بھی نماز پڑھا کرتے تھے، مرزائی اور شیعہ، اسماعیلی فرقے بھی تبلیغ اور نماز کا کام کرتے ہیں، عقائد وخیالات کو نکال کر یہ نماز اور تبلیغ کیسے صحیح ہوسکتے ہیں؟ کیا قرآن میں حق وناحق کا فرق نہیں ہے؟ کیا حلال وحرام کا فرق نہیں ہے؟ مندرجہ بالا نقائص کو دیکھ کر ان کے ساتھ جانے کا دِل گوارا نہیں کرتا، آپ جس جماعت میں کام کرنے کا مشورہ دیں اسی میں کروں گا۔

جواب:- تبلیغی جماعت کا کام جیسا کہ سائل نے لکھا ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جاری کیا تھا، انہوں نے اس کے اُصولِ کارکردگی جو بتائے اور دعوت کا جو طریقہ سمجھایا اور حضراتِ علمائے کرام سے جوڑ رکھنے اور ہدایت لینے کی جو ہدایت فرمائی تھی، اُس کے مطابق چلتے رہنے سے اس کام میں خیر رہے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان چیزوں میں کمی آنے سے اس کارِ خیر کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اب تک جو ہم نے اس کام کو قریب سے دیکھا تو مسلمانوں کے حق میں اچھا ہی پایا اور الحمدللہ ابھی تک اس میں عمومی بگاڑ نہیں آیا ہے، کچھ لوگ اس میں ایسے بھی ہیں جو غلو کرتے ہیں اور حد سے بڑھ جاتے ہیں، اور ہر جماعت میں ایسے لوگ ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کی وجہ سے اصل کام کی مخالفت نہیں کی جاتی۔

آپ نے جو باتیں لکھی ہیں ان میں بعض ایسی ہیں جو جماعت کا طریقۂ عمل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ذہن میں آئی ہیں، اور بعض ایسی ہیں کہ غلو کرنے والوں سے واسطہ پڑنے کے باعث اُن کی طرف ذہن متوجہ ہوا ہے، ہمارے نزدیک یہ کام سراسر خیر ہے، آپ کو وقت نکال کر اس میں لگنا چاہئے، یہ ہماری رائے

ہے، اور اس جماعت کی مخالفت کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

العبد الفقیر محمد عاشق الٰہی
عفا اللہ عنہ
۱۸/۳/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۷/۲۶ب)

جواب صحیح ہے، ہر جماعت میں بعض لوگ حدود سے تجاوز کرنے والے بھی شامل ہوجاتے ہیں، ان کی وجہ سے پوری جماعت کو بُرا نہیں کہا جاسکتا، مجموعی طور پر یہ جماعت دین اور مسلمانوں کے لئے بہت مفید کام کررہی ہے، آپ کو اس میں شامل ہونا چاہئے۔ اور بعض افراد میں جو غلو پایا جاتا ہے اُس سے محترز رہنا چاہئے۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۹/۳/۱۳۹۵ھ

بیوی بچوں اور والدہ کو اکیلا چھوڑ کر اور قرض لے کر تبلیغ میں جانا

سوال (۳۱۶): - ایک شخص جو معمولی محنت مزدوری کرتا ہے اور تبلیغ کے دوروں پر جاتا ہے، وہ پہلے سے مقروض بھی ہے، اور اَب وہ چالیس ہزار روپیہ قرض لے کر ایک سال کے لئے تبلیغ پر بیرون ملک جانا چاہتا ہے، اس کا ارادہ حج کرکے واپس آنے کا ہے، اس نے پاسپورٹ، شناختی کارڈ بھی قرض کی رقم سے بنوایا ہے، اور ہر سال رائے ونڈ بھی چار ماہ کے لئے جاتا ہے، اور یہ بھی قرض لے کر۔ دُوسری خاص بات یہ ہے کہ اس شخص کی ایک نوجوان بیوی، تین بچے اور ضعیف والدہ ہے، اُن کو یہ شخص بے آسرا چھوڑ کر جارہا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ کے بھروسے پر چھوڑ کر جارہا ہوں۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ نوجوان عورت کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر ملک سے باہر جانا کس قدر بیوقوفی ہے، جبکہ تین بچے بھی ہیں۔ اور قرض کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ غیب سے ادا ہوجائے گا۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس کا یہ فعل جائز ہے؟ اور اس طرح جو کررہا ہے وہ ٹھیک ہے؟ کیونکہ قرض ادا کرنے کی اس میں استطاعت نہیں۔

جواب: - مذکورہ بالا حالات میں اس شخص کا یہ عمل ہرگز جائز نہیں۔ [1] واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۱۳۴/۴۱ الف)

تبلیغی جماعت کے نصاب (تین چلّے، چلّہ وغیرہ) کی شرعی حیثیت

سوال (۳۱۷): - تبلیغی جماعت کا کام ۵۰ سال یا اس سے کم عرصے سے جاری ہے، اُس کا نصاب ساری عمر میں تین چلّے، ہر سال ایک چلّہ، ہر ماہ تین یوم، ہر ہفتے میں دو گشت، ایک مقامی ایک بیرونی،

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان ''بیوی بچوں کی ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کرنے کا حکم''۔

روزانہ تعلیم، جمعرات کو مرکز میں حاضری اور آئی گئی جماعتوں کی نصرت ضروری یا لازمی ہے۔ کیا یہ طریقہ شریعت میں فرض، واجب، سنت یا مستحب یا کسی قسم کا درجہ رکھتا ہے؟

اس سے قبل علمائے کرام اور بزرگانِ دین اپنے اپنے طریقوں پر تبلیغ پر کاربند رہے ہیں، اور وہ اس تبلیغی جماعت سے وابستہ نہ تھے، کیا اُن سے کوئی شرعی گناہ لازم ہوا؟

جواب: - تبلیغ فرضِ کفایہ ہے، اور بڑا عظیم الشان کارِ خیر ہے، ہر مسلمان کو اپنی دینی معلومات اور اپنے حالات کے مطابق اس کارِ خیر میں جتنا حصہ لینے کی توفیق ہو اُس کے لئے عظیم سعادت ہے، اُس کے لئے کوئی خاص وقت، دن، مہینہ وغیرہ شریعت نے مقرر نہیں کیا، جو طریقہ اور نظام مفید اور قابلِ عمل ہو، اُسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور اُن کے جانشین حضرات نے تبلیغ کا جو کام اجتماعی طور پر جاری فرمایا، اُس سے اُمت کو بہت فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ جو لوگ اِن حضرات کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اُن میں فکرِ آخرت اور دین کا اہتمام بڑھ جاتا ہے۔ ہر اجتماعی کام کے لئے نظام الاوقات کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح دینی مدارس میں ایک نصاب اور نظامِ اوقات کی پابندی کرائی جاتی ہے اسی طرح اس میں بھی نصاب اور نظامِ ایام مقرر کیا گیا ہے، جس طرح مدارس کا نصابِ مخصوص اور اوقات کا فرض و واجب اور مستحب نہیں بلکہ مباح ہے، اسی طرح تبلیغی جماعت کا مخصوص نصاب اور نظامِ کار بھی ہے، کسی کو اس سے بہتر نصاب اور طریقِ کار حاصل ہو تو وہ اُس کو اختیار کرسکتا ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، اُس پر لازم نہیں کہ اُسی جماعت میں شریک ہو۔ لیکن جو شخص اس جماعت کے ساتھ شریک ہوکر کام کرے اُسے اس نصاب اور نظام کی پابندی کرنی چاہئے تاکہ بدنظمی اور انتشار پیدا نہ ہو۔

واللہ اعلم

۲۷/۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۶۲۲/۲۵ ب)

موجودہ حالات کی اصلاح کے لئے ہماری ذمہ داریاں

سوال (۳۱۸):- آپ کے خیال میں قوم اور ملک کا وقار بحال کرنے کے لئے کیا رویہ اختیار کیا جائے؟

۲- موجودہ طریقۂ حکمرانی میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہو تو وہ کیا ہو؟

۳- قوم کی اصلاح کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اس کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

۴- ملک کہیں غیر ملکی ایجنٹوں کی زد میں تو نہیں؟

۵- کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے پاکستان میں اسپین جیسے حالات تو پیدا نہیں کردیں گے؟

۶- ہم اسلام پر عمل پیرا ہوکر غیر مسلموں کی نگاہ میں زندہ رہنے کے قابل ہوسکتے ہیں؟

۷- وہ کیا بات ہے کہ ہم ایک خدا کے ماننے والے اختلافات سے بھرے پڑے ہیں، اور آپس میں برسرِ پیکار ہیں جبکہ ہزاروں خداؤں کے ماننے والے متفق ومتحد ہیں؟

جواب: -اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: "لن یصلح آخر هذه الأمّة إلّا بما صلح به أوّلها"[1] یعنی اس اُمت کے آخری دور کی اِصلاح بھی صرف اسی طریقے سے ہوسکتی ہے جس سے اس اُمت کے دورِ اوّل کی اِصلاح ہوئی تھی۔ یہ ارشاد قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہے، اور حاصل اس کا یہی ہے کہ جس طرح دورِ اوّل میں قرآن وسنت کو اِجتماعی اور اِنفرادی زندگی میں مضبوطی سے تھامنے اور ان پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو رُوحانی اور مادّی، ظاہری اور باطنی ترقی ہوئی اور سیاسی واقتصادی اِستحکام نصیب ہوا، اسی طرح اس دورِ آخر میں بھی مسلمان اگر ان تعلیمات کو اِنفراداً و اِجتماعاً مضبوطی سے تھام لیں تو اُن تمام مصائب سے نجات پاسکتے ہیں جن میں ہم گھرے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ نجات کے لئے ممکن نہیں۔

یہ اِنحطاط کا دور ہے، زندگی کے ہر شعبے میں قرآن وسنت سے رُوگردانی کے باعث ابتری پھیلی ہوئی ہے، اور ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کے بجائے دُوسروں کو اس کا ذمہ دار قرار دیتا ہے، حالانکہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں ان خرابیوں کا ذمہ دار ہے، اِن حالات میں اگرچہ کسی ایک شخص کے بس میں پوری قوم کی اِصلاح نہیں ہے لیکن ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ جو فرائض شریعت نے عائد کئے ہیں انہیں اپنی حد تک بجالائے، ان فرائض میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہر شخص اپنے تمام گناہوں سے بچنے کا پختہ عزم کرے، پھر گناہ ہو تو پھر توبہ و اِستغفار کرے، اپنے اہل وعیال اور زیرِ اَثر لوگوں کو بھی مقدور بھر اس کی تلقین کرتا رہے، اور جس حد تک ممکن ہو عمومی تبلیغ اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے دریغ نہ کرے، اور جن خرابیوں میں اُمت گھری ہوئی ہے اُن سے نجات کی دُعا کرتا رہے، اور ہر ایسے قول وفعل سے ہر قیمت پر اجتناب کرتا رہے جس سے مسلمانوں میں تفرقہ پھیلتا ہو اور پوری عمر اسی

(۱) أضواء البیان في تفسیر سورة الجمعة، آیت نمبر ۱۰۔

طرح گزار دے، اس طرح وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا اور اُمت کے دُوسرے لوگوں میں اس کے باوجود جو خرابیاں باقی رہیں ان کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں، نتائج کے ہم مکلّف نہیں، ہم صرف اپنے اختیار اور قدرت کی حد تک مکلّف ہیں۔

جو خطرات آپ نے ظاہر کئے ہیں بلا شبہ ہم ان تمام خطرات کے احاطے میں ہیں، اور مسلمانوں میں انتشار اور باہمی افتراق جو پھیلا ہوا ہے اس کا بنیادی سبب دُنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے، اور ان سب چیزوں کا ممکن علاج وہی ہے جو اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ والسلام

(فتویٰ نمبر ۵۱۸ / ۲۴ ج)

۱- تبلیغی جماعت کا مشن بہت اچھا ہے
۲- مالی جرمانہ لینا جائز نہیں

سوال (۳۱۹): - ایک بستی میں ایک شخص لوگوں کا پیر اور مقتدا بنا ہوا ہے، علاقے کے عام مکین ان کا احترام کرتے ہیں اور تابع بھی ہیں، یہ پیر صاحب انتہائی اہتمام سے اجتماع منعقد کر کے اور متعلقین کی مجلس میں پُر زور الفاظ میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ جس نے حضرت مولانا محمد الیاس دیوبندی دہلویؒ کی تبلیغی جماعت کے لوگوں کو اپنے علاقے میں تبلیغ کے کام کو کرنے میں تعاون کیا، گھر میں جگہ یا مسجد میں ان کے بیان میں شرکت کی، بقول پیر صاحب ایسے مرید مستوجب سزا ہوں گے اور ان سے بطور سزا نقد جرمانہ وصول کیا جائے گا۔ اور اس سلسلے میں بعض حضرات سے جرمانہ بھی وصول کیا ہے، اب حل طلب مسائل یہ ہیں کہ:

۱- تبلیغی جماعت جو کہ محض لوگوں کی اصلاح کے لئے سرگرم عمل ہے، کیا اس جماعت کا مشن غلط ہے؟

(۳۲۰) ۲- کیا پیر صاحب موصوف کا اپنے مریدوں سے جرمانہ وصول کرنا از رُوئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

(۳۲۱) ۳- اگر از رُوئے شرع پیر صاحب کا کردار دُرست نہیں تو پھر پیر صاحب کیسا شخص کہلائے گا؟

جواب: - آپ کے سوالات کا جواب نمبروار درج ذیل ہے: -

۱- ہرگز نہیں، اس جماعت کا مشن بہت اچھا ہے، لوگوں کو اس میں تعاون کرنا چاہئے۔

۲- یہ جرمانہ لینا جائز نہیں۔ (۱)

۳- گمراہ۔

واللہ اعلم
۱۴۰۱/۱/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۷۰/۴۲ الف)

والدہ اور بیوی بچوں کو ضرورت ہونے کے باوجود تبلیغ میں جانا

سوال (۳۲۲): - زید کے والدین ناتواں اور ضعیف ہیں، زید کے تین چار بچے بھی ہیں، کیا زید کو بیوی بچوں کی نگرانی اور اُن کی تربیت اور ضعیف والدین کی خدمت کرنا افضل ہے یا اُن کو چھوڑ کر تبلیغی سلسلے میں باہر نکل جانا افضل ہے؟

جواب: - جب والدین بیٹے کی خدمت کے محتاج ہوں تو اُن کی خدمت فرضِ عین ہے اور تبلیغ کا کام فرضِ کفایہ ہے، دونوں ہی کام کرنے چاہئیں لیکن فرضِ عین کا نقصان کر کے فرضِ کفایہ میں مشغول نہ ہوں، یہی حکم بیوی بچوں کی نگرانی اور تربیت وادائے حقوق کا ہے۔ (۲)

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۲/۲۷ھ
(فتویٰ نمبر ۴۲۲/۲۵ ب)

حق بات نرمی سے کی جائے

سوال (۳۲۳): - ایک حاجی صاحب حج سے واپسی پر حج کے مناظر کی تصویریں ساتھ لے آئے، جن میں طواف کے وقت کی تصویریں ہیں، صفا مروہ کی سعی کرنے کی تصویریں ہیں، ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ گناہ ہے اور خلافِ شرع کام ہے، اس پر مجھے روکنا میرا فرض ہے۔ اس کی وجہ سے حاجی صاحب اور منع کرنے والے شخص کے درمیان تو تو میں میں ہوگئی، اسی دوران تصویریں دیکھنے والوں سے معترض نے کہا کہ تم کو جوتے لگانا چاہئے۔ جناب سے استفتاء طلب ہے کہ جوتے لگانے والا برحق ہے یا وہ قابلِ تعزیر ہے؟ تصویریں دیکھنے والوں کا یہ قول کہ ہمارا مقصد فقط بیت اللہ شریف کا نقشہ دیکھنا تھا اور یہ نقشہ مسجد میں بیٹھ کر دیکھنا گناہ ہے یا نہیں؟

جواب: - جاندار کی تصویر دیکھنا اور خریدنا گناہ ہے، اگرچہ ان میں حج کے مناظر دکھائے گئے

---

(۱) والحاصل انّ المذهب عدم التعزير بالمال۔ (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، ج:۵ ص:۴۱)۔

.. عن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز وظاهره ان ذلك رواية ضعيفة عن ابي يوسف وقال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على اخذ مال النّاس فيأكلونه اهـ۔ وافاد في البزازية ان معنى التعزير بأخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنده مدةً لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه لا ان يأخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحدٍ من المسلمين اخذ مال احدٍ بغير سببٍ شرعي۔ (ردّ المحتار، كتاب الحدود، ج:۴ ص:۶۱، سعيد)۔

(۲) قد مرّ تخريجه تحت عنوان ''بیوی بچوں کی ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کرنے کا حکم''۔

ہوں، معترض کا روکنا حق ہے، لیکن نرمی سے سمجھاتے اور جوتے مارنے کی دھمکی نہ دیتے تو بہتر تھا۔ تبلیغ نرمی سے کی جائے تو زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔[1] واللہ اعلم

محمد عاشق الٰہی

۳/محرم ۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۳۶ ۲۶ الف)

جواب صحیح ہے، اور جوتے مارنے کا اختیار ان صاحب کو نہیں ہے، اس کی دھمکی دینا بھی حدود سے تجاوز ہے، خصوصاً اپنے بڑوں کو۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۳/۱/۱۳۹۵ھ

نماز کے بعد احادیث سنانے کی شرائط

سوال (۳۲۴):- امام صاحب نمازِ فجر کے بعد دُعا ختم کر کے فوراً ایک اُردو کی کتاب سے حدیثیں سناتے ہیں، بآوازِ بلند سناتے ہیں دھیان یکسو نہیں رہتا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- اس کتاب میں اگر سب حدیثیں مستند ہیں تو لوگوں کو سنانا بہت ثواب کا کام ہے، لوگوں کو امام صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔ جو نمازی جماعت کے بعد نماز پڑھنے مسجد میں آتے ہیں ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں آواز نہ ٹکرائے اور امام صاحب کتاب سنانے میں لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں، اور ضرورت سے زیادہ زور سے نہ سنائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز کے بعد اپنی حدیثیں مسجد میں لوگوں کو سنایا کرتے تھے، قرآن شریف کی تلاوت کا معاملہ جدا ہے، وہ کسی کو سنانے کی ضرورت نہیں، آہستہ تلاوت سے مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے، اور حدیثیں سنانا جہر کے بغیر ممکن نہیں۔ واللہ اعلم

۲۶/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۲۸/۲۵)

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" (النحل: ۱۲۵) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے اس آیت کے تحت تفسیر "معارف القرآن" میں ذکر کردہ تشریح۔

فصل فی متفرقات العلم
(متفرق مسائل)

کسی کو "شہنشاہ" کہنا دُرست نہیں

سوال (۳۲۵):- کسی حدیث میں پڑھا ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ یا شہنشاہ کہنا شرک ہے، ایک صاحب سے پوچھا کہ بادشاہ یا شہنشاہ کے معنی حکمران یا فرماں روا کے ہیں تو جائز ہے ورنہ نہیں اس پر بھی روشنی ڈالیں۔

جواب:- حدیث شریف میں ایسے شخص پر سخت وعید آئی ہے جو خود کو ملک الملوک یعنی شہنشاہ کہلاتا ہو، ایسے شخص کو شہنشاہ کہنے میں اُس کی ہمت افزائی اور اعانت ہے، لہٰذا جائز نہیں۔ (۱)

البتہ اگر عرفِ عام میں شہنشاہ سے صرف بادشاہ مراد لیا جاتا ہو، اس کے اصلی معنی مراد نہ ہوتے ہوں تو یہ لفظ استعمال کرنے کی بُرائی کم ہو جاتی ہے، ختم نہیں ہوتی، اس لئے بہرحال اِجتناب کرنا چاہئے۔

واللہ اعلم

۱۵/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵۷۴/۲۵ ز)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "شہنشاہ" کہنا؟

سوال (۳۲۶):- حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "شہنشاہ" کا لقب دینا کیسا ہے؟

جواب:- دُرست نہیں، اللہ کے سوا کسی کو "شہنشاہ" کہنا دُرست نہیں۔ (۲) واللہ اعلم

۲۷/۴/۱۳۹۸ھ

(فتویٰ نمبر ۳۲۲/۲۹ الف)

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه أنّ النبي صلى الله عليه وسلم قال: إنّ أخنع الأسماء عند الله يوم القيامة رجل تسمى ملك الملوك شاهان شاه۔" قال سفيان: إنّ العجم إذا عظموا ملكهم يقولون شاهان شاه. إنّك ملك الملوك۔ (المستدرك على الصحيحين، كتاب الأدب. أمّا حديث سالم بن عبيد النخعي في هذا الباب، حديث رقم: ۷۸۴۳)۔

.... عن أبي هريرة رضي الله عنه أنّ النبي صلى الله عليه وسلم سمع رجلًا يقول للآخر: يا شاهان شاه۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الله ملك الملوك (وفي المعجم الصغير للطبراني، باب العين، من اسمه عبد الله، حديث رقم: ۵۹۸)۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو غروبِ آفتاب سے تعبیر کرنا

یاجوج ماجوج کون ہیں؟ اور سدِ سکندری کس نے بنائی؟

سوال (٣٢٧):- مسیح موعود کی پہچان کی ابتداء میں جو دیباچہ مفتیٔ اعظم نے لکھا ہے: ''اما بعد آفتابِ نبوّت کے غروب کے بعد'' یہ لفظ ہیں، حالانکہ نبوّت کا آفتاب تو روشن ہے اور تا قیامت مجسمۂ رحمت ہیں، آپ آفتابِ نبوّت کے غروب کے بعد والی عبارت میں غروب کی بجائے کوئی اور لفظ فرمادیں۔

دُوسری بات یہ کہ حدیث نمبر ۵ میں یاجوج ماجوج کے حالات لکھے ہیں، یہ فرمائیں کہ یہ قوم کس نبی کی اُمت سے ہیں؟ ان کے قد و قامت کی مقدار کتنی ہے؟ کیا سدِ سکندری ذُوالقرنین نے بنائی تھی؟

حدیث نمبر ۳۵ میں ہے کہ دجال کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے جو انبیائے سابقین میں سے دو نبیوں کے مشابہ ہوں گے، اگر میں چاہوں تو اِن دونوں نبیوں کے نام اور ان کے آباء و اجداد کے نام بھی بتا سکتا ہوں مگر مصلحت نہیں اس لئے نہیں بتایا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ دجال کے ہمراہ دو فرشتے مشابہ بانبیائے سابقین ہوں گے؟ اور کس نبی کے مشابہ ہوں گے؟

حدیث نمبر ۱۳ / ۸۸ میں "ولکن شبہ لھم" میں یہ وضاحت سے لکھیں کہ مشتبہ آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماننے والا اُمتی تھا جس کو انہوں نے قتل کیا، بعض تفاسیر میں یوں لکھا ہے کہ مکان سے نقل کرنے کے لئے ان کا آدمی آیا آپ آسمان کو چلے گئے ان کی شکل عیسیٰ علیہ السلام جیسی بن گئی اور آنے میں دیر ہوئی تو وہ آئے اور دیکھا عیسیٰ نہ تھے اس کو قتل کرڈالا اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب:- کتاب ''علاماتِ قیامت'' کے بارے میں آپ کے سوالات کا جواب درج ذیل ہے:-

١- آفتابِ نبوّت کے غروب سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے، اور وفات کے بعد اَرواح عالمِ برزخ میں ہوجاتی ہیں اور برزخ پردے کو کہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وفات کے بعد متوفی اور عالمِ دُنیا کے درمیان ایک قسم کا پردہ حائل ہوجاتا ہے، اگرچہ ایک گونہ تعلق ارواح کو اپنے اپنے جسد سے بھی رہتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا تعلق سب سے زیادہ قوی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان میں بھی سب سے زیادہ قوی ہے،(۱) لیکن پردہ بہرحال موجود ہے اگرچہ وہ کتنا ہی ہلکا ہو، پس آفتابِ نبوّت کے غروب سے مراد اس پردے کا حائل ہونا ہے اور یہ پردہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے، وھو قولہ تعالیٰ: "وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ"(۲) لہٰذا اس جملے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، لیکن اس جملے سے اگر بعض لوگ کھٹک محسوس کرتے ہیں تو اس جملے کے استعمال پر اِصرار کی بھی کوئی ضرورت نہیں، میں آپ کی یہ بات

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: حیاتِ انبیائے کرام از مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ۔

(۲) سورة المومنون آیت نمبر ۱۰۰۔

والد ماجد حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی خدمت میں پیش کروں گا، اگر انہوں نے ضرورت سمجھی تو اس کے الفاظ میں ترمیم فرمادیں گے۔

یاجوج ماجوج کے متعلق یہ بات کسی معتبر حدیث سے معلوم نہیں ہوتی کہ ان کا قد وقامت کتنا ہے؟ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ وہ انسان ہیں اور اسی دُنیا میں آباد ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہیں، اگرچہ وہ کافر ہوں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ"[1] "الناس" میں یاجوج ماجوج بھی داخل ہیں۔

سدِ سکندری ذُوالقرنین ہی نے بنائی تھی، سورۂ کہف کے آخری سے پہلے رُکوع میں اس کی صراحت ہے: "حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ..." الیٰ آخرہ۔ یاجوج ماجوج، سدِ سکندری اور ذُوالقرنین کے بارے میں مزید تفصیلات مطلوب ہوں تو تفسیر معارف القرآن میں مذکورہ بالا رُکوع کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیں[2]۔

دوسری کسی حدیث میں بھی ان دونوں نبیوں کے نام کہیں نظر سے نہیں گزرے، اور دو فرشتوں کا دجال کے ساتھ اس طرح ہونا مؤمنین کے امتحان کے لئے ہے، جن لوگوں کا ایمان پختہ ہوگا وہ اس میں کامیاب ہوجائیں گے اور گمراہ نہ ہوں گے۔

"ولکن شبہ لھم" کے ضمن میں آپ نے جو مشتبہ آدمی کے بارے میں تفصیل دریافت کی ہے وہ کتابوں کی مراجعت کے بغیر لکھنا مشکل ہے، میں آج کل ایک ناگہانی تکلیف کے باعث صاحبِ فراش اور نقل وحرکت سے معذور ہوں اور بیٹھنا بھی ممکن نہیں، فی الحال آپ کے اِس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں، تفسیر معارف القرآن میں سورۂ نساء کے ختم سے ڈھائی رُکوع پہلے "ولکن شبہ لھم" والی آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمالیں، اُمید ہے کہ یہ تفسیر اس میں مل جائے گی۔[3]

واللہ اعلم بالصواب

١٠/٣/١٣٩٥ھ

(فتویٰ نمبر ٢٦/٥٦٧)

---

(١) سورۃ السبا آیت نمبر: ٢٨۔

(٢) ج:٥ ص:٦٣٨ تا ٦٥٤، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

(٣) اس بارے میں دو قسم کی روایات ہیں:-

ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اس واقعے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریین سے پوچھا کہ تم میں سے کون اس پر آمادہ ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈال دی جائے اور وہ میری جگہ قتل ہوجائے اور جنت میں میرے ساتھ ہو۔ ایک نوجوان کھڑا ہوا، آپ نے اُسے بٹھادیا، پھر یہی اعلان فرمایا تو وہ دوبارہ کھڑا ہوا، غرضیکہ تین مرتبہ ایسا ہوا تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُس پر عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی اور یہودیوں نے اُسے قتل کرکے سولی پر لٹکادیا۔ اس روایت میں "فقام الشاب" کے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص نوجوان تھا، البتہ اس کا نام مذکور نہیں (ملاحظہ فرمایئے: السنن الکبریٰ للنسائی حدیث رقم: ١١٥٩١، والدر المنثور وتفسیر المظہری وتفسیر معارف القرآن تحت الآیۃ: "وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ")۔

جبکہ ایک دُوسری روایت یہ ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلانوس کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے بھیجا، جب یہ شخص گھر سے نکلا تو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا گیا، یہودیوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر قتل کردیا، اس روایت کے مطابق اُس شخص کا نام "طیطلانوس" ہے (ملاحظہ فرمایئے: تفسیر المظہری و تفسیر معارف القرآن تحت ھذہ الآیۃ)۔ ١٢م

حیاتِ خضر علیہ السلام کی تحقیق کرنا بلاضرورت ہے

سوال (۳۲۸): - حضرت خضر علیہ السلام حیات ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی حیات و وفات کا عقیدہ رکھتا ہو گنہگار ہے یا نہیں؟

جواب: - حیاتِ خضر ثابت ہو یا نہ ہو، اس مسئلے پر نہ ہمارا کوئی دینی عمل موقوف ہے نہ عقیدہ، آخرت میں بھی ہم سے اس مسئلے کا سوال نہیں ہوگا، لہٰذا ہمیں ایسے مسائل کے بجائے اُن مسائل کی فکر کرنی چاہئے جس پر ہماری نجات اور فلاح و کامیابی موقوف ہے۔

ویسے حیاتِ خضر کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی صراحت نہیں، اسی لئے بعض علماء قرائن کی بناء پر ان کی حیات کے قائل ہیں اور بعض حیات کا اِنکار کرتے ہیں، اکثر صوفیائے کرام حیات کے قائل رہے ہیں۔[1]

جو شخص حیات کا عقیدہ رکھتا ہو وہ بھی گنہگار نہیں، جو حیات کا اِنکار کرتا ہو وہ بھی گنہگار نہیں، بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے میں سکوت کیا جائے اور صحیح علم اللہ کے حوالے کیا جائے۔[2]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۹/۱۸ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۱۹۴ ج)

مستحب یہ ہے کہ صحابہ کے لئے ”رضی اللہ عنہ“ اور بزرگوں کے لئے ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہا جائے

سوال (۳۲۹): - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ کیا ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ صحابہ کے لئے خاص ہے؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دُوسرے بزرگوں کے لئے بھی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: - مستحب یہ ہے کہ ”رضی اللہ عنہ“ صرف صحابی کے لئے کہا جائے، اور ”رحمۃ اللہ علیہ“ تابعین اور بعد کے علماء و صالحین کے لئے، لیکن اگر کوئی اس کے برعکس کرے کہ صحابی کے لئے ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہے اور بعد کے تابعین و صالحین کے لئے ”رضی اللہ عنہ“ تو یہ بھی ناجائز نہیں، مگر خلافِ اَولیٰ ہے، پس

(۱) حیاتِ خضر علیہ السلام کے بارے میں تفصیل جاننے کے لئے ملاحظہ فرمایئے: تفسیر القرطبی ج:۱۱ ص:۴۱ تا ۴۴۔

(۲) معارف القرآن ج:۶ ص:۶۲۲ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں: حضرت خضر علیہ السلام کی موت و حیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں، اسی لئے قرآن و سنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت و وضاحت نہیں کی گئی، اس لئے اس میں زیادہ بحث و تمحیص کی بھی ضرورت نہیں، نہ کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' ہی کہنا چاہئے کیونکہ اس طرح لوگوں کو مغالطہ ہوگا کہ صحابی کو غیر صحابی اور غیر صحابی کو صحابی سمجھنے لگیں گے۔

ففي الدر المختار (ج:۵ ص:۴۸۰) ويستحب الترضي للصحابة (الى قوله) والترحم للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخيار وكذا يجوز عكسه وهو الترحم للصحابة والترضي للتابعين ومن بعدهم على الراجح ذكره الكرماني وقال الزيلعي الأولى أن يدعو للصحابة بالترضي وللتابعين بالرحمة ولمن بعد بالمغفرة والتجاوز۔ (۱)

واللہ اعلم
۴/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۴۴۷/۲۵ ج)

اِمام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ایک غلط قول

سوال (۳۳۰): - زید کہتا ہے کہ علمائے کرام جو بتاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے جو کہا ہے کہ کسی شخص میں ایمان سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی باقی ہو تو اُس پر کفر کا فتویٰ نہ لگایا جائے، یہ بالکل غلط ہے، اور امام صاحب پر اِلزام ہے، یہ مولویوں نے اپنی طرف سے اُن کی طرف منسوب کردیا ہے۔ جواب سے مستفید فرمائیں۔

جواب: - امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ قول نہ علماء منسوب کرتے ہیں اور نہ یہ قول امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے۔ (۲)

واللہ اعلم
۴/۷/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۵۸۷/۲۶ ر)

''جمہور اہلِ سنت'' سے کیا مراد ہے؟

سوال (۳۳۱): - جمہور اہلِ سنت سے کیا مراد ہے؟

جواب: - یہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے، ''جمہور'' بمعنی اکثر ہے، ''اہل'' بمعنی اشخاص و افراد و گروہ ہے، ''سنت'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا طریقہ ہے، پس اہلِ سنت اُس گروہ کا نام ہے جو

---

(۱) ج:۶ ص:۷۵۴ (طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)۔
نیز ملاحظہ فرمائیے: تحفة المحتاج في شرح المنهاج ج:۱ ص:۱۸۴، خطبة الكتاب۔
(۲) شاید سائل کو ایک دوسرے فقہی قاعدے سے مغالطہ لگا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے کلام میں بہت سے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایسے معنی کا بھی ہو جو کفر نہیں، تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس نے وہ معنی مراد لئے ہوں جو کفر نہیں، ہاں اگر متکلم خود ہی اپنی مراد واضح کردے اور وہ مطلب موجب کفر ہو تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی، كما في الهندية: إذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجة واحدٌ يمنع، فعلى المفتي أن يميل إلى ذلك الوجه، إلّا إذا صرح بإرادة توجب الكفر فلا ينفعه التأويل حينئذٍ (ج:۲ ص:۲۸۳ رشیدیہ)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی طریقے پر ہو اور ’’جمہور اہلِ سنت‘‘ سے مراد اہلِ سنت کی اکثریت ہے، جن مسائل پر پوری اُمت کے علمائے دین کا اِتفاق ہو چکا ہو ان کو ’’مسائل مجمع علیہا‘‘ کہتے ہیں، اور ایسے اتفاق کا اِصطلاحی نام ’’اِجماع‘‘ ہے[1]، جن مسائل پر پوری اُمت کے علماء کا اِجماع ہو چکا ہے وہ اہلِ علم کے نزدیک معروف و معلوم ہیں، مگر ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، لہٰذا اُن کی فہرست لکھ دینا مشکل کام ہے، اجماعی مسئلے کی خلاف ورزی حرام ہے، اس کا مرتکب اگر اجماعی مسئلے کی خلاف ورزی کو جائز سمجھتا ہے تو اس کا یہ سمجھنا مسلک اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

والسلام
۱۳۹۵/۱۱/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۷۵۸ و)

اشعری اور ماتریدی اِختلافات کی نوعیت

سوال (۳۳۲):- عقائد وکلام کے سلسلے میں ابوالحسن اشعریؒ، ابومنصور ماتریدیؒ کے اِختلافات کس نوعیت کے ہیں؟

جواب:- یہ دونوں حضرات اہل السنۃ والجماعت میں سے ہیں، اور اُن کا اِختلاف بعض کلامی مسائل کی تفصیلات میں ہے، جن پر دِین کا مدار نہیں، اُصولِ دِین میں ان کا کوئی اِختلاف نہیں[2]، ایک مسلمان کو ان میں سے کسی ایک کے عقائد کو اِختیار کر لینا کافی ہے، اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ عقائد ان میں سے کس کے ہیں۔

والسلام
۱۳۹۵/۱۱/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۷۵۸ و)

صرف نیت پر جزا وسزا ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال (۳۳۳):- صرف نیت کے اُوپر جزا وسزا ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب:- جب کسی نیکی یا گناہ کا عزم پختہ کر لیتا ہے تو اس پر بھی سزا و جزا مرتب ہوتی ہے[3]، اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ یہ سزا و جزا فعل کی سزا و جزا کے برابر ہو۔

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۴/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۸۲۸ ؛)

---

(۱) هو اتفاق علماء كل عصرٍ من اهلِ السُّنَّة ذوى العدالة والإجتهاد على حكم. كذا فى الفصول (حاشيه اصول الشاشي. تحت بحث الأجماع، ص:۱۸۸، مكتبة البشرى، كراچى)۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے: نور الأنوار. فصل القياس. مبحث الإجتهاد ص:۲۴۷ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔

(۳) اختلفوا فى نية السيئة والحق انه لا عقاب عليها إلّا إذا انضم إليها عزم أو تصميم أى عزم على الفعل بالفعل أو تصميم على انه سيفعل (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، خطبة الكتاب، ج:۱ ص:۴۲)۔

علماء کا اجتماعی بورڈ بنانے کی ضرورت

سوال (۳۳۴): - فتاویٰ کے اجتماعی طور پر جواب دینے میں علمائے کرام و مفتی صاحبان کا بورڈ ہو جائے تو اِنتشار سے بچا جا سکتا ہے۔

جواب: - ضرورت تو ہے، اور کراچی میں یہ کام کسی حد تک ہوا بھی ہے، مگر کافی نہیں۔ [1]

والسلام
۲۵/۱۱/۱۳۹۵ھ

درسِ نظامی میں مزید بہتری سے متعلق رائے

سوال (۳۳۵): - درسِ نظامی کی اِصلاح کے متعلق کیا رائے ہے؟

جواب: - درسِ نظامی بنیادی طور پر ایک نہایت مفید اور جامع نصابِ تعلیم ہے، جو دینی علوم میں مہارت پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ مفید ثابت ہوا ہے، حالاتِ زمانہ کے اِعتبار سے بعض جزوی تبدیلیوں کی ضرورت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا، ملک کے دُوسرے نظام ہائے تعلیم کی طرح درسِ نظامی سے بھی معیارِ مطلوب کے مطابق نکلنے والے طلبہ بہت قلیل کالعدم ہیں، فی صد بتانا مشکل ہے، مگر دُوسرے نظام ہائے تعلیم کے مقابلے میں اب بھی درسِ نظامی کے طلبہ کی علمی حالت معیارِ مطلوب کے اعتبار سے کم خراب ہے۔

معیار میں کمی کا بنیادی سبب زمانے کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات، معاشرے کا بگاڑ، دِین اور علمِ دِین سے عام بے رغبتی اور ان کی بے قدری ہے، اسی کے نتیجے میں معلّم و متعلّم کا کردار بھی شدّت سے متأثر ہوا ہے، نصاب میں حالاتِ زمانہ کے اعتبار سے جو جزوی ترمیم ہونی چاہئے تھی جن اِداروں نے وہ نہیں کی اُن میں اس کو بھی کچھ دخل ہوگا۔

اصل بنیاد تو متقدمین ہی کی کتابیں ہیں، مگر درسی اُسلوب پر نہیں لکھی گئیں، جن سے طلبہ کو اِستفادہ مشکل ہے، متأخرین کی کتابوں میں درسی اُسلوب ہوتا ہے اور مباحث زیادہ منضبط ہوتے ہیں لہٰذا طلبہ کے لئے اِستفادہ اور ان کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔

والسلام
۲۵/۱۱/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۵۸/۲۶ و)

---

(۱) حضرت مدظلہم نے جس وقت یہ فتویٰ تحریر فرمایا تھا، اس وقت کراچی کے جید علمائے کرام جیسے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ وغیرہ پر مشتمل ایک مجلس کام کر رہی تھی، جس کا نام "مجلس تحقیقِ مسائل حاضرہ" رکھا گیا تھا، اور کسی قدر کام اب بھی اس مجلس کے ذریعے سے ہو جاتا ہے۔ ۱۲م

شبِ براءت کی حقیقت

سوال (۳۳۶): - شبِ براءت کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: - ''شب'' کے معنی ہیں رات، اور ''براءت'' کے معنی ہیں بَری ہونا، تو ترجمہ یہ ہوگیا کہ بَری ہونے کی رات، چونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بہت بڑی تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا اور گناہوں سے بَری کردیتا ہے،[1] لہٰذا اس کو ''شبِ براءت'' کہا جاتا ہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۷/۱۱ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۵۱/۲۲ الف)

خانۂ کعبہ کو سجدہ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا ہے

سوال (۳۳۷): - ایک شخص اپنے آپ کو عالم کہتا ہے اور وہ امام بھی ہے، جمعہ کے دن تقریر کی کہ جو لوگ قبر کے سجدہ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ خانۂ کعبہ میں دو قبریں ہیں، ایک بی بی ہاجرہ کی دُوسری کسی اور کی۔ کیا یہ قول امام صاحب کا صحیح ہے؟

جواب: - اندرونِ کعبہ قبریں ہوں یا نہ ہوں، اس سے قبروں کو سجدہ کرنا کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ قبلے کی طرف منہ کرنے والا قبروں کو سجدہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو کرتا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت کو یہ معلوم ہی نہیں کہ خانۂ کعبہ میں قبریں ہیں یا نہیں، حتیٰ کہ قبلے کی طرف منہ کرکے سجدہ کرنے والا تو قبلے کو بھی سجدہ نہیں کرتا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کو کرتا ہے۔[2] اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا ہرگز جائز نہیں، شرک ہے۔

واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۷۴۷/۲۵ ج)

---

(۱) یہ مضمون متعدد احادیث سے ثابت ہے، مثلاً ملاحظہ فرمائیے: صحیح ابن حبان ج:۱۳ ص:۴۸۱ رقم الحدیث: ۵۶۶۵،۵۶۶۴۔ سنن الترمذی وسنن ابن ماجہ، کتاب الصوم، باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان، مجمع الزوائد، باب ما جاء فی الشحنا۔ ج:۸ ص:۶۵۔

اس موضوع پر اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں، جن میں سے بعض کمزور ہیں، لیکن محدثین کا یہ اُصول ہے کہ اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے لیکن اس کی تائید بہت سی دُوسری احادیث سے ہوجائے تو اس کی کمزوری دُور ہوجاتی ہے، لہٰذا شبِ براءت کی فضیلت کو بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں۔ (ملاحظہ فرمائیے: رسالہ شبِ براءت کی حقیقت از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم)۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: اشرف الجواب از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ص:۱۷ بعنوان: کیا مسلمان کعبے کی پرستش کرتے ہیں۔

''بہشتی زیور'' مستند کتاب ہے

سوال (۳۳۸): - طلاق کس کس حالت میں ناجائز ہے؟ ایسی کتاب کا نام بتائیں جس میں مسئلے اور فتوے ہوں، شادی کی پہلی رات میں کون کون سی دُعا پڑھنی چاہئے؟

جواب: - آپ اس قسم کے مسائل کے لئے کتاب ''بہشتی زیور'' کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ اعلم

۷ / ۱۲ / ۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۲۸ / ۲۸ ج)

سیرت النبی پر مستند کتاب

سوال (۳۳۹): - سیرت النبی پر مستند و تفصیلی حالات سے بھرپور واقعات سے مزین فرمائیں۔

جواب: - حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہم کی تالیف ''سیرۃ المصطفیٰ'' کئی جلدوں میں طبع ہوچکی ہے، اُردو میں اس سے زیادہ مستند اور مفصل کتاب احقر کی نظر سے نہیں گزری۔

واللہ اعلم

۱۳ / ۳ / ۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۵۱۵ / ۲۵)

چند مستند دینی کتابیں

سوال (۳۴۰): - کچھ دینی کتابوں کے نام لکھیں تاکہ دینی مطالعہ کرسکوں۔

جواب: - شرعی مسائل کے لئے ''بہشتی زیور'' مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے لئے کتاب ''سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم'' مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا، اور شہادتِ حسینؓ کے واقعات کے لئے کتاب ''شہیدِ کربلا'' مصنفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مطالعہ کریں، یہ سب کتابیں مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴ سے مل سکتی ہیں۔

۸ / ۳ / ۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۲ / ۲۳ ب)

کتاب ''تعلیم الاسلام'' سے مسائل سیکھنا

سوال (۳۴۱): - اگر مسجد میں چند ساتھی مل کر ''تعلیم الاسلام'' سے مسائل سیکھا جائے اور سکھایا جائے اور اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو علمائے کرام سے رُجوع کیا جائے، کیا یہ شریعت کے لحاظ سے دُرست ہے؟

جواب:- اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں[1]، بلکہ یہ تو تبلیغ کا اہم ترین جزء ہے، اور فرضِ کفایہ میں داخل ہے۔

واللہ اعلم
۲۰/۱/۱۳۹۸ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱/۲۹ الف)

گناہِ کبیرہ معلوم کرنے کے لئے مفید کتاب

سوال (۳۴۲):- گناہِ کبیرہ کی ایک فہرست لکھ کر بھیج دیں۔

جواب:- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کا رسالہ ''گناہِ بے لذت'' کا مطالعہ فرمائیں۔[2]

واللہ اعلم
۶/۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۶/۲۵ ب)

کتاب ''خلافت وملوکیت'' اور ''رسائل ومسائل''؟

سوال (۳۴۳):- مولانا مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' اور ''رسائل ومسائل'' قابلِ عمل ہے یا نہیں؟

جواب:- کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں کئی باتیں اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں[3]، اور ''رسائل ومسائل'' بھی فقہی لحاظ سے قابلِ اعتماد کتاب نہیں ہے۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۱/۱۱/۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۴۲/۲۲ د)

غیر مستند عالم کی کتاب مطالعہ کرنا

سوال (۳۴۴):- ''دلائل السلوک'' نام کی ایک کتاب نظر سے گزری، براہِ کرم یہ بتائیں کہ اس کتاب کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ اور اس کتاب کے مرتب کرنے والے پیر ومرشد سے تعلیم حاصل کرنا کیسا ہے؟ اگر کتاب نظر سے نہ گزری ہو تو رجسٹری کردوں تاکہ صحیح رائے معلوم ہوسکے۔

---

(۱) ''تعلیم الاسلام'' حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی قدس سرہٗ کا فقہی مسائل پر ایک مستند رسالہ ہے۔

(۲) اس کے علاوہ اس موضوع پر عربی میں "الزواجر" للعلامة هيثمي، "الكبائر" للإمام الذهبي، "العمدة بتمييز الكبائر" للعلامة البرقاوي اور اردو میں ''کبیرہ گناہ'' از مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور) اور ''بڑے گناہوں کا تحقیقی جائزہ'' از مولانا محمد عتیق الرحمٰن کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' از شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم۔

جواب :- یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری، اور مطالعہ کرنے کی فرصت بھی نہیں، اس کو مرتب کرنے والے ایم اے ہیں، عالم دین نہیں ہیں، تو ان کی کتاب کا مطالعہ دین پر عمل کرنے کے لئے عوام کو نہیں کرنا چاہئے۔ اگر اس میں کسی شخص نے اپنے بارے میں بزرگی کے دعوے کئے ہیں تو یہ بلاشبہ کھٹک پیدا کرنے والی بات ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۸/۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۳/۲۵ و)

شیخ احمد کا وصیت نامہ اور اس جیسے پمفلٹ کا پڑھنا

سوال (۳۴۵) :- بعض اوقات ایسے پمفلٹ موصول ہوتے ہیں جن میں لکھا ہوتا ہے کہ اس کو پڑھ کر تیس یا کم وبیش کا پیاں بنوا کر دیگر اصحاب میں تقسیم کی جائیں، اگر ایسا نہ کیا گیا تو نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ حال ہی میں شیخ احمد نامی شخص کی کچھ ہدایات تحریری شکل میں ہمارے پاس آئی جو کہ فتویٰ کے ساتھ منسلک ہے۔ براہِ کرم یہ فرمائیں کہ شریعت اس سلسلے میں کیا کہتی ہے؟ اور کیا اس قسم کی ہدایات پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب :- ان ہدایات پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، پتہ نہیں کہ کس شخص نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے، یہ تقریباً پچاس برس سے جاری ہے، سادہ لوح مسلمانوں کو اس سے پریشانی ہوتی ہے، بہرحال ان ہدایات پر عمل کرنا ہرگز ضروری نہیں، عمل نہ کرنے میں نہ کوئی دُنیا کی مضرت ہے، نہ آخرت کی۔ واللہ اعلم

۱۴۰۳/۷/۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۳۶/۳۴ ج)

چاند پر پہنچنا یا نہ پہنچنا ایک واقعاتی چیز ہے، شرعی نہیں

سوال (۳۴۶) :- چاند پہنچنے کی شرعاً تحقیق ہوئی ہے یا نہیں؟ جو اس کو نہ مانتا ہو اُس کا کیا حکم ہے؟

جواب :- چاند پر پہنچنا یا نہ پہنچنا ایک واقعاتی چیز ہے، شرعاً چاند پر پہنچنا ناممکن نہیں، اگر کوئی نہ مانے تو وہ بھی شرعاً مجرم نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۸/۲۸ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۶۲/۲۵ و)

محمد ''الرسول اللہ'' لکھنا غلط ہے

سوال (۳۴۷) :- ایک نکتہ وضاحت طلب ہے، ہر مسجد، کتاب وغیرہ میں کلمہ شریف ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تحریر ہوتا ہے، یعنی رسول سے پہلے الف لام نہیں ہوتا، یہاں میانوالی کی قدیمی بریلوی جامع

مسجد کی مرمت ہورہی ہے، اس کے محراب پر محمد ''الرسول اللہ'' تحریر کیا گیا ہے، مولانا عبدالستار خان نیازی وہیں نماز کے لئے جاتے ہیں، میری ناقص رائے میں یہ تحریف ہے، آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

جواب:- کلمہ طیبہ میں لفظ ''رسول'' پر الف لام نہیں ہونا چاہئے، یہ عربیت کے قاعدے کے خلاف ہے[1] اور نصوصِ شرعیہ کے بھی۔ بظاہر کتابت کی غلطی سے الف لام زیادہ لکھ دیا گیا ہے، اس کی اصلاح کرادینی چاہئے۔

واللہ اعلم
۱۴۰۲/۶/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۸۵۷/۳۳ ب)

عورت ''بسم اللہ...الخ'' کا ترجمہ کیسے کرے؟

سوال (۳۴۸):- بسم اللہ کا ترجمہ اگر میں عورت کی زبان میں لڑکیوں کو سکھاؤں (میں شروع کرتی ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) تو کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

جواب:- صحیح ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۱۲/۲۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۷۴/۲۵ ج)

مسائل اور فضائل میں کس کو زیادہ اہمیت ہے؟

سوال (۳۴۹):- ایسے احباب جو دین کے ضروری مسائل مثلاً غسل و وضو وغیرہ سے ناواقف ہیں، اور برسوں سے فضائل کی تعلیم میں شریک ہیں، مگر وقت کی کمی کا شکار ہیں، ان حضرات کو فارغ وقت میں فضائل میں وقت صرف کرنا چاہئے یا مسائل کو اہمیت دینی چاہئے؟

جواب:- انہیں ضروری مسائل تو سب سے پہلے سیکھنے چاہئے تھے، اب اس کوتاہی کا فی الفور ازالہ لازم ہے، مگر فضائل کی باتوں کو بھی کوئی ہرگز بے فائدہ نہ سمجھے، دونوں کاموں کا وقت نہیں ملتا تو مسائل کو اہمیت اور ترجیح دی جائے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۸/۱/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱/۲۹ الف)

اختلافی مسائل پر بلاضرورت بحث و مباحثہ نہیں کرنا چاہئے

سوال (۳۵۰):- مکرمی و معظمی مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیشتر اس کے کہ کچھ عرض کروں، تھوڑا سا تعارف کرادوں۔ ۱۹۳۲ء میں مولانا اشرف علی صاحب

---

(۱) عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ مضاف پر الف لام داخل نہیں ہوتا، کلمہ طیبہ میں لفظ ''رسول'' لفظ ''اللہ'' کی طرف مضاف ہو رہا ہے، لہٰذا اس پر الف لام داخل نہیں ہوگا۔ ۱۲م

کے پاس تھانہ بھون آپ کے والد ماجد مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے ملاقات ہوئی، اُس وقت میں استفتاء حضرت مولانا اشرف علی صاحب سے لیا کرتا تھا، بعد ازاں مفتی صاحب سے، ابھی میں استفتاء دارالعلوم کراچی بھیجتا ہوں۔ ۱۹۵۷ء میں حضرت مفتی صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ میں لاہور فلاں تاریخ کو آرہا ہوں، مجھے فلاں جگہ ملیں، لیکن افسوس میں بیمار تھا، اور موقع نہ مل سکا۔ بہرحال مختصر یہ کہ میں اکابر دیوبند کا معتقد ہوں۔

ایک اہلِ حدیث مولوی صاحب نے بلوغ المرام کی اُردو شرح لکھی ہے اور جابجا حنفیوں پر حملے کئے ہیں، چنانچہ میں نے انہیں اس جسارت سے متنبہ کیا، میرے خط کی نقل نمبر ا منسلک ہے۔

خط بنام شارح بلوغ المرام

مجھے بلوغ المرام کی اُردو شرح وترجمہ از جناب محمد سلیمان کیلانی صاحب مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ گھر جاکھ، گوجرانوالہ کے مطالعے کا موقع ملا، ترجمہ اور شرح سلیس اُردو میں بامحاورہ بہت عمدہ ہے، صرف ایک بات ضرور کھٹکتی ہے کہ شارحِ موصوف کو اَحناف سے کوئی خاص ضد ہے حالانکہ ایسے مواقع پر صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہوتا کہ اس میں حنفیہ یا شافعیہ کا اختلاف ہے، مگر شارح کا انداز کلام ملاحظہ ہو۔

کتاب کے صفحہ: ۱۴۵ پر حدیث نمبر ۴۸۱ میں ہے: ''جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تو نے سنتیں پڑھ لی ہیں؟ اُس نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا: اُٹھ کر دو سنتیں پڑھ لے۔

اس کی شرح یوں فرماتے ہیں: ''ان کا نام سلیک تھا، بخاری کی روایت میں خفیفتین کا لفظ بھی ہے، ایک جماعت فقہاء اور محدثین کا یہی مذہب ہے کہ دورانِ خطبہ میں دو رکعت سنت پڑھ لینی چاہئے، حنفیہ خطبے کے دوران سنت پڑھنے کے قائل نہیں، حدیث سے ان کے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔''

حالانکہ شارح موصوف خود نہیں جانتے کہ یہ حدیث منسوخ ہوچکی ہے، علم خود نہیں اور دُوسرے پر اعتراض، یاد رہے منسوخ حکم پر عمل خلافِ سنت ہے، اعتراض اُن پر کرتے ہیں قصور اپنا نکل آیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ امام ابوجعفر طحاویؒ کے متعلق فرماتے ہیں: "قال الإمام الحافظ ابو جعفر" کہ امام ابوجعفرؒ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے بعض اہلِ علم دوستوں نے فرمائش کی کہ میں ان کے لئے ایک ایسی کتاب تصنیف کردوں جس میں وہ احادیث مذکور ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَحکام کے بارے میں مروی ہیں، جن کی نسبت ملحدین اور بعض ضعیف الاسلام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ آپس میں ایک دُوسرے سے ٹکراتی ہیں، اُن کا یہ وہم محض اس وجہ سے ہے کہ ان کو ناسخ ومنسوخ اور اُن واجب العمل کے

متعلق بہت کم علم ہے جس کی بابت کتاب اللہ ناطق ہے اور متفق علیہ سنت شاہد ہے۔ (بستان المحدثین ص:۱۴۲،۱۴۳)۔

امام ابوجعفر طحاویؒ دو رکعت سنت خطبے کے دوران پڑھنے کے بارے میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "کان ذلك قبل ان ینسخ الکلام فی الصلوة ثم نسخ الکلام فی الصلوة فنسخ أیضًا فی الخطبة" (طحاوی جلد اوّل ص:۲۴۲)۔

یہ رخصت اُس وقت تھی جب ابھی نماز میں کلام کی اجازت تھی، پھر جب نماز میں کلام کرنی منسوخ ہوئی تو خطبہ جمعہ میں ایسے ہی منسوخ ہوگئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ احناف کی تحقیق کی تعریف کرتے کہ وہ حدیث کے ناسخ و منسوخ کے خوب واقف ہیں نہ یہ کہ "حدیث اُن کے قول کی تردید کرتی ہے"۔

میں صرف بطور نصیحت کے لکھنے پر مجبور ہوں کیونکہ ایسی تنقید بجائے فائدے کے نقصان دہ ہوا کرتی ہے، خدا آپ کو راہِ راست نصیب کرے، جس بزرگ کی آپ مخالفت کر رہے ہیں وہ کون بزرگ ہیں، جسے زمانے کے علمائے محققین نے امامِ اعظم کا خطاب دیا، آج بھی دُنیائے اسلام میں اُن کی فقہ کی پابند دو تہائی افرادِ اُمت ہیں، جبکہ باقی ایک تہائی میں سب شافعی، مالکی، حنبلی، ممالک اسلامیہ ہیں، اور پاک و ہند میں بریلوی، دیوبندی و اہلِ حدیث وغیرہ، جو فرقے عہدِ انگریزی کی پیداوار ہیں اس سے پہلے کہیں نام و نشان نہ تھا آئندہ ایڈیشن میں میری بات کا خیال رہے۔ محمد سرفراز خان

جواب: - مکرمی و محترمی جناب الحاج چوہدری سرفراز خان صاحب زیدت مکارمہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۱۰/۲/۸۱ء نظر نواز ہوا، اُسی سے معلوم ہوا کہ اس سے قبل بھی گرامی نامہ آیا تھا، جو دارالافتاء میں براہِ راست پہنچ گیا تھا، کیونکہ احقر اُس زمانے میں علیل تھا، دارالافتاء میں ڈاک کی کثرت اور رِجالِ کار کی قلت کے باعث غور طلب فتاویٰ کے جواب میں واقعی تاخیر ہوجاتی ہے، آپ کو انتظار سے جو زحمت ہوئی اس پر احقر کو افسوس ہے، اور اس پر ندامت ہے کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جو باوجود ضعف اور شدتِ مشغولیت کے جواب میں اتنی تاخیر نہ فرماتے تھے آپ نے وہی توقع احقر سے قائم فرمائی اور احقر اس پر پورا نہ اُتر سکا۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنی بساط کی حد تک احقر پوری کوشش کرتا ہے کہ جواب میں تاخیر نہ ہو، لیکن بزرگوں کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد کاموں اور ذمہ داریوں کے بوجھ میں اچانک اضافہ ہوا، وہ ابھی تک قابو میں نہیں آسکا، میں تو اس کو حضرت والدِ ماجدؒ کی کرامت ہی سمجھتا ہوں کہ وہ ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود ڈاک کا جواب بلا تاخیر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بہرحال آپ کا پچھلا گرامی نامہ مورخہ ۲۹ / ۱۲ / ۸۰ء بغور پڑھا، اور جناب محمد سلیمان کیلانی صاحب کے ساتھ آپ کی خط و کتابت کی نقل بھی بغور مطالعہ کیا، جواباً عرض ہے کہ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہوا ہے، دلیلِ شرعی کی بنیاد پر ہوا ہے، ہر مجتہد اور فقیہ کے پاس کچھ شرعی دلائل ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ کسی مسئلے میں اپنا مسلک اختیار کرتا ہے، اور اس کے مقلدین اس کی تقلید کرتے ہیں۔ مگر ایسے مسائل کے دلائل ہمیشہ نظری ہوتے ہیں قطعی نہیں ہوتے، کیونکہ اگر قطعی ہوتے تو اس میں کسی بھی مجتہد اور فقیہ کو اِختلاف پیش نہ آتا، سب اُن دلائل کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیتے، کسی مسئلے میں فقہاء کا اِختلاف ہونا بہرحال اس کی علامت ہے کہ اس مسئلے میں کوئی قطعی دلیل ایسی موجود نہیں جس سے اِختلاف کی گنجائش نہ ہو، دلائل میں تعارض تھا اسی لئے اِختلاف پیش آیا، کسی فقیہ نے ایک دلیل کو ترجیح دی اور دُوسرے فقیہ نے اس کے معارض دُوسری دلیل کو ترجیح دی۔ کسی نے ایک دلیل کو ناسخ اور دُوسری کو منسوخ مانا، کسی نے اس کے برعکس رائے قائم کی۔

جب مجتہد ایسے کسی مسئلے میں اپنا مسلک طے کرتا ہے تو وہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا مسلک قطعی طور پر حق اور دُوسرے کا مسلک قطعی طور پر یقیناً غلط ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ میرے مسلک کے متعلق میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ یہ دُرست ہے، اگرچہ اِحتمال یہ بھی ہے کہ وہی دُرست ہو۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ جن مسائل میں فقہائے کرام (ائمہ مجتہدین) کا اِختلاف ہوا ہے ان میں کسی کے مسلک کو نہ قطعی طور پر غلط کہا جاسکتا ہے نہ قطعی طور پر صحیح، صرف نظری طور پر ظنِ غالب کی بنیاد پر کسی ایک مسلک کو دُوسرے پر ترجیح دی جاسکتی ہے، کیونکہ شرعی دلائل بہرحال ہر طرف موجود ہیں۔

ہم بھی اِمامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی تقلید اس درجہ میں کرتے ہیں، یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اُن کے مسلک کے خلاف جن ائمہ مجتہدین (محدثین و فقہائے کرام) نے کچھ فرمایا ہے وہ قطعی طور پر غلط ہے بلکہ اقرار کرتے ہیں کہ اُن حضرات نے بھی اِمامِ اعظمؒ کے مسلک کے خلاف جو کچھ فرمایا شرعی دلائل کی بنیاد پر فرمایا ہے۔

ہر اِمام مجتہد اور اس کے مقلد کو اس کا بھی حق ہے جو مسلک اُس نے اِختیار کیا ہے اس کے دلائل وہ برملا پیش کرے، اور اِختلاف کرنے والوں نے جو دلائل پیش کئے ہیں اُن کا جواب دے، اور اُس کی نظر میں اُن دلائل میں جو کمزوریاں ہیں انہیں واضح کرے، اور بتائے کہ میری پیش کردہ دلیل سے فلاں مجتہد کے مسلک کی تردید ہوتی ہے۔ اس لئے حدیث اور فقہ کی فنی کتابوں میں فقہاء کے پیش کردہ دلائل پر علمی

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے: نور الأنوار، فصل القیاس، مبحث الإجتهاد ص:۲۴۹۔ تفصیلی کلام کے لئے ملاحظہ فرمایئے: اجتہاد اور تقلید از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ص:۳۴ تا ۵۱ اور اِجتہاد اور تقلید از حکیم الاسلام مولانا محمد طیب قاسمیؒ ص:۱۶ تا ۱۹۔

تنقید کی جاتی ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث سے فلاں مجتہد کے قول کی تردید ہوتی ہے، اور فلاں کے قول کی تائید ہوتی ہے، اس کی بے شمار مثالیں فقہِ حنفی کی کتابوں میں بھی موجود ہیں اور دوسرے فقہاء کی کتابوں میں بھی۔

اس پوری تفصیل کے عرض کرنے سے احقر کا مقصد یہ ہے کہ جناب کیلانی صاحب کی تصانیف موجود ہیں، ہر اہلِ علم ان کا مطالعہ کر سکتا ہے، یہاں میں اُنہیں نقل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں سمجھتا۔

البتہ شارحِ موصوف نے اپنے خط میں جو کچھ امام طحاویؒ، امامِ اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے متعلق کہا ہے، اس میں کئی جملے قابلِ اعتراض اور گستاخانہ ہیں، ان کے متعلق سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ شارحِ موصوف کے لئے مغفرت اور ہدایت کی دُعا کی جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ حدیث اپنا مسلک اور اس کے دلائل پیش کرتے ہیں، کرتے رہیں، امامِ اعظمؒ کے مسلک کی تردید کرتے ہیں، کرتے رہیں، ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دلائل پیش کر دیں اور دوسرے حضرات کے دلائل کا علمی انداز میں جواب دے دیں، اس سے زیادہ کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔ اگر کسی کو وہ دلائل وزنی معلوم نہیں ہوتے تو ہم پر یہ لازم نہیں کہ زبردستی ان کے وزنی ہونے کا اُن سے اقرار کروائیں۔ رہا مسائل کا اختلاف تو اُسے بالکلیہ ختم کرنا نہ ممکن ہے نہ ضروری، صرف یہ ضروری ہے کہ تمام فقہائے مجتہدین کا احترام کریں اور کسی کی شان میں ادنیٰ گستاخی کو اپنے لئے مہلک سمجھیں۔

آپ نے اُن کے خط میں دیوبندی فرقے کو بھی عہدِ انگریزی کی پیداوار قرار دے دیا ہے، یہ واقعہ کے خلاف ہے، دیوبندی درحقیقت کوئی مستقل فرقہ ہے ہی نہیں، دیوبندی حضرات کا فقہی مسلک وہی ہے جو امامِ اعظمؒ کا تھا اور عقائد وسلوک میں اس کا وہی مسلک ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔

آخر میں احقر کی رائے یہ ہے کہ اس بحث کو یہیں ختم فرما دینا مناسب ہے، کیونکہ طول دینے کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ ہم اپنے دلائل کتابوں سے نقل کریں گے، وہ اپنے دلائل نقل کریں گے، جو اختلاف چودہ سو سال کے اس طویل عرصے میں ختم نہیں ہو سکا، وہ اس تحریری مناظرے سے کیسے ختم ہو جائے گا؟

ایک بات آخر میں اور عرض کرنی ہے، وہ یہ کہ بہت عرصہ قبل آنجناب نے اپنی کتاب "مأة فتاوی فی مسئلة علم الغیب" احقر کے پاس بغرضِ اظہارِ رائے بھیجی تھی، اور جوابی لفافہ بھی اِرسال کیا تھا، افسوس ہے کہ احقر پوری کوشش کے باوجود اس کتاب کے مطالعے سے مستفید نہ ہو سکا، اور بغور مطالعہ کئے بغیر اظہارِ رائے دیانت کے خلاف ہے، اب تک یہ کتاب اسی لئے محفوظ رکھی کہ مطالعہ کر کے جواب لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن بصد افسوس وندامت یہ کتاب اور وہ جوابی لفافہ واپس اِرسالِ خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ احقر کی مجبوری

کے باعث عفو و درگزر فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کی مساعیٔ حسنہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین۔

والسلام
۱۵/ ۴/ ۱۴۰۱ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱۶/ ۳۲ الف)

عام آدمی کا علمی بحث و مباحثہ کرنا دُرست نہیں

سوال (۳۵۱): - کوے کی کتنی قسمیں ہیں اور کالا کوا حرام ہے یا نہیں؟ ایک کتاب میں مکروہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔

۲ - زید کا قول ہے کہ علمائے دیوبند کے اکابر میلاد اور فاتحہ، محرم کی سبیل کے قائل رہے ہیں، بعد میں حرام کہنے لگے۔ فتاویٰ عزیزیہ میں ہے کہ شاہ صاحب عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ”سال میں دو مجلسیں فقیر کے مکان میں منعقد ہوا کرتی ہیں، ایک مجلس ذکر وفات شریف اور دوسری مجلس شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ۔“ (ص: ۱۷۷) اور اسی کتاب میں دوسری جگہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”جس کھانے کا ثواب امامینؓ کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ وقل دُرود پڑھا جائے وہ کھانا تبرک ہے۔“ (ص: ۱۶۷) کیا یہ قول دُرست ہے یا نہیں؟ اور شاہ صاحب کی ایسی کوئی تحریر ہے یا نہیں؟

جواب: - زید کے سوالات کا منشاء بحث و مباحثہ اور مناظرہ معلوم ہوتا ہے، تحقیقِ حق کی طلب معلوم نہیں ہوتی، اس لئے ان سوالات کا جواب نہیں لکھا جاتا، زید کو چاہئے کہ وہ آپ سے بات کرنے کی بجائے کسی مستند عالمِ دین سے بات کرے جو اکابر علمائے دِین کے مسلک سے واقف ہوں، اور بات تحریر کی بجائے زبانی ہونی چاہئے۔

واللہ اعلم
۲۰/ ۳/ ۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۶۵۲/ ۲۵ ج)

”خواجہ“ کا استعمال کس معنی میں ہوتا ہے؟

سوال (۳۵۲): - بزرگوں کے اسم شریف سے پہلے ”خواجہ“ کا لفظ آتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: - خواجہ کا استعمال عام طور پر آقا کے معنی میں آتا ہے۔[1]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۱/ ۱۱/ ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۴۱۴/ ۲۲ د)

---

(۱) لغات کشوری ص: ۱۷۷ (فصل خ مع الواو) خواجہ: صاحب خانہ، گھر کا مالک، سردار، بزرگ۔

اِرادہ اور وعدہ میں فرق

سوال (۳۵۳):- تبلیغی جماعت والے حضرات خدا کے راستے میں نکلنے کے لئے نام اور پتہ وقت کے ساتھ تو لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ ارادہ ہے وعدہ نہیں۔ کیا وعدہ اور ارادہ میں فرق ہے؟

جواب:- اس صورت میں یہ ارادہ ہی ہے وعدہ نہیں، اور دونوں کے حکم میں فرق یہ ہے کہ بلا عذر وعدے کے خلاف کرنا شرعاً مذموم ہے،(۱) اور علاماتِ نفاق میں سے ہے،(۲) اور ارادے کے خلاف کرنا میں یہ قباحت نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ

۱۵/۱۲/۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۱۱۲۸/۲۱ الف)

سیلاب آنا عذاب ہے یا اِمتحان؟

سوال (۳۵۴):- حالیہ سیلاب کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ عذاب اور امتحان دونوں ہوسکتا ہے، میں نے اس سلسلے میں ریڈیو میں مذاکرہ سنا اور اخبار میں بھی پڑھا، انگریزی داں حضرات نے اس سیلاب کو امتحان اور آزمائش قرار دیا اور قطعیت کے ساتھ اور بغیر شک، جبکہ علماء حضرات نے اس کو نہ قطعیت کے ساتھ اِمتحان قرار دیا اور نہ عذاب بلکہ اشارۃً جو کچھ انہوں نے کہا اس سے عذاب ہونے کا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ ۱- خداوند کریم جس قوم سے خوش ہوا سے اتنی سخت مصیبت میں نہیں ڈالتا۔ ۲- جو مصیبت ہم پر آتی ہے وہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔ ۳- اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ میرا مقصد صرف حق بات جاننا ہے۔

جواب:- ایسا کوئی اُصول نظر سے نہیں گزرا جس سے امتحان اور عذاب میں واضح فرق کیا جاسکے، حالیہ سیلاب میں بھی دونوں ہی پہلو ہیں، اگرچہ اپنی بداعمالیوں کو دیکھتے ہوئے عذاب کا پہلو زیادہ نمایاں معلوم ہوتا ہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۹/۹/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۳۸۸/۲۴ ز)

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ "وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا" (بنی اسرائیل)۔

(۲) فی الحدیث آیۃ المنافق ثلث إذا حدث کذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان۔ (مشکوۃ المصابیح بحوالہ بخاری ومسلم، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأوّل)۔

خطاب میں مغالطہ آمیز باتیں نہیں کرنی چاہئیں

سوال (۳۵۵):- ایک خطیب جامع مسجد نے جو عرصے تک کتابت فرماتے رہے ہیں اب ایک جامع مسجد میں مولانا بن کر خطابت و امامت فرما رہے ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ماہ رجب کی ۲۶ / ۲۷ رجب کی درمیانی شب کو معراج ہوئی، اور معراج آنحضرت سے قبل حضرت یعقوب و حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے معراج سے نوازا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں اپنے مکان میں استراحت فرماتے تھے، دیکھا کہ ان کے مکان سے آسمان تک نوری زینہ ہے اور فرشتے اس پر سے چڑھ اُتر رہے ہیں، اور غیب سے آواز آئی: اے یعقوب! میں اس سرزمین اور اطرافِ زمین کو تم کو اور تمہاری اولاد کو بخش دینے والا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور سیناء پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معراج ہوئی، جیسا کہ کتاب یوحنا و انجیل میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر پندرھویں پارے میں پہلی آیت: "سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الأقصٰی" میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔

براہِ کرم شریعت کی روشنی میں یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اس عقیدے کا شخص مسجد میں امامت و خطابت کر سکتا ہے؟

جواب:- لفظ "معراج" اُمتِ محمدیہ میں ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتے لگا ہے، جس کا ایک خاص مفہوم ہے اور سب مسلمان اس مفہوم سے واقف ہیں۔ اس خاص مفہوم کے اعتبار سے معراج کسی اور نبی کے لئے ثابت نہیں، صرف ہمارے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے، لہٰذا خطیب صاحب مذکور کی مراد اگر معراج سے معراجِ متعارف ہے تو واقعے کے خلاف ہے، اور اس کا عقیدہ رکھنا بدعت ہے، اور بدعتی اگر بدعت سے توبہ نہ کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے،(۱) اور اگر معراجِ لغوی مراد ہے تو اگرچہ اس صورت میں خطیب صاحب مذکور کا بیان واقعے کے خلاف نہ ہوگا لیکن اس سے اجتناب کرنا چاہئے ورنہ عوام مغالطے کا شکار ہوں گے اور فتنہ و فساد مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوگا۔

خطیب صاحب مذکور آئندہ اگر اس مغالطہ آمیز باتیں تقریر میں بیان نہ فرمایا کریں تو خطابت جائز ہے۔

واللہ اعلم
(فتویٰ نمبر ۱۱۵۵/ ۲۲ ج)

---

(۱) ویکرہ إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمی ..... ومبتدع۔ (تنویر الأبصار مع شرحہ الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة ج:۱ ص:۵۶۳، سعید)۔

علم لدنی اور ایک دھات کو دُوسری دھات میں بدلنا؟

سوال (۳۵۶): -علم لدنی خدائی علم ہے یا نہیں؟ کیمیا، پریمیا، سیمیا۔

۱- دھات کو دھات سے بدلنا بحکم خدا۔

۲- اپنی شکل بدل لینا حکم خدا پر۔

۳- مقام بدلنا حکم خدا پر۔

کیمیا جائز ہے یا ناجائز؟ تفصیل سے لکھیں۔

جواب: -علم لدنی وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ ظاہری اسباب کے بغیر کسی مقرّب بندے کو بطور الہام عطا فرمائے[1]، اور دھات کو کسی دُوسری دھات سے بدلنا مثلاً تانبے کو سونا بنا دینا، اگر اس کا یقینی اور حقیقی علم کسی کو حاصل ہے اور تانبے کو حقیقۃً سونا بنا دیا جاتا ہے اس طرح کہ اصلی سونے اور اس سونے میں کوئی فرق نہ رہے تو یہ علم سکھانا اور اس سے کام لینا جائز ہے، اگر یہ علم حاصل نہیں تو اسراف اور فضول خرچی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور اگر علم حاصل تو ہے مگر سونا حقیقۃً نہیں بنتا بلکہ صرف دیکھنے میں سونا معلوم ہوتا ہے تو یہ دھوکا بازی ہے جو حرام ہے، ففی ردّ المحتار (ج:۱ ص:۳۲) وحاصله انه إذا قلنا بإثبات قلب الحقائق وهو الحق جاز العمل به وتعلّمه لأنه ليس بغش لأن النحاس ينقلب ذهبًا أو فضةً حقيقة وإن قلنا انه غير ثابت لا يجوز لأنه غش كما لا يجوز لمن لا يعلمه حقيقة لما فيه من إتلاف المال وغش المسلمين والظاهر ان مذهبنا ثبوت انقلاب الحقائق۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳/۴/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۳۷۹/۲۴ ب)

غلط فہمی پیدا کرنے والی بات عوامی مجمع میں نہیں کہنی چاہئے

سوال (۳۵۷): - ایک عالم تقریر میں یہ الفاظ کہتا ہے کہ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی خالقیت میں وحدہٗ لاشریک لہٗ ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی مخلوقیت میں وحدہٗ لاشریک لہٗ ہیں۔ اور عالم ان الفاظ کے جواز واستعمال میں حضرت قاری مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے کسی رسالے کا حوالہ دیتے ہیں، کیا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے جائز ہیں یا نہیں؟

---

(۱) في روح المعاني تحت الآية "وَعَلَّمْنٰهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا" (الكهف) هو العلم الخاص الذي لا يُعلم إلّا من جهته تعالى .
وفي تفسير النسفي تحت هذه الآية العلم اللدني ما حصل للعبد بطريق الإلهام۔

جواب: - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت میں لا شریک لہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی عبدیت (بندگی) اس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے کہ اُس درجے کی صفتِ بندگی کسی اور کو حاصل نہیں، اور بندگی کے اس درجہ کمال میں کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسر اور شریک نہیں، اگرچہ نفسِ بندگی سب مخلوق کو حاصل ہے۔ یہ بات فی نفسہٖ حقیقت کے مطابق ہے اور صحیح ہے، لہٰذا فی نفسہٖ جائز ہے لیکن عوامی اجتماعات میں ایسی بات نہ کہنی چاہئے کیونکہ لوگ دین کا علم نہ ہونے کے باعث غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۷/۷/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۲۳/۲۴ ھ)

جواب صحیح ہے کہ یہ بات فی نفسہٖ صحیح ہے، مگر ہر صحیح بات عوام کے مجمع میں کہنے کی نہیں ہوتی، امام بخاریؒ نے اس پر ایک مستقل باب لکھا ہے، ایسے کلمات جن سے عوام کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکیں عوام کے مجمع میں کہنا درست نہیں۔ [1]

واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۷/رجب ۱۳۹۳ھ

نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش؟

سوال (۳۵۸): - آج کل بلکہ کچھ عرصے سے پاکستان کے حالات اخباروں میں پڑھ کر دل کو بہت صدمہ ہوتا ہے، اکثر لوگوں کی دین سے بہت دوری ہوتی جارہی ہے، تو یہ خیالات آتے ہیں کہ میں ملازمت ترک کر کے اپنے آپ کو آپ کی رہبری میں ملت اور ملک کے لئے وقف کر دوں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

جواب: - یہاں بحالتِ موجودہ نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی واضح راہِ عمل نہیں ہے، لہٰذا نیت تو یہی رکھیں کہ جب پاکستان میں میری خدمات کی ضرورت ہوگی تو ضرور وہاں پہنچ کر دین کی خدمت کروں گا، مگر فی الحال وہیں رہتے ہوئے پاکستان اور مسلمانوں کے لئے دعائے خیر کرتے رہیں، اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھیں۔

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع

۹/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۳۴۴/۲۴ ب)

---

(۱) کتاب العلم، باب من خص بالعلم قومًا دون قوم، کراھیة ان لا یفھموا، رباب رقم ۴۹۔

ایسے اِدارے میں تعلیم دینا جہاں سود کی تعلیم دی جاتی ہو

سوال (۳۵۹): - کیا کسی تعلیمی اِدارے میں ایسی ملازمت جائز ہے جہاں کوئی ایسا مضمون پڑھانا پڑے جس میں سود وغیرہ کے متعلق بتانا پڑے مثلاً علمِ معاشیات یا علمِ محاسبی وغیرہ؟

جواب: - اس میں گنجائش ہے، مگر جہاں تک ممکن ہو حساب سود کی مثالوں کے بغیر سمجھایا جائے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۱/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۷۴/۲۵ ز)

ٹیپ ریکارڈر سے قرآن سننا یا پڑھنا؟

سوال (۳۶۰): - ایک قرآن خواں ٹیپ ریکارڈر سے قرآن مجید سنتا ہے، اور اس دوران خود قرآن شریف کھول کر غور اور شوق سے دِل ہی دِل میں قرآن پڑھتا رہتا ہے، یعنی ٹیپ ریکارڈر کی آواز کے ساتھ ساتھ دِل ہی دِل میں پڑھتا جاتا ہے، کیا اس کو پڑھنے اور سننے کا ثواب ملے گا؟

جواب: - پڑھنا وہ معتبر ہے جو زبان سے ہو اور یہاں زبان سے یہ شخص نہیں پڑھتا، مگر اُمید ہے کہ اس مجموعی عمل سے کسی ایک چیز کا ثواب مل جائے گا، یا پڑھنے کا یا سننے کا۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۱/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۹۵/۲۵ ز)

دُوسرے مسلک پر عمل کرنے کی شرائط

سوال (۳۶۱): - میں پیدائشی طور پر حنفی ہوں، کیا ایک مسلک کے اِختیار کرتے ہوئے دُوسرے مسلک کی اچھی یا ضرورت کے اعتبار سے جزوی چیزوں کو اپنایا جاسکتا ہے؟ کیا کچھ ضروری کام کی وجہ سے عصر کی نماز اہلِ حدیث حضرات کے ساتھ جماعت سے جو کہ ہمارے وقت سے پہلے ہوتی ہے ادا کی جاسکتی ہے؟ کیا میں بحیثیت طالبِ علم بوقتِ ضرورت جمع بین الصلوٰۃ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

جواب: - حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی یہ چاروں مذہب حق ہیں، لیکن جو شخص ان میں سے کسی ایک مذہب کا مقلد ہو اس کے لئے دُوسرے مذہب پر عمل جائز نہیں، البتہ اگر کوئی سخت مجبوری پیش آجائے تو وہ مجبوری وضاحت سے لکھ کر مستند اہلِ فتویٰ سے پوچھ لیا جائے، وہ اُصول کی رعایت کرتے ہوئے کوئی حل بتادیں گے، کیونکہ بعض خاص حالات میں بعض شرائط کے ساتھ مستند اہلِ فتویٰ فتویٰ دے سکتے ہیں، جو شخص خود اہلِ فتویٰ نہ ہو اُسے خود فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۵/۴/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۳۹۷/۲۶ الف)

کتاب التفسیر وما یتعلق بالقرآن

(تفسیر اور دیگر علومِ قرآنی کے بیان میں)

فصل فی تفسیر القرآن وتدوینه وما یتعلّق بهما
(قرآن مجید کی تفسیر، تدوین اور ان سے متعلق مسائل)

"رجال اللہ" سے کون مراد ہیں؟

سوال (۳۶۲): - معارف القرآن جلد اوّل ص:۳۶۱ میں لکھا ہے: "انسان کی صلاح وفلاح کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک کتاب اللہ دوسرے رجال اللہ" رجال اللہ سے علماء وفقہاء مراد ہیں یا اولیاء اللہ؟

جواب: - فقہاء، علماء اور اولیاء اللہ میں کچھ فرق نہیں، جو ولی اللہ نہیں وہ شرعاً فقیہ یا عالم دین بھی نہیں ہوتا، اس لئے رجال اللہ سے ایسے علماء وفقہاء مراد ہیں جو ولی اللہ (یعنی متبع سنت) ہوں۔[1]

واللہ اعلم
۱۰/۸/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۵۳۱ و)

"تفسیرِ عثمانی" کی عبارت پر تملیکِ زکوٰۃ کے حوالے سے اشکال اور اس کا جواب

سوال (۳۶۳): - زکوٰۃ میں تملیک کی شرط پر اجماع ہے لیکن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ "وفی الرقاب" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں"[2] اس میں تملیک نہیں۔

جواب: - زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے، اور "فی الرقاب" کی صورت میں بھی تملیک شرط ہے، چنانچہ مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے اسی حاشیہ کے آخر میں صراحت فرمادی ہے کہ تملیک مذکورہ بالا آٹھوں مصارف میں شرط ہے، اور تفصیل کا چونکہ وہ موقع نہیں لہٰذا اس کے لئے کتب فقہ کا حوالہ دے دیا اور وہ تفصیل

---

(۱) معارف القرآن ج:۱ ص:۹۴۔
(۲) ملاحظہ فرمائیے: سورۃ التوبۃ آیت نمبر ۶۰ کی تفسیر۔

''وفی الرقاب'' کے بارے میں یہ ہے کہ جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہو کہ اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو، جس کو شرعی اصطلاح میں ''مکاتب'' کہا جاتا ہے، ایسے غلام کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری وغیرہ کے ذریعے مال کمائے تاکہ آقا کو دے کر اپنی جان چھڑا سکے، اپنی کمائی کا یہ غلام مالک ہوتا ہے، پھر آقا کو دے دیتا ہے، پس جو زکوٰۃ مکاتب کو مالک بنا کر دی جائے گی اس میں تملیک کا متحقق ہو جانا بالکل ظاہر ہے، اور فی الرقاب میں ادائے زکوٰۃ کی یہی صورت مراد ہے۔

اس کے علاوہ دُوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا اُن کے آقاؤں کو رقمِ زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس طرح سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی؛ کیونکہ تملیک کی شرط نہ پائی گئی، اور اَسیروں کو فدیہ دے کر چھڑانے میں رقمِ زکوٰۃ اس طرح لگ سکتی ہے کہ اس کا مالک اَسیر کو بنا دیا جائے، اور اس پر قبضہ اَسیر یا اُس کے وکیل کا کرا دیں پھر وہ اَسیر یا وکیل اس رقم کو فدیہ میں ادا کر دے، اس طرح تملیک کی شرط متحقق ہو جاتی ہے۔[1] واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۵/۳/۲۳ھ

(فتویٰ نمبر ۷/۴۲۹ ۱۵۵ / ۲۶ ب)

سامری کا جبرائیلِ امین کے گھوڑے کی مٹی اُٹھانا ثابت ہے یا نہیں؟

سوال (۳۶۴):- معارف القرآن جلد اوّل کے صفحہ: ۱۶۸ پر ایک شخص سامری نامی سے متعلق جو تشریح تحریر فرمائی گئی ہے، اس میں جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کا ذِکر ہے کہ ان کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اس شخص نے مٹی اُٹھا کر محفوظ کر رکھی تھی وغیرہ، یہ قصہ کہاں سے لیا گیا ہے؟ آیا صحیح حدیث میں مذکور ہے یا نہیں؟ مولانا مودودی صاحب نے اس قصے کے متعلق کچھ اور تشریح بھی فرمائی ہے، گھوڑے کا ذِکر انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔

---

(۱) چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی اس ذیل میں بیان کردہ پوری عبارت اس طرح ہے: رقاب (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں) ..... حنفیہ کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقیر شرط ہے۔

..... آسان ترجمہ قرآن از مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم میں ہے: جس زمانے میں غلامی کا رواج تھا اس دور میں بعض غلاموں کے آقا ان سے کہہ دیتے تھے کہ اگر تم اتنی رقم لا کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلاموں کو بھی آزادی حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا تھا۔ (ج:۱ ص:۵۸۸، مکتبہ معارف القرآن کراچی)۔

جواب:- تفسیر معارف القرآن جلد اوّل میں یہ واقعہ مختصراً بیان ہوا ہے، اس کی پوری تفصیل تفسیر معارف القرآن کی جلد ششم سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے[1] یہ روایت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، اور تفسیر ابن کثیر (عربی) میں پوری سند کے ساتھ اُسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، روایت کے آخر میں صراحت ہے کہ یہ حدیث ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کی ہے، لہٰذا یہ حدیث مرفوع ہے، اور حافظ ابن کثیرؒ نے جو روایات کے معاملے میں بہت محتاط ہیں اس روایت کی توثیق کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کو امام نسائی نے بھی سنن کبریٰ میں نقل کیا ہے۔[2] دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج: ۳ ص: ۱۴۸ تا ۱۵۳ سورۂ طٰہٰ)۔

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۱۱/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۴/۶۶ الف)

مہمان کے لئے مرغ ذبح کرنا "وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" میں داخل نہیں

سوال (۳۶۵):- قرآن پاک کی آیت "وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کی روشنی میں معارف القرآن میں حدیث کے حوالے سے کسی اُمیر وغیرہ شخص کے آنے پر کسی جانور کا ذبح کرنا ناجائز ہے، تو اگر کوئی مہمان آجائے اور اس کے لئے میزبان مرغ وغیرہ ذبح کر کے اس کی مہمانی کرے، تو آیا یہ بات بھی اس آیت کی رُو سے ناجائز ہے یا نہیں؟

جواب:- مہمان کو کھلانے کے لئے مرغ وغیرہ ذبح کرنا جائز ہے، اس کی کوئی ممانعت نہیں، تفسیر معارف القرآن میں جس صورت کو ناجائز لکھا ہے اس میں یہ صورت داخل نہیں۔ واللہ اعلم

۱۴۰۴/۵/۲۷ھ
(فتویٰ نمبر ۹۱۰/۳۵ ب)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو "اَحسن القصص" کیوں کہا گیا؟

سوال (۳۶۶):- قرآن پاک میں انبیاء مرسلین کے واقعات ہیں مگر "اَحسن القصص" کا لفظ صرف سورۂ یوسف میں کیوں آیا؟

---

(۱) ص: ۱۴۴، ۱۴۵۔

(۲) ج: ۶ ص: ۲۰۲، نیز ملاحظہ فرمائیے: مسند ابی یعلی، مسند ابن عباس ج: ۳ ص: ۱۲۳، مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج: ۷ ص: ۲۳۸۔

جواب :- "احسن القصص" فرمانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ پورے قرآن حکیم میں صرف یہی ایک واقعہ ایسا ہے کہ اسے اوّل سے آخر تک ترتیب وار تسلسل سے ایک جگہ بیان کردیا گیا ہے، دوسرے انبیائے کرام کے واقعات ٹکڑے ٹکڑے کرکے مختلف مقامات پر بیان کئے گئے ہیں، تحقیق کا موقع نہیں ملا۔[1]

واللہ اعلم

۱۸/۲/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۳۷۱)

یہ کہنا جائز نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی تکمیل شہادتِ حسینؓ سے ہوئی

سوال (۳۶۷):- آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؓ سروِ آزادے زبستانِ رسول اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر، معنی ذبحِ عظیم آمد پسر آں شہزادۂ خیر الملل دوشِ ختم المرسلین نعم الجمل سرخ رو عشق غیور از خونِ او زشوخی ایں مصرع از مضمونِ او۔

علامہ اقبال کے خط کشیدہ مصرعے کو ہمارے ایک اللہ والے اور عالم دوست نے قرآنی آیت "وفدیناہ بذبح عظیم" کو اپنے اعتقاد کی بنیاد بتاتے ہوئے اس کی یہ تفسیر مطلب ومقصد بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل کی جو قربانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کی وہ قربانی دراصل اس وقت تک کے لئے تکمیل کی منتظر تھی، جب آگے جاکر حضرت حسینؓ کی شہادت کربلا میں وقوع پذیر ہوئی، ہمارے ان عالم دوست کے موقف کو اس کے آگے کی اس آیت سے تائید وتقویت ملتی ہے "وترکنا علیہ فی الاخرین" یعنی اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ اشارہ ہے حضرت حسینؓ کی ہونے والی شہادت کی طرف جو اصلاً "ذبحِ عظیم" ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی حضرت حسینؓ کی قربانی کے مقابلے میں کمتر ہوئی اور اس وقت تک مکمل نہ ہوئی جب تک کہ حضرت حسینؓ نے اپنی جان قربانی نہ کردی۔

---

(۱) اسے "احسن القصص" کہنے کے بارے میں دوسرے اقوال یہ ہیں: فی الاتقان فی علوم القرآن، النوع الخامس والسبعون فی خواص القرآن ج ۲ ص ۲۲۲ وسماها احسن القصص لاشتمالها علی ذکر حاسد ومحسود ومالك ومملوك وعاشق ومعشوق وحبس واطلاق وسجن وخلاص وخصب وجدب وغیرها مما یعجز عن بیانها طوق الخلق۔

وفی تفسیر القرطبی تحت سورة یوسف، آیت ۳ واختلف العلماء لم سمیت هذه السورة احسن القصص من بین سائر الاقاصیص؟ فقیل لانه لیست قصة فی القرآن قصة تتضمن من العبر والحکم ما تتضمن هذه القصة ... وقیل سماها احسن القصص لحسن مجاورة یوسف عن اخوته وصبره علی اذاهم وعفوه عنهم ... وقیل لان فیها ذکر الانبیاء والصالحین والملائکة والشیاطین والجن والانس والانعام والطیر وسیر الملوك والممالك والتجار والعلماء ... الخ۔

میری حقیر رائے میں اس قسم کا موقف رکھنا اور اس کی تائید میں اقبال کے شعروں کو اس بد اعتقادی کی بنیاد بنالینا بہت بڑی جسارت ہے، اقبال چاہے کتنے ہی بڑے قومی وملّی شاعر ہوں، وہ عالم دین اور مفسرِ قرآن نہیں ہیں کہ اُن کے اشعار کو ہم قرآنی آیات کی صحیح تفسیر مان لیں۔

کیا قرآنی آیات کا ایسا غلط مطلب ومقصد بیان کرنا گناہ نہیں ہے؟ کیا اس بد اعتقادی سے توبہ لازم نہیں آتی؟ براہِ کرم آپ میرے اس استفتاء پر اپنا فتویٰ صادر فرمادیں تاکہ ایسے لوگوں کے ایمان کی اصلاح ہوجاوے۔

جواب: – اوّل تو اس شعر کا یہ مطلب ہی نہیں جو آپ کے دوست نے بیان کیا، اور اگر ہو بھی تو اس کو قرآنِ حکیم کی تفسیر کی بنیاد بنانا غلط ہے، شاعر شاعر ہے، مفسرِ قرآن نہیں، اُس کے اپنے خیالات کو دینی عقائد کی بنیاد کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ پھر آپ کے دوست کا یہ کہنا بہت بڑی جسارت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی اپنی تکمیل کے لئے شہادتِ حسینؓ کی منتظر تھی، اس قسم کی بے بنیاد باتیں دینی اُمور میں کرنا بالکل جائز نہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فضائل اتنے ہیں کہ انہیں ثابت کرنے کے لئے اس قسم کے بے بنیاد دلائل کی قطعاً حاجت نہیں، حضرت حسینؓ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور اُن کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو "سیدا شباب اھل الجنۃ" فرمایا ہے[1]، اور احادیثِ کثیرہ میں ان کے عظیم فضائل آئے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۳/۳/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۳۳ ج)

توبۂ نصوح کسے کہتے ہیں؟

سوال (۳۶۸): – توبۂ نصوح کا لفظ کلامِ پاک کے کونسے پارے میں؟ کس رکوع میں ہے؟ نصوح کون ہے؟ یا لفظی معنی ہی مطلب ہے؟

جواب: – سورۂ تحریم کے آخری رکوع کی سب سے پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے: "یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا"، نصوح کسی شخص کا نام نہیں، بلکہ توبہ کی صفت ہے، اور توبۂ نصوح ایسی توبہ کو

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما حدیث ۳۷۶۸، وسنن ابن ماجۃ، مقدمۃ باب فضل علی بن ابی طالب حدیث:۱۲۳، ومسند احمد بن حنبل، مسند ابی سعید الخدری حدیث:۱۱۲۹۱۔

کہا جاتا ہے جو صدقِ دل اور اخلاص اور پختہ عزم کے ساتھ کی جائے۔[1] واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۸/۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۱/۲۵ الف)

کیا قیامت میں لوگ ایک دُوسرے کے کام آئیں گے؟

سوال (۳۶۹): ۱- "يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾"۔[2]

۲- "الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۶۷﴾"۔[3]

ان دونوں آیت سے معلوم ہوا کہ بھائی، باپ، ماں، بیوی، بیٹوں سے آدمی بھاگے گا، کوئی کسی کا نہ ہوگا، اپنی اپنی پڑی ہوگی، بعد میں ایک دُوسرے کی شفاعت کریں گے، جب شفاعت کی باری آئے گی اور ایک دُوسرے کو پہچانیں گے، دوست بھی ایک دُوسرے کے دُشمن ہوں گے اور نیک لوگ دوست ہوں گے، اور شفاعت بھی کریں گے۔ حدیث میں ہے: "فيقال لهم اخرجوا مَنْ عَرَفْتُم"[4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دُوسرے کو پہچانیں گے جس طرح دُنیا میں پہچانتے تھے۔

جواب:- یومِ حساب میں جب اعمال نامے کسی کے داہنے اور کسی کے بائیں ہاتھ میں آنے کے لئے اُڑیں گے، اور جب وزنِ اعمال ہوگا اور جب لوگ پلِ صراط سے گزریں گے اُس وقت ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا، نیز جو لوگ جہنم میں داخل کئے جائیں گے، وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے کام نہ آئیں گے، ہر ایک اپنے عذاب میں اتنا بے چین ہوگا کہ دُوسرے کی مدد کا تصور بھی نہ کر سکے گا، ہاں جو لوگ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے وہ اپنے اُن عزیزوں اور دوستوں کے لئے سفارش کریں گے جن کا انتقال ایمان پر ہوا تھا مگر بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے اور ان کو اس سفارش سے فائدہ بھی ہوگا۔ واللہ اعلم

۲۷/۲/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶۴/۲۵ ب)

---

(۱) تفسير الطبري تحت هذه الآية: قال ابن زيد في قول الله: (تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا) قال: التوبة النصوح الصادقة، يعلم انها صدق ندامة على خطيئته، وحب الرجوع إلى طاعته، فهذا النصوح۔

وفي تفسير ابن كثير: توبة نصوحًا اي توبة صادقة جازمة۔

(۲) سورة عبس آيت نمبر ۳۴ تا ۳۶۔

(۳) سورة الزخرف آيت ۶۷۔

(۴) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية حديث: ۴۷۲۔

ہاروت وماروت کا واقعہ کتنا صحیح ہے؟

سوال (۳۷۰): - قرآن پاک میں دو فرشتے ہاروت اور ماروت کا ذکر آیا ہے، واشنگٹن میں احمدیوں کے ایک امام سے ملاقات ہوئی، کافی بحث رہی، وہ کہتا ہے کہ یہ من گھڑت ہے۔

جواب: - پورا واقعہ تو تفصیل چاہتا ہے، اتنی بات ضرور ہے کہ ہاروت و ماروت کا جتنا واقعہ قرآن وحدیثِ معتبرہ میں آ گیا ہے وہ تو صحیح ہے، اس سے زائد جو تفصیلات اس واقعے کی مشہور ہیں قابلِ اعتماد نہیں، حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی تفسیر معارف القرآن جلد اوّل[1] میں اس واقعے کا بیان آیا ہے اُسے دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۴/۱/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۸۷ ب)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

لفظ ''نبی'' کا ترجمہ غیب دان سے کرنا دُرست نہیں

سوال (۳۷۱): - سوسائٹی میں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے اُس کے محراب پر مندرجہ ذیل آیت تحریر کی گئی ہے: "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾" اس کا ترجمہ اس طرح درج کیا گیا ہے: '' بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر جو غیب داں ہیں رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔'' سنا گیا ہے کہ یہ ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کا کیا ہوا ہے، کیا غیب داں کا ترجمہ کرنا صحیح ہے؟

جواب: - ''النبی'' کا ترجمہ ''غیب داں'' صحیح نہیں، نبی شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، اور اِصطلاحات کے لغوی معنی مراد نہیں ہوا کرتے، اور نہ اُن کے ترجمے کی حاجت ہے، اُردو میں بھی نبی کو نبی ہی کہا جاتا ہے، پھر نبی کے لغوی معنی بھی ''غیب داں'' نہیں، بلکہ عربی لغت میں نبی اُس کو کہتے ہیں جس کو خبر دی گئی ہو،[2] اور اِصطلاحِ شریعت میں نبی اُس انسان کو کہا جاتا ہے جس پر اللہ لوگوں کی ہدایت کے لئے وحی بھیجے۔ غرض یہ ترجمہ نہ شرعی اِصطلاح کے اعتبار سے صحیح ہے نہ لغوی معنی کے اعتبار سے، نیز یہ ترجمہ اسلام کے صحیح عقیدے کے بھی خلاف ہے؛ کیونکہ علمِ غیب بمعنی اِصطلاحی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۳/۱۱/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۶۹۱ ج)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

---

(۱) ج:۱ ص: ۲۷۲، ۲۷۳۔
(۲) النهاية في غريب الأثر، باب النون مع الباء ج:۵ ص:۸۔

کیا یہ صحیح ہے قارون کے خزانوں کی کنجیوں کو ستر اُونٹ یا خچر اُٹھاتے تھے؟

سوال (۳۷۲):- کیا یہ صحیح ہے کہ قارون کے خزانوں کی کنجیوں کو ستر اُونٹ یا خچر اُٹھاتے تھے؟

جواب:- قرآنِ حکیم میں تو قارون کی کثرتِ مال کے بارے میں اتنا مذکور ہے کہ: "وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ"[1] (یعنی ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں اُٹھانے سے طاقتور مردوں کی ایک جماعت تھک جاتی تھی) اس سے زائد تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی نہیں ملتی، البتہ تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن جریرؒ میں ایک قول اسی آیت کے تحت انجیل کے حوالے سے نقل کیا ہے: "قارون کے خزانوں کی کنجیاں ساٹھ خچروں پر لادی جاتی تھیں"[2]۔ اور حضرت مجاہدؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ستر خچروں پر لادی جاتی تھیں، مگر ساتھ ہی بعض مفسرین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ قرآنِ حکیم میں "مَفَاتِحَهُ" کا جو لفظ ہے اس سے مراد کنجیاں نہیں بلکہ خزانے ہیں، اس تفسیر کی بناء پر ترجمہ یہ ہو جائے گا کہ ہم نے اس کو خزانوں میں سے اتنا دیا تھا کہ اس کے خزانے اُٹھانے سے طاقتور مردوں کی ایک جماعت تھک جاتی تھی۔ حاصلِ کلام یہ کہ احتمال دونوں ہیں کہ یہ تعداد چابیوں کی تھی یا خزانوں کی، مگر دونوں میں سے کسی ایک کو متعین طور سے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہی صحیح ہے دُوسرا غلط ہے، البتہ چابیوں کا ذِکر چونکہ صراحتہ ہے اور اس کے حقیقی معنی چابیوں ہی کے ہیں دُوسرے معنی مجازی ہیں، اس لئے پہلا احتمال راجح ضرور ہے، غلط دُوسرے کو بھی نہیں کہا جا سکتا۔

والله اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی عفی عنہ
تاریخ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۱۵۴ الف)

"معارف القرآن" میں "تفہیم القرآن" کا ذِکر کردہ اِقتباس صحیح ہے

سوال (۳۷۳):- محترم! آپ کی توجہ "معارف القرآن" جلد چہارم طبع دوم فروری ۱۹۷۵ء کے صفحہ: ۵۷۰ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، اس میں حضرت یونس علیہ السلام کی طرف فریضۂ رسالت ادا کرنے میں کوتاہیوں کی نسبت "تفہیم القرآن" مولانا مودودی ج:۲ ص:۳۱۲ کا حوالہ دے کر گفتگو کی گئی ہے، میں نے "تفہیم القرآن" جلد دوم طبع چہارم ۱۹۶۷ء صفحہ: ۳۱۲ حاشیہ نمبر ۹۹ کا بغور مطالعہ کیا، لیکن

---

(۱) سورۃ القصص ۷۶۔
(۲) ملاحظہ فرمایئے اسی آیت کی تفسیر کے تحت تفسیر قرطبی، تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر۔

یقین مانئے کہ وہ فقرہ کہ: ''حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی ہیں اور .....پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کرگیا'' کہیں نظر نہیں آیا۔ آپ کی آسانی کی خاطر ''تفہیم القرآن'' جلد دوم طبع چہارم ص: ۳۱۲ جس کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے پوری عبارت اس عریضے کے ساتھ منسلک ہے، آپ خود مطالعہ فرما کر دیکھ سکتے ہیں کہ ''معارف القرآن'' میں جو اقتباس پیش کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ ''معارف القرآن'' مذکورہ تقریباً آٹھ سال بعد ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا، جبکہ مذکورہ ''تفہیم القرآن'' آٹھ سال پہلے یعنی ۱۹۶۷ء چھپ چکا ہے۔

محترم! سوال یہ ہے کہ ایک طویل عرصے کے بعد اس اقتباس جس کا ذکر ''معارف القرآن'' میں ہے اس کی صحت کی جانچ پڑتال کئے بغیر کیوں چھاپ دیا گیا؟ لوگ اس سے غلط تأثر لے سکتے ہیں اور کچھ بزرگ جمعہ کے روز، وقتاً فوقتاً خطبے سے پہلے یہ تأثر دینے کی کوشش بھی کررہے ہیں۔ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ کے جواب کا منتظر ہوں کہ آپ اس غلطی کا ازالہ کیسے کرتے ہیں؟

جواب: - محترم جناب محمد سعید صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۱۷؍مئی ۱۹۸۶ء کے جواب میں عرض ہے کہ ''تفہیم القرآن'' کی جس عبارت کا حوالہ تفسیر ''معارف القرآن'' میں دیا گیا ہے وہ عبارت ''تفہیم القرآن'' کی ٹھیک اُسی جلد کے اُسی صفحے پر مطبوعہ شکل میں موجود ہے، اطمینان کے لئے صفحہ: ۳۱۲ و ۳۱۳ جلد دوم کی فوٹو کاپی منسلک کررہا ہوں۔

یہ فوٹو کاپی ''تفہیم القرآن'' جلد دوم طبع اوّل ۱۹۵۴ء کی ہے، حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی کتب خانے میں طبع اوّل کا یہی نسخہ موجود ہے، یہ فوٹو اُسی سے لیا گیا ہے، اُمید ہے کہ اس سے آپ کے سب اشکالات کا جواب ہوجائے گا۔

والسلام
تاریخ
(فتویٰ نمبر ۱۳۴۰/۳۷ د)

صرف مستند تفاسیر کا مطالعہ کرنا چاہئے

سوال (۳۷۴): - مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر اور مولانا مودودی کی تفسیر یہ دونوں آپس میں ملتی جلتی ہیں یا نہیں؟ مولانا مودودی نے نویں سپارہ کی سورۃ الاعراف ص: ۱۵۷، ۱۱۵، اِس کے متعلق اُنہوں نے لکھا ہے کہ بغیر وضو سجدۂ تلاوت ہوسکتا ہے۔ ۲- کیا جماعتِ اسلامی ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم نے مودودی صاحب کی تفسیر کا مطالعہ نہیں کیا، اور آپ کو بھی اس کا مشورہ نہیں دیتے، اتنا لمبا راستہ اختیار کرنے سے کیا فائدہ کہ جس تفسیر پر اور اُس کے مصنف کے علم پر پوری طرح آپ کو اعتماد نہیں پہلے

اُس کا مطالعہ کریں، اس طرح آپ کس کس مسئلے اور کس کس اِشکال کو حل کریں گے؟

سیدھی بات یہ ہے کہ مستند علمائے اہلِ حق کی تفسیر موجود ہیں، ان کا مطالعہ کیجئے۔

۱-حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن''۔

۲-حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا حاشیہ قرآن۔

۳-حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی تفسیر ''معارف القرآن''۔

ان میں جو آسانی سے مل جائے اور سمجھ میں آسکے اُس کا مطالعہ کیجئے، پھر کوئی شبہ پیدا ہو تو علمائے کرام سے دریافت کیجئے۔ (۱)

والسلام

۱۳۹۵/۶/۱۸ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۵۵/۲۶ ج)

''تفہیم القرآن'' کے بجائے کسی مستند عالم کی تفسیر پڑھنی چاہئے

سوال (۳۷۵):-مولانا مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں غلطیاں کی ہیں، تو اس کی نشاندہی فرمائی جائے کہ کہاں کہاں غلطیاں کی ہیں؟

جواب:- یہ کام بہت فرصت چاہتا ہے، جس کا موقع نہیں، آپ کے لئے آسان راستہ یہ ہے کہ اس کے بجائے کسی مستند عالم کی تفسیر کا مطالعہ فرمایا کریں۔

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۱/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۵۶/۲۶ الف)

قرآن مجید کی من گھڑت تفسیر حرام ہے

سوال (۳۷۶):-بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ایجوکیشن آزاد کشمیر حکومت ریاست جموں و کشمیر، مظفر آباد

محترم المقام جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! شیخ محمود احمد صاحب ناظمِ تعلیمات آزاد کشمیر حکومت ریاست جموں و کشمیر، مظفر آباد نے (جو آج کل دو ماہ کی رخصت پر ہیں) مورخہ ۱۹/جنوری ۱۹۷۱ء اسٹوڈنٹس یونین گورنمنٹ ڈگری کالج مظفر آباد کے جلسہ رسم حلفِ وفاداری میں ایک تقریر کی تھی، اس تقریر میں انہوں نے اسلام کے بعض بنیادی اور مُسلّمہ اُصولوں کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا جن کے خلاف ملک بھر میں شدید رَدِّ عمل کا اظہار کیا گیا، اور کہا گیا کہ شیخ صاحب کے یہ خیالات قرآنِ حکیم کے مفہوم اور معانی اور صحیح

---

(۱) اب شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا ''آسان ترجمہ قرآن'' بھی شائع ہو چکا ہے، جس میں آیاتِ قرآنی کا آسان، بامحاورہ ترجمہ مع ضروری حواشی موجود ہے، اس کا مطالعہ بھی بہت مفید ہے۔ ۱۲ اعجاز غفرلہٗ

اسلامی نظریات سے متصادم ہیں، قرآنِ حکیم کے جن ارشادات کے بارے میں شیخ صاحب نے رائے زنی کی وہ یہ ہیں: ۱-زکوٰۃ کی شرح، ۲-قطعِ ید کا مفہوم قرآن وسنت کی روشنی میں، ۳-قرآنی اَحکامات کے مفہوم اور معانی میں تبدیلی کے اِمکانات۔ چونکہ ملک میں شیخ صاحب کی تقریر کی بناء پر ہنوز ایک ہیجان برپا ہے، اس لئے حکومت نے محسوس کیا ہے کہ اس بارے میں دِین کے مستند اور مُسلّمہ علماء اور فضلاء سے رُجوع کیا جائے کہ وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ آیا شیخ صاحب کے خیالات قرآن اور سنت سے متصادم ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو کس حد تک متصادم ہیں؟ جناب شیخ صاحب کی اصل تقریر جو ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ ہے، ارسال کرتے ہوئے آپ سے اِستدعا ہے کہ براہِ کرم عریضہ ہذا ملنے کے سات دن کے اندر اندر اصل تقریر کے اصل متن اور اس کے سیاق وسباق کے پیشِ نظر قرآن اور سنت کی روشنی میں اپنی رائے سے مستفید فرمائیں تاکہ حکومت اس بارے میں کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔

محمد یعقوب ہاشمی
سیکریٹری تعلیمات، آزاد
حکومت ریاست جموں وکشمیر
مظفرآباد
مورخہ ۱۵؍مارچ ۱۹۷۱ء

جواب:- شیخ محمود صاحب ناظمِ تعلیمات آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر، مظفرآباد کی تقریر جو سوال نامے کے ساتھ منسلک کی گئی ہے، اس کا بغور مطالعہ کیا گیا، اس تقریر میں تین مسئلوں (زکوٰۃ کی شرح، قطعِ ید کا مفہوم، اور قرآنی اَحکام کے معانی میں تبدیلی) کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ تقریر میں تینوں مسائل سراسر غلط بیان کئے گئے ہیں جو قرآن وسنت، اِجماع، فقہ اور اُصولِ فقہ سے صریح طور پر متصادم ہیں، یہ مقرّر کے ذاتی خیالات یا فتنۂ اِنکارِ حدیث اور سوشلزم کے ترجمان تو ہوسکتے ہیں مگر قرآن وسنت کی ترجمانی سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ مقرّر نے جو باتیں بطورِ دلیل ذِکر کی ہیں، وہ نہ صرف یہ کہ ان کے دعووں کے لئے دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں بلکہ اس بات کی بھی غماز ہیں کہ ان کو پیش کرنے والا یا تو قرآن وسنت، فقہ اور اُصولِ فقہ اور لغتِ عرب سے بالکل ناواقف ہے اور دِین کے معاملے میں اتنا بےباک ہے کہ اُصولِ اِستدلال کو پسِ پشت ڈال کر جو غلط سے غلط بات دِل میں آگئی اسے قرآن اور اِسلام کی طرف منسوب کردیا، یا دیدہ دانستہ مسلمانوں میں فتنہ وفساد، شکوک وشبہات اور تحریفِ دِین کا بیج بودینا چاہتا ہے۔ اس طرح یہ تقریر مجموعی طور پر تحریفِ قرآن، تحریفِ دِین اور دِینِ اسلام کے مُسلّمات کو مسخ کرنے کی ایک خطرناک اور مضحکہ خیز مثال بن کر رہ گئی ہے۔ اس میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ چونکہ دِینِ اسلام کی ضروریات وبدیہیات کا اِنکار ہیں اور دلائل اس حد تک لچر ہیں کہ انہیں کسی

طرح بھی دلائل کا نام نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا ان کی تردید کے لئے کسی تحقیقی تنقید کی ضرورت نہیں بلکہ ان پر کوئی تحقیقی تنقید کرنا تحقیق کے لئے بھی رُسوا کن ہے اور تنقید کے لئے بھی۔ اس لئے یہ تقریر صرف اتنے ہی جواب کی مستحق ہے جتنا اُوپر لکھا گیا، مگر چونکہ آزاد کشمیر کی بلند اقبال حکومت اس معاملے میں سرکاری طور پر کسی واضح نتیجے پر پہنچنا چاہتی ہے اس لئے تقریر بیان کردہ تینوں مسئلوں اور مقرر کے تمام ''دلائل'' کا جائزہ اور ان کا شرعی جواب قدرے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

دُوسرا مسئلہ:[1] مقرر موصوف نے جو دُوسرا مسئلہ بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''قرآنِ حکیم کے معانی اور مفاہیم مرورِ ایام کے ساتھ نئی ضرورتوں کے لئے نئے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان کی مثال لباس کی سی ہے کہ جب وہ پھٹ جاتا ہے تو دُوسرا لباس بنالیا جاتا ہے، لہٰذا ضرورت کے مطابق قرآن نئے معانی پیدا کرنے کی گنجائش رکھتا ہے۔'' موصوف کی مراد اگر یہ ہوتی کہ قرآن کے معانی و مطالب اپنی معجزانہ جامعیت کے باعث ہر زمانے کے بدلے ہوئے حالات میں رہنمائی کرتے ہیں، گوناگوں حالات میں انسان کو دینی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کسی اور آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ قرآنِ حکیم ہی کے معانی میں ان کا حل نکل آتا ہے تو یہ ایک صحیح بات ہوتی لیکن افسوس ہے کہ موصوف نے بات کو بالکل بدل ڈالا، ان کے دعوے کا حاصل تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے معانی میں ایسی جامعیت نہیں ہے بلکہ ہر زمانے کے نئے حالات کا حل نکالنے کے لئے ان میں تغیر و تبدل کی ضرورت پیش آتی ہے، گویا اگر تغیر و تبدل نہ ہو تو قرآن سے ان مسائل کا حل نہیں نکل سکے گا، اور اسی لئے قرآنِ حکیم کے الفاظ ہر زمانے کی ضرورت کے مطابق معانی کا لباس بھی بدلتے رہتے ہیں، چنانچہ آگے ''قطعِ ید'' کے مسئلے میں انہوں نے اپنے اسی دعوے کو بنیاد بناکر ''ایدی'' کے معنی بدل ڈالے ہیں، یہ بات قرآن وسنت سے بدیہی طور پر متصادم ہے اور بالکل بے بنیاد ہونے کے علاوہ پچھلے تمام دعووں سے زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ یہ براہِ راست قرآنِ عظیم کی عصمت پر حملہ ہے، اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو دین کی پوری عمارت زمین پر آرہے گی، اس لئے کہ جب یہی ٹھہرا تو کل کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں لفظ ''اللہ'' آیا ہے اس کے معنی پچھلے زمانے میں تو ''خدا'' کے تھے، اب نعوذ باللہ اس لفظ سے مراد فلاں سربراہِ مملکت ہے۔ اور جہاں ''رسول'' کا لفظ آیا ہے اس سے سرکاری افسر مراد ہے، اور جہاں جہاں لفظ ''محمد'' آیا ہے اس سے مراد فلاں شخص ہے، نماز سے مراد کھیل کود ہے، زکوٰۃ سے مراد سود ہے، حج سے مراد کانفرنس ہے۔ غرض توحید، رسالت، یومِ آخرت وغیرہ تمام عقائد تمام ارکانِ اسلام اور پورے دِین کو بدل کر کچھ کا کچھ بنایا جاسکتا ہے، چونکہ یہ دعویٰ بدیہی طور پر غلط ہے لہٰذا اس پر دلائلِ شرعیہ میں سے کوئی دلیل برائے نام لانا بھی ممکن نہیں، اس لئے موصوف نے ایک افسوس

(۱) پہلا مسئلہ چونکہ زکوٰۃ سے متعلق ہے، اس لئے اسے کتاب الزکوٰۃ میں بیان کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

ناک حرکت یہ کی ہے کہ اس غلط عقیدے کو شاعرِ مشرق کی طرف منسوب کر دیا اور دلیل کے طور پر جاوید نامہ سے چند اشعار پیش کئے ہیں، اوّل تو دینی مسائل میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کے علاوہ کوئی اور دلیل حجت نہیں، اجماع اور قیاس بھی محض اس لئے حجت ہیں کہ وہ قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو قیاس نصِ شرعی کے خلاف ہو بالاتفاق مردود ہے، لہٰذا ادلہ شرعیہ سے قطع نظر کر کے غیرِ رسول کا قول پیش کرنا سرے سے نادانی اور اُصولِ استدلال سے بالکل بے بہرہ ہونے کی علامت ہے، پھر کوئی ہوش مند انسان ان اشعار کی بھی وہ تعبیر نہیں کر سکتا جو موصوف نے کی ہے، نیز ''رموزِ بے خودی'' میں اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار بھی مقرّرِ موصوف کی تکذیب کر رہے ہیں:

این کتاب زندہ قرآنِ حکیم
حکمت از لا یزال و زقدیم
نسخۂ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف او لا ریب نے تبدیل نے
آیہ اس شرمندۂ تاویل نے

تیسرا مسئلہ:۔ ''قطعِ ید'' کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم کی آیت: "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا" کا مطلب یہ نہیں کہ جو مرد یا عورت سرقہ کا ارتکاب کرے اس کا ہاتھ کاٹ دو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا اِنعام واکرام جو سوسائٹی کی طرف سے ان کے اُوپر ہوتا ہے اسے منقطع کر دو۔ یہ دعویٰ بھی قرآن وسنت کی صریح ومتواتر تعلیمات کے یکسر منافی اور تحریف فی الدین ہے، اگر اس کی بنیاد اس مفروضے کو قرار دیا جائے کہ قرآنِ حکیم کے معانی میں تغیر وتبدل کیا جا سکتا ہے تو اس کا باطل ہونا پیچھے واضح ہو چکا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا مطلب شروع ہی سے ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ اِنعام واکرام منقطع کر دینا تھا تو لازم آئے گا کہ قرآن کا مطلب نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط سمجھا، غلط بیان کیا، اور آج تک سب غلط ہی سمجھتے رہے، اب چودہ سو برس بعد صحیح مفہوم کا سراغ لگایا ہے، تو پھر ایسا قرآن ہدایت کہلانے اور کسی دِین کی آساس بننے کے لائق ہے جس کا صحیح مطلب اس کے معلّم رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ سمجھ سکے اور چودہ سو برس تک اس کی مراد واضح نہ ہو سکی؟ نیز کیا اس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اِلزام عائد نہیں ہوتا کہ انہوں نے خاکم بدہن قرآن کی تفسیر غلط بتا کر رسالت میں سنگین کوتاہی کی؟ سرقہ کی سزا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدینؓ اور سلف وخلف نے اسی آیت کی تعمیل میں چوروں کے جو ہاتھ کاٹے کیا وہ سب ناحق اور ظلماً کاٹے گئے ہیں؟ تو کیا ایسا دِین لائقِ اتباع ہے جس کا رسول ہی معاذ اللہ ظلم کی تعلیم

دیتا رہا؟ غرض یہ دعویٰ بے دلیل ہونے کے علاوہ قرآنِ حکیم، احادیثِ متواترہ اور اِجماعِ اُمت سے صریح طور پر متصادم ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دلیل کے طور پر ''المنجد'' کا حوالہ پیش کردیا گیا ہے، جس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ علمی مسائل اور علمی حلقوں میں یہ کتاب قابلِ حوالہ شمار نہیں کی جاتی۔ پھر ''ید'' کے جو معنی المنجد میں لکھے ہیں وہ بھی تقریر میں صحیح نقل نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اس میں بھی ''ید'' کے معنی سب سے پہلے ہاتھ ہی لکھے ہیں، اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں، دُوسرے معانی میں اس کا استعمال مجازی ہے، انعام و اکرام کے معنی میں بھی مجازاً ہی استعمال ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ''تاج العروس شرح قاموس'' میں اس کی صراحت ہے لیکن یہ ایسی بات نہیں جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہو، عربی کی کوئی بھی مستند لغت دیکھی جاسکتی ہے، اور کسی بھی عربی دان سے پوچھا جاسکتا ہے۔ اور یہ بات کہ اس کا اکثر استعمال انعام و اکرام کے معنی میں ہوتا ہے، المنجد میں ''ید'' یا ''ایدی'' کے بارے میں نہیں بلکہ لفظ ''ایادی'' کے بارے میں لکھی ہے، جسے لغت دیکھنی نہ آتی ہو اسے کسی سے پوچھ لینا چاہئے۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
۱۲/۲/۱۳۹۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۴/ ۲۲ الف)

میں اپنی مسلسل علالت اور ضعف کے سبب خود اس سوال کا جواب نہیں لکھ سکا، برخوردار عزیز مولوی محمد رفیع عثمانی سلّمہٗ سے لکھوایا ہے، ماشاء اللہ جواب صحیح اور کافی شافی ہے، اس کو پورا دیکھ کر تصدیق کے دستخط کررہا ہوں۔

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تدوینِ قرآن میں کیا خدمت انجام دی؟

سوال (۳۷۷): - کیا نزولِ وحی کے ساتھ ساتھ کسی آیت مبارکہ کو کسی اور آیت مبارکہ کے بعد لکھنے کا بھی حکم تھا جو کہ پہلے نازل ہوچکی ہو؟

(۳۷۸) ۲ - کیا آیاتِ قرآنی کی ترتیب بدلنے سے اَحکاماتِ ربانی میں فرق پڑ سکتا ہے؟

(۳۷۹) ۳ - یا اگر ترتیب نزولِ وحی موجود تھی تو جامع القرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کونسا کام سرانجام دیا کہ ان کا نام ''جامع القرآن'' پڑ گیا؟ اور قرآنِ کریم کو ''مصحفِ عثمانی'' کہا جانے لگا؟

(۳۸۰) ۴ - جن مأخذوں سے قرآن مجید کو نقل کیا گیا تھا وہ کیا ہوئے کہ موجودہ دور میں ان کا نام کہیں سننے میں نہیں آتا؟

(۳۸۱)۵- کیا یہ صحیح ہے کہ ان ماخذوں کو ضائع کر دیا گیا تھا؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو کیا ان کو ضائع کرنا کس حد تک جائز تھا؟

جواب:۱- جی ہاں، چونکہ قرآنِ کریم حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے، اس لئے ایسا ہوتا رہا کہ جونئی آیت نازل ہوتی اس کی جگہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعے بتادی جاتی تھی کہ اس کو فلاں آیت کے بعد یا فلاں آیت سے پہلے لکھا جائے۔

۲- جس ترتیب کے مطابق قرآنِ حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا گیا، یہ وہی ترتیب ہے جو قرآنِ حکیم کی لوحِ محفوظ میں ہے، اور اسی ترتیب پر آج بھی قرآنِ حکیم موجود ہے، اس ترتیب کو بدلنا جائز نہیں، اس سے بہت سے مواقع پر معنی تبدیل ہو جائیں گے۔

۳- پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نزولِ آیاتِ قرآن کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آیات کی ترتیب بھی بذریعہ وحی بتلائی جاتی تھی، اور اسی ترتیب کے مطابق قرآنِ حکیم پڑھا جاتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآنِ حکیم کی ترتیب از سرِ نو قائم نہیں کی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ ترتیب جس سے تمام صحابہ واقف تھے اس کے مطابق نسخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں تیار کرایا تھا وہ حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کی متعدد نقلیں تیار کرا کے اسلامی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں بھجوا دیا، تاکہ انہی نسخوں کے مطابق آئندہ نقلیں بھی تیار کرائی جائیں اور انہی کے مطابق قرآن پڑھا جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس خدمت سے پہلے قرآنِ حکیم لغتِ قریش کے علاوہ عرب کے بعض دوسرے قبائل کی لغت کے مطابق بھی پڑھا جاتا تھا، قریش کی لغت اور دوسرے قبائل کی لغات میں بعض بعض الفاظ کے تلفظ میں فرق تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب لغات کے مطابق قرآنِ حکیم پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت بذریعہ وحی دی گئی تھی، یہ اجازت مختلف قبائل عرب کی آسانی کی خاطر تھی، مگر جوں جوں اسلام پھیلتا گیا لغتِ قریش عام ہوتا گیا، اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں باقی لغات پر قرآن لکھنے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، ادھر جو نومسلم لوگ اختلافِ لغات کی حقیقت سے واقف نہیں تھے وہ تذبذب کا شکار ہوتے تھے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے جو نقلیں تیار کرائیں وہ صرف لغتِ قریش کے مطابق تھی، باقی لغات پر نہیں کرائیں اور سب لوگوں کو اپنی نقلیں (لغتِ قریش کے مطابق) پر جمع فرما دیا، تو حضرت عثمانؓ کی خدمت دو ہوئیں: ایک نقلیں تیار کرانا اور دوسرا کام لوگوں کو ان نقلوں پر مجتمع کر دینا تھا، اسی لئے ان کو "جامع القرآن" کہا جاتا ہے۔

۴- تحریری شکل میں مکمل ماخذ وہ نسخہ قرآن تھا جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھا اور بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس قرآنِ حکیم کے کچھ کچھ حصے لکھے ہوئے تھے، اور صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی تعداد حافظِ

قرآن تھی، یہ سب مآخذ تھے جن سے یہ نقلیں تیار کرائی گئیں، نقل کرانے کے بعد اصل نسخہ قرآن حضرت حفصہؓ کو واپس دے دیا گیا تھا جو ان کی نسلوں میں باقی رہا، جیسا کہ اہلِ علم سب جانتے ہیں، اور عوام کو اس لئے عام طور سے یہ بات معلوم نہیں کہ اب قرآنِ حکیم کی بے شمار صحیح نقلیں موجود ہیں اس لئے ان مآخذ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

۵- مآخذ کو ضائع نہیں کیا گیا بلکہ لغتِ قریش کے علاوہ دُوسرے لغات پر قرآنِ حکیم کے جو نسخے بعض حضراتِ صحابہؓ کے پاس تھے ان کو اَدب و احترام کے ساتھ جلا دیا گیا تھا، تاکہ نئے نئے مسلمان ہونے والوں میں تذبذب اور اِختلاف پیدا نہ ہو، اور قرآنِ حکیم ہر قسم کی تحریف و ترمیم کے شبہ سے بھی محفوظ ہوجائے۔ ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ نہایت مستحسن تھا، تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا۔ (۱)

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
۱۸/۱۱/۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۱۱۳۳/۲۱ الف)

قرآنِ کریم مکمل طور پر محفوظ ہے

سوال (۳۸۲):- مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب دیں تاکہ رافضیوں کے اِلزام کا جواب ہو:-

۱- سنیوں کا قرآن ناقص ہے (نعوذ باللہ) بحوالہ تفسیر اتقان مطبوعہ احمدی ص:۳۱۶ س نمبر:۹۔

(۳۸۳) ۲- اِمام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے مکمل قرآن کا تمسک کیا ہے اور اُس کو کیونکر معلوم ہوسکتا ہے کہ مکمل قرآن کیا ہے کیونکہ اس قرآن کا بہت سا حصہ اس میں سے نکل گیا ہے۔ (تفسیر اتقان ص:۳۱۶ س ص:۱۱)

۳- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا کے زمانے میں سورۂ اَحزاب کی ۲۰۰ آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں، (جبکہ سورۂ اَحزاب کی ۷۳ آیتیں ہیں) تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد:۵ ص:۱۸۰ س نمبر:۲۳۔

جواب:- پوری اُمت کا اِجماعی عقیدہ ہے کہ قرآنِ کریم میں کسی قسم کی لفظی تحریف نہ کبھی ہوئی

---

(۱) مذکورہ مسئلے کے لئے عربی میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

فتح الباری لابن حجر، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن ج:۱۴ ص:۱۹۴ تا ۳۰۰۔

اور اُردو میں تفصیل کے لئے دیکھئے: علوم القرآن از مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم، باب پنجم تاریخ حفاظتِ قرآن ص:۱۷۳ تا ۱۹۲۔

اور نہ آئندہ کبھی ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی ہے، اور واضح طور پر اعلان فرما دیا ہے کہ: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝"[1] یعنی یہ قرآنِ کریم ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ پس جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن شریف جتنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تھا اب اُس سے کم رہ گیا ہے اُس کی کوئی آیت یا کوئی حرف بالکلیہ بھلا دیا گیا ہے، وہ درحقیقت مذکورہ بالا آیتِ قرآنیہ کا اِنکار کرتا ہے، آج تک اسلام کا بڑے سے بڑا دُشمن بھی قرآن شریف میں ادنیٰ تحریف کو ثابت نہیں کر سکا، اس کے برعکس دُشمنانِ اسلام بھی حفاظتِ قرآن کے قائل رہے ہیں، تحفظِ قرآن قرآنِ حکیم کا ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا، آپ کے سوالات کا نمبروار جواب درج ذیل ہے:۔

۱۔سنیوں کا قرآن ناقص ہے (نعوذ باللہ) آپ نے یہ جملہ ذکر کر کے تفسیر اِتقان کا حوالہ دیا ہے، مگر تفسیر اِتقان کے عربی یا اُردو کے جتنے نسخے ہمارے پاس موجود ہیں اُن میں سے کسی میں نہیں یہ جملہ نہیں ملا، بظاہر اس جملے کی نسبت تفسیر اِتقان کی طرف بالکل غلط ہے کیونکہ اس کے مصنف علامہ جلال الدین سیوطیؒ ہیں جن سے ایسے جملے کی کسی طرح توقع نہیں ہو سکتی۔

۲، ۳۔تفسیر اِتقان و درِ منثور کے حوالے سے ابنِ عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی اِن روایتوں کو تحریفِ قرآن کی دلیل کے طور پر پیش کرنا بہت بڑی جسارت بھی ہے اور نادانی بھی، اس لئے کہ ان میں سے کسی میں بھی ایک لفظ ایسا نہیں جس سے قرآن شریف میں تحریف کا ثبوت ملتا ہو، دونوں روایتوں کا حاصل سوائے اس کے نہیں کہ قرآنِ حکیم کی جتنی آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں اب وہ سب باقی نہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی بہت سی آیات عہدِ رسالت ہی میں اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دی تھیں اور بعض آیات منسوخ ہونا خود قرآنِ حکیم سے صراحۃً ثابت ہے، لقولہ تعالیٰ: "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا"[2] ولقولہ تعالیٰ: "وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ" الخ[3] پس جو جو آیتیں منسوخ ہوتی گئیں وہ جزوِ قرآن نہ رہیں، یہ اور بات ہے کہ بعض آیات کا منسوخ ہونا بعض صحابہ کرام کو عہدِ رسالت میں معلوم نہ ہو سکا، بعد میں معلوم ہوا۔ مگر یہ منسوخ ہونا خود اللہ جل شانہٗ کی طرف سے عہدِ رسالت میں بذریعہ وحی ہوا، عہدِ رسالت کے بعد چونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، لہٰذا اب قرآن شریف کا کوئی حرف منسوخ نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت قرآنِ حکیم جتنی سورتوں، جتنی آیتوں اور جن حروف و حرکات پر مشتمل تھا، آج بھی اس میں سرِ مو فرق نہیں۔

پس حضرت ابنِ عمرؓ و حضرت عائشہؓ کی ان روایتوں سے زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی بہت سی آیتیں منسوخ ہوئی ہیں اور اس کا اِنکار اہلِ سنت والجماعت بھی نہیں کرتے، لیکن

---

(۱) سورۃ الحجر آیت:۹۔ (۲) البقرۃ آیت:۱۰۶۔ (۳) النحل آیت:۱۰۱۔

ان روایتوں سے تحریف کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ عہدِ رسالت میں بذریعہ وحی آیات میں جو کمی ہوئی وہ ''نسخ'' ہے اور عہدِ رسالت کے بعد اگر اس میں بندوں کی طرف سے کسی قسم کی کمی کی جاتی تو وہ ''تحریف'' ہوتی، یا عہدِ رسالت کے بعد قرآن شریف کا کوئی لفظ بالکلیہ بھلا دیا جاتا تو کہا جا سکتا تھا کہ (نعوذ باللہ) قرآن شریف ناقص رہ گیا، مگر اس کی صراحت اِن دونوں روایتوں میں نہیں ہے کہ یہ کمی عہدِ رسالت کے بعد ہوئی ہے، عہدِ رسالت میں نہیں ہوئی۔

پھر شیعہ اپنے باطل عقیدے پر اِن روایتوں سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی روایت ایسی پیش بھی کی جائے جس سے تحریف ظاہر ہوتی ہو تو نصِ قرآن و اجماعِ اُمت کے خلاف ہونے کے باعث اُسے بالکل ناقابلِ اِستدلال اور خودساختہ قرار دیا جائے گا۔

خود تفسیر اتقان ج:۲ ص:۲۵ میں بھی یہ دونوں روایتیں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے منسوخ التلاوۃ آیات کی مثال کے طور پر ذکر کی ہیں (مصری عربی نسخے کی مراجعت کی جائے) خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ابنِ عمر و عائشہ رضی اللہ عنہما کی ان روایات سے بعض آیاتِ قرآنیہ کا منسوخ التلاوۃ ہونا ثابت ہوتا ہے جس کا اِنکار اہلِ سنت والجماعت نہیں کرتے اور وہ تحفظِ قرآن کے منافی بھی نہیں۔ تحریف یا عہدِ رسالت کے بعد ناقص ہو جانے کا ثبوت ان روایات میں نہیں جس کا دعویٰ شیعہ کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۹/۱۴/ ۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۱۸/ ۲۵ و)

صرف قرآن مجید تحریف سے پاک ہے

سوال (۳۸۴):- قرآن مجید جو اَب ہمارے پاس موجود ہے وہ منزل من اللہ اور تحریف سے پاک ہے، اور دیگر کتب الٰہیہ۔

جواب:- سوال میں قرآن مجید کے ساتھ دُوسری کتبِ الٰہیہ کو بھی تحریف سے پاک لکھا ہے، یہ صحیح نہیں، قرآن مجید کے علاوہ دُوسری کتبِ الٰہیہ منزل من اللہ تو تھیں مگر اب وہ تحریف سے پاک ہرگز نہیں۔ ہاں قرآن شریف کا تحریف سے پاک ہونا اور منزل من اللہ ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

واللہ اعلم
۲/۲/۱۷ /۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۳۳۳/ ۲۵ ب)

قرآن مجید میں قصداً تحریف کرنا کفر ہے

سوال (۳۸۵): - کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشریعت بیچ اس مسئلے کے:-

الف: - اگر کوئی شخص آیاتِ قرآنی میں تحریف یا تبدیلی کرے تو کیا وہ دائرۂ اسلام میں باقی رہتا ہے؟

ب: - آیاتِ قرآنی میں اس قسم کی تحریف کرنے والے کی سزا اسلام میں کیا ہے؟

ج: - قرآن مجید میں اس قسم کی تحریف وتبدیلی کا ارتکاب ایک رسالے نے کیا ہے جس کی عکسی تصویر منسلک ہے، براہِ کرم اس سلسلے میں شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے۔

جواب: - قصداً وعمداً قرآن میں تحریف کرنا کفر ہے[1]، اور جو قرآن کی عبارت نہ ہو اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ آیتِ قرآنیہ ہے یہ بھی کفر ہے، منسلکہ فوٹو اسٹیٹ کاپی کا جو عکس چمن کی شائع کردہ پیش کی گئی ہے اس میں بحوالہ سورۂ قصص جو عبارت لکھی ہے یہ سورۃ قصص میں بلکہ قرآن کی کسی سورت میں بھی نہیں، اس کو قرآن بتانا بلاشبہ تحریفِ قرآن ہے، سورۂ قصص کی آیت نمبر ۴۱، رکوع ۱۴ اس طرح سے ہے:-

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ (القصص)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی۔'' پیچھے سے سلسلۂ کلام فرعون اور اس کے لشکروں کے بارے میں جاری ہے اور یہ آیت انہیں لوگوں کے بارے میں ہے۔ اگر کسی سے ایسی تحریف سہواً (بھول کر) ہوگئی ہے تو اس پر لازم ہے کہ صدقِ دل سے توبہ واستغفار کرے، اور اگر کوئی یہ حرکت قصداً باختیارِ خود کرے اور حاکم کی تنبیہ کے باوجود باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے تو جس ملک میں اسلامی قانون نافذ ہو وہاں کی حکومت اس پر سزائے مرتد جاری کرے گی۔

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۱۹۳۷/۲۷ ر)

''معارف القرآن'' میں کتابت کی ایک غلطی

سوال (۳۸۶): - معارف القرآن جلد نمبر ۸ صفحہ: ۸۳۲ (طباعت اگست ۱۹۷۶ء) پر ایک جگہ بیان کیا گیا ہے: '' آپ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں قل یاایہا الکافرون سے آخر تک پڑھا

---

(۱) واجمع العلماء سلفًا وخلفًا على انّ كل تصرف في القرآن يؤدّي إلى تحريف في لفظه او تغيير في معناه، ممنوعٌ منعًا باتًا ومحرم تحريمًا قاطعًا (تحريم كتابة القرآن الكريم بحروف غير العربية للعلّامة آمدي، الفصل الثالث ج۱ ص ۲۵)۔

کرو" وضاحت طلب بات یہ ہے کہ سورۂ کافرون سے آخر قرآن تک چھ سورتیں ہیں، مہربانی فرما کر اس کی وضاحت فرمادیں۔

جواب:- آپ کا اشکال درست ہے، معارف القرآن میں درحقیقت حدیثِ مذکور کا بعینہٖ ترجمہ نہیں بلکہ خلاصۂ مطلب لکھا گیا ہے جس میں غالباً کتابت وغیرہ کی غلطی سے " آخر قرآن کی" اور " آخر تک" کے الفاظ زیادہ درج ہوگئے ہیں، حدیث شریف میں ان الفاظ پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ طباعت میں اصلاح کردی جائے گی۔ (۱)

معارف القرآن میں یہ مضمون تفسیر مظہری سے نقل کیا گیا ہے اور اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

قال فاقرأ هذه السوَر الخمس: قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، وإِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ، و قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، و قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، وافتتح كل سورة ببسم الله الرحمٰن الرحيم واختم قرائتك بها" (تفسير مظهري ج:۱۰ ص:۳۵۵)۔ (۲)

ترجمہ:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پانچ سورتیں پڑھا کرو، قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، اور إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ، اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، اور ہر سورۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرو، اور اپنی قراءت کو بسم اللہ ہی پر ختم کرو۔

ان میں "تَبَّتْ يَدَآ" نہیں ہے، لہٰذا پانچ ہی سورتیں ہوئیں۔ واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۲۸/۳۹۲ ب)

قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کرنا جائز نہیں

سوال (۳۸۷):- قرآن مجید اصل عربی کے علاوہ صرف اُردو ترجمہ پڑھنا از رُوئے ثواب کیا حکم ہے؟

جواب:- اصل عربی متن کے بغیر قرآن شریف کا صرف ترجمہ کتابی شکل میں شائع کرنا اور چھاپنا جائز نہیں، (۳) صرف ترجمہ پڑھنے سے قرآن پڑھنے کا ثواب بھی نہیں ملتا۔ واللہ اعلم

۲۶/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۹۲/۲۵ و)

---

(۱) معارف القرآن کے موجودہ نسخوں میں اس کی اصلاح ہوچکی ہے۔

(۲) اس حدیث کے لئے ملاحظہ فرمائیے: مسند ابی یعلی، مسند جبیر بن مطعم، باب فاقرأ هذه السور الخمس ج:۱۵ ص:۲۲۵، حدیث:۷۴۵۳، ومسند میمونة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج:۱۳ ص:۳۳۹، مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۹۶ حدیث:۱۷۱۱۲۔

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کا تفصیلی فتویٰ بعنوان " کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جاسکتا ہے؟" یہ فتویٰ جواہر الفقہ ج:۱ ص:۹۷ تا ۱۱۰ پر موجود ہے۔

فصل فی تعظیم القرآن وتلاوتہ
(قرآنِ مجید کی تعظیم اور تلاوت کے بیان میں)

قرآن مجید کے اوراق جلانے کا حکم

سوال (۳۸۸):- مشین میں چھپنے کے دوران قرآن مجید اور سپاروں کے جو فرمے خراب ہوجاتے ہیں اگر ان کو نذرِ آتش کردیا جائے تو کوئی جرم تو نہیں؟ اس کے لئے پوری وضاحت کریں۔

جواب:- طباعت میں قرآن مجید اور سپاروں کے جو فرمے خراب ہوجاتے ہیں ان کو بقصدِ احترام جلادینے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں، اور اس کی راکھ کو احتیاط سے کہیں دفن کرایا جائے۔ (۱)

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۱/۵ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۷۰/۲۲ الف)

قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ لینے کا کیا مطلب ہے؟

سوال (۳۸۹):- میں قرآنِ کریم کی سورۃ ''الفلق'' پڑھنے لگا تو نظر پڑی کہ "نفثٰت" اس میں

---

(۱) واضح ہو کہ بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید کے اوراق بوسیدہ ہوجائیں تو انہیں جلایا نہ جائے بلکہ کسی غیر ممتہن جگہ پر دفن کیا جائے (ملاحظہ فرمائیے: الدر المختار ج:۱ ص:۴۷۷، المحیط البرہانی ج:۵ ص:۱۵۴، الشرح الکبیر لابن قدامۃ ج:۱ ص:۵۳۳) جبکہ دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپؓ نے ایسے مصاحف کو جلانے کا حکم دیا جن میں منسوخ آیات وقراءات درج تھیں، (ملاحظہ فرمائیے: الإتقان فی علوم القرآن، فصل فی آداب کتابتہ ج:۱ ص:۴۴۴، البرھان فی علوم القرآن، النوع التاسع والعشرون فی آداب تلاوتہ ج:۱ ص:۴۷۷) لیکن ان دونوں میں کوئی حقیقی تعارض نہیں، جہاں جلانے سے منع کیا گیا ہے، یہ اس صورت پر محمول ہے جب بقصدِ اہانت ہو، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تعظیماً یا کسی جائز مقصد کے پیشِ نظر ایسا کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ کما قال العلّامۃ السیوطی فی الإتقان فی علوم القرآن: إذا احتیج إلی تعطیل بعض أوراق المصحف لبلاء ونحوہ فلا یجوز وضعھا فی شق أو غیرہ؛ لأنّہ قد یسقط ویوطأ ولا یجوز تمزیقھا؛ لما فیہ من تقطیع الحروف وتفرقۃ الکلم وفی ذلک ازراء بالمکتوب کذا قالہ الحلیمی قال: ولہ غسلھا بالماء، وإن أحرقھا بالنّار فلا بأس بہ، أحرق عثمان مصاحف کان فیھا آیات وقراءات منسوخۃ ولم ینکر علیہ، وذکر غیرہ أن الإحراق أولی من الغسل: لأنّ الغسالۃ قد تقع علی الأرض وجزم القاضی حسین فی تعلیقہ بامتناع الإحراق؛ لأنّہ خلاف الإحترام والنووی بالکراھۃ وفی بعض کتب الحنفیۃ أن المصحف إذا بلی لا یحرق بل یحفر لہ فی الأرض ویدفن وفیہ وقفۃ لتعرضہ للوطء بالأقدام۔ ۱۲ اعجاز غفرلہ

ہے یعنی ''ث'' کے ساتھ، مجھے خیال گزرتا ہے کہ یہ لفظ ''س'' کے ساتھ ہے، دُوسرے کلامِ پاک میں دیکھا وہاں بھی ''ث'' سے پایا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ دُوسرے قرآنِ کریم کو دیکھ کر گھر کے کلامِ پاک میں ''ث'' کو کاٹ کر ''س'' کر دیا تھا۔ میں اور میری بیوی اس طرح دُوسرے کلامِ پاک میں اس کی تصحیح کر رہے تھے، میری بیوی نے کہا کہ: مرزا صاحب سے کلامِ پاک لے کر بھی دیکھ لیا جائے۔ میں نے فوراً کہہ دیا کہ ان کے قرآن میں کہیں مرزا صاحب نے اپنی طرف سے کچھ نہ لکھ دیا ہو۔ اس پر بیوی کہنے لگی کہ قرآن تو وہی ہوگا، تو فوراً میرے ذہن میں یہ آ گیا کہ قرآن کو تو کوئی بدل نہیں سکتا ہے، اس کی حفاظت کا ذمہ تو خود اللہ نے لیا ہے، فوراً استغفار کیا، میرے اس کہنے سے کہ: ''کہیں مرزا صاحب نے اپنی طرف سے نہ کچھ لکھ دیا ہو'' کفر لازم تو نہ آیا؟ اس کی بھی ذرا وضاحت فرمادیں۔

جواب:- صحیح لفظ "نفثت" ہے یعنی ''ث'' ہے ''سین'' نہیں، اور قرآنِ کریم کی حفاظت کا جو ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ قرآنِ حکیم کا کوئی کلمہ قرآنِ حکیم کے تمام نسخوں میں بھی غلط لکھا جائے اور سب لوگوں کو بھی غلط یاد ہو جائے، یہاں تک کہ صحیح کلمہ کسی کو معلوم نہ رہے، ذمہ لینے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنِ حکیم کے کسی بھی نسخے میں کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۱/۶/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۲۸/ ۲۴ د)

قرآن مجید کے شروع میں ''یا اللہ'' ''یا محمد'' چھاپنا دُرست نہیں

سوال (۳۹۰):- بعض قرآنِ کریم کے ابتدائی صفحے پر ''یا اللہ'' ''یا محمد'' مطبع سے چھپ کر آیا ہے، آیا اس میں قرآن میں زیادتی ہے یا نہیں؟ اور ایسا لکھنا قرآن شریف کے صفحات پر جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- ایسا لکھ کر قرآنِ کریم کے صفحات چھپانا جائز نہیں، اس سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے، اور جنھوں نے ایسا کیا ہے انہیں ایسا کرنے سے باز رہنے کی تاکید کرنی چاہئے۔

قرآنِ حکیم کے الفاظ و آیات کو غیر قرآن سے بالکل ممتاز رکھنے کے لئے پوری اُمت احتیاط کرتی چلی آرہی ہے، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: "جردوا القرآن"[1] یعنی قرآن کو غیر قرآن سے خالی رکھو۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اس طرح الفاظ چھاپے گئے تو بعد کی نسلوں کو یہ شبہ ہوگا کہ یہ لفظ بھی قرآن کا جزء

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی ج:۸ ص:۳۰۰ حدیث:۹۶۳۲ وشعب الإیمان للبیهقی، باب جردوا القرآن ج:۱ ص:۱۹۷ حدیث ۲۵۱۰، ومصنّف إبن أبي شيبة، كتاب الصلوات، باب في التعشير في المصحف ج:۲ ص:۲۳۰ حديث:۸۵۴۷۔

ہے، اس طرح قرآنِ حکیم میں تحریف لازم آجائے گی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
تاریخ

(فتویٰ نمبر ۷۴۶/۲۲ ب)

لائبریری یا عجائب خانے میں رکھنے کے لئے قرآن مجید کافر کو دینا

سوال (۳۹۱): - قرآن شریف کو لائبریری میں رکھنے کے لئے یا عجائب خانے میں سجانے کے لئے غیر مسلم کو ہدیہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: - اگر لائبریری وغیرہ میں رکھنے سے اُمید ہے کہ لوگ دینِ اسلام کی طرف راغب ہوں گے تو کافر کو غلاف میں لپیٹ کر دیں، اور کہہ دیں کہ بلا غسل اُس کو نہ چھوئے۔ اور لائبریری میں جس جگہ رکھا جائے وہاں بھی تختی وغیرہ پر لکھ کر لگا دے۔ اس طرح قرآن شریف کافر کے ہاتھ ہدیہ کردیا جائے تو گنجائش ہے۔ نص العالمگیریۃ ولما فی حاشیۃ البخاری تحت حدیث کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی قیصر (ج:۱ ص:۴۱۱) وھذہ المسئلۃ مما اختلف فیھا السلف، فمنع مالک من تعلیمھم الکافر القرآن ورخص أبوحنیفۃ واختلف قول الشافعی والذی یظھر ان الراجح التفصیل بین من یرجی منہ الرغبۃ فی الدین والدخول فیہ مع الأمن منہ ان یتسلط بذالک إلی الطعن فیہ وبین من یتحقق ان ذٰلک لا ینجع فیہ أو یظن انہ یتوسل بذالک إلی الطعن فی الدین۔ واللہ اعلم

۱۹/۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۵/۲۵ الف)

قرآن مجید آویزاں کرنے کی شرائط

سوال (۳۹۲): - میرے میڈیکل اسٹور میں بڑے سائز میں فریم کے اندر پورا قرآن مجید لگا ہوا ہے، میں نے اُسے برکت کے لئے لگا رکھا ہے، لیکن کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ فریم میں لگا کر آویزاں کرنا قرآن مجید کی بے حرمتی ہے، کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: - قرآن شریف فریم کی صورت میں جو آویزاں کیا ہوا ہے اتنا بلند ہونا چاہئے کہ اُس کی طرف پشت نہ ہو، اس طرح آویزاں رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اُسے اُتارنے کی ضرورت نہیں۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۶/۷/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۵۳/۲۴ د)

مروّجہ شبینہ کا حکم

سوال (۳۹۳): - اکثر حفاظ کو بلا کر جو تارکِ نماز، داڑھی منڈے ہوتے ہیں، حد سے زیادہ روشنی اور پُر تکلف کھانے اور نقدی کا لالچ بھی ہوتا ہے، نام ونمود ریا کے علاوہ کچھ نہیں، مزید لاؤڈ اسپیکر پر سینکڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں، کیا شبینہ جائز ہے؟

جواب: - ان مفاسد کے ساتھ شبینہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱/۲۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۹۸/۲۵ د)

ٹیپ ریکارڈر مسجد میں رکھ کر تلاوت سننا

سوال (۳۹۴): - ٹیپ ریکارڈ مسجد میں رکھ کر یا باہر رکھ کر اس سے قرآن سننا یا تقریر سننا کیسا ہے؟ یہ باعثِ ثواب ہے یا نہیں؟

جواب: - ٹیپ ریکارڈ سے تلاوتِ قرآنِ کریم یا تقریر سننا مسجد کے اندر یا باہر جائز ہے، اور اس سے قرآن سننا باعثِ ثواب ہے، لیکن خود قاری سے سننا زیادہ ثواب ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع ۱۳۹۲/۲/۲۸ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۸/۲۳ الف)

غور و تدبر سے کم تلاوت افضل ہے یا اس کے بغیر زیادہ تلاوت کرنا؟

سوال (۳۹۵): - قرآن مجید کی بہت سی آیات کو محض تلاوت کرنا اور تھوڑی سی آیات کو تفسیر کے ساتھ غور و تدبر سے پڑھنا، ان دونوں میں کونسا افضل طریقہ ہے؟

جواب: - دونوں ہی کام کرنے کے ہیں، جتنا وقت آپ کے پاس اس کام کے لئے ہے اُسے دو حصوں میں تقسیم کرلیں، ایک وقت میں یہ اور دُوسرے وقت میں دُوسرا کام کریں، ایک کام کی وجہ سے دُوسرے سے اِستغناء نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم

۱۳۹۶/۱۰/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۷۰/۲۷ د)

اگر لوگ توجہ سے نہ سنیں تو آہستہ تلاوت کرنی چاہئے

سوال (۳۹۶): - علماء سے سنا ہے کہ اگر یہ خطرہ ہو کہ قرآن کی تلاوت لوگ توجہ سے نہ سنیں گے تو آہستہ تلاوت کرنی چاہئے، آج کل تو عام طور سے نہیں سنتے ہیں، تو کیا آہستہ ہی پڑھنا چاہئے؟

جواب:- آپ نے علمائے کرام سے جو سنا ہے وہی صحیح ہے۔[1] واللہ اعلم

۶/۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۳۴۶/۲۵ ب)

ریڈیو پر تلاوت سننا ثواب سے خالی نہیں

سوال (۳۹۷):- کیا ریڈیو پر تلاوت سننا ثواب ہے؟ اور اسی قدر جس قدر بالمشافہ سننے کا؟

جواب:- ریڈیو پر قرآن شریف سننا بھی ثواب سے خالی نہیں۔[2] واللہ اعلم

۹/۹/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۶۴/۲۳)

قرآن مجید ہر وقت پڑھنا جائز ہے

سوال (۳۹۸):- میں نے گھر میں یہ بات بچپن سے سنی کہ قرآن پاک کچھ اوقات میں پڑھنے کا قطعی حکم نہیں، اور انہیں زوال کے اوقات کہتے ہیں، دوپہر بارہ بجے سے ڈیڑھ بجے تک، اسی طرح رات میں اور عصر کی نماز کے بعد مغرب تک۔ رمضان میں کئی جگہ قرآن خوانی کے لئے جانا پڑا، عصر بعد قرآن خوانی ہونے کی وجہ سے میں نے تو نہیں پڑھا، واپس چلی آئی، لوگوں نے برا بھلا کہا، لہٰذا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:- آپ نے جو بات بچپن سے سنی ہوئی تھی شرعاً صحیح نہیں، جو بات آپ نے سنی ہوئی تھی وہ نماز سے متعلق ہے اور وہ اس طرح نہیں جس طرح آپ نے لکھا بلکہ اس میں کچھ دوسری تفصیلات ہیں، اور قرآن شریف ہر وقت پڑھنا اور کھولنا بلا کراہت جائز ہے،[3] اس کی کسی وقت ممانعت نہیں، ہاں حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں چھونا اور پڑھنا دونوں ممنوع ہیں، اور بغیر وضو کے چھونا جائز نہیں، پڑھنا جائز ہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۷/۱۰/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۵۷/۲۴ ز)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

---

(۱) في ردّ المحتار ج:۲ ص:۳۹۸ انّ هناك أحاديث إقتضت طلب الجهر وأحاديث طلب الإسرار والجمع بينهما بأنّ ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذى المسلمين أو النيام والجهر أفضل حيث خلا ممّا ذكر۔
فيه أيضًا ج:۱ ص:۵۴۶ مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية. يجب على القارئ إحترامه بأن لا يقرأه في الأسواق ومواضع الإشتغال. فاذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته فيكون الإثم عليه دون أهل الإشتغال۔

(۲) لیکن ریڈیو پر تلاوت سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔
في ردّ المحتار ج:۲ ص:۱۰۷، ۱۰۸ لا يجب بالسماع من مجنون أو نائم أو طير؛ لأنّ السبب سماع تلاوة صحيحة وصحتها بالتميز ولم يوجد وهٰذا التعليل يفيد التفصيل في الصبي فليكن هو المعتبر إن كان مميزًا وجب بالسماع منه وإلّا فلا۔

(۳) الصلوٰة فيها على النبي صلى الله عليه وسلم افضل من قراءة القرآن ... الخ (الدر المختار) ... في ردّ المحتار تحته: الأفضل ليوافق كلام البغية، فان مفادهٗ انّه لا كراهة اصلًا (فصل في الأوقات المكروهة)۔

ہوائی جہاز کا ماحول پاکیزہ نہ ہوتو تلاوت کیسے کرے؟

سوال (۳۹۹):- ہوائی جہاز میں خصوصاً مغربی ممالک پرواز کے درمیان بیشتر لوگ شراب نوشی کرتے ہیں، کھانے میں سور کا گوشت کھاتے ہیں، ایسی صورت میں دورانِ پرواز اگر برابر کی نشست پر اور اگلی پچھلی نشستوں پر غرضیکہ مجموعی طور پر جہاز میں سور کا گوشت اور سور کثرت سے استعمال ہورہا ہوتو ایسی حالت میں کوئی مسلمان زبانی کچھ آیتیں پڑھتا رہے یا وقت مل جائے تو قرآن مجید کی تلاوت بھی کرے، تو یہ فعل جائز ہے؟

جواب:- جہاز کا جو ماحول سوال میں ذکر کیا گیا ہے اس میں قرآنِ حکیم کی آیات زبانی پڑھنا جائز ہے، البتہ قرآن شریف کھول کر تلاوت کرنی ہوتو اس کی پوری احتیاط کریں کہ قرآنِ حکیم کو نہ کوئی نجاست مثلاً شراب یا سور کا گوشت لگے اور نہ کسی کا ناپاک ہاتھ اس سے مس ہو، اگر اس کا خطرہ ہوتو قرآن شریف نہ کھولیں، زبانی جو کچھ آیات یا دُعائیں یاد ہوں آہستہ آہستہ پڑھتے رہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۲/۹/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۲۵/۲۳ ہ)

مکروہ اوقات میں بھی تلاوت کرنا جائز ہے

سوال (۴۰۰):- کلامِ پاک کی تلاوت طلوع وزوال وغروبِ آفتاب میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- مذکورہ بالا تینوں اوقات میں قرآن شریف کی تلاوت بلاکراہت جائز ہے، ان اوقات میں تلاوتِ قرآن کی بجائے دُرود شریف، دُعا یا تسبیح وغیرہ پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ قال فی الدر المختار: الصلوٰة فیها علی النبی صلی اللہ علیه وسلم أفضل من قرائة القرآن؛ لأنها من ارکان الصلوٰة، فالأولی (أی الأفضل) ترك ما کان رکنًا لها، وقال فی ردّ المحتار و کالصلوت والدعاء والتسبیح (إلی قوله) قوله فالأولی أی الأفضل لیوافق کلام البغیة؛ فان مفاده انه لا کراهة أصلًا (ج:۱ ص:۳۷۳)۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
۱۳۹۰/۱۱/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۲۳/۲۱ الف)

زوال کے وقت سجدہ منع ہے، تلاوت نہیں

سوال (۴۰۱):- دوپہر کے وقت زوال صرف سجود کے لئے ممنوع ہے یا تلاوتِ قرآن پاک کے لئے بھی؟

جواب:- زوالِ آفتاب کے وقت سجدہ ممنوع ہے،[1] تلاوتِ قرآن کریم جائز ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۱/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۳۹۰ د)

تلاوت بغیر سمجھے ہو تو بھی باعثِ اجر ہے

سوال (۴۰۲):- ایک شخص روز و شب تلاوت کرتا ہے اور ترجمہ نہیں سمجھتا، کیا ایسی تلاوت پر کوئی اجر و ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ بعض طلباء نے کہا ہے کہ کوئی ثواب نہیں ہوتا۔

جواب:- تلاوت اگر بغیر ترجمہ سمجھے کی جائے تب بھی موجبِ ثوابِ عظیم ہے، بعض طلباء نے جو بات کہی ہے غلط ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۳/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۳۸۹ الف)

قرآن شریف کو بغیر وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں

سوال (۴۰۳):- قرآن شریف کو بغیر وضو ہاتھ لگانا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:- قرآن شریف یا اُس کی کسی آیت کو بغیر وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔[2] واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱/۱۹ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۴۵ الف)

قرآن شریف بغیر وضو پڑھنا جائز ہے

سوال (۴۰۴):- قرآن پڑھتے وقت وضو کا ہونا ضروری ہے؟

---

(۱) اما الثلاثة التي يكره الصلاة فيها لمعنى يتصل بالوقت، فيما بعد طلوع الشمس إلى ان ترتفع وتبيض، ووقت استواء الشمس حتى تزول ووقت احمرار الشمس واصفرارها حتى تغرب (تحفة الفقهاء، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات المكروهة ج:۱ ص:۱۰۵)۔

(۲) قال الله تعالى: "لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" (الواقعة)۔

جواب:- قرآن شریف پڑھنا بغیر وضو کے جائز ہے، چھونا بغیر وضو کے جائز نہیں۔ [1]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۹/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۱۸۱ ج)

غیر مسلم کو قرآن کو ہاتھ لگانے سے روکنا؟

سوال (۴۰۵):- قرآن شریف کو غیر مسلم ہاتھ لگائے تو اُسے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر اس غیر مسلم نے غسل کیا ہوا ہے تب تو روکنے کی ضرورت نہیں، اگر غسل نہیں کیا ہوا ہو تو اگر روکنے پر قدرت ہے تو روکنا چاہئے۔ قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اعلم النصرانی الفقہ والقرآن لعلّہ یھتدی ولا یمس المصحف، وإن اغتسل ثم مَسّ لا بأس کذا فی الملتقط (فتاویٰ عالمگیریۃ ج:۵ ص:۳۲۳)۔ [2]

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۱/۱۹ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۴۵ الف)

قرآن مجید نچلی منزل میں ہو تو اُوپر کی منزل پر چڑھنا اور رہنا کیسا ہے؟

سوال (۴۰۶):- عالی جناب محترم، زید مجدکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

میں بحیثیت خادم صدر نیشنل میوزیم اوف پاکستان ایڈوائزری کمیٹی آپ کی خدمت میں یہ تحریر بھجوانے کی جسارت کر رہا ہوں اور استمزاج اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے سطور ذیل تحریر کر رہا ہوں:-

۱- الحمد للہ نیشنل میوزیم اوف پاکستان میں قرآنِ مجید وفرقانِ حمید کا ایک بڑا نادر ذخیرہ موجود ہے، اس ذخیرۂ مقدسہ کی حفاظت کا فریضہ میوزیم نہایت اعتماد واعتقاد سے کرتا ہے۔

۲- اس نادر ذخیرۂ قرآنِ حکیم کے حفظ اور اس سے استفادے کے لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ نیشنل میوزیم میں ایک نہایت بڑے ہال کو ائرکنڈیشنڈ کرلیا جائے اور قرآنِ کریم کے بے عدیل ذخیرے کو حسن وحفاظت کے ساتھ مرتب کرلیا جائے۔

---

(۱) ولا یجوز للمحدث أداء الصلاۃ لفقد شرط جوازھا، وھو الوضوء قال صلی اللہ علیہ وسلم: لا صلوٰۃ إلّا بوضوء ولا مس المصحف من غیر غلاف عندنا (بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ، باب القھقھۃ فی الصلوۃ، مطلب مس المصحف ج:۱ ص:۱۵۲)۔

(۲) نیز ملاحظہ فرمائیے: ردّ المحتار، کتاب الطہارۃ ج:۱ ص:۱۷۷۔

۳- چنانچہ میوزیم کی زیریں منزل میں ایسا کرلیا گیا اور اس پر ایک خطیر رقم خرچ ہوئی ہے، پچاس ملین ین جاپان نے بصورت حفاظتی سامان دیئے ہیں اور حکومتِ پاکستان نے پانچ لاکھ روپے سے اُوپر خرچ کئے ہیں۔

۴- اب پاکستان میں قرآنِ کریم کا یہ نادر اور سب سے ممتاز مقام ہے جس کے قیام پر نیشنل میوزیم اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہے۔

۵- قرآنِ مجید وفرقانِ حمید کا یہ نادر ذخیرہ تمام تحفظات اور احترامات کے ساتھ نیشنل میوزیم کی زیریں منزل میں ہے جبکہ اس کی بالائی منزلوں میں میوزیم کی متفرق ومتعدد اشیاء ہیں، جن کا تعلق تاریخِ پاکستان سے ہے، تاریخِ پاکستان پر یہ نوادر بجائے خود اہمیتِ تامہ رکھتے ہیں۔

۶- اعتراض یہ وارد کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم نیچے کی منزل میں ہے جبکہ بالائی منزلوں میں دُوسرے نوادر ہیں، ان نوادر میں ہزار ہا سال قبل کے مجسّمے بھی ہیں، اور تاریخ میں دِلچسپی رکھنے والے ہزار ہا اَفراد اُوپر کی منزلوں میں چلتے پھرتے ہیں جبکہ نیچے ان کے قرآنِ حکیم کا نادر ذخیرہ ہے۔

۷- فکر کی بنیاد یہ جذبۂ خیر ومقدس ہے کہ اس طرح قرآنِ حکیم کی بے حرمتی ہوتی ہے کہ قرآن نیچے اور اُوپر اِنسان اور نوادر دیگر۔

۸- یہ جذبہ قابلِ احترام ہے اور لائقِ قدر ہے، اس کے باوجود میری اپنی (ذاتی) رائے یہ ہے کہ ایسا کرنے سے بے حرمتی کا کوئی تصوّر دُور دُور نہیں ہے۔

الف:- اوّل تو میوزیم کی نیت میں خیر ہے۔

ب:- حرم شریف میں نیچے ہزاروں اور لاکھوں قرآن مجید ہیں اور لوگ پڑھ رہے ہیں اور بالائی منزل میں لوگ نماز ادا کررہے ہیں، چل پھر رہے ہیں۔

ج:- کراچی میں ہزار ہا ایسے مکانات ہیں کہ جو دو، تین، چار منزلہ ہیں، ان میں ہر منزل میں لکھو کھا انسان بستے ہیں، اور ہر گھر میں اور ہر فلیٹ میں اُوپر نیچے قرآنِ حکیم موجود ہیں۔

حالات بالتفصیل بیان کرنے کے بعد آپ اَزراہِ لطف وکرم مجھے مشورہ عطا فرمائیے کہ مجھے ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ اگر فی الواقع نیشنل میوزیم پاکستان کے ذخائر قرآنِ حکیم کی بے حرمتی کا کوئی حقیقت پہلو بھی ہے تو مشورہ دُوں گا کہ لاکھوں نہیں کروڑوں روپے قربان، لیکن اگر شرعاً کوئی پہلو حرمت کے خلاف نہیں ہے تو میری رائے میں اس نادر ''قرآن گیلری'' کو دُنیا کے اِنسانوں کی دید واستفادے کے لئے علیٰ حالہٖ قائم رہنا چاہئے۔

میری آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ ازراہِ کرم آپ میری رہنمائی فرمادیجئے، میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں۔

باحترامات فراواں
آپ کا مخلص
حکیم محمد سعید

جواب :- عالی جناب مکرم ومحترم، زیدت مکارمکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۱۵ ررمضان المبارک ۱۴۱۰ھ (۱۱راپریل ۱۹۹۰ء) جو" نیشنل میوزیم آف پاکستان" کی زیریں منزل میں" قرآن گیلری" کے متعلق ہے، نظرنواز ہوا۔ جواب میں تاخیر اس کوشش کے باعث ہوئی کہ خاص اس مسئلے میں فقہائے کرام کی کوئی صراحت دستیاب ہوجائے، وہ تو کئی روز تلاش وجستجو کے باوجود نہ مل سکی، ملتے جلتے جزئیات فراہم ہوئے، جن میں سے بعض کی اصل عبارتیں منسلک ہیں۔

منسلکہ فقہی جزئیات اور دلائلِ شریعت میں غور کرنے سے دو مسئلے معلوم ہوتے ہیں:-

۱- ایک یہ کہ اگر نیچے کی منزل میں قرآنِ کریم کے نسخے ہوں، اور اُوپر کی منزل میں لوگ چلتے پھرتے ہیں تو شرعاً یہ بلا کراہت جائز ہے، اور اس سے قرآنِ عظیم کی بے حرمتی لازم نہیں آتی۔

۲- دُوسری یہ کہ قرآنِ کریم کے نادر نسخے محفوظ کرنے کے لئے اگر بالائی منزل مختص کی جائے تو اس میں قرآنِ کریم کا زیادہ ادب اور احترام ہے، اور شرعاً یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

پہلے مسئلے کی وجوہ درج ذیل ہیں:-

الف:- اُمت میں اس پر بلانکیر عمل رہا ہے، نہ قرآن وسنت میں اس کی ممانعت ہے، نہ فقہائے کرام کی تصریحات میں مجھے مل سکی، اگر یہ عمل قرآنِ کریم کی بے حرمتی میں داخل ہوتا تو فقہائے کرام جو شاذ و نادر پیش آنے والے حالات و معاملات کے بارے میں بھی خاموش نہیں رہتے، اس کی ضرور ممانعت تحریر فرماتے؛ کیونکہ ایک سے زیادہ منزل کے مکانات صرف ہمارے زمانے کی خصوصیت نہیں، ان کا رواج عہدِ رسالت سے چلا آرہا ہے، اور ظاہر ہے کہ تقریباً ہر مسلمان کے گھر میں قرآنِ کریم موجود ہوتا ہے، بلکہ بہت سے گھروں میں ضرورت سے زیادہ نسخے بھی ہوتے ہیں، تو اگر نیچے کی منزل میں قرآنِ کریم کو رکھنا بے ادبی میں داخل ہوتا تو اس کو ضرور منع کیا جاتا۔

اس مسئلے کے کثیر الوقوع ہونے کے باوجود فقہائے کرام کا سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس صورت کا جواز بلا کراہت اتنا واضح اور معروف تھا کہ انہوں نے اس کی صراحت کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

ب:- فقہائے کرام نے اس صورت سے ملتے جلتے جو فقہی جزئیات بیان کئے ہیں، ان کے مجموعے سے زیرِ نظر صورت کا جواز بلا کراہت ثابت ہوتا ہے۔ (جزئیات منسلک ہیں، اگر ان کے ترجمے کی ضرورت ہو تو وہ بھی بھیجا جا سکتا ہے)۔

ج:- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''امداد الفتاویٰ'' (ج:۴ ص:۶۶۲) میں صراحت فرمائی ہے کہ ادب کا مدار عرف پر ہے، یعنی عرف و رواج میں جس طرزِ عمل کو بے ادبی نہیں سمجھا جاتا، وہ شریعت کی نظر میں بھی بے ادبی نہیں (بشرطیکہ نصوص سے اس کے خلاف ثابت نہ ہوتا ہو)۔ اور زیرِ بحث صورت کے بارے میں یہ عرف بالکل واضح ہے کہ اسے بے ادبی نہیں سمجھا جاتا، اس کی دو مثالیں آنجناب نے بھی تحریر فرمائی ہیں۔

مذکورہ بالا وجوہ (الف تا ج) تو خاص پہلے مسئلے سے متعلق تھیں، صحیح مسلم شریف (کتاب الأطعمة، بـاب إباحة أكل الثوم) کی ایک حدیث سے دونوں مسئلوں پر روشنی حاصل ہوتی ہے، اس حدیث کا ترجمہ یہاں درج کرتا ہوں۔

''حضرت ابو اَیوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (اوائلِ ہجرت میں مدینہ منورہ پہنچ کر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پاس قیام فرمایا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نچلی منزل میں مقیم ہوئے اور اَبو اَیوب انصاری رضی اللہ عنہ اُوپر کی منزل میں۔ راوی فرماتے ہیں کہ ایک رات ابو اَیوب رضی اللہ عنہ کو خیال آیا اور کہا کہ: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے اُوپر چلتے پھرتے ہیں!'' اس خیال کے آتے ہی وہ اور ان کے گھر والے ایک کنارے پر ہو گئے، اور رات ایک کنارے میں بسر کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (یہ صورتِ حال) عرض کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''نچلی منزل (میرے لئے اور میرے پاس آنے والوں کے لئے)[1] زیادہ آرام دہ ہے۔'' تو اَبو اَیوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ''میں تو ایسی چھت پر نہیں چڑھوں گا جس کے نیچے آپ ہوں'' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں منتقل ہو گئے اور اَبو اَیوبؓ زیریں منزل میں۔''

اس حدیثِ صحیح سے پہلے مسئلے پر یہ روشنی پڑتی ہے کہ زیریں منزل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اگر اُوپر کی منزل میں دُوسروں کی رہائش اور چلنا پھرنا جائز نہ ہوتا، یا بے حرمتی میں داخل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی دن سے ہرگز اَبو اَیوب انصاری رضی اللہ عنہ کو اُوپر رہنے کی اجازت نہ دیتے، آپ کا اس پر نکیر نہ فرمانا، اور کئی دن تک اس عمل کو جاری رکھنا، اس کے جواز کی اور بے حرمتی میں داخل نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ پھر جب ابو اَیوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں اپنی قلبی خلش

(۱) بریکٹ کی عبارت کا مضمون ابن اسحاق کی روایت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، كذا في تكملة فتح الملهم۔

بیان کی تو اس پر بھی آپ نے موجودہ صورتِ حال ہی کو برقرار رکھنے کا رُجحان ظاہر فرمایا، اور اس کا یہ فائدہ بیان فرمایا کہ اس میں میرے لئے اور میرے پاس آنے جانے والوں کے لئے زیادہ سہولت ہے۔ لہٰذا ناچیز راقم الحروف کے نزدیک یہ واقعہ زیرِ نظر صورت کے جواز بلا کراہت کی، اور بے حرمتی میں داخل نہ ہونے کی کافی شافی دلیل ہے۔

اور دُوسرے مسئلے پر اس حدیث سے یہ روشنی پڑتی ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تعظیم وادب کے لئے جو مبالغہ فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی رعایت فرمائی، اور جب یہ دیکھا کہ اگر یہ بالائی منزل ہی میں رہے تو طبعی مبالغۂ ادب کے باعث ان کے دِل میں خلش رہے گی، اور اس کی وجہ سے یہ وہاں آرام سے نہیں رہ سکیں گے، تو آپ نے اپنے آرام پر ان کے آرام کو ترجیح دی اور اپنی رہائش بالائی منزل میں منتقل فرمالی۔ چنانچہ محدثین اور فقہائے کرامؒ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اس مبالغۂ ادب کو ان کے فضائل ومناقب میں شمار کیا ہے، اور اس کی تحسین وستائش فرمائی ہے، صحیح مسلم کے جلیل القدر شارح علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ جو بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ فقہ واجتہاد میں بھی ایک مُسلَّم مقام رکھتے ہیں، وہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ:-

اما کراهة ابی ایوب فمن الأدب المحبوب الجمیل، وفیه إجلال أهل الفضل والمبالغة فی الأدب معهم۔ (۱)

ترجمہ:- ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا (خود بالائی منزل میں رہنے کو) پسند نہ کرنا ایک عمدہ اور پسندیدہ عمل ہے، اور اس سے اہلِ فضل کی تعظیم اور ان کے ادب میں مبالغہ کرنے کا سبق ملتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ:-

وفیه منقبة ظاهرة لأبی أیوب الأنصاری رضی الله عنه من أوجهٍ، منها نزوله صلی الله علیه وسلم، ومنها أدبه معه۔ (۲)

ترجمہ:- اس واقعے میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی کھلی ہوئی فضیلت ومنقبت متعدد وجوہ سے ثابت ہوتی ہے، جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہاں قیام فرمایا، اور ایک وجہ وہ ادب ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کیا۔

---

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم، باب کراهیة أکل الثوم وانه ینبغی لمن اراد خطاب الکبار ترکه ج۰۱ ص۱۸۰۔
(۲) حوالہ بالا۔

مشورہ:- مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں ناچیز راقم الحروف کا مشورہ یہ ہے کہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کی زیریں منزل میں ''قرآن گیلری'' جو نادر نسخوں اور مخطوطات کی حفاظت کے لئے قائم کی گئی ہے، اس میں کوئی شرعی اور دینی قباحت نہیں، اسے باقی رکھا جاسکتا ہے، لیکن اگر معتد بہ مالی نقصان اور پریشانی ومشقت کے بغیر اسے بالائی منزل میں منتقل کردینا ممکن ہو تو منتقل کردینا بہتر ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب
۱۴۱۰/۱۰/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۴۱/۳۰ ز)

متعلقہ فقہی جزئیات

۱- وإذا كتب إسم الله تعالى على كاغذ ووضع تحت طنفسة يجلسون عليها فقد قيل يكره وقيل لا يكره وقال الا ترى انه لو وضع فى البيت لا بأس بالنوم على سطحه كذا ههنا۔

۲- إذا كان للرجل جوالق وفيها دراهم مكتوب فيها شيء من القرآن في الجوالق كتب الفقه أو كتب التفسير أو المصحف فجلس عليها أو نام فإن كان من قصده الحفظ فلا بأس به كذا في الذخيرة۔

(الفتاوىٰ الهندية ج:۵ ص:۳۲۲ تا ۳۲۳، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد)

۳- حانوتٌ أو تابوتٌ فيه كتب فالأدب أن لا يضع الثياب فَوقَهُ۔

(البحر الرائق ج:۱ ص:۱۳۰، وفتاوىٰ عالمگيرية ج:۵)

دورانِ طباعت قرآنی اوراق کے بلاک بنانا؟

سوال (۴۰۷):- قرآن مجید یا کوئی دوسری دعا چھاپنے سے پہلے اس کا بلاک بنانا پڑتا ہے، اور قرآن کی آیتیں وغیرہ الٹ کر لکھنا پڑتا ہے، تو ایسی چیز لکھنا جائز ہے؟ اور گھر میں رکھنا جائز ہے؟ سنا ہے کہ ان کو گھر میں رکھنے سے برکت نہیں ہوتی بلکہ جو ہاتھ سے لکھی ہوئی ہو اس میں برکت ہے۔

جواب:- صورتِ مذکورہ میں الٹا لکھنا دینی ضرورت کی وجہ سے ہے لہٰذا جائز ہے، گھر میں رکھنے میں بھی کوئی مضائقہ یا بے برکتی کی بات نہیں، البتہ ایسے بلاکوں کو حفاظت اور تعظیم سے رکھنا ضروری ہے، بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں۔(۱)

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۱/۳۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۵۸ الف)

(۱) قال الله تعالى: "لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ" (الواقعة)۔

فصل فی التَّجوید
(تجوید کے مسائل)

"ضاد" کے مخرج سے متعلق مضمون پر حضرت کی تصحیح

سوال (۴۰۸): - خطبہ ماثورہ، قال العبد الفقیر إلی مولاہ الغنی یوسف ابن مولوی محمد صادق کفلتیوی ان اعمل مقمة لإفادة الناس راجعًا من ربّ کریم ان یکون وقیالی من النیران أما بعد۔ فقد قال اللہ تعالیٰ: "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا" وقال محمد بن الجزری الشافعی فی شرح جزری والأخذ بالتَّجوید حتم لازم، ومن لم یجوّد القرآن آثم۔

برادرانِ ملت! حمد وصلوٰۃ کے بعد بندہ اس وقت کوئی شہرت یا طلبِ عزت کے واسطے یہ مضمون تحریر نہیں کرتا، مگر عوام کے افادیت کے واسطے کیونکہ بندہ ایک سال سے دیکھتا آرہا ہے کہ عوام بذاتِ خود قرآن کو صحیح پڑھتے ہیں اور صحیح نہیں پڑھتے، خاص کر ضاد کے مسئلے میں سنیے کہ ربّ العالمین فرماتے ہیں ترتیل سے قرآن پڑھو، یعنی تجوید سے، اور تجوید کہتے ہیں حرف کو اپنے مخرج سے مع صفات کے ادا کرنا، ترتیل کی تفسیر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "التَّرتیل تجوید الحروف ومعرفة الوقف" (خلاصۃ البیان) ترتیل حرفوں کی تجوید اور وقفوں کی پہچان کا نام ہے۔ اور مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا ابومحمد عبدالحق تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں کہ مبرد کہتے ہیں کلام مرتّل اس کلام کو کہتے ہیں جو باترتیب ہو اور جس کے جملے الگ الگ ہوں، قرآن کی ترتیل اس کے حروف وکلمات کا مخارج سے ادا کرنا اور جلدی نہ کرنا اور حرکات و وقفوں کو ایسی طرح سے ادا کرنا کہ سننے والا گننا چاہے تو گن سکے، یہ تدبر وتفکر کے لئے کہ مطالب ومعانی پر صرف نظر رہے، تو جب ترتیل کا مطلب تجوید ہوا تو ضرور ہوا کہ اس کو سیکھے اور صحیح پڑھے کیونکہ اس کے صحیح پڑھنے کی تاکید قرآنِ حکیم کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے۔ اسی کو شرح جزری میں ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: "والأخذ بالتَّجوید حتم لازم من لم یجوّد القرآن آثم" اور تجوید کا سیکھنا اور اختیار کرنا واجب ولازم ہے... الخ۔ اور بعد میں فرماتے ہیں جس نے قرآن کو تجوید سے نہ پڑھا گنہگار رہے۔ اتنی تقریر سے تجوید کے سیکھنے کی اہمیت بتلادی، اب میں اپنے اصل مقصود کی طرف عود کرتا ہوں، میں حرفِ ضاد کے ادا کرنے کا طریقہ بتانا چاہتا ہوں کہ ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہئے، ضاد کی مخرج جس کو شرح جزری میں بیان

کرتے: "والضاد من حافتہ اذ ولیا الأضراس من أیسر أو یمناھا۔" زبان کے دونوں کنارے میں سے ایک طرف کنارہ خواہ داہنا ہو یا بایاں اور دونوں طرف ڈاڑھ میں سے چاہے داہنی ہو یا بائیں کی جڑ سے نکلتا ہے۔ ضاد معجمہ مگر بائیں سے اکثر نکالتے ہیں اور یہ آسان ہے بنسبت داہنے کے بعد اور ڈاڑھ سے مراد اُوپر کی ڈاڑھ ہے اور جب تم اس کو اپنے مخرج سے ادا کرو گے تو ضرور اس کی مشابہت قیاساً بالظا ہوگی دال کے ساتھ نہیں، تو جب مشابہت ظا کے ساتھ ہوئی تو پھر جان کر دال ادا کرنا کیا یہ صحیح ہے؟ اب میں نماز کے مسئلے کی طرف جاتا ہوں، اگر کوئی قراءت کا نماز میں مخرج کا لحاظ نہ کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں چاہے عمداً ہو یا عذراً، تو اس کو حضرت تھانویؒ "رفع التضاد عن احکام الضاد" کے تتمے میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دیکھنے کے قابل ہے اس میں متقدمین و متأخرین کے اقوال و فی زماننا کے اعتبار سے کیا فتویٰ ہے حرفِ ضاد کے مسئلے میں) فرماتے ہیں جو شخص الثغ نہ ہو (الثغ کا مطلب یہ ہے کہ جو صحیح پڑھنے پر قادر نہ ہو) لیکن اس وقت کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو وہ بھی الثغ ہے پس ہر چند کہ صحیح مختار قول یہی ہے کہ الثغ کی امامت غیر الثغ کے پیچھے جائز نہ ہو جو حرف کو صحیح ادا نہ کرتا ہو مگر اس وقت ضرورت کی وجہ سے امام فضلی کے قول پر فتویٰ دینے کو جی چاہتا ہے خصوصاً حرفِ ضاد کے مسئلے میں کیونکہ عام طور پر قراء تک اس کو غلط پڑھتے ہیں لہٰذا قاری کی اقتداء غیر قاری کے پیچھے دُرست ہے، البتہ ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہیں جو بحالتِ موجودہ تصحیحِ حرف پر قادر ہے، مگر غفلت یا بے توجہی یا رعایتِ عوام کی وجہ سے کسی حرف کو مثلاً ضاد کو اعلیٰ مخرج سے نہیں نکالتا کیونکہ وہ بحکم الثغ کے نہیں بلکہ عمداً غلط پڑھنے والا ہے، واللہ اعلم۔ تو میرا مقصد بالا فتویٰ سے ثابت ہوگیا کہ آج جو لوگ حرفِ ضاد تمام شرائط اور مخرج سے جب ادا کرتا ہے اور صحیح ادا کرتا ہے مشابہ بالظاء تو اس پر بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں تو یہ غلط ہے، میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ اگر تمہیں اعتراض کرنا ملا تو صرف سورۂ فاتحہ میں ہی ملا اور کوئی جگہ نہیں؟ کیا حرفِ ضاد سورۂ فاتحہ ہی میں ہے کسی اور جگہ نہیں؟ پہلے تم اُردو زبان میں دیکھو کہ تم رمضان کو "رمدان" کیوں نہیں کہتے؟ اور "بعض" کو "بعد" کیوں نہیں کہتے؟ وغیرہ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ضاد ظاء کے مشابہ ہوگا اور یہ بات بالاتفاق ہے، اگر کوئی شخص یہ جان بوجھ کر دال پڑھے گا تو بالاتفاق نماز دُرست نہ ہوگی، نہ امام کی اور نہ مقتدیوں کی۔ اگر امام کو اَدا کرنے کی قدرت نہ ہو یا اس کو آتا نہیں ہو، تو اس کے پیچھے نماز دُرست ہوجائے گی پھر جو حرفِ ضاد کو صحیح پڑھتا ہے اس کو چھیڑتے کیوں ہو اور اعتراض کیوں کرتے ہو؟ اگر تمہیں مسئلہ معلوم نہ ہو تو علمائے کرام سے دریافت کرلو، مگر اعتراض مت کرو۔ اور کسی کو مت کہو کہ حرفِ ضاد کو دال کے مشابہ پڑھے، اور امام کو چاہئے کہ اگر وہ حرفِ ضاد کو مع جمیع شرائط کے ادا کرتا ہو تو عوام کی رعایت یا عزت کی خاطر ہرگز دال کے مشابہ نہ پڑھے، اگر پڑھے گا تو گنہگار ہوگا، اور تمام کی نماز بھی نہ ہوگی اور گنہگار بھی ہوگا، اب دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہمِ سلیم عطا فرمائے۔ سوال ختم شد۔

یہ ایک مضمون ہے، صاحبِ مضمون نے تصحیح کرانے کے لئے لندن سے حضرت مدظلہم کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ تصحیح کے بعد وہاں کے رسالے ''فاران'' میں شائع کیا جائے۔ احقر نے اس کا مطالعہ کیا، مضمون علمی اعتبار سے ٹھیک ہے، لیکن زبان صاف نہیں، عربی عبارات کی نقل بھی صاف نہیں، متعدد مقامات پر پڑھی نہیں جاتیں۔ مضمون حرفِ ضاد کے بارے میں ہے، بعض جگہوں پر احقر نے لفظی اصلاح کی ہے۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۸/۳۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۸۲/۲۲ ج)

مکرمی السلام علیکم!

مختلف امراض، ضعف عمر کے ساتھ ضعفِ بصر، ان وجوہ سے طویل تحریر دیکھنے سے عاجز ہوں، اپنے لڑکے مولوی محمد رفیع سلمہٗ کو دیکھنے کے لئے دیا، جو آج کل دارالعلوم میں فتویٰ کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان کے تأثرات پرچے پر لکھے ہوئے ہیں، مجھے بھی اعتماد ہے کہ ان کے تأثرات صحیح ہوں گے۔

ایک ضروری بات یہ عرض کرتا ہوں کہ حرفِ ضاد کا قضیہ جب رسالوں، اخباروں میں آتا ہے تو عموماً مسلمانوں میں بحث ومناظرہ اور خلاف وجدال کا بازار گرم کردیتا ہے، اگر یہ مسئلہ پہلے سے اس ملک میں چھڑا ہوا نہ ہو اور بہت زیادہ لوگ اس بحث میں پڑے ہوئے نہ ہوں تو اس کو ''فاران'' میں طبع کرانا مناسب نہیں ہوگا، الگ کتاب کی صورت میں شائع کرنے سے وہ خطرہ نہیں ہوگا۔ والسلام

بندہ محمد شفیع

۱۳۹۱/۹/۲ھ

''الف'' اور ''ہمزہ'' میں فرق

سوال (۴۰۹): لفظ ''الف'' کو ''ہمزہ'' کیوں پڑھاتے ہیں؟ حالانکہ ہر ایک کی ذات الگ ہے، جس نے ''الف'' کو ''ہمزہ'' نہیں پڑھا کیا وہ گنہگار ہے؟

جواب: ''الف'' کے اوپر زبر، زیر اور پیش نہ ہو تو اس کو ''الف'' کہتے ہیں، اور اگر زبر، زیر اور پیش ہو تو اس کو اس لئے ''ہمزہ'' کہتے ہیں کہ اس وقت اس کا مخرج بدل جاتا ہے اور اس کی آواز حلق سے نکلتی ہے،(۱) لیکن قرآن شریف پڑھنے میں اگر ''الف'' کو اس کے مخرج سے نکالیں، ''ہمزہ'' کو اس کے مخرج سے نکالیں پھر ''ہمزہ'' کو ''الف'' کہہ دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۱/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۲/۲۲ د)

(۱) ''جمال القرآن'' از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، چوتھا لمعہ مخارج حروف مخرج نمبر ۱ ص: ۵۔

''ض'' کو ''ذوآذ'' پڑھنا صحیح نہیں

سوال (۴۱۰): -الاقتصاد فی الضاد کو میں نے دیکھا اور فیصلہ کرلیا کہ ''ذوآذ'' کوئی حرف نہیں، اصل میں ''ض'' ہی ہے، تو میں نے تمام قرآن مجید میں ''ذوآذ'' کی ''ض'' کی مشق کرلی، یہ صحیح ہے کہ میں اصل مخرج سے ''ض'' کو نہیں نکال سکتا؛ کیونکہ میں حقیقت میں اَن پڑھ ہی ہوں۔ میرے ایک بڑے صاحب دیوبند کے سند یافتہ ہیں مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، پہلے پہل وہ ضاد کو ''ض'' ہی کے مشابہ غالباً اصل مخرج سے نکالتے تھے اب وہ ''ذوآذ'' ہی پڑھتے ہیں اور میں ''ض'' پڑھتا ہوں، میرا یہ فعل کیسا ہے؟

جواب: -آپ کا یہ فعل ٹھیک ہے، ''ض'' کو ''ذوآذ'' نہیں پڑھتے بلکہ ''ض'' ہی پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۲/۲/۲۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲۹۴/۲۳ ب)

''ضاد'' کا صحیح مخرج

سوال (۴۱۱): -ایک اِمام صاحب ''ضاد'' کو اپنے اصل مخرج یعنی حافۂ لسان زبان کی کروٹ اَضراسِ علیا سے لگا کر مشابہ بالظاء ادا کرتے ہیں، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''ضاد'' کو ''ذوآذ'' یا ''غواد'' ادا کرنا چاہیے، اور جو شخص اس طرح ادا نہیں کرتا اُس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اس کی وضاحت فرمادیں۔ اور جو شخص ''ذوآذ'' یا ''غواد'' پڑھتا ہے اُس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ نیز ضاد کو اگر اُس کے اصلی مخرج سے مشابہ بالظاء ادا نہ کرے بلکہ ''ذوآذ'' یا ''غواد'' پڑھا جائے تو معنی میں فساد لازم آتا ہے یا نہیں؟

جواب: - اِمام صاحب کی ادائیگی ''ض'' کا جو طریقہ سوال میں لکھا ہے یہی صحیح ہے، ذوآد یا غواد پڑھنا غلط ہے، ہاں جو شخص باوجود کوشش کے صحیح طریقے سے ادا نہ کرسکے وہ معذور ہے، قدرت کے باوجود غلط پڑھنا بالکل ناجائز ہے۔[1]

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۲/۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۳۵۶/۲۵ ب)

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے: جواہر الفقہ ج:۱ ص:۳۲۷ تا ۳۳۹ مقالہ بعنوان ''ض کا صحیح مخرج''۔

''ض'' کا صحیح مخرج

سوال (۴۱۲): - کراچی کی مساجد میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ امامِ مسجد صحیح العقیدہ ہے، اور کراچی کے معروف دینی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہے، مگر نماز میں قراءت کے دوران سورۂ فاتحہ میں ضالین کی ض کو'' ذ'' سے ادا کرتے ہیں، اور اسی کو دُرست قرار دیتے ہیں، اور ساتھ ہی فرض نمازوں کے بعد پابندی سے باجماعت دُعا بالجہر کرتے ہیں اور اسے دُرست جانتے ہیں، اس بارے میں صحیح بات کیا ہے؟

جواب: - حرف ''ض'' کو صرف ''ذ'' کی طرح ادا کرنا صحیح نہیں بلکہ اس کی آواز حرف ''ظ'' کے مشابہ ہے۔ اور نماز کے بعد جہر کے ساتھ یا جہر کے بغیر دُعا کرنا جائز ہے، تاہم جہر کے بغیر دُعا کرنا افضل ہے۔

واللہ اعلم

اصغر علی

(فتویٰ نمبر ۱۳۱/ ۷ / ۳ الف)

جواب صحیح ہے اور حرف ''ض'' نہ بعینہ دال ہے، نہ بعینہ ظاء ہے، یہ ایک مستقل حرف ہے، اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنا لازم ہے، البتہ اس کی آواز دال کے بجائے ظاء کے زیادہ مشابہ ہے۔ (۱)

محمد رفیع عثمانی

۱۴۰۶/۱/۱۹ھ

''مَجِیْدٌ'' اور ''اللّٰهم'' کو ملا کر کس طرح پڑھا جائے گا؟

سوال (۴۱۳): - کتاب نسخہ صحیحہ ''دلائل الخیرات'' مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی کے صفحہ: ۱۵ پر نوٹ میں تحریر ہے کہ "اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اللّٰهُمَّ صَلِّ" اگر "اللّٰهم" کے پہلے جو لفظ ہے اس پر وقف کرے تو "اَللّٰهم" زبر الف پر پڑھے اور جو وقف نہ کرے تو بدونِ زبر الف ملا کے پڑھے، اسی طرح "مجید- اللّٰهم" بدون وقف کے "اللّٰهم" ساتھ زبر الف کے پڑھنا غلط ہے، یہ قاعدہ تمام کتاب میں یاد رکھنا چاہئے۔

جواب: - اس صورت میں "مجید" پر وقف کرنے کی صورت میں "اللّٰهم" کے الف پر زبر پڑھے، الف پر زیر پڑھنا دُرست نہیں ہے، اور وصل یعنی ملا کر پڑھنے میں الف ساقط ہو جائے گا اس پر زیر یا

---

(۱) ''جمال القرآن'' از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، چوتھا لمعہ، مخرج نمبر ۸۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: الاقتصاد فی الضاد از قاری رحیم اللہ بجنوری، سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد از قاری محمد شریف صاحبؒ۔

زبر پڑھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، البتہ قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وصل کرے تو "مَجِیْدُنِ اللّٰھُمَّ" پڑھے۔[1]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی
۱۳۹۲/۱/۲۵ھ

محمد رفیع غفرلہٗ
۱۳۹۲/۱/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۵ / ۲۳ الف)

لوگوں کو خوش کرنے کے لئے غلط قرآن پڑھنا جائز نہیں

سوال (۴۱۴):- "ضاد" پڑھنے سے اکثر حضرات ناراض ہیں، "دعاد" پڑھنے سے خوش ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- محض لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ضاد کو قصداً "دعاد" پڑھنا جائز نہیں، سخت گناہ ہے، عمومِ بلویٰ قرار دینے سے بھی جائز نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۱/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۳۵ / ۲۶ د)

***
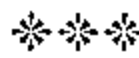
(۱) ملاحظہ فرمایئے: المرشد فی مسائل التجوید والوقف، از قاری اظہار احمد تھانویؒ، فصل: اجتماع ساکنین ص: ۳۰۲ اور فوائد مکیہ، از قاری عبدالرحمن مکیؒ، عنوان: اجتماع ساکنین کے بیان میں ص: ۳۰۔

کتاب ما یتعلّق بالحدیث والسُّنَّة

(حدیث اور سنت کے بیان میں)

"اطلبوا العلم ولو كان بالصِّين" کا صحیح مفہوم اور اس حدیث کی سند کی تحقیق نیز کیا اس حدیث سے چین کی عظمت پر استدلال کرنا صحیح ہے؟

سوال (۴۱۵):- آج کل ایک گروہ ملکِ چین کی عظمت ظاہر کرنے کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو منسوب کرتا ہے، پاکستان میں یہی گروہ اس حدیث کو اپنے جلسوں میں جلی حروف کے ساتھ بینر کے طور پر آویزاں کرتا ہے، حدیث یہ ہے: "اطلبوا العلم ولو كان بالصِّين" یہ حدیث کس درجے کی ہے؟ قدسی، صحیح، موضوع، ضعیف، نا قابلِ حجت، باطل یا دیگر اقسامِ حدیث؟ نیز احادیث کی کونسی کتب میں صحیح اسناد کے ساتھ درج ہے؟ کیا اس حدیث کا انکار کرنے والا منکرِ حدیث میں شمار ہوگا؟ یا تائید کرنے والا گمراہ ہے؟

جواب:- اس حدیث کو تمام محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ متعدد ائمہ حدیث مثلاً علامہ ابن الجوزیؒ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تو اسے احادیثِ موضوعہ (من گھڑت حدیثوں) میں شمار کیا ہے۔[1] ابنِ حبان اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: "باطل لا اصل له"[2] (یعنی یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں) لہٰذا اگر کوئی شخص اس حدیث کے ثبوت کا انکار کردے تو وہ منکرینِ حدیث میں شمار کیوں ہوگا، جبکہ یہ حدیث ہی نہیں۔ اس حدیث کے بارے میں محدثین کی مندرجہ بالا آراء اور اس کی سندوں پر بحث مندرجہ ذیل کتبِ حدیث میں مل سکتی ہے:-

۱- الموضوعات للشوكاني، باب فضائل العلم۔

۲- اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطيؒ ص:۱۹۳۔

۳- تذكرة الموضوعات، كتاب العلم، باب فضل العالم العامل على العابد۔

یہ تو اس حدیث کی سند کی بحث ہوئی، لیکن فی الجملہ اگر اس مضمون کو صحیح بھی فرض کرلیا جائے تو اس سے علم کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہے، چین کی فضیلت کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ چین کے علم مطلوب

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مسند البزار، رقم الحديث:۹۵، مسند ابی بكر الصديق۔ وشعب الإيمان للبيهقيؒ رقم الحديث:۱۶۱۲، السابع عشر من شعب الإيمان وهو باب في طلب العلم۔ وفيض القدير ج:۱ ص:۶۹۴۔

(۲) مقاصد الحسنة، حرف الهمزة ج:۱ ص:۳۴، وكشف الخفاء ج:۱ ص:۱۳۸۔

سے بعید ہونے کی طرف اشارہ نکلتا ہے، جو ہر زبان داں سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ مفہوم ان الفاظ کا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ''تم علم حاصل کرو اگرچہ وہ چین ہی میں ملے'' یعنی اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ علم حاصل کرنے کے لئے چین جیسے دُور دراز مقام کا سفر کرنا ضروری ہے تو بُعدِ مسافت کے باعث تحصیلِ علم کو ترک نہ کرو، اور طویل سے طویل سفر بھی کرنا پڑے تو علم کی خاطر اسے برداشت کرو۔[1] "اطلبوا العلم ولو بالصین" کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ''علم چین میں ملے گا، تم وہاں کا سفر کرو'' اور یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جو عربی زبان سے ادنیٰ مناسبت بھی رکھتا ہو۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
(فتویٰ نمبر ۷۸۹ /۲۱ الف)

کیا یہ حدیث ثابت ہے کہ ''اگر کوئی مسلمان کسی دُوسرے مسلمان کے پاس گیا اور بغیر کچھ کھائے پیئے واپس آ گیا تو اس نے مردے سے ملاقات کی''؟

سوال (۴۱۶): - ایک صاحب نے کہا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (مفہوم) اگر کوئی مسلمان دُوسرے مسلمان سے ملاقات کو گیا اور بغیر کچھ کھائے پیئے واپس ہو گیا تو گویا اس نے مردے سے ملاقات کی۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم میں سے اکثر غریب ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ: ایک کھجور یا دو گھونٹ پانی پلا سکتے ہیں۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟

جواب: - اس مضمون کی حدیث کتبِ حدیث میں کہیں نہیں ملی، جو صاحب یہ حدیث بیان کرتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ اس کا حوالہ پیش کریں، وہ حوالہ پیش کردیں تو پھر بتایا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث کس درجے کی ہے؟ اور اگر ان صاحب کو حوالہ معلوم نہ ہو تو انہیں حدیث بیان نہیں کرنی چاہئے، جب تک یہ علم نہ ہوجائے کہ یہ واقعی حدیث ہے اسے حدیث بتا کر بیان کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۱/۲/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۵ /۲۲ الف)

کیا انسان کے مدفن کی مٹی اس کے خمیر میں شامل ہوتی ہے؟

سوال (۴۱۷): - سنا گیا ہے کہ انسان کے مدفن سے فرشتے بحکمِ ربّ مٹی لاتے ہیں تب انسان

(۱) فیض القدیر ج:۱ ص:۵۴۲ ، ۵۴۳۔

کی پیدائش ہوتی ہے، اور جس جگہ سے ہوتی ہے ٹھیک اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے۔

جواب:- تفسیر قرطبی (ج:۶ ص:۳۸۷) میں ہے:"وقد روی ابو نُعیم الحافظ فی کتابه عن مرة عن ابن مسعود رضی الله عنه ان الملك الموكل بالرحم یأخذ النطفة فیضعها علی كفه الی قوله یأخذ التراب الذی یدفن فی بقعته ویعجن به نطفته فذلك قوله تعالیٰ: "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ" واخرج عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ما من مولود إلا وقد ذُرَّ علیه تراب حفرته۔"

یعنی حافظ ابو نعیمؒ نے اپنی کتاب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرشتہ عورت کی رحم پر مقرر ہے، وہ نطفہ لے کر اپنے ہاتھ پر رکھتا ہے اور جس جگہ اس کا دفن ہونا مقدر ہو اس جگہ کی ذرا سی مٹی لے کر نطفے کو گوندھتا ہے۔ ابو نعیمؒ ہی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اُوپر اس کی قبر کی کچھ مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
۱۳۹۱/۳/۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۳۶۵/۲۲ الف)

کیا یہ حدیث ثابت ہے کہ "بعض لوگ میری اُمت میں اس طرح کے ہوں گے جیسے یہود...الخ"؟

سوال (۴۱۸):- اس حدیث کے بارے میں کیا ارشاد ہے کہ بعض لوگ میری اُمت میں اس طرح کے ہوں گے جیسے یہود، اگر انہوں نے اپنی ماں سے زنا کیا تو یہ بھی کریں گے، اور اگر انہوں نے بہن سے نکاح کیا تو یہ بھی کر کے رہیں گے۔ براہِ کرم حدیث کے الفاظ سے مطلع کریں۔

جواب:- مشکوٰۃ شریف میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَیأتینَّ علی أُمّتی كما أتیٰ علی بنی إسرائیل حذو النعل بالنعل حتّٰی إن كان منهم من أتیٰ أُمّه علانیة لكان فی أُمّتی من یصنع ذلك۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۳۰)[1]

یعنی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کو

---

(۱) وایضاً جامع الترمذی، ابواب الإیمان، باب إفتراق هذه الأمة ج:۲ ص:۹۳، و المستدرك للحاكم رقم الحدیث:۴۰۸، حدیث عبدالله بن عمرو۔

ویسا ہی پیش آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل کو پیش آیا تھا، حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی (کوئی نہ کوئی) ایسا شخص ہوگا جو یہ حرکت کرے گا۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح محمد رفیع

بندہ محمد شفیع ۱۳۹۱/۹/۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۲۸/۲۲ ج)

جو امام یہ حدیث بیان کرے کہ ”اللہ تعالیٰ نماز پڑھتے ہیں“ اس کی اِقتداء میں نماز پڑھنے کا حکم، نیز اس حدیث کی تحقیق

سوال (۴۱۹): - ایک امام صاحب نے تقریر میں یہ حدیث بیان کی معراج آپ تشریف لے گئے اور عرش پر پہنچے تو حضور پر کپکپی طاری ہوگئی، فوراً ایک آواز آئی جو کہ ابوبکرؓ کی آواز سے مشابہ تھی، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم توقف فرمائیے آپ کا رَبّ نماز پڑھ رہا ہے، جس پر حضؐ خوش ہوئے کہ میرا رَبّ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ حدیث ایمان کو متزلزل کرنے والی ہے، اور کئی سوال کو جنم دیتی ہے، مثلاً ۱- اللہ پاک کا جسم ہونا، ۲- خدا جو کہ مسجود ہے کا ساجد ہونا، ۳- رَبّ سے بڑھ کر کوئی ذات ہے جس کی نماز رَبّ پڑھ رہا ہے وغیرہ۔

کیا اس حدیث کا ثبوت ہے؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے؟

جواب: - اس مضمون کی کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری، مضمون کے اِعتبار سے بھی صحیح نہیں کہ نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہے، جو سوالات آپ نے لکھے ہیں اس مضمون سے وہ پیدا ہونے لازمی ہیں۔ ان اِمام صاحب کو تنہائی میں نرمی سے سمجھانا چاہئے کہ اس قسم کی غیر مستند باتیں بیان کرنے سے پرہیز کریں، اگر وہ اپنے گناہ سے باز آجائیں تو ان کے پیچھے نماز بلاکراہت دُرست ہوگی، ورنہ مکروہ تحریمی ہوگی، لیکن تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں بحالتِ مجبوری انہی کے پیچھے نماز پڑھیں۔[1] واللہ اعلم

الجواب صحیح محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع ۱۳۹۱/۹/۲۸ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۸۸/۲۲ د)

جس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کی گئی ہے اس کا صحیح مفہوم

سوال (۴۲۰): - بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ جھوٹ

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إمامًا لغيره، وفتاوىٰ قاضي خان ج:۱ ص:۴۴۔

بولے،[۱] ان اُمور کا جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:- حدیث میں جن واقعات کو "جھوٹ" سے تعبیر کیا گیا ہے، وہاں جھوٹ سے مراد "توریہ" ہے، جو جائز ہے، حقیقی جھوٹ مراد نہیں، چونکہ یہ تینوں واقعات صورۃً جھوٹ معلوم ہوتے تھے اس لئے جھوٹ سے مجازاً تعبیر فرمایا، تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن میں متعلقہ آیات کی تفسیر (سورۃ الانبیاء رکوع ۵)۔[۲]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۳/۱۱/۸ھ

(فتویٰ نمبر ۱۷۳۰/۲۴ ح)

داڑھی منڈوانے والے کے بارے میں وعید پر مشتمل ایک حدیث کی تحقیق

سوال (۴۲۱):- ایک صاحب سے مندرجہ ذیل احادیث سنیں، جو شخص سات اتوار متواتر شیو بنائے گا عرش سے ایک تلوار اُترے گی اور اُس کا سر قلم کردے گی۔

جواب:- اعلانیہ داڑھی منڈانا اگرچہ سخت گناہ ہے،[۳] اور علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی ہے، جو سخت بے غیرتی کی بات ہے، مگر جو بات اس سلسلے میں سوال میں ذکر کی گئی ہے حدیث میں وہ ثابت نہیں۔

واللہ اعلم
۱۳۹۳/۹/۹ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۸۶/۲۴ ز)

کیا یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جمعہ کی فضیلت رمضان سے زیادہ ہے؟

سوال (۴۲۲):- جمعہ کے دن کی فضیلت تمام دنوں سے زیادہ ہے حتیٰ کہ رمضان شریف سے بھی زیادہ، بندہ ان احادیث کی صحت معلوم کرنا چاہتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: "وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا" (النساء)۔
وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، فصل من فضائل إبراهیم الخلیل صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) نیز ملاحظہ فرمائیے: فتح الباري، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: وَاتَّخَذَ اللّٰهُ... الخ۔
وشرح النووي علی صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فصل من فضائل إبراهیم .. الخ۔
ومرقاۃ المفاتیح، کتاب صفة القیامة .. الخ باب الحوض والشفاعة۔

(۳) ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته الخ (ردّ المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، ج:۶ ص:۴۰۷، سعید)۔

جواب :- یہ بات بھی صحیح نہیں کہ جمعہ کی فضیلت رمضان سے زیادہ ہے۔ واللہ اعلم

۹/۹/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۸۶/۲۲ ج)

''جو شخص مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں پڑھے اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شفاعت واجب ہوگی'' کیا یہ بات حدیث سے ثابت ہے؟

سوال (۴۲۳):- مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چالیس نمازیں ادا کرنے کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ ان نمازوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شفاعت واجب ہوگی، کسی حدیث سے ثابت ہے؟ یا کسی بزرگ کا کشف ہے؟ پھر یہ نمازیں تواتر کے ساتھ جماعت کے ساتھ ادا کرنی ضروری ہیں یا بیچ میں اگر کوئی نماز مسجد میں ادا نہ کر سکے، یا کوئی نماز ادا تو کی لیکن جماعت کے ساتھ ادا نہیں کی تو کیا ایسی نمازوں کا بھی شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب :- حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:-

عن انس مرفوعًا: مَنْ صَلّٰی فی مسجدی اربعین صلوةً لا تفوتُه صلوةٌ كتب له براءةٌ من النّار وبراءةٌ من العذاب وبراءةٌ من النِّفاق۔

(جمع الفوائد ج:۱ ص:۲۰۲، بحوالہ مسند احمد والاوسط لطبرانی)۔[1]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ کوئی نماز فوت نہ ہو، اس کے لئے آگ سے براءت (یعنی حفاظت) اور عذاب سے براءت اور نفاق سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ علامہ ہیثمیؒ نے ''مجمع الزوائد'' میں اس حدیث کے رجال کی توثیق کی ہے (مجمع الزوائد ج:۴ ص:۸)۔[2]

حدیث کے لفظ "لا تفوتُه صلوةٌ" (یعنی کوئی نماز فوت نہ ہو) اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ چالیس نمازوں سے مراد فرض نمازیں ہیں، کیونکہ فوت فرض نمازیں ہی ہوسکتی ہیں نفل نماز فوت نہیں ہوتی، کیونکہ اُس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اور دُوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ چالیس نمازیں مسلسل ہونی چاہئیں، درمیان میں کوئی نماز مسجدِ نبوی میں پڑھنے سے رہ گئی، کہیں اور پڑھی تو اس خاص فضیلت کا وعدہ نہیں، اور بظاہر نماز باجماعت ہی مراد ہے کیونکہ احادیث میں جب فرض نماز مسجد میں پڑھنے کا ذکر مطلقاً آتا

---

(۱) ایضاً فی مسند احمد، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ رقم الحدیث ۱۲۱۲۳ و المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث ۵۲۰۲ باب المیم۔

(۲) باب فیمن صلّی اربعین صلاةً۔

ہے تو اُس سے مراد نماز باجماعت ہی ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے کیا بعید ہے کہ جس کی جماعت کسی عذر کے باعث رہ گئی ہو اُس کو بھی یہ فضیلت عطا فرمادیں۔

اور وجوبِ شفاعت کی حدیث نماز سے متعلق نہیں، اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

فمن صَبَر عَلٰی لأوائها وشدّتها كنت له شفيعًا أو شهيدًا يوم القيامة۔

(قال الهيثمي رواه البزار ورجاله رجال الصحيح ج:۳ ص:۳۰۶)

یعنی جو شخص مدینہ کی شدت اور تنگیٔ معاش پر صبر کرے گا میں اُس کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرنے والا یا گواہی دینے والا ہوں گا۔

وجوبِ شفاعت کے بارے میں ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

عن سبيعة الأسلمية أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من استطاع منكم أن يموت بالمدينة فليمت فانّه لا يموت بها أحدٌ إلّا كنت له شفيعًا أو شهيدًا يوم القيامة۔ (رواه الطبراني في الكبير ورجاله رجال الصحيح، خلا عبدالله بن عكرمة وقد ذكره ابن ابي حاتم وروىٰ عنه جماعة ولم يتكلّم فيه أحدٌ بسوء قاله الهيثمي في مجمع الزوائد ج:۳ ص:۳۰۶)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو مدینہ میں مر سکے اُسے چاہئے کہ مدینہ میں مرے، اس لئے کہ جو شخص بھی یہاں مرے گا میں قیامت کے دن اُس کے لئے شفاعت کرنے والا یا گواہی دینے والا ہوں گا۔ یہ سب احادیث قوی سند سے ثابت ہیں۔ واللہ اعلم

۱۰/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۹۰/۲۵ ب)

اپنے نام کے ساتھ ''قریشی'' لکھنا؟

سوال (۴۲۴):- میں ایک برادری کا فرد ہوں، اس زمانے میں برادریوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، میں اپنے نام کے ساتھ ''قریشی'' لکھنا چاہتا ہوں، شرعی نقطۂ نگاہ سے ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب:- اگر آپ نسب کے اعتبار سے قریشی نہیں ہیں تو خود کو ''قریشی'' لکھنا حرام ہے، حدیث میں اپنا نسب بدل کر ظاہر کرنے کی سخت ممانعت اور لعنت آئی ہے،[1] لوگ آپ کی برادری کو اگر اچھا نہیں سمجھتے تو پروانہ کیجئے، اللہ کے نزدیک سب سے معزز و مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو،[2] تقویٰ اختیار کیجئے

---

(۱) قال النبي صلى الله عليه وسلم: ومن ادّعىٰ إلى غير أبيه أو انتمىٰ إلى غير مواليه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفًا ولا عدلًا (في صحيح مسلم، كتاب العتق، باب تحريم التولي العتيق غير مواليه)۔

... وكذا في سنن ابي داؤد، كتاب الأدب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه ج:۲ ص:۶۹۴۔

(۲) قال في القرآن المجيد: سورة الحجرات ۱۳ "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ"۔

اللہ کے نزدیک معزز ومکرم ہوجانا بندے کے لئے کافی ہے۔ واللہ اعلم

۱/۱۱/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۴۴/۲۵ ز)

کیا آخری بدھ کو کام کرنے سے روزی کی برکت ختم ہوجاتی ہے؟

سوال (۴۲۵): - آخری چہارشنبہ کو کام کرنے سے روزی کی برکت ختم ہوجاتی ہے، عام لوگوں کا خیال ہے اور یہ کہ ایک راج کام کررہا تھا، حضور کا گزر ہوا، آخری بدھ کا دن تھا، آپ نے کام کرنے سے منع فرمایا اور اُس کی اُجرت بھی ادا کی، دوبارہ جب آنحضرت صلعم تشریف لائے تو وہ راج بدستور کام کررہا تھا جس کی وجہ سے ان لوگوں کے کام میں برکت نہیں ہوتی۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: - یہ روایت بے اصل اور اُصولِ شریعت کے خلاف ہے، ایسی کوئی روایت حدیث میں نظر سے نہیں گزری، اس کے برخلاف احادیث بکثرت ہیں کہ نحوست کوئی چیز نہیں،[1] اور نحوست کا عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔

بلکہ بدھ آخری ہو یا کوئی اور ہو، بدھ کو جو کام شروع کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے پورا فرمادیتے ہیں، اس مضمون کی روایت "تعلیم المتعلم" میں علامہ زرنوجیؒ نے صاحبِ ہدایہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

واللہ اعلم
۲۷/۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۳۹۶/۲۵ ب)

حدیث "المرء مع من أحبَّ وله ما اكتسب" کی صحیح تشریح

سوال (۴۲۶): - کیا دُنیا میں جس آدمی کے ساتھ محبت تھی، قیامت میں بھی اُس کے ساتھ ہوگا؟ میں ایک حدیث تحریر کرتا ہوں وہ حدیث یہ ہے: "المرء مع من أحبَّ وله ما اكتسب"[2] اس سے معلوم ہوا کہ جو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز اُس کا بدلہ ملے گا اور اس کا محبوب اس کے ساتھ ہوگا۔

جواب: - حدیث "المرء مع مَن أحبَّ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی کے اعمال واخلاق پسند کرتا ہے عادۃً ویسے ہی اعمال واخلاق اس کے بھی ہوجاتے ہیں، لہٰذا آخرت میں اُن کا حشر ایک جیسا ہوگا،

---

(۱) والفاظه: عبدالمهيمن عن أبيه عن جده أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا شُؤم، وان يك شُؤمٌ ففي الفرس والمرأة والمسكن (المعجم الكبير للطبراني رقم الحديث:۵۵۸۸، ج ۶ ص:۱۲۲).

وكذا في جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في التشؤم.

(۲) سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء ان المرء مع من أحبَّ ج:۲ ص ۶۲.

اگر وہ اعمال واخلاق اچھے تھے تو دونوں جنت میں جائیں گے اور فی الجملہ ساتھ ہوں گے، اور اگر وہ اعمال و اخلاق ناجائز تھے تو دونوں عذاب میں مبتلا ہوں گے،[1] اس صورت میں اگرچہ دونوں ساتھ ہوں گے مگر یہ ساتھ ہونا ان کو مفید نہ ہوگا، ایک دُوسرے کے کام نہ آسکے گا، بلکہ اپنے عذاب کی بے چینی میں دُوسرے کا ہوش ہی نہ ہوگا، ہاں گاہے گاہے ایک دُوسرے کو ملامت کیا کریں گے کہ میں تیری وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوا۔ واللہ اعلم

۲۷/۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۴۳۲/۲۵ ب)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا؟

سوال (۴۲۷):- کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا تھا؟

جواب:- ابتدائے اسلام میں جب تک قرآن شریف کا معجزانہ اُسلوب لوگوں کے دلوں میں ممیز ہوکر راسخ نہیں ہوا تھا اُس وقت اگر قرآن وحدیث ایک ہی چیز پر لکھے جاتے تو شدید خطرہ تھا کہ لوگ حدیث کو قرآن سمجھ بیٹھیں، اس لئے آپ نے یکجا قرآن وحدیث کو لکھنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ ترمذی کی جس حدیث میں حدیث لکھنے کی ممانعت کا ذکر ہے اُس کا یہی مطلب ہے، پھر جب لوگوں میں قرآن شریف کا اُسلوب خوب ممیز ہوگیا اور قرآن وحدیث کے باہم متلبس ہوجانے کا خطرہ نہ رہا تو آپ نے دونوں کو ساتھ لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمادی۔[2] چنانچہ ہرقل قیصر روم کے نام جو خط آپ نے لکھوایا اُس میں قرآنِ کریم کی آیت اور حدیث ایک ساتھ لکھی ہوئی ہے (یہ خط بخاری شریف میں موجود ہے)۔[3]

غرض حدیث لکھنے کی ممانعت علی الاطلاق کبھی بھی نہیں ہوئی، روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے عہدِ رسالت میں احادیث کی کتابت صحابہ کرامؓ آپ کی اجازت سے کرتے رہے ہیں، لکھنے کی صرف ایک خاص صورت جو اُوپر ذِکر کی گئی تھوڑے عرصے تک ممنوع رہی، پھر یہ ممانعت بھی منسوخ ہوگئی۔ اس مسئلے کی تفصیل مدلل مطلوب ہو تو ماہنامہ ''البلاغ'' کی جلد اوّل میں میرا مقالہ مطالعہ کیا جائے جو تقریباً چھ سات قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ واللہ اعلم

۱۹/۱۰/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲۷۶/۲۵ ز)

---

(۱) المرء مع من احبّ ای یحشر مع محبوبه ویکون رفیقًا لمطلوبه قال تعالیٰ "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" الآیة، وظاهر الحدیث العموم الشامل للصالح والطّالح۔ اهـ (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الحُبّ فی الله، الخ)۔

(۲) هکذا فی فتح الباری، کتاب العلم، باب کتابة العلم ج:۱ ص:۱۸۲ والمرقاة خطبة الکتاب ج:۱ ص:۳۵۔

(۳) صحیح البخاری، بدء الوحی ج:۱ ص:۵۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کے واقعے والی حدیث کی تحقیق

سوال (۴۲۸):- موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کے واقعے والی حدیث کیا صحیح ہے؟

جواب:- یہ حدیث صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۶۷ "باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام" میں مذکور ہے اور صحیح ہے۔ حدیث کے الفاظ بعینہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جاء ملك الموت إلى موسى عليه السلام فقال له: اجب ربك قال فلطم موسى عليه السلام عين ملك الموت ففقأها. قال: فرجع الملك إلى الله تعالى فقال: إنك أرسلتني إلى عبد لك لا يريد الموت، وقد فقأ عيني، قال: فردّ الله إليه عينه وقال: إرجع إلى عبدي فقل الحياة تريد فإن كنت تريد الحياة فضع يدك على متن ثور فما توارت يدك من شعرة فإنك تعيش بها سنة، قال: ثم مه؟ قال: ثم تموت، قال: فالآن من قريب۔[1]

واللہ اعلم

۱۳۹۴/۸/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۳۳/۲۵ د)

ایک امام صاحب کی بیان کی گئی حدیث میں غلطیوں کی نشاندہی

سوال (۴۲۹):- مسجد کے امام صاحب نے حائضہ عورت کے سلسلے میں مؤذن صاحب کو بتلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے، آپ نے کسی عورت کو دیکھا جو آپ کو اچھی معلوم ہوئی، تو آپ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے، انہوں نے فرمایا کہ: میں حائضہ ہوں، تو آپ نے ران اور گھٹنے کے مڑنے کی جگہ خواہش پوری کی۔ مؤذن صاحب نے یہ بات امام صاحب کے خلاف مختلف لوگوں سے بطور تشہیر کہی، کسی نے کہا امام نے غلط کہا، کسی نے کہا کہ حضور کی شان میں گستاخی کی، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہئے۔ مشکوٰۃ شریف جلد دوم ۲۹۷۳ بیان کی تھی، نام میں حضرت سودہؓ کی جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا گیا، وہ اس غلطی پر شرمندہ بھی ہے، ایسے امام کا کیا حکم ہے؟

(۴۳۰) ۲- امام صاحب کو اپنی اس غلطی پر توبہ کرنا چاہئے تو کس طرح؟

(۴۳۱) ۳- اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۴۳۲) ۴- محض شر کے لئے یا مناصحت کے طور پر اس کا تذکرہ کی تشہیر کرنے والوں پر بھی کوئی دینی الزام عائد ہوتا ہے؟

---

(۱) یہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ دیگر کتب حدیث خصوصاً بخاری شریف (احادیث الانبیاء، باب وفاة موسى) میں بھی موجود ہے۔

جواب:- امام صاحب مذکور سے حدیث بیان کرنے میں کئی غلطیاں ہوئی ہیں، ایک یہ کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی بجائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا، حالانکہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث نمبر ۳۲۷۳ میں واقعہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ دُوسری غلطی یہ ہوئی کہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث نمبر ۵۰۱، ۵۱۰ کا مضمون بھی حدیثِ اوّل کے مضمون کے ساتھ گڈمڈ کردیا۔ تیسری غلطی یہ ہوئی کہ حدیث نمبر ۵۰۱ و حدیث نمبر ۵۱۰ کا مضمون بھی صحیح نقل نہیں ہوا، کیونکہ حدیث نمبر ۵۰۱ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حالتِ حیض میں ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے پس میں تہبند باندھ لیتی تھی، پھر آپ میرے ساتھ مل کر لیٹ جاتے تھے۔ اور حدیث نمبر ۵۱۰ کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حالتِ حیض میں بھی اپنی بیوی کے ساتھ کس حد تک اپنی حاجت پوری کرسکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ: عورت کو تہبند بندھوادو پھر اس کے اُوپر سے اپنی حاجت پوری کرلو۔ بہرحال ان دونوں حدیثوں میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ران اور گھٹنے کے مڑنے کی جگہ.....الخ۔

خلاصہ یہ کہ اِمامِ مذکور سے روایتِ حدیث میں تین غلطیاں ہوئی ہیں، ان کو اس پر توبہ اِستغفار کرنا لازم ہے، اور آئندہ روایتِ حدیث میں پوری احتیاط کریں، اب آپ کے سوالات کا جواب نمبروار درج کیا جاتا ہے:-

۱- توبہ و اِستغفار ہی اس کا کفارہ ہے، توبہ سے بڑے سے بڑا گناہ بلکہ کفر بھی معاف ہوجاتا ہے، اس غلطی کا کوئی تاوان لازم نہیں۔

۲- توبہ یہ ہے کہ اس غلطی کو غلط سمجھے، دِل سے نادم ہو اور آئندہ پوری احتیاط کا عزم کرے، بس یہی توبہ ہے۔

۳- اس غلطی کی وجہ سے اُس کی اِمامت میں کوئی فرق نہیں آیا، اس کے پیچھے بلاکراہت نماز جائز ہے، کیونکہ یہ غلطی جبکہ اُن کا بیان ہے بھول سے ہوئی ہے، اور بھول چوک سے جو غلطی ہو وہ گناہ اور معصیت نہیں، البتہ روایتِ حدیث میں جو احتیاط ان کو کرنی چاہئے تھی وہ نہیں ہوئی اس لئے توبہ کرنی چاہئے، توبہ کرنے کے بعد بے احتیاطی کا گناہ بھی ختم ہوجائے گا۔ بڑے بڑے محدثین سے بھی بعض حدیثوں کی روایت میں نادانستہ غلطی ہوئی تو اُنہوں نے غلطی سے رُجوع اور توبہ کرلی، اور اُمت نے ان کے رُجوع کو کافی سمجھا ہے۔

۴- شر پھیلانے یا مخاصمت کے لئے کسی مسلمان کی بھول چوک کی تشہیر کرنا اور اُسے بدنام کرنا

ہرگز جائز نہیں[۱]، مسلمانوں کے درمیان ہنگامہ آرائی اور تفرقہ پھیلانا گناہِ کبیرہ ہے، خاص طور سے جس شخص سے کوئی گناہ قصداً بھی ہوگیا ہو پھر وہ اُس گناہ سے توبہ کر لے تو توبہ سے چونکہ وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے[۲]، اب اُس گناہ پر اُسے عار دِلانا بھی جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ ایسے شخص کو جو شخص عار دِلاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی اُسی گناہ میں مبتلا فرما دیتا ہے[۳]، العیاذ باللہ۔ واللہ اعلم

۱۸/۷/۱۴۰۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۹۹ / ۳۳ ج)

جن احادیث میں خلیفۃ اللہ المہدی کا ذکر ہے کیا وہ معتبر اَحادیث ہیں؟ نیز اس سے کیا مراد ہے؟

سوال (۳۳۳):- صحاح ستہ کی احادیث میں خلیفۃ اللہ المہدی سے کیا مراد ہے؟ کیا احادیث صحیح ہیں یا غیر معتبر؟ جبکہ بخاری و مسلم شریف اور مؤطا امام مالک میں یہ حدیث نہیں ہے، یا مہدی اولادِ فاطمہ سے ہوگا؟

جواب:- خلیفۃ اللہ المہدی کی صراحت اگرچہ صحیحین میں نہیں، مگر دوسری کتب حدیث مثلاً ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم وغیرہ میں جو روایات اس سلسلے کی آئی ہیں[۴] ان کے مجموعے کو غیر معتبر نہیں کہا جا سکتا۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک مستقل رسالہ "العرف الوردی فی أخبار المهدی" میں اس کی بہت سی احادیث جمع فرمادی ہیں، یہ رسالہ علامہ سیوطیؒ کی کتاب الحاوی کا جزء بن کر شائع ہوا ہے، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تالیف "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا ترجمہ وتشریح احقر نے اُردو

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ستر مسلمًا ستره الله يوم القيامة" (صحيح البخارى، كتاب المظالم والقصاص، باب لا يظلم المسلم المسلم ... الخ ج:۱ ص:۳۳۰)۔

(۲) سنن ابن ماجة، ابواب الزهد، باب ذكر التوبة: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" (سنن ابن ماجة، ابواب الزهد، باب ذكر التوبة)۔

(۳) والفاظه "من عيّر اخاه بذنب لم يمت حتّٰى يعمله" (جامع الترمذى، ابواب الزهد ج:۲ ص:۷۷)۔

(۴) چنانچہ سنن ابی داؤد میں "کتاب المہدی" اور جامع الترمذی کے ابواب الفتن میں "باب ما جاء فی المہدی" کا عنوان قائم کر کے مختلف احادیث ذکر کی گئی ہیں، مذکورہ بالا دو کتابوں اور دیگر کتب کی چند احادیث ذیل میں نقل کی جا رہی ہیں:-

في سنن ابي داؤد عن أمّ سلمة قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المهدى من عترتى من ولد فاطمة۔ (رقم الحديث: ۴۲۸۴)۔

... وفي جامع الترمذى: عن ابى سعيد الخدرى قال: خشينا أن يكون بعد نبينا حدثٌ فسألنا نبي الله صلى الله عليه وسلم فقال إن في أمّتي المهدى يخرج يعيش خمسًا او سبعًا او تسعًا۔ الحديث۔

في مسند أحمد: عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الرايات السود قد جاءت من خراسان فأتوها فإن فيها خليفة الله المهدى۔ رقم الحديث: ۲۱۳۵۳۔

... وكذا في سنن ابن ماجة رقم الحديث: ۴۰۸۴ وكذا في المستدرك للحاكم رقم الحديث: ۸۵۳۱۔

میں بنام" علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح" کیا ہے، یہ کتاب اُردو میں مکتبہ دارالعلوم سے شائع ہوئی ہے، اس میں بھی کئی حدیثیں امام مہدی کے متعلق ہیں۔ واللہ اعلم

۱۸/۲/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۳۷۱/۲۶)

بخاری شریف کی ایک حدیث کو غلط کہنے والے شخص کا کیا حکم ہے؟

سوال (۴۳۴):- ایک شخص بخاری کی اس روایت: "عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: العبد إذا وضع في قبره وتولّى وذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم ...الخ" (كتاب الجنائز، باب الميت) کو غلط کہہ دے اور ایک مکمل جماعت اس کی تائید کرتی ہو، اس غلط کہنے والے شخص کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

جواب:- جو شخص یہ جاننے کے باوجود کسی حدیث کا انکار کرے کہ وہ بخاری شریف میں موجود ہے، ایسا شخص سخت گناہگار اور گمراہ ہے، فوراً توبہ و استغفار کرے، اور جب تک توبہ نہ کرے اس سے دوستانہ تعلقات منقطع رکھے جائیں۔ واللہ اعلم

۲۳/۲/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۴۳۳/۲۶ الف)

***

کتاب الذکر والدعاء

(ذِکر و دُعا سے متعلق اَحکام)

وَساوِس سے بچنے کے لئے چند دُعائیں

سوال (۴۳۵):- کوئی دُعا وغیرہ ایسی کہ ان شکوک وشبہات وہم اور اِحساس کے لئے ہو سوچنے کی عادت ہوگئی ہے، کام سے پہلے سوچتا ہوں کہ کرنا چاہئے یا نہ، اس طرح قوتِ اِرادی کمزور ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ میری غلطیوں کو دُور کردے۔

جواب:- یاد رکھئے کہ ماضی میں جو گناہ ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کے مطابق توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں،[1] اب جبکہ توبہ کرچکے ہیں تو ان گناہوں کی فکر دِل و دِماغ سے نکال دیجئے، وہ معاف ہوچکے۔ جو وَساوِس آپ نے لکھے ہیں ان سے بچنے کے لئے مندرجہ ذیل دُعائیں پڑھا کریں:-

نمبر ۱- ہر نماز کے بعد داہنا ہاتھ سر پر رکھ کر تین بار یہ دُعا پڑھیں:-

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنِی الْھَمَّ وَالْحُزْنَ۔ (یعنی اے اللہ! میرے فکر و غم کو دُور کردے)

نمبر ۲- ہر نماز کے بعد یہ دُعا کیا کریں:-

رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔

(اے اللہ میرے پروردگار! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ کا طالب ہوں کہ شیطان میرے پاس آئیں۔)

نمبر ۳- ہر نماز کے بعد عموماً اور رات کو سوتے وقت خصوصاً آیۃ الکرسی اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر جسم پر دَم کرلیا کریں۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع غفرلہٗ

۱۳۹۰/۱۲/۲۱ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۴۰۶/۲۱ الف)

---

(۱) قال تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا (الفرقان)۔

وقال تعالیٰ: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر: ۵۳)۔

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب تاب الله عليه۔" متفق عليه (المشكوة، باب الإستغفار والتوبة ج۱ ص:۲۰۳)۔

قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا؟

سوال (۴۳۶): - قبر پر میّت کو ثواب پہنچانے کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا کیسا ہے؟

جواب: - جائز ہے،[1] لیکن بہتر یہ ہے کہ ہاتھ نہ اُٹھائے جائیں اور نہ اجتماعی طور پر قبر پر دُعا کرنے کا التزام کیا جائے۔[2]

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی غفرلہ

۱۳۹۰/۱۲/۵ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۱۴۷ الف)

مردوں اور عورتوں کا ذکر بالجہر

سوال (۴۳۷): - ذکر بالجہر عورتوں کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: - ذکر بالجہر عورتوں کے لئے تو مطلقاً باتفاق ناجائز ہے، اسی لئے عورت کی اذان وغیرہ کو شریعت نے جائز نہیں قرار دیا، کتاب شرح ہدایہ میں ہے: والمرأة منهية عن رفع الصوت؛ لأن في صوتها فتنة ولذا جعل النبي صلى الله عليه وسلم التسبيح للرجال والتصفيق للنساء۔ الهداية، باب الأذان۔[3] اور مردوں کے لئے ذکرِ جہر میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن صحیح اور زیادہ محتاط قول اس بارے میں وہ ہے جو صاحبِ فتویٰ خیریہ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں روایاتِ حدیث مختلف ہیں، بعض سے ذکرِ جہر کی

---

(۱) قالت عائشة ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قلنا: بلى، قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله عليه وسلم فيها عندي انقلب فوضع رداءه ... (إلى قولها)... فجعلت درعي في رأسي واختمرت وتقنعت إزاري ثم انطلقت على أثره حتى جاء البقيع فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات .. الحديث (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الذهاب إلى زيارة القبور)۔

وقال العلامة النوويّ في شرحه تحت هذا الحديث:

(قولها: جاء البقيع فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات) فيه استحباب اطالة الدعاء، وتكريره ورفع اليدين فيه وفيه أن الدعاء القائم اكمل من دعاء الجالس في القبور۔

(۲) فإذا بلغ المقبرة يخلع نعليه ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميّت ويقول السّلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا ولكم، انتم لنا سلف ونحن بالأثر۔ كذا في الغرائب وإذا أراد الدعاء يقوم مستقبل القبلة كذا في خزانة الفتاوى۔ (الهندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور .. الخ ج:۵ ص:۳۵۰، رشيديه)۔

.....نیز دیکھئے: امداد الاحکام ج:۱ ص:۳۱۷، ۳۱۸۔

(۳) وصرّح في النوازل بأن نغمة المرأة عورة ..... ولهذا قال صلى الله عليه وسلم: "التسبيح للرجال والتصفيق للنساء" فلا يجوز ان يسمعها الرجل ومشى عليه المصنف في الكافي وقال ولا تلبّي جهرًا لأن صوتها عورةٌ ومشى عليه صاحب المحيط في باب الأذان .. (إلى قوله)... وفي شرح المنية الاشبه ان صوتها ليس بعورة وإنما يودّي إلى الفتنة كما علّل به صاحب الهداية وغيره في مسألة التلبية ولعلهن إنما مُنِعْن من رفع الصوت بالتسبيح في الصلاة لهذا المعنى ... الخ (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة ج:۱ ص:۲۸۵)۔

اوّلیت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے ذکرِ خفی کی۔ لیکن ان روایات میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ ذکرِ جہر کا حکم مختلف اشخاص اور احوال کے لئے مختلف ہے، پس جہاں ریا کا خطرہ ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے وہاں ذکرِ خفی کیا جائے، اور جہاں ایسا کوئی مانع نہ ہو وہاں ذکرِ جہراً افضل ہے؛ لأنہ اکثر فائدۃ إلی السامعین ویوقظ قلب الذاکر یتجمع ھمہ إلی الفکر ویصرف سمعہ إلیہ والنوم ویزید النشاط۔ صرح العلّامۃ الشامی من کتاب الحظر والإباحۃ فی رد المحتار۔ [1] واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۲۲/۳/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۴۲۶/۲۲ الف)

جامع دُرود شریف

سوال (۴۳۸): ۱-"اللّٰھم صل علی محمدن النبی الامّیّ وآلہ واصحابہ وسلِّم"، ۲-"صلی اللہ علی النّبیّ الاُمّیّ"، ۳-"اللّٰھم صل علی محمدن النّبیّ الاُمّیّ وآلہ وصحبہ اجمعین وبارِك وسلِّم بعدد کل معلوم" یہ دُرود کس کس وقت پڑھے جائیں؟

جواب: - ان میں سے تیسرا دُرود شریف پڑھ لیا جائے [2] تو پہلے اور دُوسرے کی ضرورت نہیں، اس لئے پس اب تیسرا ہی دُرود شریف پڑھا کریں، دن رات میں جس وقت پابندی آسان ہو وہی وقت مقرر کرلیں اور اس وقت کی پابندی کریں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عفا اللہ عنہ
۱۳/۷/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۸۸۷/۲۲ ب)

دُرود شریف بے وضو بھی پڑھا جاسکتا ہے

سوال (۴۳۹): - کیا دُرود شریف بے وضو بھی پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: - دُرود شریف بے وضو بھی پڑھ سکتے ہیں اور حالتِ حیض میں بھی، حالتِ حیض میں

---

(۱) وأولی منہ القول بتقدیم الإخفاء علی الجہر فیما إذا خیف الریاء او کان فی الجہر تشویش علی نحو مصل او نائم او قاری او مشتغل بعلم شرعی وبتقدیم الجہر علی الإخفاء فیما إذا خلا عن ذلك وکان فیہ قصد تعلیم جاھل ـــ اھ (روح المعانی، تفسیر سورۃ الأعراف ج:۶ ص:۲۰۸)۔

(۲) وابن مردویہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إذا صلّیتم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: فأحسنوا الصلاۃ علیہ فإنکم لا تدرون لعل ذلك یعرض علیہ ... الخ (روح المعانی، تفسیر سورۃ الأحزاب آیت:۵۶ ج:۱۲ ص:۲۱۲)۔

قرآن شریف یا اس کی کوئی سورت پڑھنا جائز نہیں۔ [۱]

الجواب صحیح — واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع — محمد رفیع عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۷/۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۸۷/ ۲۲ ب)

زیارت وخانقاہ پر سلام کرنا؟

سوال (۴۴۰): - زیارت وخانقاہ پر سلام کرنا، دُعا کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ آیا یہ بزرگ جو دُنیا سے رُخصت ہوگئے مدد کر سکتے ہیں؟

جواب: - مسلمان مُردوں کو سلام کرنا سنت سے ثابت ہے، [۲] اور کسی بزرگ کے مزار کے پاس اس خیال سے دُعا کرنا کہ اس متبرک مقام کی برکت سے شاید دُعا زیادہ قبول ہوجائے، اللہ کے سوا کوئی کسی کی حقیقی مدد نہیں کرسکتا، جو کچھ مانگیں اللہ سے مانگیں، کسی مُردے سے مانگنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع

۱۳۹۱/۸/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۹۶۳/ ۲۲ب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ''ص'' لکھنا کافی نہیں نیز ''محمد صدیق'' وغیرہ نام پر ''ص'' لکھنا ثابت نہیں

سوال (۴۴۱): - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے بعد لفظ ''ص'' (محمدؐ) لکھ دیتے ہیں، حالانکہ دُرود پڑھنے کا حکم ہے، کیا جائز ہے؟ جس کا نام ''محمد صدیق'' ہوتا ہے وہ لفظ ''محمدؐ'' پر ''صاد'' لکھ دیتا ہے، کیا جائز ہے؟

جواب: - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ''صاد'' لکھنا کافی نہیں، بلکہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پورا لکھنا ضروری ہے، صرف ''صلعم'' لکھنا بھی کافی نہیں ہے۔ دُوسرے لوگوں کے نام مثلاً

---

(۱) ومنها حرمة قراءة القرآن: لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شيئًا من القرآن الخ. (الهندية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض ...الخ ج:۱ ص:۳۸)۔

... ولا يجوز للجنب قراءة القرآن ويجوز له الذكر والتسبيح والدعاء ـــــ اهـ (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الطهارة ج:۱ ص:۱۱)۔

(۲) "عن ابن عباس قال: مرّ رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المدينة فأقبل عليه بوجهه وقال: السلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا ولكم، أنتم سلفنا ونحن بالأثر." (جامع الترمذي، ابواب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر ج:۱ ص:۲۰۳)۔

''محمد صدیق'' یا ''محمد رفیق'' وغیرہ پر ''صاد'' لگانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اور بے فائدہ ہے، نہیں لگانا چاہئے۔[۱]

واللہ اعلم

الجواب صحیح　　محمد رفیع عثمانی

بندہ محمد شفیع　　۱۳۹۱/۱۱/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۷/۲۲ د)

بغیر وضو کے ذکر کرنا؟

سوال (۴۴۲): - اللہ کا ذکر بغیر وضو کے کر سکتے ہیں یا اس میں بھی حرج واقع ہوگا؟

جواب: - ہر ذکر بغیر وضو کے کیا جا سکتا ہے مگر قرآنِ کریم کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں، چھوئے بغیر تلاوت بھی بغیر وضو کے جائز ہے۔[۲]

الجواب صحیح　　محمد رفیع عثمانی

بندہ محمد شفیع　　(فتویٰ نمبر ۱۵۸/۲۲ د)

حضرت حوّا کے نام کے ساتھ ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کہنا؟

سوال (۴۴۳): - لفظ اماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت ہے یا نہیں؟

جواب: - ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کا کلمہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے،[۳]

---

(۱) ولا يصل على غير الأنبياء والملائكة إلا بطريق التبع ... ذكر البيرى من الحنفية من صلّى على غيرهم أثم وكره هو الصحيح ـــ اهـ (روح المعاني ج:۱۱ ص:۱۲۲، تفسير سورة الأحزاب)۔

... قوله: (وكذا لا يصل على أحد) اى إستقلالًا، أما تبعًا كقوله: اللّهم صل على محمد وعلى آله واصحابه، جاز ـ خانية۔ والمراد غير الملائكة، اما هم فيجوز عليهم إستقلالًا قال في الغرائب: والسلام يجزى عن الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم وحديث "صلى الله على آل ابى او فى" الصلاة حقه، فله أن يصلى على غيره ابتداء، أما الغير فلا ــ اهـ (ردّ المحتار، كتاب الحظر والإباحة، مسائل شتى)۔

(۲) قال الله تعالى: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ⊙ (الواقعة)۔

(حلبى كبير، مطلب فى اصح القولين ص:۵۸، ۶۰)

.. (وكذلك) لا يجوز مس المصحف إلا بغلافه والدرهم إلا بصرته للمحدث ايضًا لما تقدم من الدليل لأنه غير طاهر ..(إلى قوله).. (وتكره قراءة القرآن للمحدث ظاهرًا) اى على ظهر لسانه حفظًا بالإجماع وروى اصحاب السنن عن على رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج من الخلاء فيقرؤنا القرآن ويأكل معنا اللحم وكان لا يحجبه او لا يحجزه عن قراءة القرآن شيء ليس الجنابة ــ اهـ (حلبى كبير، مطلب فى أصح القولين ص:۵۸، ۶۰)۔

... ولا يجوز للمحدث والجنب مس المصحف إلا بغلافه ولا يجوز للجنب قراءة القرآن ويجوز له الذكر والتسبيح والدعاء ـ اهـ (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الطهارة ج:۱ ص:۱)۔

(۳) روح المعاني، تفسير سورة الأحزاب ج:۱۲ ص:۱۲۲

وصح عن ابن عباس انه قال: لا تنبغى الصلاة من أحد على أحد إلا على النبى صلى الله عليه وسلم، وفى رواية عنه ما اعلم الصلاة تنبغى على أحد من أحد إلّا على النبى صلى الله عليه وسلم ولكن يدعى للمسلمين والمسلمات بالإستغفار ..الخ۔

وفى البحر الرائق، مسائل شتّى ج:۸ ص:۵۵۵

(ولا يصلى على غير الأنبياء والملائكة إلا بطريق التبع) لأن فى الصلاة من التعظيم ما ليس فى غيرها من الدعوات وهى زيادة الرحمة والتقرب من الله تعالى ... الخ (البحر الرائق، كتاب الحظر والإباحة، مسائل شتّى ج:۸ ص:۵۵۵)۔

غیر نبی کے لئے یہ کلمہ بولنا یا لکھنا سنت سے ثابت نہیں۔ اور چونکہ حضرت حوا نبی نہیں تھیں لہٰذا ان کے نام کے ساتھ بھی یہ کلمہ لکھنا یا بولنا نہیں چاہئے۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۱/۱۱/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۳۳/۲۲ د)

جواب صحیح ہے، اور بعض حضرات نے لفظ ''سلام'' کو غیر انبیاء کے لئے بھی جائز کہا ہے، غیر انبیاء کے لئے صرف ''صلوٰۃ'' کو ممنوع کہا ہے، بہرحال احتیاط اس میں ہے کہ انبیاء کے سوا کسی کے لئے یہ لفظ استعمال نہ کریں۔

بندہ محمد شفیع
۱۳۹۱/۱۱/۱۵ھ

رات کو ڈرنے سے بچنے کے لئے اور سکونِ قلب کے لئے دُعا

سوال (۴۴۴): -مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب، السلام علیکم، میری طبیعت خراب ہے، برابر علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا، رات کو ڈر بہت لگتا ہے، سوتے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کسی نے دبا دیا ہو۔ نماز، قرآن پڑھتا ہوں مگر جب بھی سکون نہیں ملتا، طبیعت پر وحشت، گھبراہٹ بہت ہوتی ہے، دل میں شیطانی وساوس بہت آتے ہیں۔

جواب: - پنج وقتہ نماز اذان ہوتے ہی پابندی سے پڑھا کریں، روزانہ جتنی تلاوت پابندی سے کر سکیں اُس کی مقدار مقرر کرلیں اور اس کی پابندی کریں، ہر نماز کے بعد سکونِ قلب کی دُعا کریں اور سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور چاروں قل ہر نماز کے بعد پڑھ کر جسم پر دَم کرلیا کریں، نیز رات کو سوتے وقت بھی یہ سورتیں اور آیات پڑھ کر دَم کرلیا کریں، ان شاء اللہ پریشانی ختم ہوجائے گی۔ پاکی اور وضو کا خاص اہتمام رکھیں، گناہوں سے پرہیز کریں، اگر پھر بھی یہ صورتِ حال باقی رہے اور قلب کو سکون نہ ہو تو کسی حکیم سے علاج کرائیے۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۱۲/۳۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳/۵ الف)

جواب صحیح ہے، میں بھی دُعا کرتا ہوں حق تعالیٰ عافیت وسکون عطا فرماوے۔

بندہ محمد شفیع
یکم محرم ۱۳۹۲ھ

۱-شادی کے لئے وظیفہ

۲-بچوں کی نماز پڑھنے کے لئے وظیفہ

سوال (۴۴۵): -محترم مفتی صاحب، السلام علیکم۔

۱-گزارش ہے کہ میرے چار بچے ہیں، بڑی لڑکی ہے جس کی عمر ۲۷ سال ہے، اب تک شادی نہیں ہوئی ہے، ایم اے ہے، انگلش اخبار میں لکھتی ہے، ہم لوگ سیّد ہیں، مہربانی فرماکر کوئی دُعا بتائیں پڑھنے کے لئے کہ لڑکی کی شادی ہوجائے۔

۲-میرے میاں کی کئی سال سے نوکری چھوٹ گئی ہے، سب بچے اور گھر والے تیز مزاج ہوگئے ہیں، چھوٹی چھوٹی بات پر سخت کلامی سے ایک دُوسرے سے بات کرتے ہیں، میں چاہتی ہوں سب بھائی بہن مل کر رہیں، ایک دُوسرے کا خیال کریں، نماز پڑھیں، میں نے چاروں بچوں کو نماز کی تاکید کی بلکہ عادت بھی ڈالی، اب سب تساہل کرنے لگے ہیں، مجھ کو اس بات کا افسوس ہے، آپ ہم لوگوں کو کچھ پڑھنے کو بتایئے تاکہ گھر میں جھگڑا وغیرہ نہ ہو اور سب نماز پڑھیں، قرآن شریف پڑھیں، مہربانی ہوگی۔

جواب: -لڑکی کی شادی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بکثرت دُعا کیا کریں، اولاد کے حق میں ماں باپ کی دُعا قبول ہوتی ہے،[1] مناسب رشتے کی تلاش بھی جاری رکھیں، نیز یہ دُعا ہر نماز کے بعد کیا کریں: -

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ

وَلَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ

اور صبح کی نماز کے بعد اس کو چالیس مرتبہ پڑھا کریں، اِن شاء اللہ ہر حاجت اور مراد کے لئے مفید ہوگی۔ نیز چلتے پھرتے جتنا ہوسکے یہ دُعا بکثرت پڑھا کریں: -

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

۲-اُوپر جو دُعائیں لکھی گئی ہیں وہ اس مقصد کے لئے بھی مفید ہوں گی، نیز نماز کے بعد اس مقصد کے لئے اُردو میں بھی دُعا کیا کریں خاص طور پر یہ دُعا بھی کیا کریں: -

---

(۱) عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ثلاث دعوات مستجابات، دعوۃ المظلوم ودعوۃ المسافر ودعوۃ الوالد علی ولدہ" (جامع الترمذی، ابواب الدعوات، باب ما ذکر فی دعوۃ المسافر ج:۲ ص:۱۸۲)۔

... وقال فی حاشیۃ الترمذی للشیخ المحدّث احمد علی السھارنفوریؒ ج:۲ ص:۱۸۲

قولہ: "علی ولدہ" ولم یذکر الوالدۃ، لأن حقھا اکثر فدعاءھا أولٰی بالإجابۃ۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ

اور گھر والوں کو خوش خلقی، دین داری اور نماز کی پابندی کی تلقین بھی نرمی اور محبت کے ساتھ جاری رکھیں۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۲/۱/۲ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۶/ ۲۳ الف)

جو الفاظ حدیث سے ثابت نہ ہوں دُعاؤں میں ان الفاظ کا اِضافہ کرنا؟

سوال (۴۴۶):- زید بعد نماز فرض یہ دُعا پڑھتا ہے: ۱-"اللّٰهم انت السلام ومنك السلام والیك یرجع السلام حیّنا ربّنا بالسّلام وادخلنا دار السلام تبارك وتعالیت یا ذا الجلال والإكرام" بکر نے کسی کو مصیبت و پریشانی کے وقت یہ دُعا پڑھنے کو بتائی ہے: ۲-"یا الله، یا رحمٰن، یا رحیم، یا حی یا قیوم برحمتك استغیث" اور کسی خدشے اور خطرے کے وقت یہ ۳-"حسبنا الله ونعم الوكیل نعم المولی ونعم النصیر" لیکن خالد کہتا ہے کہ دُعا "۱، ۲" میں الفاظ خط کشیدہ اس موقع کی مسنون دُعا میں اضافہ ہیں، اس لئے صرف مسنون و ماثور الفاظ پر اکتفا کرنا چاہئے، اس میں اِضافہ کرنا ٹھیک نہیں۔ دُعا نمبر ۳ کے متعلق بھی وہ کہتا ہے کہ اس موقع کے جو الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان میں "نعم المولی ونعم النصیر" کسی روایت سے منقول نہیں، البتہ ایک روایت میں "علی الله توكّلنا" وارد ہیں، اس لئے سوائے ان کے کسی اور لفظ کا اِضافہ ٹھیک نہیں۔ بخلاف اس کے رشید کہتا ہے کہ تینوں دُعاؤں کو زید و بکر کے بتائے ہوئے الفاظ پڑھنے میں ادعیہ مسنونہ میں کوئی اِضافہ نہیں آتا اور ان میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔

جواب:- مذکورہ تینوں دُعاؤں میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان کا پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ ان الفاظ کو ضروری نہ سمجھے اور جو الفاظ احادیث سے ثابت نہیں ان کو ثابت بالحدیث نہ کہے، جواز کی وجہ یہ ہے کہ دُعا مانگنے کے لئے الفاظِ ماثورہ کی پابندی ضروری نہیں، اسی لئے عربی کے علاوہ دُوسری زبانوں میں بھی دُعا بلا کراہت جائز ہے، البتہ جس مقصود کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرنی ہے اُس کو اَدا کرنے کے

لئے ادعیہ ماثورہ مل جائیں تو بلاشبہ ادعیہ ماثورہ زیادہ باعثِ برکت ہیں۔[۱]　　واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح　　محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع　　۱۲/۳/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۸۲/۲۳ ب)

مروّجہ فاتحہ خوانی بدعت ہے

سوال (۴۴۷):- میں نے کتابوں میں دیکھا ہے کہ تعزیت ایک ہی دفعہ ہوتی ہے اور زبان سے ہوتی ہے، نمازِ جنازہ اور دفن کرنے کے بعد دُعا مانگنے کے بعد جو یہ رواج ہے کہ گھروں میں یا داروں میں بیٹھ کر تین یا پانچ دن تک فاتحہ خوانی کرتے ہیں، مجھے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور میں یہ فاتحہ خوانی ترک کیے ہوں۔

جواب:- ایک جگہ لوگوں کو جمع کر کے قرآن ختم کرنا کوئی ضروری نہیں، ہر شخص جس جگہ چاہے، جتنا چاہے قرآنِ کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کرسکتا ہے، لیکن الگ الگ پڑھنے میں لوگ سستی کرتے ہیں، اس لئے جمع ہو کر ختمِ قرآن کرنے میں بھی مضائقہ نہیں۔　　واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۲۹/۲/۱۳۹۲ھ

سوال:- السلام علیکم، سوال پر نظرِ ثانی فرمائیں، مجھے اُس کے جواب میں شبہ ہے۔

جواب:- سوال پر مکرر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ سوال کا تعلق ختمِ قرآن سے نہیں بلکہ مروّجہ فاتحہ خوانی سے ہے جو تعزیت کے وقت کی جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مروّجہ فاتحہ خوانی قرآن وسنت اور تعاملِ صحابہ سے ثابت نہیں اور اس کا اِلتزام بدعت وواجب الترک ہے۔[۲]　　واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح　　محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع　　۶/۳/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۳۹/۲۳ ب)

---

(۱) واؤلى ما قيل في الحكمة في رده صلى الله عليه وسلم على من قال "الرسول" بدل "النبي" أن الفاظ الأذكار توقيفية ولها خصائص واسرار لا يدخلها القياس فتجب المحافظة على اللفظ الذى ورده به، وهذا اختيار المازرى، قال فيقتصر فيه على اللفظ الوارد بحروفه وقد يتعلق الجزاء بتلك الحروف ولعله اوحى إليه بهذه الكلمات فيتعين أداؤها بحروفه اهـ (فتح البارى، كتاب الدعوات ج:۱۱ ص:۱۱۲)۔

..... قوله: "فقلت: وبرسولك الذى أرسلت ...الخ" إنما بدل البراء لفظ الرسول موضع النبي لزيادة في الرسالة نسبة النبوة وإنما رد عليه ذلك: لأن الصيغة التي دعا بها النبى صلى الله عليه وسلم أقرب إلى الإجابة وإن كان الدعاء جائزًا مستجابًا بما شاء اهـ (الكوكب الدرى، كتاب الدعوات ج:۲ ص:۳۳۷)۔

(۲) ويستحب ان يقال لصاحب التعزية غفر الله تعالى لميّتك وتجاوز عنه وتغمده برحمته ورزقك الصبر على مصيبته وآجرك على موته ... (إلى قوله)... ولا بأس لأهل المصيبة ان يجلسوا فى البيت .... (باقی اگلے صفحہ پر)

سنتوں کے بعد بہ ہیئتِ اِجتماعی دُعا کرنا ثابت نہیں

سوال (۴۴۸):- دُعا سنتوں کے بعد بہ ہیئت اجتماعی سنت ہے یا مستحب یا بدعت؟

جواب:- فرض نماز کے بعد دُعا کرنا خواہ منفرد ہو یا امام ہو یا مقتدی، مستحب ہے واجب یا سنت مؤکدہ نہیں، اور سنتوں کے بعد اِنفراداً تو مستحب ہے اور بہ ہیئتِ جماعت کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ تفصیل کے لئے رسالہ ''اَحکامِ دُعا'' مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کا مطالعہ مفید ہوگا۔

واللہ اعلم

۱۱/۱۰/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۲۱/ ۲۳ د)

گناہوں کی معافی کے لئے وظیفہ

سوال (۴۴۹):- آپ مجھ کو کوئی ایسا وظیفہ بتائیے جس سے میرے گناہ معاف ہوجائیں، اللہ کا شکر ہے نماز پانچوں وقت پڑھتا ہوں۔

جواب:- دن میں ایک وقت مقرر کرلیں اُس وقت روزانہ سو ۱۰۰ بار استغفار پڑھا کریں، اور جب بھی کوئی گناہ ہوجائے فوراً توبہ کرلیا کریں کہ: ''اے اللہ! تو مجھے معاف کردے، میں بہت شرمندہ ہوں، گنہگار ہوں'' اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرلیا کریں، اس طرح توبہ کرنے سے گناہِ کبیرہ بھی معاف ہوجاتا ہے، البتہ بندوں کے حقوق جب تک بندے خود معاف نہ کریں معاف نہیں ہوتے۔[1] واللہ اعلم

۱۲/۸/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۱۸/ ۲۳ د)

دُعا سے پہلے دُرود شریف پڑھتے وقت ہاتھ اُٹھانا؟

سوال (۴۵۰):- دُعا مانگتے وقت دیکھنے میں آیا ہے کہ دُعا شروع کرنے سے پہلے جو دُرود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) .... او في المسجد ثلاثة ايّام والنّاس يأتونهم ويعزونهم ويكره الجلوس على باب الدار وما يصنع في بلاد العجم من فرش البسط والقيام على قوارع الطرق من اقبح القبائح .. الخ (الهندية، كتاب الجنائز ومما يتصل بذلك مسائل التعزية .. الخ ج:١ ص:١٦٧).

ويكره الجلوس على باب الدار للتعزية لأنه عمل اهل الجاهلية وقد نهي عنه، وما يصنع في بلاد العجم من فرش البسط والقيام على قوارع الطريق من أقبح القبائح .. الخ (ردّ المحتار، كتاب الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت ج:٢ ص:٢٤١ سعيد).

---

(١) عن عبدالله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "التّائب من الذّنب كمن لّا ذنب له" (مشكوٰة المصابيح، باب الإستغفار والتوبة).

والمراد بالإستغفار التّوبة بالنّدامة والإقلاع والعزم على ان لا يعود إليه ابدًا وان يتدارك الحقوق إن كانت هناك ...الخ (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب التطوع ج:٣ ص:٣٤٣).

پڑھا جاتا ہے لوگ اس دُرود پڑھنے کے بعد جو ہاتھ اُٹھاتے ہیں صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب:- دُعا سے پہلے جو دُرود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بھی دُعا ہے، اس لئے دُرود اور دُعا دونوں ہاتھ اُٹھا کر پڑھے جائیں، مگر ہاتھ اُٹھانا مستحب ہے،(۱) کوئی اگر دُرود کے بعد ہاتھ اُٹھاتا ہو تو گناہ یہ بھی نہیں۔

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۴۱۳/۲۴ ج)

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کرنا؟

سوال (۴۵۱):- بعد نمازِ جنازہ کے دُعا کیا مانگی جائے؟ کئی لوگ منع کرتے ہیں، کئی لوگ رُخصت دیتے ہیں، منع کرنے والے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنازے کو جلدی قبرستان روانہ کیا جائے۔ جو رُخصت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں کیا، اس لئے مانگنے میں کیا مضائقہ ہے؟

جواب:- نمازِ جنازہ خود دُعا ہے، اور اس کا بنیادی مقصد ہی میت کے لئے دُعائے مغفرت ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے کہیں ثابت نہیں کہ نمازِ جنازہ کے بعد فوراً اجتماعی طور پر دُعا کا معمول رہا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کرنے سے جو منع نہیں کیا اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دُعا مباح ہوتی مگر شئ مباح کا اِلتزام اور ایسا اہتمام کہ تارک پر نکیر کی جائے بدعت ہے، اور ایسی صورت میں اس مباح کا ترک لازم ہے، اس لئے نمازِ جنازہ کے بعد بہ ہیئتِ اجتماع دُعا جائز نہیں۔(۲)

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۶/۴/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۵۹۰/۲۴ ج)

---

(۱) دُعا میں ہاتھ اُٹھانا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ مشکوٰۃ، کتاب الدعوات ج:۱ ص:۱۹۶ میں ہے:-
عن السائب بن يزيد عن أبيه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا دعا فرفع يديه مسح وجهه بيديه۔"
اور دُعا سے پہلے دُرود شریف پڑھنا قبولیتِ دُعا کا باعث ہے:-
وقال العلّامة الشاميّ كتاب الصلاة، قبيل مطلب في ان الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم هَلْ تُرَدُّ أمْ لَا" ج:۲ ص:۲۸۴: ففي شرح المجمع لمصنفه أن تقديم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم على الدّعاء أقرب إلى الإجابة ...(إلى قوله)، وذكر في الفصل الأوّل من دلائل الخيرات قال ابو سليمان الدارانى: من أراد أن يسأل الله حاجته فليكثر بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يسأل الله حاجته، وليختم بالصلاة عليه النبي صلى الله عليه وسلم، فإن الله يقبل الصلاتين، وهو أكرم من أن يدع ما بينهما اهـ۔
(۲) ولا يدعوا للميّت بعد صلوٰة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلوٰة الجنازة (المرقاة، باب المشي بالجنازة والصلوٰة عليها ج:۲ ص:۳۱۹)۔
.... لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنائز لأنه دعا مرّة لأن أكثرها دعاءٌ (البزازية، كتاب الجنائز، قبيل "نوع آخر" ج:۴ ص:۸۰)۔
..... لا يقوم بالدّعاء ...(إلى قوله)... لأجل الميّت بعد صلوٰة الجنازة وقبلها (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز ج:۱ ص:۲۲۵)۔

"حسبی اللہ" الخ کب پڑھنا بہتر ہے؟

سوال (۴۵۲):- "حسبی اللہ" الخ حضرت عثمانی نے صبح وشام پڑھنے کو حاشیہ میں لکھا ہے، اور حضرت مفتی صاحب نے بعد نمازِ صبح وشام لکھا ہے، بہتر کون ہے؟

جواب:- علامہ عثمانی اور حضرت مفتی صاحب کے کلام میں کوئی تضاد نہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے یہ صراحت بھی کردی ہے کہ "حسبی اللہ" الخ صبح اور مغرب کی نماز کے بعد پڑھا جائے گا، اور علامہ عثمانی نے نماز کے بعد کی نہ صراحت کی نہ اس کا انکار کیا، لہٰذا آپ نماز کے بعد ہی پڑھا کریں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۳/۱۱/۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۷۰۲/۲۴ ج)

مسجد میں اکیلے یا حلقہ بنا کر ذکرِ جہری کرنا؟

سوال (۴۵۳):- مسجدوں میں ذکر بالجہر (یعنی بلند آواز سے) اکیلے یا مل کر (حلقہ کی شکل میں) کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے یا مکروہ ہے؟

جواب:- مسجد میں اس طرح ذکر بالجہر کہ جس سے نماز پڑھنے والے کا دھیان بٹے یا معتکفین کی نیند میں خلل ہو یا دوسرے ذکر کرنے والے کو اُلجھن ہو، دُرست نہیں، اس قسم کی کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو تو بلاکراہت جائز ہے، مگر چونکہ عموماً یہ خرابیاں آج کل ضرور لازم آتی ہیں، لوگ حدود کی پابندی نہیں کرتے اس لئے جہراً ذکر نہ کیا جائے۔[1] واللہ اعلم
۱۳۹۳/۷/۲۶ھ

دُرود وسلام کا جامع ایک دُرود شریف

سوال (۴۵۴):- حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود وسلام کس طرح پہنچایا جاتا ہے؟ جس طرح دُرود شریف سو، دوسو، پانچ سو بار پڑھا جاتا ہے اسی طرح سلام بھی پڑھا جاتا ہے؟

جواب:- ایک دُرود شریف یہاں لکھا جاتا ہے جو دُرود وسلام دونوں پر مشتمل ہے: "اَللّٰھُمَّ صَلِّ

---

(۱) واولی منه القول بتقدیم الإخفاء علی الجهر فیما إذا خیف الریاء أو کان فی الجهر تشویش علی نحو مصلّ أو نائم أو قارئ أو مشتغل بعلم شرعی ... الخ (روح المعانی، تفسیر سورة الأعراف آیت:۵۵ ج:۳ ص ۲۰۸)۔

... وفی حاشیة الحموی عن الإمام الشعرانی: أجمع العلماء سلفًا وخلفًا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها إلّا ان یشوش جهرهم علی نائم أو مصل أو قارئ اهـ (ردّ المحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی رفع الصوت بالذّکر ج:۲ ص ۵۲۵)۔

عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَیْه" اسے پورا پڑھ لیا کریں تو سلام علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۳/۸/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۰۱/ ۲۴ و)

خطبہ جمعہ کی اذان کے بعد دعا کرنا؟

سوال (۴۵۵): - جمعہ میں خطبے کی اذان کے بعد دعا مانگنی چاہئے یا نہیں؟

جواب: - زبان سے جائز نہیں، دل دل میں جائز ہے، ففی الشامی ج: ۱ ص: ۵۵۰ کذالك إذا ذكر النبي صلى الله عليه وسلم لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر بل بالقلب وعليه الفتوى۔ (۱)

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۴/۸/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۲۹/ ۲۴ و)

ذکرِ جہری کی شرائط، نیز لاؤڈ اسپیکر پر ذکر کرنا؟

سوال (۴۵۶): ۱- ہم ذکر لاؤڈ اسپیکر سے کرتے ہیں، کیا ایسا ذِکر جائز ہے؟

(۴۵۷) ۲: - اگر ایسا ذِکر جائز ہے تو رات کے کس وقت تک جائز ہے؟

(۴۵۸) ۳: - بعض راتوں کو جیسے عید میلاد النبی یا شبِ برات میں تمام رات ذکر بذریعہ لاؤڈ اسپیکر سے جائز ہے ایک گاؤں میں یا نہیں؟

جواب: - ذکر اگر جہراً ہی کرنا ہو تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے: -

۱- ریا اور لوگوں کو دِکھانا مقصود نہ ہو۔

---

(۱) وعلى هذا قال ابوحنيفة: إن سماع الخطبة أفضل من الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم فينبغي أن يستمع ولا يصلّي عليه عند سماع اسمه في الخطبة لما أن إحراز فضيلة الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم مما يمكن في كل وقت، وإحراز ثواب سماع الخطبة يختص بهٰذه الحالة، فكان السماع أفضل۔ وروي عن ابي يوسف: أنه ينبغي أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في نفسه عند سماع اسمه، لأن ذلك مما لا يشغله عن سماع الخطبة فكان إحراز الفضيلتين أحق ....الخ (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل في صلوٰة الجمعة/ محظورات الخطبة ج: ۱ ص: ۵۹۲)۔

۲- کسی نماز پڑھنے والے یا ذکر کرنے والے یا سونے والے کی نماز اور ذکر اور نیند میں خلل نہ آتا ہو۔[1]
اور لاؤڈ اسپیکر پر رات کو ذکر کرنے میں ان شرائط میں ضرور خلل واقع ہوگا، اس لئے لاؤڈ اسپیکر پر ذکر نہ کریں، ویسے بھی ذکرِ جہری میں افضل یہ ہے کہ بہت بلند آواز سے نہ ہو، لقولہٖ تعالیٰ: "وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾" (سورۂ بنی اسرائیل) شبِ براءت وغیرہ ہر رات کا یہی حکم ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت پر تو کوئی خصوصی عبادت قرآن وسنت اور تعاملِ صحابہ میں منقول ہی نہیں۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۳/۸/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۸۷/۲۴ د)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

ہر فرض نماز کے بعد امام کا بلند آواز سے دُعا کرنا؟

سوال (۴۵۹):- ہر فرض نماز کے بعد امام بلند آواز سے دُعا کرے اور مقتدی آمین آمین کہیں، تو کیا یہ بدعت ہے یا سنت؟

جواب:- فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر دُعا کرنا احادیث سے ثابت ہے، ہاں دُعا میں اصل حکم یہ ہے کہ آہستہ مانگی جائے، مگر مقتدیوں کی تعلیم کی غرض سے بلند آواز سے مانگنا بھی جائز ہے، حدیث میں اس کی بھی بعض مثالیں موجود ہیں،[2] ہاں بلند آواز سے مانگنے کو واجب یا ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۰/۱/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۷۸/۲۵ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

---

(۱) الدر المختار، کتاب الصلوٰة، مطلب فی رفع الصوت بالذکر
ويحرم فيه (المسجد) السؤال ... (إلى قوله)... ورفع صوت بذكر ...الخ.
وقال العلّامة الشاميّ تحته:
(قوله ورفع صوت بذكر ... الخ) وفي الفتاوى الخيرية من الكراهية والإستحسان: جاء في الحديث ما اقتضى طلب الجهر به نحو "وإن ذكرني في ملاءٍ ذكرته في ملاءٍ خير منهم" رواه الشيخان، وهناك احاديث اقتضت طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، كما جمع بذلك بين احاديث الجهر والإخفاء بالقراءة- ولا يعارض ذلك حديث "خير الذكر الخفي" لأنه حيث خيف الرياء أو تأذي المصلّين أو النيام فإن خلا مما ذكر ... (إلى قوله) . وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفًا وخلفًا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلّا أن يشوّش جهرهم على نائم أو مصلّ أو قارئ ...الخ.
(۲) "أمْلَى عليَّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلى معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول في دُبر كلِّ صلاةٍ مكتوبة. لا إله إلّا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللّهم لا مانع لِما اعطيتَ ولا مُعطِي لما منعتَ ولا ينفع ذا الجَدِّ منكَ الجَدُّ." (صحيح البخاري، باب الذكر بعد الصلاة)۔...................... (باقی اگلے صفحے پر)

نمازِ فجر کے بعد جہراً دُعا کرنا؟

سوال (۴۶۰): - ہماری مسجد کے امام صاحب ہر روز صبح کو بعد نمازِ فجر زور سے دُعا بہت لمبی تمام قرآنی ودیگر دُعائیں کرتے ہیں، اور مقتدی حضرات بھی زور سے آمین کہتے ہیں، باقی نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہے، کیا ان کا یہ طریقہ خلافِ شریعت نہیں ہے؟

جواب: - دُعا کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آہستہ مانگے، عام معمول آہستہ ہی دُعا مانگنے کا ہونا چاہئے، البتہ لوگوں کو دُعا کی تلقین وتعلیم کے لئے کبھی کبھی اتنی زور سے دُعا کرانا بھی جائز ہے کہ جو مقتدی اُس کے ساتھ شریک تھے وہ سن لیں۔ [1]

واللہ اعلم

۲۶/۴/۱۳۹۴ھ

مستقل مزاجی اور ذہنی آسودگی کا وظیفہ

سوال (۴۶۱): - ذہنی آسودگی، مستقل مزاجی اور ذہنی ٹھہراؤ کے لئے براہِ کرم کوئی وظیفہ بتائیں، میں نفسیاتی مریض بن گیا ہوں، جس کی وجہ سے زبان میں کافی لکنت ہوگئی ہے، کبھی حد سے زیادہ احساسِ کمتری، اور کبھی حد سے زیادہ احساسِ برتری میں مبتلا ہوجاتا ہوں، کبھی ذہنی توازن اعتدال پر آجاتا ہے تو ذہنی آسودگی، قلب میں راحت اور دل ودماغ صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

جواب: - ان اَمراض کے اِزالے کے لئے ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے الحاح وزاری کے ساتھ دُعا کیا کریں، دُعا سب سے بہتر وظیفہ ہے، نماز باجماعت اور روزانہ تھوڑی بہت تلاوت کی پابندی کریں، اور اُٹھتے بیٹھتے جتنا ممکن ہو "حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" پڑھا کریں۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۷/۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۰۴/۲۵ ب)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)..................

۔ فتح الباری تحتہ: ج:۲ ص:۲۱۹

والمختار أن الإمام والمأموم یخفیان الذکر إلّا إن احتاج إلی التعلیم اھ۔

۔ یدعو الإمام جهرًا لتعلیم القوم ویخافته القوم إذا تعلم القوم ویخافت هو أیضًا وإن جهر فهو بدعة۔ (البزازیة، کتاب الصلوٰة، باب الحادی عشر فی القراءة ج:۴ ص:۴۴)۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ صفحے کا حاشیہ۔

تمام پریشانیوں کے حل کے لئے سب سے زیادہ مفید کام

سوال (۴۶۲):- میرا بڑا لڑکا اختر راشد جس کی عمر اٹھارہ سال ہے، ہم نے بچوں کو دینی اور دنیوی دونوں تعلیم دلوائی، لڑکے نے فرسٹ کلاس سے میٹرک پاس کیا، ہم لوگ مشرقی پاکستان ضلع رنگپور میں رہتے تھے، یہاں آکر ایسی سوسائٹی ملی ہے کہ مذہب سے پھرنے لگا ہے، دو سال سے پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے، کوئی وظیفہ اس کے لئے بتائیں۔

میری چھوٹی لڑکی جس کی عمر ۱۶ سال ہے، اپنے رشتہ داروں میں ایک لڑکے سے اُس کی شادی کی ہے، ایک سال تک میرے ساتھ رہی، ماہ ڈیڑھ ماہ سے سسرال میں رہ رہی ہے، ہر طرح کی تکلیف سے دوچار ہے، بچہ نہ ہونے کا طعنہ ساس سسر دیتے ہیں، کوئی ایسا عمل بتائیں کہ جلد بچہ ہو جائے اور میاں بیوی میں محبت ہو جائے۔

جواب:- تمام پریشانیوں کے حل کے لئے اپنی اِمکانی کوشش کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ مفید اور مؤثر چیز دُعا ہے، جتنے زیادہ اہتمام سے دُعا کی جائے گی اتنی ہی مفید و مؤثر ہوگی، نماز وقت پر پابندی کے ساتھ پڑھئے، ہر نماز فرض کے بعد اللہ تعالیٰ سے سب حاجتوں کے پورا ہونے اور سب پریشانیوں سے نجات کی دُعا کیجئے، دُعا سے پہلے اور آخر میں دُرود شریف پڑھئے، دُعا الحاح وزاری کے ساتھ یکسوئی سے ہونی چاہئے، کھانے پینے میں اگر حرام مال آتا ہو تو دُعا قبول نہیں ہوتی، ہر حرام سے اِجتناب کیجئے، ان شاء اللہ دُعائیں قبول ہوں گی، دُعا مانگنے کے آداب و اَحکام کے لئے حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا رسالہ ''اَحکامِ دُعا'' کا مطالعہ مفید ہوگا، بعض خاص خاص حاجتوں کے لئے خاص خاص دُعائیں احادیث میں آئی ہیں، ان کے لئے حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا رسالہ ''ذکر اللہ'' یا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اَعمالِ قرآنی'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔ واللہ اعلم

۷/۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۶/۲۵ ب)

سورۂ یٰسین پڑھنے کا ایک خاص طریقہ؟

سوال (۴۶۳):- ایک آدمی نے مجھے ایک وظیفہ بتایا تھا، وہ یہ کہ سورۂ یٰسین پڑھی جاوے اور ہر لفظ ''مبین'' کے بعد اَذان پڑھا کریں، میں سحری کے وقت یہ پڑھتا ہوں، اس کے پڑھنے میں بہت دِقت محسوس ہوتی ہے، کیا میرا یہ عمل شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

جواب:- وظیفے کا یہ خاص طریقہ سنت سے ثابت نہیں، ہاں اسے سنت یا مستحب سمجھے بغیر محض

جائز سمجھتے ہوئے اگر کوئی پڑھ لے تو گناہ نہیں، اور تلاوت اور ذِکر کا ثواب بھی مل جائے گا، اس خاص طریقے کو سنت یا مستحب سمجھ کر کرے گا تو بدعت اور گناہ ہوگا۔

اور بہتر یہ ہے کہ جو اذکار اور اُن کے جو طریقے سنت سے ثابت ہیں انہی کو اختیار کیا جائے، انہی میں سب سے زیادہ خیر و برکت اور ثواب ہے۔　　واللہ اعلم

۱۲/۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۳۰۷ ب)

دُرود شریف کے چند کلمات؟

سوال (۴۶۴): - "صل علی محمد، صل علی بشیر، صل علی شفیعنا" وغیرہ وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: - دُرود شریف کے ان الفاظ میں کوئی ناجائز بات نہیں، لیکن دُرود شریف کے جو الفاظ احادیث میں آئے ہیں اُن کا پڑھنا زیادہ ثواب اور باعثِ خیر و برکت ہے، اور سب سے زیادہ ثواب اُس دُرود شریف میں ہے جو نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ (۱)　　واللہ اعلم

۲۲/۳/۱۳۹۴ھ

تراویح کی ہر چار رکعت یا بیس رکعت کے بعد اِجتماعی دُعا مانگنا؟

سوال (۴۶۵): - مشرقی پاکستان اور بہار کے علاقوں میں بلاتخصیص دیوبندی و بریلوی تراویح کی نماز میں ہر چوتھی رکعت پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا دستور دیکھا، اور کہیں اکٹھے بیس رکعت پر دُعا مانگنے کا، مگر شہر گجرات میں کچھ علماء نے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔

جواب: - تراویح کی ہر چوتھی رکعت پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا، اپنے بزرگوں کا عمل بھی اس پر نہیں، اور وتر و نفل کے بعد بھی اِجتماعی دُعا کسی روایت سے ثابت نہیں، (۲) اور بیس رکعت ختم ہونے پر اِجتماعی دُعا ہاتھ اُٹھا کر کرنے کا معمول اپنے بزرگوں کا رہا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ

---

(۱) افضل الصیغ وافضل العبارات علی السیوطی قال اللّٰہم صل علی محمد وعلی آل محمد ...الخ۔ (ردّ المحتار، مقدمۃ مطلب افضل صیغ الصلاۃ ...الخ)۔

...... قولہ "والأفضل ان یقول اللّٰہم صل علی محمد وعلی آل محمد ...(إلی قولہ)... انک حمید مجید" قال الشافعی والأصحاب: والأفضل فی صفۃ الصلاۃ ان یقول اللّٰہم صل علی محمد وعلی آل محمد إلی آخرہ اھ (المجموع شرح المہذب للإمام النووی، باب صفۃ الصلوٰۃ ج:۳ ص:۴۶۶)۔

(۲) (فیجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحۃ) ولیس المراد حقیقۃ الجلوس بل المراد الانتظار وھو مخیر فیہ إن شاء جلس ساکتًا وإن شاء ھلّل أو سبّح أو قرأ ....الخ (حلبی کبیر، فصل فی التراویح، ص:۴۰۴ سہیل اکیڈمی لاہور)۔

قرآن شریف کی تلاوت کے بعد قبولیتِ دُعا کی زیادہ اُمید ہوتی ہے، مگر اس کو ضروری سمجھنا یا واجب کا درجہ دینا بدعت ہے۔ (۱) واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۴۹/۲۵ ج)

فرائض کے بعد دُعا جہراً کی جائے یا سرّاً؟

سوال (۴۶۶):- دُعا بعد الفرائض بالسر ہو یا بالجہر؟ اور شرعاً افضل کیا ہے؟ اگر دُعا بالجہر مانگی جائے تو اس صورت میں کراہت ہوگی؟ اور اس وعید "ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ" کا مرتکب تو نہ ہوگا؟ ہمارے یہاں لوگ دُعا بالسر کے لئے تیار نہیں۔ فرائض کے بعد بہ ہیئتِ اِجتماعی دُعا ثابت ہے یا نہیں؟ یا اور کسی موقع پر اور وہ بھی جہراً؟ قرآن وحدیث کے دلائل دے کر تشفی فرمائیں۔

جواب:- فرض نماز کے بعد دُعا بہ ہیئتِ اِجتماعی سنت سے ثابت ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالے "اَحکامِ دُعا" میں اس کے دلائل دیکھے جاسکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ یہ دُعا سرّاً کی جائے، اِمام کو جہراً پر مجبور کرنا جائز نہیں، وہ نہ مانے تو محض اس بناء پر اُسے برطرف کرنا بھی دُرست نہیں، البتہ تعلیم کی خاطر اگر کبھی کبھی اِمام جہراً دُعا کرادیا کرے تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں۔ (۲) واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۲۵/۲۵ ج)

عیدین میں دُعا نماز کے بعد یا خطبے کے بعد؟

سوال (۴۶۷):- دُعا بعد صلوٰۃ عید کے بارے میں مختلف دستور دیکھے، بعض جگہ نماز کے بعد، بعض جگہ خطبے کے بعد مصلے پر واپس آکر دُعا مانگتے ہیں۔

جواب:- اس مسئلے میں کوئی صریح روایت نظر سے نہیں گزری، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خطبات الاحکام کے حاشیہ پر نماز کے بعد اِجتماعی دُعا کو ترجیح دی ہے کیونکہ نماز کے بعد دُعا کی قبولیت کا خصوصی وقت ہے، خطبے کے بعد دُعا کا ثبوت کسی دلیل سے نہیں ملتا۔ (۳) واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۴۹/۲۵ ج)

---

(۱) (قوله: لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره) قال الطيبي وفيه إن من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصرّ على بدعة أو منكر .. الخ (المرقاة، كتاب الصلوٰة، باب الدعاء في التشهد ج:۳ ص:۲۵۲، ۲۵۳)۔

......اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: امداد الاحکام، کتاب الصلوٰۃ فصل فی التراویح ج:۱ ص:۶۲۳ تا ۶۲۴۔

(۲) قد مرّ تخريجه تحت عنوان "ہر فرض نماز کے بعد اِمام کا بلند آواز سے دُعا کرنے کا حکم"۔

(۳) امداد الفتاویٰ ج:۱ ص:۲۰۳ تا ۲۰۶، وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج:۵ ص ۲۱۰۔

دُعا میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا وسیلہ اختیار کرنا؟

سوال (۴۶۸):- دُعا میں انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ اختیار کرنا ہم نے اپنے اکابرین سے دیکھا ہے جو کہ علمائے دیوبند سے منسلک رہے ہیں، اس اعتراض کا شافی وکافی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:- ثبوتِ جواز کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، ناجائز ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے زندہ کے وسیلے کا جواز تو ثابت ہوتا ہے، میت کے وسیلے کے جواز وعدمِ جواز سے یہ روایت ساکت ہے، لہٰذا عدمِ جواز پر اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔[1]　　واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۲۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۴۹/۲۵ ج)

اَذان کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کا حکم

سوال (۴۶۹):- آج کل عام لوگ اَذان پڑھنے کے بعد دُعا کرتے ہیں مع ہاتھ اُٹھانے، حدیث شریف میں دُعائے وسیلہ آیا ہے کیا رفعِ یدین بھی آیا ہے؟

جواب:- اَذان کے بعد دُعا کرنا جس میں وسیلے کی دُعا بھی ہے مسنون ہے،[2] مگر ہاتھ اُٹھانا کسی حدیث میں خاص اس موقع کے لئے نظر سے نہیں گزرا، تاہم کوئی ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرے تب بھی مضائقہ نہیں، مگر ہاتھ اُٹھانے کو ضروری یا اس خاص موقع کے لئے مسنون نہ سمجھے۔[3]　　واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۱/۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۴۹/۲۵ د)

---

(۱) عن ابی اُمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف ان رجلًا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه في حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته، فلقي ابن حنيف فشكى ذلك إليه، فقال له عثمان بن حنيف: ائت الميضاة فتوضأ ثم ائت المسجد فصلّ فيه ركعتين ثم قل: اللّهم إني أسألك واتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة ... الخ. (المعجم الكبير للطبراني رقم الحديث: ۸۲۳۲)۔
حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:-
والتفصيل في المسئلة التوسل بالمخلوق له تفاسير ثلاثة: الأوّل دعائه واستغاثته كفعل المشركين وهو حرام إجماعًا اهـ۔
والثاني طلب الدعاء منه وهذا جائز فيمن يمكن طلب الدعاء منه ولم يثبت في الميّت بدليل فيختص هذا المعنى بالحيّ۔
والثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول وهذا قد جوّزه الجمهور۔ (مجموعہ رسائل توسل بحوالہ بوادر النوادر ج:۲ ص:۸۳۵)
اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: امداد الاحکام ج:۱ ص:۱۳۳، ۱۳۴، وتكملة فتح الملهم، تحت حديث الغار ج:۵ ص:۱۲۰ تا ۱۲۴۔

(۲) عن عبدالله بن عمرو بن العاص انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلّوا عليّ فإنه من صلّى عليّ صلّى الله عليه بها عشرًا، ثم سلوا الله لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنّة لا تنبغي إلّا لعبد من عباد الله وأرجوا أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة" (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ... الخ ج:۱ ص:۱۶۶)۔

(۳) وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند، كتاب الصلوٰة، باب الأذان ج:۲ ص:۵۷۔

”الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ“ دُرود ہے یا نہیں؟

سوال (۴۷۰): -”الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا حبیب اللہ“ دُرود ہے یا نہیں؟

جواب: -”الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا حبیب اللہ“ دُرود وسلام دونوں کا مجموعہ ہے، مگر چونکہ اس میں صیغۂ خطاب وندا مذکور ہے، اس لئے یہ روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت پڑھا جاتا ہے، باقی مواقع پر وہ دُرود شریف سب سے افضل ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (۱) واللہ اعلم

۱/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۲۴/۲۵ د)

”اعمالِ قرآنی“ عملیات سیکھنے کے لئے مفید ہے

سوال (۴۷۱): - میں قرآنی عملیات سیکھنا چاہتا ہوں، آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی کتاب ہے؟

جواب: -”اعمالِ قرآنی“ (تالیف حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) کا مطالعہ کیجئے، یہ کتاب شاید اس پتے سے مل جائے۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ واللہ اعلم

۲۱/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۳۴/۲۵ و)

”مناجاتِ مقبول“ کی دُعا”وَبِالْاَسْمَآءِ الثَّمَانِيَةِ الْمَكْتُوْبَةِ ...الخ“ میں آٹھ اسماء سے کون سے اسماء مراد ہیں؟

سوال (۴۷۲): -”مناجاتِ مقبول“ منزل جمعہ ”من کتابك وبالأسماء الثمانية المكتوبة علی قرن الشمس“ وہ آٹھ نام دریافت طلب ہیں اور ۹۹ نام حفظ ہیں وہ نام ان ہی میں ہیں یا اور ہیں؟

جواب: -”مناجاتِ مقبول“ کے حاشیہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے ان آٹھ ناموں کی کچھ تفصیل درج فرمائی ہے، جو ذیل میں بعینہٖ نقل کی جاتی ہے: -

”شاید یہ اسمائے ثمانیہ وہ ہوں جن کو شیخ عبدالوہاب شعرانی نے یواقیت میں اسمائے حسنیٰ کی مفصل بحث کے بعد مستقل باب میں علیحدہ کر کے بیان کیا ہے، اور وہ یہ ہیں: الحی، العالم، القادر، المرید، السمیع، البصیر، المتکلم، الباقی۔ الیواقیت الجواہر بحث نمبر ۱۶ میں ان اسمائے عظمیٰ کی تفصیل بھی مذکور ہے۔ محمد شفیع (حاشیہ مناجاتِ مقبول ص: ۹۱ منزل یوم الجمعۃ)۔“

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان ”دُرود شریف کے چند کلمات کا حکم“۔

یہ عبارت ''مناجاتِ مقبول'' عربی مترجم کے حاشیہ پر درج ہے، جو ''ادارۃ المعارف کراچی'' سے شائع ہوئی ہے۔

واللہ اعلم
۱۸/۲/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۳۶۸)

کسی بزرگ کے مزار پر اس کے وسیلے سے دُعا مانگنا؟

سوال (۴۷۳): - ایک شخص نے مزار پر کھڑے ہوکر یوں دُعا مانگی: ''اے اللہ! اپنے فضل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے اور اِن صاحبِ قبر کے واسطے سے میری فلاں حاجت روائی فرما۔''

جواب: - اس طرح دُعا مانگنا جائز ہے۔[1]

واللہ اعلم
۲۱/۲/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۴۱۸ الف)

کیا کوئی شخص انتقال کے بعد بھی کسی کے لئے دُعا کرسکتا ہے؟

سوال (۴۷۴): - کیا کوئی شخص وصال کے بعد بھی کسی کے لئے دُعا کرسکتے ہیں؟ ان میں پیغمبر، صحابہ، اولیاء شامل ہیں۔

جواب: - اللہ تعالیٰ چاہے تو مُردوں کو بھی دُعا کرنے کی قدرت دے سکتے ہیں، مگر کسی خاص مُردے کے بارے میں یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت دی ہے یا نہیں؟

واللہ اعلم
۲۱/۲/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۴۱۸)

سحر کا اثر دُور کرنے کے لئے وظیفہ

سوال (۴۷۵): - اگر کسی پر جادُو کا اثر ہوجائے یا جادو کا شبہ ہو تو کیا کیا جائے؟

جواب: - اگر کسی پر سحر کا اثر ہو یا اثر ہوجانے کا اندیشہ ہو، گیارہ مرتبہ صبح کو بعد نماز چاروں قل اور الحمد شریف پڑھ کر پانی پر دَم کردیں اور عشاء تک اس میں سے تھوڑا تھوڑا وقفے وقفے سے پلاتے رہیں، اور اس کے لئے باقاعدہ عامل سے بھی رُجوع کریں۔

واللہ اعلم
۲۸/۲/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۴۷۰/۲۶ الف)

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان ''دُعا میں انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اختیار کرنے کا حکم''۔

رُوحانی یا جسمانی امراض کے لئے قرآنی آیات سے دَم اور تعویذ کرنا؟

سوال (۴۷۶):- زید کہتا ہے کہ کسی بیماری رُوحانی یا جسمانی کے لئے قرآنی آیات سے جھاڑ پھونک اور تعویذات کرنا شرعاً جائز نہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا یہ سب شعبدہ بازی اور دھوکا ہے۔

جواب:- زید غلط کہتا ہے، کتب حدیث مثلاً مسلم شریف وغیرہ میں صحیح احادیث کثیرہ زید کی تردید کے لئے کافی ہیں، مثلاً دیکھئے مسلم شریف جلد ثانی، باب الطب والمرض والرقی سے باب استحباب وضع یده علی موضع الالم مع الدعاء تک (از ص:۲۱۹ تا ص:۲۲۴ ج:۲)۔[1] واللہ اعلم

۴/۷/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۸۷/۲۶ د)

کیا جنات وغیرہ کا اثر اِنسانوں پر ہوتا ہے؟

سوال (۴۷۷):- زید کہتا ہے کہ جنات وغیرہ کا اثر بھی ایک شعبدہ بازی ہے، جنات کا انسانوں پر آنا بالکل من گھڑت بات ہے کیونکہ قرونِ اُولیٰ میں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی، اور جنات کا عمل کرنے والے سب شعبدہ باز اور شیطان ہیں۔

جواب:- زید کی یہ بات بھی بلا دلیل ہے اور غلط ہے۔[2] واللہ اعلم

۴/۷/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۸۷/۲۶ د)

---

(۱) فی صحیح مسلم، استحباب وضع یده علی موضع الالم مع الدعاء رقم الحدیث ۲۰۶۲

عن عثمان بن ابی العاص الثقفی انه شکا الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وَجَعًا یجده فی جسده مُنذُ أسلم فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ضَعْ یَدَکَ عَلَی الذی تَألّم من جسدك وقُل بسم اللہ ثلاثًا وقُل سبع مرات اعوذ باللہ وقدرته من شرّ ما اجد وأحاذر۔

وفی صحیح مسلم ایضًا باب رقیة المریض بالمعوّذات والنفث، رقم الحدیث ۲۱۹۲

عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذا مرض احدٌ من أهله نَفَثَ علیه بالمعوّذات فلمّا مرض مرضه الذی مات فیه جعلتُ انفُثُ علیه وامسحه بید نفسه لانها کانت اعظم برکة من یدی۔

(۲) والجنون الحاصل بالمس قد یقع احیانًا وله عند اهل الحاذقین امارات یعرفونه بها، وقد یدخل فی بعض الاجساد علی بعض الکیفیات ریح متعفن فعلقت به روح خبیثة تناسبه فیحدث الجنون ایضًا علی اتم وجه وربما استولی ذلك البخار علی الحواس وعطلها واستقلت تلك الروح الخبیثة بالتصرّف فتتکلّم وتبطش وتسعی بآلات ذلك الشخص الذی قامت به من غیر شعور للشخص بشیء من ذلك اصلاً، وهذا کالمشاهد المحسوس الذی یکاد یعد منکره مکابرًا منکرًا للمشاهدات اهـ (روح المعانی، سورة البقرة آیت ۲۷۵ ج ۲ ص ۴۹)۔

قنوتِ نازلہ پڑھنے کا حکم

سوال (۴۷۸):- ملک وملت کی موجودہ بحرانی اور مخدوش حالت کے پیشِ نظر ہماری مسجد کے امام صاحب نے دو چار روز سے نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھنی شروع کی ہے، انتظامیہ کے ارکان سمیت مسجد کے تمام نمازی حضرات امام صاحب موصوف کے اس عمل سے قطعی طور پر مطمئن ہیں، لیکن ایک مقتدی کو اعتراض ہے کہ موجودہ حالات میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کا جواز نہیں، شرعاً ان حالات میں قنوتِ نازلہ پڑھنا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:- موجودہ حالات میں بلاشبہ قنوتِ نازلہ پڑھنا بہتر ہے، فقہائے کرام نے ایسے حالات میں قنوتِ نازلہ پڑھنا تحریر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

بندہ عبدالرؤف سکھروی
۲۴/۴/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۴۱۳/۲۸ ب)

جواب صحیح ہے، آفات ومصائب اور فتنے کے وقت فقہائے کرام نے قنوتِ نازلہ پڑھنے کی تصریح فرمائی ہے۔[1]

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۴/۱/۱۳۹۷ھ

کیا دُرود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں؟

سوال (۴۷۹):- جب دُرود شریف پڑھا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں یا فرشتہ دُرود لے کر وہاں پہنچتا ہے؟

جواب:- روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر دُرود وسلام عرض کیا جاتا ہے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں، اور کسی جگہ جو دُرود پڑھا جاتا ہے وہ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔[2] واللہ اعلم

۲۵/۱۱/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۳۱/۲۸ ج)

---

(۱) قوله (فيقنت الإمام في الجهرية) يوافقه ما في البحر والشرنبلالية عن شرح النقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر وهو قول الثوري واحمد اهـ وكذا ما في شرح الشيخ إسماعيل عن البناية: إذا وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية اهـ (ردّ المحتار، مطلب في القنوت النازلة ج:٢ ص:٥٤١، ٥٤٢)۔

... وقد روى عن الصديق رضي الله عنه أنه قنت عند محاربة الصحابة مسيمة وعند محاربة أهل الكتاب وكذلك قنت عمر ...الخ (فتح القدير، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الوتر ج:١ ص:٤٣٣)۔

(۲) عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من صلّى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلّى عليّ نائيًا أبلغته۔" (شعب الإيمان للبيهقيّ رقم الحديث: ١٥٣٣)۔

بعض اکابر کی طرف سے نمازوں کے بعد دُعا کو بدعت کہنے کی وضاحت

سوال (۴۸۰): - مخدومنا المکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خدا کرے آپ مع جمیع متعلقین خیریت سے ہوں۔

گزشتہ دنوں ملتان خیر المدارس میں ختمِ بخاری شریف کے موقع پر مخدومنا المکرم حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تشریف لائے تھے، میں بھی بغرضِ زیارت و ملاقات ملتان گیا تھا، لیکن کوشش بسیار کے باوجود صرف زیارت ہی ہوسکی، ملاقات نہ ہوسکی، یہ بھی غنیمت ہے۔ بہرکیف ایک بات جناب سے دریافت کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ کراچی میں مولانا رشید احمد صاحب یہ کون صاحب ہیں؟ نام تو یہ اپنی تقاریر میں حضرت حکیم الامت حضرت مجدد الملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا لیتے ہیں اور کچھ مسائل ایسے چھیڑ بیٹھے ہیں جو جمہور علماء کے ذوق کے خلاف ہیں، ہم نے اپنی عمر میں کتابیں اگرچہ زیادہ نہیں دیکھیں لیکن ایسے حضرات کو ضرور دیکھا ہے جن کا علم وعمل مُسلّم تھا، ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھی ہیں، ان کا عمل ہمارے سامنے ہے، ملتان خیر المدارس میں وفاق المدارس کا اجلاس تھا، آپ کے والد محترم اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے، ان کی معیت میں کئی نمازیں پڑھیں، صبح کی نماز مولانا بنوریؒ نے پڑھائی، پورے ملک کا نچوڑ فحول علمائے کرام موجود تھے، انہوں نے نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا بھی کی، لیکن مذکور الصدر مولانا رشید احمد صاحب نمازوں کے بعد دُعا کو بدعت فرماتے ہیں، اچھی خاصی تشویش ہے، براہِ کرم اس کی وضاحت فرماویں۔ شہر رمضان برکتوں کا مہینہ جاری ہے برادر محترم حضرت حافظ صاحب کے لئے اور ہمارے لئے خصوصی دُعا فرماویں، اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے۔

جواب: - وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ یہاں خیریت ہے، آپ کی خیر وعافیت کے لئے دُعا گو ہوں۔

عرصۂ دراز کے بعد گرامی نامہ باعثِ مسرت ہوا، میں ایک ماہ کے طویل سفر میں تھا، جواب میں اس لئے تاخیر ہوئی۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم میرے نہایت محسن ومشفق استاذ ہیں، ہم دونوں بھائیوں نے دارالعلوم کراچی میں حضرت مدظلہم سے بخاری شریف اور منطق وعلم ہیئت کی اہم کتابیں

بحمداللہ پڑھی ہیں، حضرت والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں دارالعلوم سے مستعفی ہوکر الگ دینی ادارہ قائم فرمالیا تھا، نہایت متبحر عالمِ دین اور جامع معقولات ومنقولات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علوم وفیوض سے ہمیں مالامال رکھے، آمین۔

لیکن دُعا بعد الصلوٰۃ کے مذکورہ مسئلے میں ہمارے بزرگوں کا جو عمل تھا ہمارا عمل بھی بحمداللہ اُسی پر ہے، اور احادیث کی روشنی میں ہے۔ حضرت مدظلہم کو غالباً وہ احادیث نہیں پہنچی ہیں، یا اُن میں کوئی ضعف پایا ہوگا جو ہمارے بزرگوں کے نزدیک (ضعف) معتبر نہیں تھا۔ واللہ اعلم

۷/۱۰/۱۴۲۱ھ
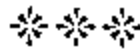
کتاب ما یتعلّق بالتّصوّف والسُّلوك

(تصوّف وسلوک کے بارے میں)

فصل فی البیعة
(بیعت کے بیان میں)

تصوّف شریعت کا ایک اہم حصہ ہے

سوال (۲۸۱):- عرض یہ ہے کہ زمانہ ماضی وحال میں اہل اللہ نے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے لئے جو مخصوص ذرائع تجویز کر رکھے ہیں اور تصوف کے عنوان سے مختلف سلسلے وجود میں آئے ہیں، نیز ذکرِ الٰہی کے جو مقرر طریقے اور شکلیں ان حضرات نے اپنے ہاں تربیت پانے والوں کو تلقین فرما رکھی ہیں، جن میں کلمہ طیبہ اور ذکر اسمِ ذات جہر کے ساتھ اپنی ''ضربی'' صورت میں بھی شامل ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں یہ کہاں تک درست اور جائز ہے؟ اگر یہ ذکر انفرادی یا اجتماعی طور پر مسجد میں صاحبِ ارشاد کی موجودگی میں جہر کے ساتھ ہو جبکہ کسی دوسرے کی نماز میں ہرگز مخل نہ ہو، کہاں تک درست ہے؟

کیا اس سلسلے اور ان کے معروف طرق کو جو کہ اہل اللہ نے احسانی کیفیت کے حصول کے لئے بطور وسیلہ اور ذریعہ کے اختیار فرماتے ہیں بدعت کہا جا سکتا ہے؟

جواب:- طریقت وتصوف کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ اتنی پرانی ہے جتنا اسلام پرانا ہے، اور یہ شریعت کا ایک اہم شعبہ ہے اور اکثر سلاسل کا ثبوت بواسطہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

تصوف کی ضرورت قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ احکامِ شریعت دو قسم پر ہیں، ۱- ظاہر سے متعلق، ۲- باطن سے متعلق۔ اعمالِ باطنہ کا وجود قرآن وحدیث سے ثابت ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ''وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهٗ''[1] ظاہری گناہ اور باطنی گناہ چھوڑ دو۔

اس کے علاوہ حسد، کبر، ریا، حبِ مال، حبِ جاہ، بغض وغیرہ جیسے رذائل، اور شکر، صبر، توکل، خوف، محبت وغیرہ جیسی صفاتِ حمیدہ۔ اوّل کے علاج اور ثانی کے حاصل کرنے کے طریقے قرآنِ کریم اور احادیث میں بہت کثرت سے مذکور ہیں۔ نیز تصوف احسان کا نام ہے جو کہ حدیثِ جبرائیل میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:-

(۱) سورۃ الأنعام آیت:۱۲۰۔

ان تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك۔ (۱)

احسان نام ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کامل خشوع وخضوع سے ادا کرو اور اس طرح عبادت کرو جس سے ظاہر ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی قوت بڑی قوی تھی، اور آسمانی بجلی سے بھی زیادہ طاقتور تھی، اس لئے ریاضت ومجاہدہ کی اتنی ضرورت نہیں پڑتی تھی، جو شخص بھی اخلاص سے مجلس میں حاضری دیتا اس کے قلب پر ایسا اثر ہوتا کہ اس کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ویسی رُوحانی طاقت کسی کی نہیں، نیز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے جتنا زمانہ دُور ہو جاتا ہے رُوحانی اور قلبی صفائی میں کمی ہوتی جارہی ہے اور میل بڑھتا اور جمتا جارہا ہے۔ اس لئے اب ریاضت ومجاہدہ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اس لئے حضرات مشائخ ذکرِ جہری وسری، پاس انفاس، مراقبہ اور محاسبہ، چلہ کشی، قلتِ طعام، قلتِ منام ومقال وغیرہ جیسے مجاہدات حسبِ حال مرید حسبِ ضرورت کرواتے ہیں اور یہ اُمور بدعت نہیں ہیں، بلکہ مأمور بہا ہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جہاد کے لئے تلوار، تیر کمان وغیرہ کا ذکر آتا ہے، کلاشنکوف، راکٹ اور ہوائی جہاز وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں آتا، آج اگر ہم یوں کہیں کہ شرعی جہاد صرف تلوار سے ہوگا، کلاشنکوف، راکٹ وغیرہ سے بدعت ہے، تو ہر آدمی اس کو بیوقوفی کہے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے: "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" الآیۃ۔ (۲) مقصود جہاد سے اعلائے کلمۃ الحق ہے، جیسے بھی حاصل ہو، اسی طرح مقصود احسان ہے جس طرح بھی حاصل ہو بشرطیکہ وہ طریقہ قرآن وحدیث کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو۔

حاصل یہ ہے کہ مشائخ حقہ جو مرید سے مجاہدات وغیرہ کرواتے ہیں شرعاً بطورِ علاج صحیح ہیں، ان کو بدعت کہنا کسی طرح دُرست نہیں بشرطیکہ ان کو بالذات مقصود نہ سمجھا جائے۔ اور ذکر بالجہر جائز ہے بشرطیکہ ریا کا اندیشہ نہ ہو، اور سونے والوں کے آرام میں خلل نہ پڑتا ہو اور نمازیوں کی تشویش کا سبب نہ بنے۔ (۳)

واللہ اعلم

محمد خالد

(فتویٰ نمبر ۳۱/۴۰ الف)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب سوال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان، وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب معرفة الإيمان والإسلام والقدر، وباب الإيمان ما هو وبيان خصاله وباب الإسلام ما هو وبيان خصاله۔

(۲) الأنفال آیت: ۶۰۔

(۳) أجمع العلماء سلفًا وخلفًا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلّا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصلٍ أو قارئ۔ (ردّ المحتار، كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها، فروع أفضل المساجد ج:۱ ص:۶۶۰)۔

جواب صحیح ہے، اور سوال میں مسجد میں جس خاص طریقۂ ذکر کے متعلق دریافت کیا گیا ہے، اس طریقے پر مسجد میں ذکر کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس سے مسجد میں کسی جھگڑے اور نزاع وجدال کی نوبت نہ آئے، اگر اس کا خطرہ ہو تو مسجد میں یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

کسی پیر کا مرید ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب یا مباح؟

سوال (۴۸۲): - کسی پیر کا مرید ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب یا مباح؟

جواب: - سلوک اور اصلاحِ باطن کے لئے کسی متبعِ سنت اور کامل کی صحبت اختیار کرنا تو از روئے نصِ قرآنی واجب ہے، ارشاد ہے: "یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾" (التوبۃ) یعنی (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو) اور تجربہ بھی اس پر شاہد ہے کہ کوئی کمال مقصود (عادۃً) بغیر استاد کے حاصل نہیں ہوتا، البتہ بیعت کرنا (کسی پیر کا مرید ہونا) واجب نہیں، سنت ہے، اور بہت باعثِ برکت ہے، بشرطیکہ پیر ومرید میں وہ شرائط موجود ہوں جو اس طریق کے کاملین نے تحریر کی ہیں، تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "قصد السبیل" کا مطالعہ کیا جائے، پیر میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے ان کا بیان بھی اس میں موجود ہے۔[1] واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۷۰ الف)

کیا نسبت حاصل کرنے کے لئے بیعت ہونا ضروری ہے؟

سوال (۴۸۳): - میں فقیر احمد گل صاحب نقشبندی کا مرید ہوں، اُن سے بالکل مطمئن ہوں، مجھے علمائے دیوبند سے جس طرح محبت ہے اسی طرح حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ سے بھی محبت ہے کیونکہ مولانا تھانویؒ کی کتب میں اُن کی بہت تعریف پڑھی ہے، اگر ایک وقت میں یہ جائز ہو کہ دو پیر سے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾" (سورۃ الشمس)

وبالجملة فالتّصوّف عبارة عن عمارة الظاهر والباطن، أما عمارة الظاهر فبالأعمال الصالحة وأما عمارة الباطن فبذكر الله وترك الركون إلى ما سواه وتحليته بالأخلاق الحميدة وتطهيره عن أنجاس الأخلاق الذميمة وكان يتيسر ذلك للسّلف بمجرد الصحبة .... ولا يتيسر ذلك إلّا بالمجاهدة على يد شيخ كامل قد جاهد نفسه وخالف هواه وتخلى عن الأخلاق الذميمة وتحلى بالأخلاق الحميدة ومن ظن من نفسه أنه يظفر بذلك بمجرد العلم ودرس الكتاب فقد ضلّ ضلالًا بعيدًا، فكما أن العلم بالتّعلّم من العلماء كذلك الخلق بالتخلق على يد العرفاء۔ (إعلاء السُّنن، كتاب الأدب والتّصوّف وباب الزُّهد ج:۱۸ ص:۴۴۹، ۴۵۴، طبع إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)۔

..... اعلم أن البيعة سنة وليست بواجبة لأن الناس بايعوا النبي صلى الله عليه وسلم ولم يدل دليل على تأثيم تاركها ولم ينكر أحدٌ من الأئمة على تاركها كان كالإجماع على أنها ليست بواجبة (القول الجميل مع شرح شفاء العليل ص:۱۸)۔

مرید ہوسکوں تو آپ مجھے اپنے سلسلے میں مرید کرلیں۔

(۴۸۴) ۲-اگر مرید ہونا جائز نہیں تو کچھ پڑھنے کو بتادیں۔

جواب:-نسبت حاصل کرنے کے لئے باضابطہ بیعت کرنا شرط نہیں، اُن سے اِتباع اور محبت کا تعلق رکھنے سے بھی نسبت حاصل ہوسکتی ہے۔

۲-پڑھنے کے لئے اپنے موجودہ شیخ (پیر صاحب) سے مشورہ فرمائیں۔ والسلام

یہ سب جوابات حضرت مفتی صاحب مدظلہم[1] کے ارشاد پر لکھے گئے ہیں۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۰/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۳۱/۲۵ و)

کیا کسی پیر کا مرید بنے بغیر عبادت قبول نہیں ہوتی؟

سوال (۴۸۵):- ہمارے خاندان کے افراد کا یقین ہے کہ بغیر کسی پیر کا مرید بنے کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی، کہاں تک صحیح ہے؟ اور بہت کوشش کرتا ہوں کہ کوئی پیر ملے لیکن ملتا نہیں۔

جواب:- عبادت اگر ان شرائط وفرائض وواجبات وسنن کے مطابق ادا کی جائے جو فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں تو عبادت بلاشبہ ادا ہوجاتی ہے، یعنی اس عبادت کے ترک کے گناہ سے انسان بچ جاتا ہے اور فریضہ ساقط ہوجاتا ہے۔ رہا اس عبادت کا قبول ہونا یعنی آخرت میں اس کا ثواب ملنا، یہ انسان کے خلوصِ نیت اور خشوع وخضوع پر منحصر ہے۔ اگر یہ باتیں بھی عبادت میں حاصل ہوجائیں تو اس کا مقبول عند اللہ ہونا بھی قرآنی وعدوں کی بنا پر یقینی ہے۔[2] لیکن خلوصِ نیت اور خشوع وخضوع قابلِ اعتماد حد تک عادۃً کسی متبعِ سنت اور مشفق وحاذق بزرگ کی تربیت ورہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے ایسے بزرگ کی تربیت ورہنمائی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری نہیں، البتہ مستحب اور بہت سے برکات وثمرات کا سبب ہے۔ رہا ایسے بزرگ کا ملنا تو مسلسل جستجو کے بعد اس کامل جانا یقینی ہے، فکر اور ہمت کے ساتھ تلاش شرط ہے، کم از کم اتنی تلاش تو کرنی چاہئے جتنی آنکھ کا آپریشن

---

(۱) یعنی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ، جس وقت یہ فتویٰ لکھا گیا اُس وقت حضرت مفتی صاحب قدس سرہ حیات تھے، اس لئے ان کے نام کے ساتھ مدظلہم لکھا گیا۔ ۱۲م

(۲) قال اللہ تعالیٰ: "وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ" (البیّنۃ آیت ۵)۔

... فی تفسیر القرطبی تحتہ: (مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ) ای العبادۃ ومنہ قولہ تعالیٰ: "قُلْ إِنِّىٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ⑪" وفی ھذا دلیل علی وجوب النیۃ فی العبادات فإنّ الإخلاص من عمل القلب وھو الذی یراد بہ وجہ اللہ تعالیٰ لا غیرہ۔

کرانے کے لئے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر کی کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا مختصر رسالہ ''تسہیل قصد السبیل'' مطالعہ فرمائیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۸/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۹۶۳/۲۲ ب)

پاکستان میں کامل پیر طریقت اور قابلِ بیعت کون کون بزرگ ہیں؟

سوال (۴۸۶):- پاکستان میں پیر طریقت کامل کون ہے؟ اور قابلِ بیعت کون کون؟

جواب:- نام بنام لکھنا تو مشکل ہے، جو حضرات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی یا حضرت مولانا مدنی صاحب رحمہما اللہ کے خلیفہ ہیں یا اُن کے خلفاء کے خلیفہ (مجاز بیعت) ہیں اُن سے بیعت ہو جانے سے اِن شاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا، بشرطیکہ طلبِ صادق ہو۔

کسی سے بیعت ہونے سے قبل بہتر ہے کہ مندرجہ ذیل دو رسالے مطالعہ کر لیں ''آداب الشیخ والمرید'' مصنفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم، اور ''قصد السبیل'' مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، ان رسالوں سے بیعت کی حقیقت اور شرائط و آداب معلوم ہوں گے، اور پیر میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے وہ معلوم ہو جائیں گی۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۲/۳/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۳۷۲/۲۳ ب)

۱- ایک سلسلے میں بیعت کے بعد دُوسرے سلسلے میں بیعت ہونا؟
۲- اگر کسی مخصوص وظیفے سے کوئی تکلیف ہو تو کیا کرے؟

سوال (۴۸۷): ۱- جب کوئی شخص مثلاً نقشبندیہ طریقے پر بیعت ہوا اور وہ سلسلہ طے کر پائے تو دُوسرا طریقہ طے کرنے کے لئے دُوسرے پیر سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۴۸۸) ۲- وظیفہ ''اللہ، اللہ'' کرتا ہوں، سارا جسم گرم ہو جاتا ہے اور دماغ بالکل جلنے لگتا ہے، اس وقت کیا کیا جائے؟

جواب: ۱- ایک طریقے میں اگر اللہ تعالیٰ نے رذائل کا اِزالہ اور فضائل کا اِکتساب کرا دیا ہے اور

صوفیائے کرام کی اِصطلاحی نسبت حاصل ہوچکی ہے تو اب کسی دُوسرے طریق کی طرف رُجوع کرنا فضول بلکہ مضر ہے۔

۲-اس وقت اس وظیفے میں کمی کردیں اور دُرود شریف کی کثرت کریں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۶/۱۰/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۰۷/۲۷ و)

ایک سے زائد اَشخاص سے ایک وقت میں مرید ہونا دُرست نہیں

سوال (۴۸۹):- ایک آدمی کتنے پیر سے مرید ہوسکتا ہے؟ جبکہ پہلے پیر سے مطمئن ہو۔

جواب:- ایک وقت میں ایک سے زائد اَشخاص کا مرید ہونا دُرست نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۳/۸/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۳۱/۲۵ و)

خلافِ شریعت اُمور کے مرتکب پیر سے کس طرح علیحدگی اختیار کی جائے؟

سوال (۴۹۰):- تقریباً دس سال ہوئے میں یہاں ایک مقامی پیر سے بیعت ہوں، چند سال سے مجھے خلیفہ ومجاز بھی بنایا ہوا ہے، لیکن کچھ عرصے سے وہ قومیت اور صوبائیت کے رُجحانات کا شکار ہوگئے ہیں، اُن کے ہم نشین ایسے لوگ ہیں جو ان کی تعریف کرتے رہتے ہیں جو ملک کے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں، وہ تبلیغی جماعت (جس کا مرکز رائے ونڈ ہے) کے بھی ایک اہم رکن ہیں، مشرقی پاکستان کی ہم سے علیحدگی میں اس جماعت نے اہم کام کیا، ہندوؤں کے ایماء پر وہ ہمارے خلاف نفرت پھیلاتے رہے، یہ بندہ ناچیز ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان بحیثیت ایک تبلیغی جماعت کے رُکن کے گیا ہوا تھا، میں نے خود مولوی عبدالعزیز لکھنوی امیر جماعت تبلیغ مشرقی پاکستان اور اُس کے رُفقاء پاکستان دُشمنی کے مظاہرے اور کارروائیاں اپنے کانوں سے سنیں اور دیکھیں، اس کی تفصیل علیحدہ خط میں بھیج چکا ہوں، مذکورہ بالا پیر سے نجات حاصل کروں، میں نہیں چاہتا کہ بحیثیت مرید کچھ گستاخی کروں اور علیحدگی کے بعد ان کے سیاسی رُجحانات اور خطرناک عزائم کی نشاندہی کرتا ہوں، کیا اس طرزِ عمل سے کوئی دِینی نقصان تو نہیں ہوگا؟

جواب:- صوبائیت اور وطنی ولسانی قومیت کا نظریہ شرعاً باطل اور دِین سے متصادم ہے،[1] مواقع

---

(۱) قال عمرو سمعت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما قال: کنّا فی غزاۃ، قال سفیان مرۃ فی الجیش فکسع رجل من المهاجرین رجلًا من الأنصار، فقال الأنصاری: یا للأنصار، وقال المهاجری: یا للمهاجرین، فسمع ذاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ما بال دعوی الجاهلیة، قالوا: یا رسول اللہ! کسع رجل من المهاجرین رجلًا من الأنصار، فقال: دَعوها فإنها منتنة (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ سواء علیهم استغفرت لهم ... الخ)۔

ضرورت میں اس کی تردید بھی کرنی چاہئے لیکن اِن پیر صاحب کے ساتھ کوئی بے ادبی اور گستاخی سے پرہیز کریں، اور اس غلط نظریے کی تردید کسی کا نام لئے بغیر کرتے رہیں، کبھی کبھی پیر صاحب کی خدمت میں بھی جاتے رہیں، آپ کے نہ جانے سے وہ ناراض نہ ہوں تو جانا چھوڑ دیں۔

تبلیغی جماعت کا بحیثیت جماعت یہ نظریہ نہیں ہے، بعض افراد نے یہ غلط نظریہ اپنایا ہے تو اس کی ذمہ داری جماعت پر ڈالنا ٹھیک نہیں۔

واللہ اعلم

۱۷/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵۹۹/۲۵ ز)

کیا اِیمان پر بیعت کی سنت منسوخ ہو چکی ہے؟

سوال (۴۹۱):- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو صحابہ کرامؓ ایمان لاتے تھے تو نبی سے ایمان لانے کا بیعت کرتے تھے، خواتین بھی پانی میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتی تھیں، کیا بیعت کی سنت منسوخ ہے یا آج بھی سنت ہے؟ ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایمان لانے پر کسی سے کوئی بیعت لی ہے؟

جواب:- منسوخ نہ ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، جب ثابت شدہ سنت کے منسوخ ہونے کی دلیل موجود نہیں تو یہی اُس کے منسوخ نہ ہونے کے لئے کافی ہے، دلیل کی ضرورت منسوخ ہونے کے لئے ہوتی ہے۔

پس چونکہ بیعت منسوخ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں لہٰذا اس سنت کو منسوخ نہیں کہہ سکتے۔

واللہ اعلم

۱/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۷۵۸/۲۵ ح)

کیا بیعت کا اِرادہ کر کے کسی شیخ کے پاس جانے سے بیعت ہو جاتی ہے؟

سوال (۴۹۲):- ایک آدمی کسی ولی اللہ کے پاس بیعت کے لئے جاتا ہے، جب بھی گیا تو بیعت نہ ہو سکی، مگر اُس آدمی نے (جس کو وہ مرشد کی حیثیت آج بھی دیتا ہے) مریدوں جیسے افعال شروع کر دیئے، کیا اُس کی بیعت شریعت کی رُو سے ہوگئی یا نہیں؟ وہ ولی وفات پا چکا ہے، اگر بیعت نہ ہوئی ہو تو تجدید بیعت کی کوشش کرے کیونکہ بیعت رُوحانی ظاہری تربیت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

جواب:- بیعت کا محض ارادہ کرنے یا بیعت کے ارادے سے جانے سے بیعت نہیں ہوئی، کسی

اور متبعِ سنت سے بیعت کرلیں جو کسی ماہر شیخ ومرشد کی طرف سے بیعت کرنے کا اجازت یافتہ ہو۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بیعت ہونا بہت باعثِ برکت ہے، مگر واجب نہیں،[1] مگر اصلاحِ نفس واجب اور فرضِ عین ہے جو کسی شیخِ کامل کی صحبت میں رہ کر ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۹۶/۱۱/۱۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۸۰/۲۷ و)

انتقال کے بعد کسی بزرگ سے بیعت ہونا ممکن نہیں

سوال (۴۹۳):- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے پر کہ بیعت ہونا خاندان کے ایک بزرگ سے جن کا وصال ہوچکا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:- یہ ممکن نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۰۵/۶/۱۶ھ
(فتویٰ نمبر ۹۷۵/۳۶ ج)

جو شخص خلافِ شرع افعال کا مرتکب ہو اور نامحرم عورتوں سے بے پردہ ملتا ہو اس کو اِمام اور پیر بنانا؟

سوال (۴۹۴):- موجودہ اندھی پیر پرستی کے خلاف فتویٰ صادر فرمائیں۔ کراچی میں چند گندم نما جوفروش پر جو بظاہر بزرگوں کا لبادہ پہنے، ریش دراز، سفید پگڑی، ہاتھوں میں عصا لے کر لوگوں کی توجہ کا سبب بنے ہوئے ہیں، کراچی ایک وسیع میدان ہے جہاں نو دولتے لوگوں کی کمی نہیں، جو اپنے ناجائز کمائی کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے کئے پر پردہ ڈالنے کے لئے تعویذ، گنڈوں کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

تعویذات کی بدولت چند زنان خانوں میں رسائی حاصل کرلی ہے اور کئی گھروں میں وہ بلا روک ٹوک داخل ہوجاتے ہیں، دن بھر وہاں بیٹھے رہتے ہیں، نہ نماز باجماعت کی فکر، نہ ذکر واذکار کا خیال، نہ صبح کے وقت تلاوتِ قرآن، اور یہ عورتوں کو بھی مرید بناتے ہیں، اُن کی ناز برداری میں لوگ خوب داد ودہش کرتی ہیں، میں اس سلسلے میں چھوٹا سا کتابچہ چھپوا کر چند آیات اور فتاویٰ کے حوالے سے اس بدعت کا سد باب کرنا چاہتا ہوں، جواب کا منتظر۔

جواب:- جو شخص خلافِ شریعت افعال کا مرتکب ہو، نامحرم عورتوں سے بے پردہ ملتا جلتا ہو، فرائض وواجبات کا تارک ہو، شرعاً فاسق ہے، اُس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے،[2] اُسے پیر یا مقتدا بنانا

---

(۱) إعلم ان البیعة سنة، لیست واجبة ..... ولم یدل دلیل علی تاثیم تارکها ولم ینکر احدٌ من الأئمة کان کالإجماع علی انها لیست بواجبة (القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل ص:۱۸)۔

(۲) ویکره إمامة عبد .. وأعرابي وفاسق وأعمی۔ (ردّ المحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة ج:۱ ص:۵۶۳)۔

گمراہی اور ناجائز ہے۔

تعویذ گنڈے اگر مشرکانہ افعال واقوال پر مشتمل ہوں تو حرام ہیں، اور ایسے شخص کے کافر ہو جانے کا اندیشہ قوی ہے، اور اگر مشرکانہ افعال واقوال پر مشتمل نہ ہوں بلکہ اُن میں قرآن وسنت میں آئے ہوئے اعمال ہوں اور امداد صرف اللہ جل شانہٗ سے طلب کی گئی ہو تو بلا کراہت جائز ہیں۔(۱) واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

محمد عاشق الٰہی — ۹۴/۱/۳ ۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴/ ۲۵ الف)

اسلامی اَحکام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے کس بزرگ کو نمونہ سمجھا جائے؟

سوال (۴۹۵):- میں اسلامی زندگی گزارنا چاہتا ہوں، لیکن جو تصویر یا جو خاکہ اسلامی زندگی کا میرے ذہن میں بسایا گیا ہے یا بس گیا ہے آج کل اُس کی عملی شکل مجھے کہیں دکھائی نہیں دیتی، میں چاہتا ہوں کہ کوئی نمونہ یا کوئی مثال سامنے موجود ہو جس کو دیکھ کر میں بھی ویسی زندگی گزاروں، کسی ایسی ہستی کا پتہ بتائیں جو شریعت کا مکمل نمونہ ہو۔

جواب:- اسلام کے صحیح طریقے پر زندگی کو ڈھالنے کا طریقہ جو قرآن وسنت اور تعاملِ صحابہؓ سے ثابت ہے یہ ہے کہ کسی متبعِ سنت شخص کی صحبت میں رہے جو باضابطہ پورا عالمِ دین بھی ہو تو بہتر ہے، ورنہ کم از کم ضروری مسائلِ دینیہ سے واقف ہو، اور جو مسائل وہ نہ جانتا ہو عمل کے لئے علمائے کرام سے پوچھ لیتا ہو۔ نیز لوگوں کی دینی تربیت کا ملکہ بھی اُس میں ہو، لیکن اُس شخص کا گناہوں اور لغزشوں سے بالکلیہ پاک اور معصوم ہونا ضروری نہیں، معصوم صرف انبیائے کرام ہوتے ہیں، مذکورہ بالا معیار پر آپ تلاش کریں گے تو ایسے حضرات مل جائیں گے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خلفاء بحمد اللہ پاکستان میں اب بھی حیات ہیں، اُن سے یا اُن کے خلفاء سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں، اور جب تک یہ ممکن نہ ہو اُس وقت تک جو شخص آپ کو دین کے اعتبار سے اپنے سے بہتر نظر آئے اُس سے تعلقات بڑھائیے اس سے بھی فائدہ ہوگا۔ واللہ اعلم

۹۵/۶/۱۸ ۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۳۳/ ۲۶ ج)

---

(۱) فتبين بهذا أن التمائم المحرّمة لا علاقة بها بالتعاويذ المكتوبة المشتملة على آيات من القرآن أو شيء من الذكر فإنّها مباحة عند جماهير الفقهاء بل إستحبها بعض العلماء إذا كانت بأذكار مأثورة، كما نقل عنهم الشوكاني في النيل۔ (تكملة فتح الملهم، كتاب الطب، باب رقية المريض بالتعوذات والنفث ج:۴ ص ۳۱۸، مكتبه دار العلوم كراچی)۔

فصل فی الرُّؤیا
(خواب سے متعلق اَحکام)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دیکھے گئے ایک خواب کا حکم

سوال (۴۹۶): - اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے خواب میں حضور علیہ السلام کو دوزخ میں گرتے ہوئے پکڑا، کیا یہ خواب حق ہوسکتا ہے؟

جواب: - اگر یہ خواب سچا بھی ہو تو یقیناً اس کی تعبیر وہ نہیں جو ظاہر میں نظر آیا ہے، تعبیر کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں، وہی خوب جاننے والے ہیں، اور اس خواب کا ذکر لوگوں کے سامنے ہرگز نہ کریں۔

واللہ اعلم
۱۳۹۸/۶/۱۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۱۰۱ ب)

اگر کوئی خواب میں اپنے آپ کو حج کرتے ہوئے دیکھے؟

سوال (۴۹۷): - میں اکثر خواب میں نماز پڑھتی ہوں یا اس کی تیاری کرتی ہوں، قرآن پڑھتی ہوں، اکثر حج پر جانے کی تیاری کرتی ہوں، کبھی کبھی وہاں کی گلیوں میں بھی گھومتی ہوں، ایک مرتبہ عرفات میں بیٹھے چنے جو آسمان سے برسے تھے وہ اُٹھائے، اس کی تعبیر بتائیں۔

جواب: - تعبیر کا فن ہمیں نہیں آتا، بظاہر یہ سب خواب بہت مبارک معلوم ہوتے ہیں، اگر آپ پر حج فرض ہے اور حج نہیں کیا ہے تو جلد از جلد حج کر لیجئے، اگر حج آپ پر فرض نہیں یا فرض تھا مگر کر چکی ہیں تو اب دوسرا حج کرنے کی ضرورت نہیں۔

واللہ اعلم
۱۳۹۴/۱۲/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۸۷۴ ج)

ایک مشہور خواب کے مضمون کا حکم

سوال (۴۹۸): - یہ پرچہ ہم کو ایک صاحب نے دیا تھا جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں، اس پر روشنی ڈالئے۔ یہ وہی مطبوعہ خواب ہے جو عام طور سے عوام میں تقسیم ہوتا رہتا ہے کہ ایک بزرگ نے مدینہ میں حضور کو خواب میں دیکھا کہ فلاں سن میں قیامت آنے والی ہے، توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب: - جو صاحب اس خواب کے مدعی ہیں ان کی تصدیق یا تکذیب کرنے کی ضرورت نہیں، اتنا جان لینا کافی ہے کہ نماز، نیک کام اور عورتوں کو پردہ تو بہرحال ضروری ہے، یہ تحریر جس نے نہیں پڑھی اور جس نے پڑھی سب کے لئے شریعت کا ایک ہی حکم ہے۔ اس تحریر کی وجہ سے کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوسکتا، اور بارہ خط اسی مضمون کے لکھنا بھی کسی پر واجب نہیں، نہ لکھنے والے کو دل میں کوئی خطرہ یا خوف محسوس نہیں کرنا چاہئے، اللہ پر بھروسہ رکھیں، شریعت نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کرتے رہیں، جن سے روکا ہے اُن سے باز رہیں، جن چیزوں کا خوف یا شوق مرسلہ تحریر میں دلایا گیا ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ واللہ اعلم

۱۵/ ۳/ ۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۳۹۳ الف)

اگر کسی نے خواب میں اپنے آپ کو کسی نبی علیہ السلام کی شکل میں دیکھا تو کیا اس کو بیان کرنا چاہئے؟

سوال (۴۹۹): - زید نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ ایک واعظ ایک مسجد میں وعظ بیان کر رہا ہے، وہ واعظ اپنے متعلق فرمایا کہ میں موسیٰ ہوں اور زید کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ عیسیٰ ہیں، اور اس خواب کو بیان کر کے زید اپنے کو عیسیٰ ثابت کرنا چاہتا ہے۔

دُوسرا خواب بیان کیا اُس میں اُس نے کہا کہ میں نے حضور کو اپنی شکل میں دیکھا ہے، اس زید کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: - اگر کسی نے ایسا خواب دیکھا ہے تو اس سے وہ شخص نبی نہیں بن گیا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی شخص کسی قسم کا نبی نہیں ہوسکتا۔ خواب دیکھنے والے کو چاہئے کہ عوام کے سامنے یہ خواب ہرگز بیان نہ کرے مگر خواب دیکھنا چونکہ غیر اختیاری ہے اس لئے صرف یہ خواب دیکھنے

کی وجہ سے اُس پر کوئی گناہ نہیں، ہاں خواب لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے کوئی فتنہ پھیلا تو اس کا گناہ بیان کرنے والے پر ہوگا۔

واللہ اعلم
۱۷/۲/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۳۳۲ ب)

ذکر کی مجلس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اور حاضرینِ مجلس سے بیعت کرنا حدیث سے ثابت نہیں

سوال (۵۰۰):- ذکر کی حالت میں نبی علیہ السلام کا ظہور ہونا اور حاضرینِ مجلس سے مصافحہ کر کے بیعت لینا۔

جواب:- یہ سوال واضح نہیں ہے، اگر مراد ان چیزوں کی تصدیق کرانا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ مضمون کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۲۶/۱۱/۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۴۸۲/۲۲ د)

اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کو خواب میں دیکھے تو کیا واقعی اس نبی کو دیکھنا ہوگا؟

سوال (۵۰۱):- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی کو کوئی خواب میں دیکھے تو واقعی اسی کو دیکھے گا یا نہیں؟

جواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی یا رسول کے بارے میں یہ بات ثابت نہیں۔ (۱)

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۸/۸/۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۰۱۷/۲۲ ج)

---

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل بي - (جامع الأحاديث للسيوطي، قسم الأقوال، حرف الميم، حديث: ۲۲۲۱۹)۔

حالتِ بیداری میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے کا حکم؟

سوال (۵۰۲):- ایک صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ بیداری میں دیکھا ہے، ان کا یہ دعویٰ حقیقۃً کیسا ہے؟ ایک موحد مسلمان کی اقتدا ان کے پیچھے جائز ہے؟

جواب:- اس شخص کی نہ تکذیب واجب ہے، نہ تصدیق۔ واللہ اعلم

۱۹/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۷۶۲/۲۵ د)

خواب میں سورۃ الملک کی تلاوت کی تو اس کی تعبیر

سوال (۵۰۳):- میں نے خواب میں سورۂ ملک کی تلاوت کی ہے، اس کی تعبیر عنایت فرمائیں۔

جواب:- بظاہر اس طرف اشارہ ہے کہ سورۂ ملک کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں، حدیث میں سورۂ ملک کے بہت فضائل آئے ہیں اس کے پڑھنے کی برکت سے عذابِ قبر سے نجات ہوتی ہے[1]، بہتر ہے کہ رات کو سوتے وقت سورۃ الملک پڑھ لیا کریں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی عفی عنہ
۱/۱۲/۱۳۹۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۴۴/۲۱ الف)

ایک خواب کے مضمون کے بیس خطوط لکھ کر تقسیم کرنے کا حکم نیز کیا اس کو مذاق سمجھنے والے کا نقصان ہوگا؟

سوال (۵۰۴):- ایک شخص کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ قیامت آنے والی ہے، نیک کام کرو، نماز پڑھو، اور ایسے ۲۰ خطوط لکھ کر تقسیم کرو، اللہ پاک کی طرف سے بیس دن کے اندر اندر خوشی حاصل ہوگی۔ ایک شخص نے اس کو مذاق سمجھا، اس کا لڑکا فوت ہوگیا۔

---

(۱) عن ابن عباس قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم خباءه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر فإذا فيه إنسان يقرأ سورة تبارك الذي بيده الملك حتى ختمها، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبره فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب القبر - (سنن الترمذي، كتاب فضائل القرآن، فضل سورة الملك)۔

جواب:- خواب سے کوئی ایسا حکم ثابت نہیں ہوسکتا جو پہلے سے کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہ ہو،[1] نیک کام کرنا اور نماز پڑھنا اور ان دونوں چیزوں کی تبلیغ کرنا بلاشبہ بہت اجر و ثواب کا کام ہے، اس کے لئے جتنی کوشش کوئی کرسکے کرنی چاہئے لیکن اس مضمون کی بیس پرچیاں لکھنا واجب نہیں، نفع و ضرر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ہمارے لئے وہ تعلیم کافی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں دی ہے، اُس میں ایسی بیس پرچیاں لکھنے کا کوئی حکم نہیں، لہٰذا ایسی پرچیاں نہ لکھنے سے کوئی گناہ نہ ہوگا اور دُنیا کا بھی نقصان نہیں ہوگا، اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

واللہ اعلم

۱۰/۳/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۵۷۱/۲۶ الف)

محض خواب کی بنیاد پر کوئی شرعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا

سوال (۵۰۵):- میرا مکان مسجد سے متصل ہے، میرے والد کا زیادہ تعلق اِمامِ مسجد کے ساتھ تھا، اِمامِ مسجد نے میرے والد کو خواب میں دیکھا کہ ایک پہاڑی پر بیٹھے ہوئے ہیں، نیچے جنت ہے، اِمام صاحب نے کہا کہ آپ جنت میں کیوں نہیں آجاتے، والد صاحب نے کہا کہ زندگی میں ایک غلطی ہوگئی ہے کہ سوا گز زمین مسجد کی میرے مکان میں شامل ہوگئی ہے، اگر میری اولاد وہ زمین مسجد کو واپس کردے تو میں جنت میں جاسکتا ہوں۔

جواب:- محض خواب کی بناء پر یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ مسجد کی سوا گز زمین واقعی آپ کے مکان میں آگئی ہے، البتہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ خواب کے ذریعے کسی کو متنبہ کرتا ہے تاکہ وہ پوری احتیاط سے تحقیق کرے اور کوئی گناہ ہوا تو گناہ سے بچ جائے، پس آپ پوری احتیاط کے ساتھ تحقیق کیجئے، اگر تحقیق سے واقعی ثابت ہوجائے کہ مسجد کی سوا گز زمین آپ کے مکان میں آئی ہوئی ہے تو وہ زمین فوراً اپنے مکان سے الگ کرکے مسجد میں داخل کردیجئے، اگر تحقیق سے ثابت ہو کہ مسجد کی زمین کا کوئی حصہ آپ کے مکان میں شامل نہیں تو آپ پر سوا گز زمین مسجد میں داخل کرنا واجب نہیں، البتہ چونکہ تحقیق میں غلطی کا امکان ہے اس لئے احتیاطاً اتنی زمین مسجد میں داخل کردیں تو بہتر ہے، اور اپنے والد کے لئے دُعائے مغفرت بھی کریں اور ایصالِ ثواب بھی۔

واللہ اعلم

۱۹/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۲۱/۲۵ و)

---

(۱) اتفقوا على أنّ الإلهام لا يكون حجة في إثبات شيء من الأحكام على وجه يستغني به عن الكتاب والسُّنّة ... (وكذلك الرؤيا في المنام) في عدم كونها من أسباب معرفة الأحكام (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية، الباب الأول، الإعتصام بالكتاب والسُّنّة، النوع الثاني في بيان البدع ج:۱ ص:۲۲۹)۔

حضرت خضر کے حوالے سے گوشت کا ٹکڑا لوگوں میں تقسیم کرنا، اس کو بیماریوں سے شفا کا ذریعہ تصوّر کرنا؟

سوال (۵۰۶): - چند اَیام سے میرے قصبے ہڈالی تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا میں ایک عورت نے ایک گوشت کا ٹکڑا بحوالہ حضرت خضر علیہ السلام لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس میں چائے کا قہوہ ڈال کر لوگوں کو تقسیم کیا جاتا ہے، اور تمام امراض کے شفا کا ذریعہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں چالیس یوم متواتر گوشت کے ٹکڑے میں قہوہ ڈالنے کی وجہ سے ایک بے روح بچہ بن جاتا ہے، بچہ اگر کسی حاجت مند کو دیا جاتا ہے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے میں نے خود یہ مشاہدہ کیا ہے۔ براہِ کرم مذکورہ بالا کہانی کی شرعی حیثیت واضح کی جائے۔

جواب: - شرعی حیثیت سے اس کی کوئی اصل نہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی شعبدہ وغیرہ ہے، مسلمان کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے، نیز اس کی حقیقت معلوم کرنے کی فکر میں بھی نہیں پڑنا چاہئے کہ فضول ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
۱۳۹۱/۳/۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع
۱۳۹۱/۳/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۳۴۴ الف)
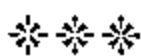
فصل فی المتفرّقات
(متفرق مسائل)

مجذوب اور مجنون میں فرق

سوال (۵۰۷):- عرصے سے ایک سوال ذہن میں آرہا ہے، مجذوب و مجنون میں علامتِ ممیّزہ کیا ہے؟ اس علم کو غیر ضروری سمجھ کر ٹالتا رہا ہوں مگر آج کے تقاضے نے استفسار پر مجبور ہی کر دیا، کچھ عرصہ قبل تک یہ خیال تھا کہ مجذوب حالتِ جذب میں بھی اَحکامِ شریعت کا اہتمام کرتا ہے اور وہ حدودِ الٰہیہ سے غافل نہیں ہوتا، مگر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی بعض تحریروں سے معلوم ہوا کہ بعض مجذوب نماز وغیرہ سے بھی آزاد رہتے ہیں، پس ایسے مجذوب کا مجنون سے امتیاز کیسے کیا جائے؟

جواب:- ''مجالس حکیم الامت'' میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ نقل کیا گیا ہے جس میں اس مسئلے کی خوب وضاحت ہے، یہاں درج کیا جاتا ہے:-

حضرتؒ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ مجذوب اور عام پاگل میں فرق پہچاننا آسان کام نہیں، بس اس کو اہلِ نسبت اولیاء اللہ ہی پہچان سکتے ہیں، جس کو ایسے حضرات مجذوب قرار دیں وہ مجذوب ہے، ورنہ مجنون اور پاگل۔ اگرچہ اس کو کچھ کشف صحیح بھی ہوجاتا ہو کیونکہ مجنون کو بھی کشفِ صحیح ہوسکتا ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۷۸ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم)۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۸/۹/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع
۱۸/۹/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۰۵/۲۵ و)

کیا اِجتماعی طور پر ذِکرِ جہری کرنا بدعت ہے؟

سوال (۵۰۸):- ایک آدمی اجتماعیت کے ساتھ ذکرِ خفی قلبی بطریقہ پاس انفاس اسمِ ذات کرتا ہے اور ساتھیوں کو کہتا ہے کہ پورے زور سے کرو تا کہ اسمِ ذات کی ضرب دل پر پڑے اور اس سے انوار کی چنگاریاں اُٹھیں، ظاہر ہے کہ جب زور سے کرتے ہیں تو قریب کے لوگ اس سانس کے ساتھ پڑھنے والی

ضرب کی آواز کو سنتے ہیں بعدہٗ وہ لطائف بدلواتا رہتا ہے آخر میں سلطان الاذکار کرا کر پھر مراقبہ کراتا ہے، زور سے سانس کے ساتھ ذکر کرنے سے مراقبے کے دوران بعض لوگوں کے سینے سے ہانڈی کے اُبلنے جیسی آواز بھی آتی ہے اُن سے پوچھا گیا تو وہ اس کو ذکر آرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور جواز کے لئے'' ضیاء القلوب'' ص:۱۴ جناب حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ پیش کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب اس طریقۂ کارِ ذکر کو اجتماعیت کے ساتھ بدعت کہتے ہیں۔ مسئلہ واضح فرمادیں کہ وہ ذاکرین ذکر کرتے رہیں یا مولوی صاحب کے قول کے مطابق بدعت سمجھ کر چھوڑ دیں، وضاحت فرمادیں۔

نوٹ:- عملی طور پر رُوبرو حضرت مولانا محمد رفیع صاحب ذکر کر کے دِکھلایا گیا تاکہ حکم میں سہولت رہے۔

جواب:- اگر کسی متبعِ سنت شیخ کی ہدایات کے مطابق اس طرح ذکر کیا جائے جس طرح کہ سوال میں مذکور ہے تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں:-

۱- اجتماع یا حلقہ بنانے کو یا سانس سے ضرب لگانے کو اور اس پورے طریقے کو مقصود نہ سمجھے بلکہ مقصود تک پہنچنے اور دِل میں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے یا نفسانی ریاضت اور علاج کے طور پر کرے۔

۲- جو شخص اس خاص طریقے پر ذکر نہ کرتا ہو اُس کو نہ بُرا سمجھے، نہ عمل میں کوتاہی کرنے والا سمجھے۔

۳- اس خاص طریقے کو مسنون نہ سمجھے۔

۴- مسجد یا عام مقام پر نہ کیا جائے تاکہ لوگوں میں غلط فہمی اور تردّد پیدا نہ ہو۔

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ اگر یہ ذکر اجتماعاً بھی کیا جائے تو شرعاً کوئی مضائقہ نہیں، اِن شرائط کے بغیر کرنے سے اس کو لوگ بالآخر بدعت بنالیتے ہیں اور مولوی صاحب مذکور نے بھی اس کی ظاہری صورت ہی کی وجہ سے بدعت کہا ہوگا، کیونکہ یہ خاص طریقہ سنت سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ مشق کے طور پر ایسا کرنا بدعت بھی نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۴/۸/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۰۶/ ۲۴ و)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۴/۸/۱۳۹۴ھ

اِمام صاحب کا لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنا جبکہ لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں

سوال (۵۰۹):- ہماری مسجد میں اِمام صاحب بعد نمازِ فجر دُعا کے بعد کچھ احادیث بیان کرتے

ہیں، لاؤڈ اسپیکر سے اپنی پوری قوتِ گویائی سے تقریر کرتے ہیں، چند حضرات موجود ہوتے ہیں، مگر کافی لوگ جماعت کے بعد آتے ہیں جو صحن میں اپنی اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں، مگر نہ صرف مسجد میں کافی شور رہتا ہے بلکہ قرب وجوار میں مستورات اپنے گھروں میں اس وقت تک نماز ادا نہیں کرسکتیں جب تک یہ شور ختم نہ ہو۔ ایک حدیث سننے میں آئی کہ ایک مرتبہ مسجد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بآوازِ بلند قرآن تلاوت فرما رہے تھے کہ جبریل امین وحی لائے کہ اے محمد! مسجد میں قرآن آہستہ پڑھو۔ تو معلوم کرنا یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت اور پیش امام صاحب کا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: -صورتِ مسئولہ میں پیش امام صاحب کا یہ عمل صحیح نہیں، ایسے مواقع میں ان کو چاہئے کہ صرف اتنی بلند آواز سے کام لیں کہ حاضرین کے لئے کافی ہو، دُوسرے لوگوں کے آرام اور نیند یا تلاوت وذکر ونماز وغیرہ میں خلل واقع نہ ہو۔

اجمع العلماء سلفًا وخلفًا على إستحباب ذكر الله تعالى جماعة في المسجد وغيرها من غير نكير إلّا أن يشوّش جهرهم بالذّكر على نائم أو تالٍ أو مصلٍّ أو قارئ قرآن كما هو مقرر في كتاب الفقه- (طحطاوی علی المراقی ص:۱۷۴)[1]-

یہ حدیث جس کو آپ نے ذکر کیا، تلاش کے باوجود نہ مل سکی، البتہ ترمذی وابوداؤد کے حوالے سے صاحبِ معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے کہ ایک دفعہ تہجد کی نماز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت آہستہ قراءت فرما رہے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت زور سے قراءت فرما رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کی وجہ دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ کسی قدر جہر سے پڑھا کرو، اور حضرت عمرؓ سے اس کی وجہ پوچھ کر فرمایا کہ کچھ پست آواز سے پڑھا کرو۔[2] مطلب یہ ہوا کہ قراءتِ قرآن اگر نماز میں ہو تب بھی نہ آواز کو زیادہ بلند کیا جائے اور نہ بالکل آہستہ پڑھا جائے، بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا جائے۔ اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: ۱۱۰ میں یعنی "وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ" الخ میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ جہری نماز میں قراءت کو نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں نہ بالکل پست آواز سے کہ مقتدی کو بھی سنائی نہ دے، بلکہ متوسط آواز سے پڑھیں، کیونکہ ضرورت تو درمیانہ آواز سے پوری ہوجاتی ہے۔ (معارف القرآن ج:۵ ص:۵۴۰)۔ واللہ اعلم

محمد عبداللہ

(فتویٰ نمبر ۱۲۷۰/۳۷ ج)

---

(۱) نیز ملاحظہ فرمائیے: ردّ المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره منها، مطلب في رفع الصوت بالذكر ج:۱ ص:۶۶۰ (طبع سعيد)-

(۲) مصنّف عبدالرزاق، ج:۲ ص:۴۹۶ حديث رقم:۴۲۱۰-

... المعجم الأوسط للطبراني ج:۱۶ ص:۲۱۰، باب الميم من اسمه (وغيرهما في كثير من كتاب الأحاديث)-

جواب صحیح ہے، اور مذکورہ صورت میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا غیرضروری ہونے کے باعث لوگوں کی ایذا رسانی بھی ہے، اور حدیث شریف کی بے ادبی بھی، لہٰذا اس موقع پر لاؤڈ اسپیکر سے اجتناب لازم ہے۔

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی

کئی بار گناہ ہوجائے تو کیا ہر بار توبہ کرنے سے گناہ معاف ہوجاتا ہے؟

سوال (۵۱۰):- زید اور بکر میں ''توبہ'' کے متعلق بحث شروع ہوئی، زید کہتا ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کرنا اور پھر دوبارہ گناہ کرنا دُہرا گناہ ہے، ایسے شخص سے تو وہ آدمی بہتر ہے جو گناہ کر کے توبہ نہیں کرتا۔ بکر کہتا ہے کہ انسان خطا کا پُتلا ہے اور کمزور ہے، توبہ کرنے کے بعد اگر دوبارہ گناہ ہوجائے تو پھر توبہ کرے حتیٰ کہ جتنی دفعہ گناہ ہو تو صدقِ دِل سے توبہ کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ کردیں کہ کس کا موقف صحیح ہے؟

جواب:- بکر کا موقف صحیح ہے، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تعلیم دی ہے۔[1] زید کا موقف غلط ہے۔

واللہ اعلم
۱۴۰۴/۵/۲۷ھ
(فتویٰ نمبر ۹۱۰/۳۵ ب)

توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں

سوال (۵۱۱):- میں ایک گناہگار شخص ہوں، ایک سال ہوگیا کہ میں نے توبہ کرلی ہے، لیکن گناہ کرتے وقت مجھے اس کا علم تھا کہ عند اللہ اس گناہ کی سزا یہ ہے، اُس کی وہ ہے، علماء سے جو سنا اس پر عمل نہیں کیا، من مانی کیا، اُستاد صاحب کا کہنا کہ سمجھ دار سے گناہ ہوجائے تو اس کا معاف ہونا سخت ہے اور قضا اور کفارہ لازم ہے، تو اگر میں پانچ یا چھ سال کے روزے بیماری کے حالات میں کھائے اور ٹھیک ہونے کے بعد قضا نہ کی، اب کیسے قضا کروں؟ اور اُن روزوں کی قضا جسے میں قصداً توڑے ہیں، یا ایک ایک کا دو مہینہ کیسا ادا کروں؟ اسی طرح چوری کی بہت کی رات دن حرام کھانا میری عادت تھی، ایک چوری ایسی بھی ہے کہ دن کے وقت میں ایک دُوسرا ساتھی بھی تھا، ہم دونوں نے سیٹھ کی بلڈنگ سے چوری کی، اور لواطت کی، جوا، غیبت، جھوٹ بولنا وغیرہ وغیرہ مشغلہ تھا، اب خدا کے واسطے مجھے کوئی راستہ بتائیے تا کہ وہی کروں، والدہ کہتی

---

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ (سنن ابن ماجة، کتاب الزھد، باب ذکر التوبة)۔ .... إن الذنوب ولو تکررت مائة مرّةً بل ألفًا أو أکثر وتاب فی کل مرةٍ قبلت توبتہ أو تاب عن الجمیع توبةً واحدةً صحّت توبتہ۔ (فتح الباری لابن حجر، کتاب التوحید، باب قول اللہ یریدون أن یبدلوا کلام اللہ)۔

ہے کہ صرف میری خدمت کر، اس کا جواب دیں خدا اجر دے گا۔

جواب: — گناہ کو گناہ جانتے ہوئے اور مسئلہ جانتے ہوئے بھی اگر کوئی گناہ کیا جائے تو وہ بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے، پس آپ نے جو گناہ کئے اگرچہ یہ جانتے ہوئے کئے کہ یہ سخت گناہ ہیں، حرام ہیں، اس کے باوجود اگر ان گناہوں سے آپ مکمل توبہ کرلیں گے تو یہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور دل میں پختہ عزم کرلے کہ آئندہ یہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا۔ پھر ان گناہوں میں سے جن کی تلافی ممکن ہے ان کی تلافی میں ابھی سے لگ جائے، مثلاً دماغ پر زور ڈال کر یاد کریں کہ زیادہ سے زیادہ کتنی نمازیں اور کتنے روزے فوت ہوئے ہوں گے، دل جتنی جتنی تعداد کی گواہی دے اتنی اتنی تعداد اپنے پاس لکھ کر محفوظ کرلیں، اور روزانہ فوت شدہ کچھ نمازیں پابندی سے پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رمضان کے فوت شدہ روزے بھی، رمضان کے بعد قضا کرنا شروع کردیں، اگر ٹی بی کے مرض کی وجہ سے اتنے روزے رکھنے کو ڈاکٹر منع کرتے ہوں تو صحت یاب ہونے تک انتظار کریں، اگر ڈاکٹروں کا ظن غالب اور خود آپ کا ظن غالب یہ ہو کہ خدانخواستہ اس مرض سے مکمل شفا نہیں ہو سکتی اور آئندہ کبھی بھی آپ اتنے روزے نہیں رکھ سکتے تو روزوں کا فدیہ دے دیں، ایک روزے کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے۔ جو روزے رمضان میں رکھ کر بغیر کسی عذر کے قصداً توڑ دیئے ان کا کفارہ بھی لازم ہوگا، ایسے جتنے روزے جتنے رمضانوں میں توڑے ہوں ان کی تفصیل لکھ کر ان کے کفارے کا مسئلہ بعد میں معلوم کرلیں۔ جتنے لوگوں کا جتنا مال چرایا یا دھوکا دے کر حاصل کیا، سب اچھی طرح یاد کر کے اپنے پاس لکھ لیں، جتنی جتنی گنجائش ہو اس گنجائش کے مطابق تھوڑا تھوڑا یہ مال اس کے حق داروں کو ادا کرنا شروع کردیں، یا ان سے معاف کرالیں، اگر انہوں نے معاف کردیا تو ادا کرنا نہیں پڑے گا۔ اسی طرح جوا میں جتنا مال کسی سے جیتا وہ اس کو حسب گنجائش تھوڑا تھوڑا ادا کریں یا معاف کرالیں۔

ہاتھ یا لڑکے کے ساتھ گناہ تو بس اس کی توبہ اتنی کافی ہے کہ اس گناہ پر اللہ کے سامنے شرمندہ ہو کر، رو رو کر معافی مانگے اور آئندہ کے لئے عزم کرلے کہ اس گناہ کے پاس بھی ہرگز نہیں جاؤں گا، اس طرح توبہ مکمل ہو جائے گی، اور توبہ مکمل ہو جانے پر توبہ ضرور قبول ہو جاتی ہے، بے فکر رہیں اس میں شک نہ کریں،(۱) جو گناہ کئے ہیں ان کو بھلا دیں اور کسی سے ان کا ذکر ہرگز نہ کریں۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۹/۹/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۸۹۱ و)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

---

(۱) کما ثبت من قوله تعالیٰ: "إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا" (الزمر آیت: ۵۳)۔

وجاء في الحديث: التائب من الذنب كمن لا ذنب له۔ (المعجم الكبير للطبراني ج: ۱۰ ص: ۱۵۰ حديث رقم: ۱۰۲۸۱)۔

اپنے پاؤں کے خاکے کے تلوے پر قرآنی آیت لکھنے والے شخص کا حکم

سوال (۵۱۲):- ایک شخص جو کہ پیری مریدی کرتا ہے اور ہاتھ پر کافی آدمیوں کو بیعت کر چکا ہے، اس نے اپنے داہنے پیر کا خاکہ کاغذ پر اُتروایا اور اس خاکے میں تلوے کے مقام پر کلامِ پاک کی آیت تحریر کی، جو کہ سخت بے ادبی ہے، اور کلامِ پاک کا تمسخر اُڑایا۔ خاکے کے داہنے طرف چند دُعائیہ آیات ہیں اور اپنے مریدین کو یہ ہدایت بھی تحریری طور پر کی کہ اس خاکے کو قبر میں سینے پر رکھیں تا کہ خیر و برکت ہو۔ اب خدارا اس مسئلے پر غور فرما کر بہ اعتبار شریعت فتویٰ صادر فرمائیں اور جو سزا ہو سکتی ہے قرآنِ کریم کی بے حرمتی کے سلسلے میں وہ بھی تحریر فرمائیں اور اس کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے؟

جواب:- یہ سب کارروائی نہایت قبیح، جاہلانہ، گستاخانہ اور ناجائز ہے، اس شخص سے سب مسلمان پرہیز کریں، اگر ملک میں اسلامی قانون نافذ ہوتا تو اس کو سخت سزا دی جاتی، سزا صرف حکومت جاری کر سکتی ہے، عوام صرف اتنا کریں کہ اس شخص سے بچیں اور یہ شخص صدقِ دِل سے توبہ و استغفار کرے، اس کے پیچھے لوگ نماز نہ پڑھیں، نہ اس سے بیعت کریں۔ واللہ اعلم

۱۲ / ۸ / ۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱۹۵ / ۲۴ و)

کنجوسی و کفایت شعاری اور فضول خرچی و سخاوت کے درمیان فرق کو پہچاننے کا طریقہ

سوال (۵۱۳):- میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے رہتے ہیں، لہٰذا کچھ ایسے خیالات قلم بند کر کے ملاحظے کے لئے ارسال کر رہا ہوں۔

کنجوسی و کفایت شعاری اور فضول خرچی و سخاوت متضاد صفات ہیں، شاید ان کی کافی واضح تعریف موجود نہیں ہے، اس وجہ سے کبھی کبھی ان کی کیفیت مشتبہ ہوتی ہے کہ کفایت شعاری کی صورت میں کنجوسی کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، اور سخاوت کی شکل میں فضول خرچی کی راہ نکل آتی ہے، اس لئے مذکورہ صفات کی امتیازی علامت کے طور پر قطعی حدِ فاصل غالباً اس قاعدہ کلیہ پر قائم ہو سکتی ہے کہ انسان کا ہر عمل اُنہی اُصول میں یا تو خیر ہے یا شر، اس لئے کفایت شعاری یا سخاوت جیسے اعمالِ صالحہ کے لئے خیر کے اساسی اُصول سے مطابقت رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ خیر کے اساسی اُصول انصاف کے منافی عمل مثلاً حق تلفی کی موجودگی میں نہ تو سخاوت کا جواز پیدا ہوتا ہے نہ کفایت کا، یعنی حق تلفی کر کے کفایت یا سخاوت کرنے کو عملِ صالح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایسے ہی کسی عمل کو صالح وغیر صالح کے معیار پر جانچنے کے لئے بھی ترجیحی اُصول کا قاعدہ نہایت معقول معلوم ہوتا ہے کیونکہ بہتر کے حصول کی خاطر کمتر کو چھوڑ دینا تو قرینِ عقل امر ہے لیکن کمتر کے حصول کے لئے بہتر کو چھوڑنا خلافِ عقل ہے اور چونکہ اخلاقی اقدار اور مادی اقدار کی درجہ بندی کی صورت میں اخلاقی اقدار کی فوقیت و برتری مُسلَّمہ ہے اس وجہ سے اخلاقی مقاصد کی خاطر مادّی مفاد کو قربان کردینا دُرست ہے جبکہ مادّی مفاد کے لئے اخلاقی مفاد کو نظر انداز کرنا دُرست ہے لہٰذا اس قاعدے کے مطابق وہی عمل صالح منظور ہوگا جو اسلامی اخلاق کے بنیادی حقائق سے بھی ہم آہنگ رہتا ہو اور وہ عمل غیر صالح قرار دیا جائے گا جو اسلامی اخلاق کے بنیادی اُصولوں سے متصادم ہوتا ہو، والسلام۔

جواب :- کنجوسی شرعاً مذموم ہے اور کفایت شعاری محمود، اسی طرح فضول خرچی مذموم ہے اور سخاوت محمود، کنجوسی اور کفایت شعاری کا باہمی فرق الفاظ سے اس طرح سمجھ لینا کہ وہ تمام حالات اور جزئیات پر منطبق ہوجائے اور سمجھنے والے کو کوئی غلطی پیش نہ آئے بہت مشکل ہے۔ یہی حال فضول خرچی اور سخاوت کے باہمی فرق کا ہے، جب انسان دین کے عملی میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس قسم کی اور بھی بہت چیزیں پیش آتی ہیں، مثلاً اللہ کی نعمت کا اظہار پسندیدہ چیز ہے مگر فخر اور ریا حرام ہے، اسی طرح تواضع اور انکساری ایک محمود اور ضروری صفت ہے مگر اپنے نفس کو ذلیل کرنا جائز نہیں، عزتِ نفس پسندیدہ خصلت ہے، مگر تکبر و عُجب حرام ہے، یہ سب صفات اگر چہ اپنی اپنی جگہ واضح ہیں مگر کہاں ایک پسندیدہ صفت کی حدود ختم ہو کر اس کی مقابل مذموم صفت کی حدود شروع ہوجاتی ہیں اس کا اپنے اعمال میں ہر وقت فیصلہ کرنا مشکل کام ہے۔

اس مشکل کا اصل حل تو یہ ہے کہ کسی متبع سنت عالم باعمل کی خدمت میں رہ کر ان صفات کی عملی تربیت حاصل کریں، وہ عالم ایسا ہونا چاہئے جو خود اللہ والوں کا تربیت یافتہ ہو اور تربیت دینے کی اہلیت اُس میں ہو، اس تربیت سے طبیعت میں ایسا راسخ ملکہ پیدا ہوجائے گا کہ ہر موقع پر وہ صحیح فیصلہ کر کے عمل کر سکے گا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین اسی طرح سیکھا تھا اور آج تک دین سیکھنے کا یہی طریقہ کہیں اُستاذی شاگردی کی صورت میں اور کہیں پیری مریدی کی شکل میں چلا آتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ کو اگر بریانی پکانے کا طریقہ زبانی یا تحریری طور پر بتا دیا جائے تو محض اس کی بنیاد پر آپ بریانی نہیں پکا سکتے، جب تک کسی ماہر سے عملی تربیت حاصل نہ کریں گے یہی ہوتا رہے گا کہ کھانا چاہیں گے دال اور ہوجائے گا دلیہ۔

یہ تو تھا آپ کی اس مشکل کا اصلی حل، لیکن آپ کی دریافت کردہ صفات کا باہمی فرق الفاظ میں بیان کر دینا بھی فائدے سے خالی نہیں، اس لئے وہ بھی لکھا جاتا ہے۔

کنجوسی یہ ہے کہ شریعت نے جن مواقع میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اُن میں قدرت کے

باوجود (یعنی شرعی عذر کے بغیر) خرچ سے رُکے۔ اور کفایت شعاری یہ ہے کہ ایسے خرچ سے باز رہے جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دُنیا کا کوئی جائز فائدہ، اور اگر فائدہ دین یا دُنیا کا ہو بھی مگر اُس کی وجہ سے دین یا دُنیا کا بڑا فائدہ فوت ہوجائے یا دِین یا دُنیا کا کوئی اپنا بڑا ضرر لاحق ہوجائے، کنجوسی کی ضد سخاوت ہے، اور کفایت شعاری کی ضد فضول خرچی۔ مثلاً مہمان داری میں خرچ کرنا کارِ ثواب ہے، اور دُنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مہمان کے دِل میں آپ کی محبت وقربت پیدا ہوگی، لیکن اگر مہمان داری میں اپنی مالی گنجائش سے زیادہ خرچ کرڈالا جس کے باعث آپ مقروض ہوگئے یا بیوی بچوں کے شرعی حقوق تلف ہوگئے تو آپ کا یہ فعل سخاوت کی حدود سے نکل کر فضول خرچی میں داخل ہوگیا، اور اگر ان خرابیوں سے بچتے ہوئے آپ نے مہمان داری کی تو یہ فعل سخاوت بھی ہے اور کفایت شعاری بھی، اور اگر مالی گنجائش کے باوجود اور اُن خرابیوں کا خطرہ نہ ہونے کے باوجود آپ نے مہمان داری میں ایسی کوتاہی کی کہ مہمان کا اِکرام آپ کی حسبِ حیثیت نہ ہوسکا تو یہ کنجوسی ہے۔[1]

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۶/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۳۱۶ ج)

اپنے آپ کو کسی دربار یا خانقاہ کا ''کتا'' کہنا یا لکھنا؟

سوال (۵۱۴):- اثنائے گفتگو میں لوگ اپنے کو مختلف خانقاہوں سے اپنا تعلق جتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''میں فلانے دربار کا کتا ہوں'' یا کسی خانقاہ میں کتبے کے نیچے لکھا ہوتا ہے: ''من جانب سگِ دربار فلاں'' کیا ایسا کرنا مناسب ہے؟

جواب:- اپنے قصد واختیار سے ایسا کرنا اچھا نہیں، البتہ جس پر محبت وعقیدت کا اتنا غلبہ ہو کہ بے اختیار اُس سے یہ الفاظ نکلتے ہوں، وہ معذور ہے۔

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۲/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۷۵)

اسلام رَہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا

سوال (۵۱۵):- میری مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے جو شرق کی سمت جانا چاہتا ہو اور وہی اس کی اصل منزل ہو، لیکن وہ مغرب کی جانب سفر کررہا ہو جبکہ وہ سمجھ بھی رہا ہو کہ میں غلط سمت میں سفر کررہا ہوں۔ میرا مقصد دُنیا نہیں دِین ہے لیکن کبھی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور بہت روتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ دُنیا کی سجاوٹ بناوٹ اور اس کے حصول سے بچا کر دِین پر چلنے والا بنادے، کیونکہ دُنیا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾" (الفرقان)۔

..... فی تفسیر القرطبی: قال ابن عباس ..... من منع من حق علیہ فقد قتر، قالہ مجاهد وابن زید وغیرهما۔

بقدرِ مقدر اور دِین بقدرِ محنت، لیکن یہ رونا وقتی ہوتا ہے اور جب مسجد سے اُٹھ کر گھر آتا ہوں اور وہی دُنیاداری ہوتی ہے تو پھر دُنیا میں لگ جاتا ہوں، دِل چاہتا ہے کہ گھربار، بہن بھائی کو چھوڑ کر فرار ہوجاؤں اور کسی تنہا جگہ یا دِین دار لوگوں میں جا کر مل جاؤں، کیونکہ مجھ جیسے دُنیادار کے لئے میرے گھر، محلے اور فیکٹری اور اس سوسائٹی میں جس سے میرا سابقہ ہے دِین پر چلنا مجھے بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، کیا میرا ایسا کرنا صحیح ہوگا؟ دِل چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کرلوں مگر حرام ہونے کے خیال پر ایسا کرنے پر خوف آتا ہے۔ شادی کے سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ اُس وقت تک شادی نہ کروں جب تک مکمل دِین پر عمل نہ کروں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اپنے ساتھ اور کئی جانوں کو لے کر جہنم میں داخل ہوں، یعنی جب میں خود اس پر نہیں چل سکتا یا نہیں چلتا ہوں تو اپنے گھر اور بچوں کو کیسے چلاؤں گا؟ اس تصور سے شادی سے اجتناب کرنا کیسا ہے؟

جواب: ۱- اسلام ترکِ دُنیا اور رَہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا[1]، ہر مسلمان اپنے عمل کا جواب دہ ہے، اگر کبھی گناہ ہوجائے تو مایوس نہ ہو، توبہ و استغفار کرے اس سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے، کسی کا حق مارا ہو تو وہ ادا کرے، گناہ کس سے نہیں ہوتا؟ گناہ سے تو صرف انبیائے کرام ہی معصوم ہیں، اُمتیوں کا کام تو یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی کوشش میں لگے رہیں، جب گناہ ہوجائے توبہ و استغفار کرے اور اس گناہ کو بھول جائے، دُوسرے لوگ اگر شریعت کے خلاف عمل کرتے ہیں اُنہیں نرمی اور ہمدردی سے تبلیغ کردیں، وہ نہ مانیں تو آپ کا فرض پورا ہوگیا، اب آپ پر ذمہ داری نہیں، یہی شریعت کا حکم ہے اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، پھر خودکشی تو سخت حرام ہے اس کا تو کبھی ارادہ نہ کریں۔

دِین پر مکمل طور سے چلنے کا دعویٰ کون کرسکتا ہے؟ آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ دِین پر مکمل طور سے چلنے سے پہلے شادی نہ کروں گا، شادی کرنا بھی تو دِین ہی کا کام ہے، بیوی بچے آپ کی کوشش و تربیت کے باوجود راہِ راست پر نہ آئے تو ان کا گناہ آپ پر نہ ہوگا، جو بات آپ نے لکھی ہے اس کی بنا پر شادی سے اجتناب کرنا دُرست نہیں۔

واللہ اعلم

۴/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۴۴۳ ب)

کیا دُنیا کا کاروبار ثواب کا کام بن سکتا ہے؟

سوال (۵۱۶):- ہم چاہتے ہیں کہ دِین کی کمائی زیادہ سے زیادہ کریں اور اہل و عیال کی وجہ سے دُنیاوی کاروبار میں مصروف رہنا پڑتا ہے، تو ایسی صورت میں کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے دُنیاوی کام بھی

---

(۱) کما جاء في الحدیث: لا رَهبانیة في الإسلام- (مصنّف ابن ابی شیبة، کتاب النکاح ج:۳ ص:۳۷۰)

.... وفي شریعتنا العشرة أفضل العزلة کما قال صلی الله علیه وسلم: لا رهبانیة في الإسلام وقد بیّنا ان النکاح مشتمل علی مصالح جمّة (المبسوط للسرخسي، کتاب النکاح ج:۵ ص:۲۵۳)۔

ہواور دینی توجہ بھی رہے؟

جواب:- دُنیاوی کاروبار اگر شریعت کے مطابق ہواور اس میں اتنا اِنہماک نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ یا بندوں کے حقوق ترک ہونے لگیں تو وہ بھی ایک کارِثواب اور دِین کی کھیتی ہے، البتہ ناجائز کاروبار سے مکمل اِجتناب کیجئے، اور جائز اور ناجائز کے مسائل کا مطالعہ ''بہشتی زیور'' میں کرتے رہا کریں، ہفتے میں کم از کم ایک بار کسی متبعِ سنت عالمِ دِین کی صحبت میں جا کر بیٹھا کریں جو کسی مستند بزرگ کی طرف سے مجازِ صحبت ہوں۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۳۹۱/۸/۱۵ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۰۰۲ ج)

کیا کوئی ولی اپنی مرضی سے کرامت ظاہر کرسکتا ہے؟ نیز کیا وفات کے بعد کسی ولی کی کرامت ظاہر ہوسکتی ہے؟

سوال (۵۱۷):- بعد وفات کسی ولی کی کرامت نہ کہ آثارِ کرامت ثابت ہے؟ کرامت کا ظہور کوئی ولی اپنی مرضی سے کرسکتا ہے؟

جواب:- کرامت کا ظہور کسی ولی یا بزرگ کے قبضۂ قدرت میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کرامت کسی کی ظاہر نہیں ہوسکتی، البتہ اللہ تعالیٰ جس ولی یا بزرگ سے کرامت کا اِظہار کرنا چاہے خواہ اُس ولی کی حیات میں ہو یا وفات کے بعد، اللہ اس پر بہرحال قادر ہے، اور اس میں کوئی عقلی یا شرعی اِستحالہ نہیں۔ (۱)

واللہ اعلم

۱۳۹۲/۱۰/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳/۱۳۲۱ و)

''کلیاتِ امدادیہ'' کے بعض اَشعار کی توجیہہ

سوال (۵۱۸):- چند اَشعار ''کلیاتِ امدادیہ'' میں درج ہیں، ان کا ظاہری مضمون خلافِ شرع ہے، ان کی تاویل سے واقف فرماویں، یہ اشعار حضرت حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے ہیں:-

ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبین
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول اللہ
(گلزارِ معرفت ص:۶)

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے: مقدمہ کراماتِ امدادیہ مرتبہ مولانا انعام اللہ ص:۵۔

دوڑ کر سر قدمِ پاک پر رکھ دوں اپنا

دھیان کس کو ادب و بے ادبی کا ہووے

ہوئی ایسے ستمگر سے محبت

نہیں ہے اس میں اصلاً بوئے رحمت

تڑپتا ہوں جس کے غم دن رات

خبر اس کو نہیں ہیہات ہیہات

جواب:- اَشعار میں خیال آفرینی،تشبیہ،مجاز، اِستعارے اور کنایات کا استعمال بکثرت ہوتا ہے،ہر لفظ کو اُس کے حقیقی معنی میں استعمال نہیں کیا جاتا، بلکہ بسا اوقات اُس کے مجازی معنی مراد ہوتے ہیں، ان اَشعار میں بھی یہی صورت ہے۔ مثلاً پہلے شعر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے سے مراد مسجدِ نبوی ہے، متکلم مسجدِ نبوی میں سجدہ ریزی یعنی نماز پڑھنے کی تمنا کر رہا ہے۔ اسی طرح دُوسرے شعر میں قدم پر سر رکھنے سے مراد غایت درجہ تعظیم وعقیدت ومحبت کا اظہار ہے، حقیقۃً سر کو قدم پر رکھنا مراد نہیں، جیسے محاورے میں بکثرت کہا جاتا ہے کہ ''میں پچھلے ماہ قدم بوسی کر چکا ہوں، آئندہ ماہ پھر قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں گا۔''

ظاہر ہے کہ اس جملے میں حقیقۃً پاؤں چومنا مراد نہیں بلکہ عقیدت مندانہ حاضری مراد ہے، اسی طرح شعر مذکور میں پاؤں پر سر رکھنے سے اس کے محاورے کے معنی مراد ہیں لفظی ترجمہ مراد نہیں، اور حاصل یہ ہے کہ متکلم غایت درجہ تعظیم وعقیدت مندی کے ساتھ اپنی حاضری کی تمنا کر رہا ہے۔

اور کبھی صوفیائے کرام اپنے اَشعار میں خطاب محبوبِ مجازی کو کرتے ہیں اور اُسی کے مناسب اُس کی صفات ذکر کرتے ہیں، پھر کسی خاص لفظ یا جملے سے نہیں بلکہ مجموعۂ کلام سے ذہن محبوبِ حقیقی کی طرف منتقل کرتے ہیں، اس کو فن ''اعتبار'' کہا جاتا ہے۔ تیسرے شعر میں یہی صورت ہے کہ ستمگر وغیرہ صفات محبوبِ مجازی کی ہیں، محبوبِ حقیقی کی یہ صفات مراد نہیں۔

تاہم اگر کسی کو ان جیسے اَشعار کے پڑھنے سے اِنقباض ہوتا ہو یا تاویلِ صحیح سمجھ میں نہ آتی ہو تو اُسے اُن کے پڑھنے سے اِحتراز کرنا چاہئے، لیکن صاحبِ شعر جو کہ متبع شریعت ہو (جیسے حضرت حاجی اِمداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اُس کے عقیدے کے متعلق ہرگز بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں، کسی شعر کی اگر تاویلِ صحیح سمجھ میں نہ آئے تو سمجھنا ضروری نہیں، مگر بدگمانی سے بچنا بہرحال ضروری ہے۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۳۹۴/۸/۱۹ھ	بندہ محمد شفیع
(فتویٰ نمبر ۱۲۱۷/۲۵ و)	۱۳۹۴/۸/۱۹ھ

حضرت حاجی اِمداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے سفرِ حج اور روضۂ اقدس پر حاضری کے ایک واقعے کی تحقیق

سوال (۵۱۹): - حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کا سفرِ حج اور چند اشعارِ مخصوص کا روضۂ اطہر پر پڑھنے کا ارادہ، اور بادشاہِ وقت کو حضور کی زیارت اور اشعار پیش کرنے والے کی طرف اشارہ، اور بادشاہ کا حضرت حاجی صاحب کو قید کرنا پھر بادشاہ کو زیارت میں حکم ہونا کہ ان کو کیوں قید کیا گیا؟ اگر وہ آ کر اشعار پیش کرتے تو قبرِ نبوی سے ہاتھ مبارک کا باہر آنا جیسے مشہور ہے بحوالہ ''انوارِ مدینہ'' لاہور از رسائل مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور۔ یہ مشہورِ عالم واقعہ اکثر کتب میں نامکمل ہے، کیا یہ واقعہ غلط ہے یا ہاتھ مبارک کا باہر آنا محال ہے؟

جواب: - حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ واقعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اپنی کتاب ''فضائلِ درود شریف'' میں ص: ۱۱۸ میں نقل کیا ہے، ساتھ ہی یہ صراحت بھی فرمائی ہے کہ یہ واقعہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا اپنے والد صاحبؒ سے زبانی سنا تھا۔

احقر محمد رفیع عرض کرتا ہے کہ میری خواہش تھی کہ کتابوں میں اس واقعے کو تلاش کروں مگر یہاں فوری ضرورت کے فتاویٰ اتنی کثرت سے آتے رہتے ہیں کہ اس کا موقع نہ مل سکا، موقع کے انتظار میں تاخیرِ جواب کا بھی مرتکب ہونا پڑا، تاہم اس واقعے کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں جبکہ شیخ الحدیث جیسے بزرگ محقق اپنے والد جیسے عظیم متقی عالمِ دین سے اس کی روایت کر رہے ہیں، اور شرعاً یا عقلاً بھی اس واقعے کی صداقت میں اِشکال نہیں، کیونکہ دستِ مبارک کا باہر آنا محال نہیں، سیّد احمد رفاعیؒ کا ایسا ہی ایک قصہ مشہور ہے، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے ''فضائلِ حج'' میں یہ واقعہ علامہ سیوطیؒ کی کتاب ''الحاوی'' سے نقل فرمایا ہے۔

واللہ اعلم

۱۸/۲/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۳۷۱ الف)

***
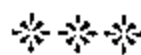
کتاب حقوق المعاشرة وآدابها

(معاشرت کے حقوق وآداب کے بارے میں)

پیر کی حمایت میں والد کو تکلیف پہنچانا حرام ہے

سوال (۵۲۰):- میری دو لڑکیاں ہیں اور دو نواسیاں گھر میں موجود تھیں، وقوعہ کے روز ۱۱-۱۲ بجے کے درمیان چھوٹی لڑکی نے کرایہ نامہ ہاتھ میں لے کر غصّے میں مجھے خطاب کیا کہ آپ نے اس میں پانی کا ذِکر نہیں کیا جبکہ اُس میں وہ موجود تھا، میں نے کہا: تم پڑھ کر دیکھ لو اور جو خامی نظر آئے اُس کو دُرست کرلیا کرو، لیکن وہ تو آگ بگولہ ہوگئی، میں چارپائی پر بیٹھا لکھ رہا تھا، حملے کی غرض سے میری طرف بڑھی جبکہ نواسیوں نے مجھے پکڑ رکھا تھا، لیکن میری بیوی نے آکر خوب ہاتھ ہلائے، یہ سب اُس پیر کی حمایت میں تھا، میں اس پر باہر چلا گیا، تو بڑی لڑکی اور نواسی گاڑی لے کر مجھ کو منت سماجت سے گھر واپس لے آئیں، چھوٹی لڑکی کو جنون سا ہے پیر کو شاید خدا سے زیادہ سمجھتی ہے۔ ایک عزیزہ نے بھی اُس کو سمجھایا کہ باپ کی اطاعت کے بغیر بخشش نہیں ہوسکتی۔

جواب:- چھوٹی لڑکی نے جو حرکت اپنے والد کے ساتھ کی وہ سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، یہ ایسا گناہ ہے کہ جب تک والد ہی معاف نہ کرے، توبہ سے بھی معاف نہیں ہوسکتا۔ والد یا والدہ کو تکلیف پہنچانا، بُرا کہنا اور مارنا سخت حرام ہے۔[1] لڑکی پر لازم ہے کہ فوراً والد سے معافی مانگے، جب تک والد معاف نہ کردیں چین سے نہ بیٹھے، اور آئندہ اُن کی خدمت اور اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے، ورنہ سخت وبال کی مستحق ہوگی۔

شوہر کی نافرمانی اور ایذا رسانی یا اس کی شان میں گستاخی یہ سب سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں،[2] بیوی نے جو حرکت ناحق شوہر کے ساتھ کی یہ سخت گناہ کی مرتکب ہوئی، فوراً شوہر کو راضی کرے اور آئندہ اُس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرے، ورنہ سخت عذاب کی مستحق ہوگی۔ اس قسم کے گناہوں کا عذاب بسا اوقات دُنیا میں بھی آجاتا ہے، اللہ سے پناہ مانگے، اور نام نہاد پیر سے فوراً کنارہ کش ہوجائے۔ جو شخص شریعت کا

---

(۱) عن انس بن مالك قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم: الكبائر ..... فقال: الإشراك بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين .... الخ (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر)۔

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاثة لا يقبل لهم صلوٰة ولا تصعد لهم حسنة: العبد الآبق حتّٰى يرجع إلى مواليه فيضع يده في أيديهم، والمرأة الساخط عليها زوجها والسكران حتّٰى يصحو (السنن الكبرىٰ للبيهقي، ج:۱ ص:۳۸۹، صحيح ابن حبان، باب آداب الشرب)۔

. ... وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به (الدر المختار، كتاب النكاح، باب القسم، ج:۳ ص:۲۰۸، سعيد)۔

پابند نہ ہو، نامحرم عورتوں سے بے پردہ ملتا ہو، فاسق اور گنہگار ہے، ایسا شخص پیر نہیں ہوسکتا، اُس کا مرید ہونا سخت جہالت اور گمراہی ہے۔ واللہ اعلم

۵/۵/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۹۲/۲۵ د)

کیا باپ، بیٹے کا خط کھول کر پڑھ سکتا ہے؟

سوال (۵۲۱):- میرے شوہر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ بیٹے کا خط کھول کر باپ پڑھ لے؟

جواب:- اپنی اولاد کی مصلحت اور خیرخواہی کے لئے اگر باپ ایسا کرتا ہے تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۷/۲/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۵۲/۲۵ ب)

کیا والد کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا ضروری ہے؟

سوال (۵۲۲):- کیا باپ کو حق حاصل ہے کہ اپنے بیٹے کو کہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو جبکہ بیوی کا کوئی قصور نہ ہو، کیا بغیر قصور کے بیٹا ماں باپ کے کہنے پر طلاق دے سکتا ہے؟

جواب:- اپنی اولاد کی مصلحت اور خیرخواہی کے لئے اگر باپ یہ بات کہے تو جائز ہے، رہی یہ بات کہ باپ کے اس فرمان کی تعمیل لڑکوں کو کرنی چاہئے یا نہیں؟ تو اگر لڑکے کو ظنِ غالب یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد حرام کاری میں مبتلا ہو جاؤں گا یا بیوی کی جدائی کے باعث کسی اور گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا تب تو تعمیل نہیں کرنی چاہئے، ورنہ تعمیل کریں اور طلاق دے دیں۔ (1) واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۷/۲/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۵۲/۲۵ ب)

والدین کو اَذیت دینے والے سے تعلقات قطع کرنے کا حکم

سوال (۵۲۳):- نیاز احمد، محمد سعید دونوں بھائی ہیں، ان دونوں نے اپنے والدین کی اتنی بڑی

---

(۱) عزیز الفتاویٰ مبوب مکمل ج:۱ ص:۱۷۳ (جواب سوال نمبر ۱۲۸)۔
نیز تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: رسالہ تعدیل حقوق الوالدین از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ جو بہشتی گوہر کے آخر میں ملحق ہے۔

بے عزتی کی ہے کہ ایک جاہل آدمی اپنی بیوی کو بھی ایسی ذِلت آمیز بات نہیں کہتا، جیسا کہ انہوں نے اپنے والدین کو کہا ہے، باپ کو بے ایمان، جھوٹا، سکھ، اور دیگر اُلٹی پلٹی باتوں سے نوازا، نیاز احمد بندوق لے کر باپ کو گولی مارنے دوڑا، پورے گاؤں والے ان واقعات سے آگاہ ہیں، مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ان سے مراسم رکھتے ہیں۔

جواب:- یہ دونوں بھائی سخت حرام کے مرتکب ہوئے ہیں، ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی آہ وزاری کے ساتھ توبہ واستغفار کریں اور ماں باپ کو بھی جس طرح ممکن ہو راضی کریں، ورنہ سخت عذاب کے مستحق ہوں گے، اس گناہ کی سزا بسا اوقات دُنیا میں بھی مل جاتی ہے، اُس سے ڈریں، اگر یہ دونوں بھائی توبہ نہ کریں یا والدین کو راضی نہ کریں تو ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات منقطع کر لئے جائیں، ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۴/۹/۹ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۸۷/۲۴ ز)

والدین سے حسنِ سلوک بہر حال ضروری ہے

سوال (۵۲۴):- والدین ضعیف العمر ہیں، یہ ایمان رکھتا ہوں کہ مجھے کتنا ہی مادّی نقصان کیوں نہ اُٹھانا پڑے اُن کی دِل آزاری نہ کروں گا۔ آٹھ سال قبل میری شادی کا پروگرام بنا، میں نے تعلیم کی وجہ سے شادی سے انکار کر دیا، شادی والے روز والد نے کہا کہ میں تیرا باپ ہوں اور اُن کی آنکھ سے آنسو نکل آئے۔ میں نے ان کی بات منظور کر کے شادی کر لی، اگر چہ میرے مستقبل کی قربانی کا معاملہ تھا، پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا، ایک روز تلاوت میں یہ آیت گزری کہ ''جس کو تم نقصان دہ سمجھتے ہو ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے لئے مفید ہو'' میں نے اپنا فیصلہ بدل کر بیوی سے تعلقات بحال کر لئے اور پھر تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا، کاروبار شروع کیا اور جو کچھ دِن بھر کمائی ہوتی ہے وہ والد صاحب کو حاضر کر دیتا ہوں۔ اس کے باوجود اَبا جی غیر مطمئن ہیں، عام حالات میں وہ نہایت شفیق ہوتے ہیں مگر جلالی کیفیت میں تخریب کار، کام چور، نافرمان، غدار خانہ قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ یہ حکم ہے کہ والدین کے سامنے اُف بھی نہ کیا کرو، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا والدین سے غلط فیصلہ ہوسکتا ہے، اگر والدین اولاد کے لئے کوئی فیصلہ کریں اور وہ غلط ہو تو لڑکا اُس کو غلط کہنے کا حق رکھتا ہے یا کسی کا باپ ماں بن جانا اُس کے فرشتہ ہونے کی دلیل ہے؟

جواب:- ماں باپ گناہوں سے پاک اور معصوم نہیں ہوتے، صرف اس وجہ سے کہ وہ ماں باپ ہیں ان کے جھوٹ کو سچ نہیں کہا جاسکتا، لیکن بیٹے کو اُن کا ادب واحترام ملحوظ رکھنا بہرحال ضروری ہے، اگر وہ ناجائز کام کا یا کسی حق دار کی حق تلفی کا حکم دیں تو اُس حکم پر ہرگز عمل نہ کریں، مگر اُن سے سخت کلامی بھی نہ کریں، یا تو خاموش رہیں اور عمل شریعت کے مطابق کریں، اگر اس پر وہ ناراض ہوں تو شرعاً آپ پر کوئی گناہ نہیں اور اس صورت میں آپ کو نافرمان بیٹا قرار نہیں دیا جائے گا، یا اگر اُمید ہو کہ آپ کی بات سے وہ ناراض نہیں ہوں گے تو نرمی اور ادب کے ساتھ شریعت کی بات اُن کے گوش گزار کردیں۔

اور باپ اگر کبھی غصے میں آپ کو بُرا بھلا کہیں تو بالکل صبر کر کے خاموش رہیں، سخت کلام کا جواب ہرگز سختی سے نہ دیں،[1] ایک وقت وہ سخت بات کرتے ہیں تو دُوسرے وقت شفقت بھی کرتے ہیں، غصے میں ماں باپ بسا اوقات بیٹے کو غدار خانہ، یا کام چور وغیرہ بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ دل میں بھی بیٹے کو غدار یا کام چور سمجھتے ہوں، محض غصہ نکالنے کے لئے ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں، جس پر صبر کرنے کے سوا چارہ نہیں اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۱۲۶۰/۲۵ و)

والدہ اولاد سے اجازت لینے کی پابند نہیں

سوال (۵۲۵):- ہم لوگ چھ سگے بھائی ہیں، ہماری والدہ صاحبہ ہم تین چھوٹے بھائیوں کے ساتھ رہ رہی ہیں، ہم والدہ صاحبہ کو خرچ کھانا وغیرہ دیتے ہیں، تین بڑے بھائی الگ رہ رہے ہیں وہ والدہ کو خرچ نہیں دیتے، والد صاحب وفات پاچکے ہیں۔

اب ہم تین چھوٹے بھائیوں کا والدہ کے ہمراہ کراچی رہنے کا ارادہ ہے لیکن بڑے بھائی والدہ کے کراچی رہنے پر ناراض ہیں، اور ساتھ رکھنے کی صورت میں خرچ بھی نہیں دیتے، کیا والدہ بڑے بیٹوں کی اجازت کے بغیر کراچی رہ سکتی ہیں؟

جواب:- والدہ اپنے بیٹوں کی اجازت کی پابند نہیں، جہاں رہنے میں وہ اپنی مصلحت سمجھیں، بیٹوں کی اجازت کے بغیر بھی رہ سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۸/۷/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۹۳/۲۴ ء)

---

(۱) قال تعالیٰ: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ (بنی اسرائیل)۔

باپ اور بیٹے کی رائے میں اختلاف ہوتو شرعی حل کیا ہے؟

سوال (۵۲۶):- جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اُس دن سے آج تک میرے اور میرے والد صاحب کے خیالات میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، اس صورت میں میری اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش، شادی بیاہ وغیرہ کے تمام اُمور میری مرضی سے ہوں یا بچے کے دادا یعنی میرے والد صاحب کی مرضی سے ہوں؟ اس کا شرعی جواب عنایت فرمایا جائے۔

جواب:- باپ اور دادا میں سے جس کی بات شریعت کے خلاف ہو اُس کی بات نہیں مانی جائے گی، جس کی بات شریعت کے موافق ہو اُس کی مانی جائے، اور اگر دونوں کی بات شریعت کے موافق ہو تو باپ کا حق مقدم ہے، باپ کی بات مانی جائے گی۔ نکاح تعلیم و تربیت وغیرہ سب اُمور میں یہی حکم ہے، مگر بیٹے کو چاہئے کہ وہ جہاں تک ہو سکے اپنے باپ کو راضی رکھے اُن کے مقابلے پر ضد نہ کرے بشرطیکہ باپ (دادا) کی بات شریعت کے خلاف نہ ہو۔ واللہ اعلم

۲۸/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۸۱۳ ج)

والدہ دُوسری شادی کر لے تو بھی اس کے ساتھ حسنِ سلوک ضروری ہے

سوال (۵۲۷):- میرے والد صاحب کا انتقال میری پیدائش سے دو ماہ قبل ہی ہو گیا تھا، مجھ سے دو بڑے بھائی اور دو بہنیں ہیں، والد صاحب کے انتقال کے وقت میری ماں کی عمر تقریباً ۲۷-۲۸ سال رہی ہوگی، والد صاحب سرکاری ملازم تھے، اور انہوں نے کوئی اثاثہ یا جائیداد نہیں چھوڑی تھی۔ والدہ نے کچھ عرصے بعد نکاحِ ثانی کر لیا، ہم لوگوں کی پرورش پھوپھی صاحبہ نے کی، پھوپھی اور پھوپھا نے بہنوں کی شادیاں کر دیں، اور ہم بھائیوں کو تعلیم دِلائی اور شادیاں بھی کیں۔ یہ پھوپھی ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے فضل سے ہم تینوں بھائی مالی طور پر آسودہ حال ہیں اور ہزاروں لاکھوں سے بہتر ہیں۔

میری ماں اپنے دُوسرے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں، نکاحِ ثانی سے ان کے چار اولادیں ہوئیں، ہم لوگوں کے تعلقات ان کے دُوسرے شوہر کی اولاد سے خوشگوار رہے، لیکن پچھلے ایک سال سے کچھ ایسی بات ہو گئی ہے کہ ہم لوگوں کو اپنی ماں کی دُوسری اولاد سے تعلقات ختم کرنے پڑے، اس کی وجہ یہ تھی کہ میری ماں کے دُوسرے شوہر سے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے، میری سب سے بڑی بہن جو کہ لندن میں رہتی ہیں انہوں نے ماں کی دُوسری شادی سے جو اولاد ہوئی اس کے ساتھ ہمیشہ شفقت اور محبت کا سلوک رکھا، ماں کی دُوسری

شادی سے جو بیٹی ہے وہ بھی شادی کے بعد لندن چلی گئی، اور وہاں میری بڑی بہن نے ان کا اور ان کے شوہر کا ہمیشہ بہت خیال رکھا۔

دو سال قبل ان لوگوں کے ذریعے میری بہن کی اکلوتی بیٹی کی شادی بھی لندن میں ایک پاکستانی نوجوان سے ہوگئی، چونکہ لڑکے کو میری ماں کی بیٹی اور داماد جانتے تھے اس لئے میری بہن نے زیادہ تحقیق نہیں کی، اور اعتماد کر کے شادی کر دی۔ شادی کے کچھ دنوں بعد میری بھانجی کے ساتھ اس کے شوہر کا رویہ خراب ہونا شروع ہوگیا، اور آہستہ آہستہ داماد نے اپنی ساس، سسر کے ساتھ بھی خراب رویہ اختیار کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ ان حالات کے پیدا کرنے میں ماں کی بیٹی داماد (جن کے ذریعے شادی ہوئی تھی) کا ہاتھ تھا، اور وہ لوگ لڑکے کو بھڑکاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ لڑکا نہ صرف اپنی بیوی کے ساتھ بُرا سلوک کرے بلکہ اس کے والدین کے ساتھ بھی بُرا برتاؤ اور بدتمیزی کرے۔ جب دوسری بیٹی اور ان کے شوہر سے باز پُرس کی گئی تو بجائے اس کے کہ وہ لوگ رویہ تبدیل کرتے انہوں نے لڑکے کو مزید بھڑکایا، اور علی الاعلان یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم لڑکی کو طلاق دلوا کر رہیں گے، اس کے علاوہ لڑکی پر بہتان لگانے سے بھی باز نہیں آئے۔ جب حالات زیادہ خراب ہوگئے تو ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ان تمام لوگوں یعنی والدہ کے نکاح ثانی سے جو اولاد ہے ان سے تعلقات ختم کر دیئے جائیں، چنانچہ خاموشی سے ہم لوگوں نے تمام تعلقات منقطع کر دیئے۔

میری ماں اپنی دوسری اولاد کے ساتھ رہتی تھیں اور چونکہ ہم لوگوں نے ان کی دوسری اولاد سے تعلقات ختم کر لئے اس لئے ان کے یہاں آنا جانا بھی بند کر دیا اور ماں کو یہ بتلا دیا کہ ہم لوگ آپ سے ملنے آپ کے گھر نہیں آئیں گے، کیونکہ یہاں آنے سے بات بڑھتی رہے گی، اور ہم لوگ ان سے کوئی تعلقات رکھنا نہیں چاہتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میری ماں کی دوسری اولاد اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف داری کر رہے تھے، ان حالات میں میرے خیال میں بہتر طریقہ یہ تھا کہ تعلقات ہی نہ رکھے جائیں، تو شاید میری بھانجی اور اس کے شوہر کی ازدواجی زندگی میں جو زہر یہ لوگ گھول رہے ہیں اس میں کمی آجائے، اور واقعتاً ایسا ہی ہوا، میاں بیوی کے تعلقات میں نمایاں تبدیلی آئی ہے، گو میری ماں کے دوسرے داماد اب بھی یہ دھمکی دوسروں کے ذریعے پہنچاتے رہے ہیں کہ طلاق دلوا کر رہوں گا۔

ان تمام حالات کی اطلاع بڑی بہن نے تفصیل کے ساتھ لکھ کر ماں کو بھی دے دی، گو یہ اُمید تو نہیں تھی کہ وہ اپنی بیٹی اور داماد پر اثر انداز ہو کر ان کو ان گھٹیا حرکتوں سے روک سکیں گی، لیکن ایک گمان تھا کہ شاید ماں کے کہنے سے کچھ فرق پڑے۔ لیکن ہم سب بھائی بہنوں کو انتہائی دُکھ پہنچا جب ماں نے اپنی دوسری اولاد کا ساتھ دیا اور کہا کہ لڑکی خود ہی ذمہ دار ہے، اس میں ان کی بیٹی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے اپنی

ماں سے کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سمجھا نہیں سکتیں تو کم از کم آپ غیر جانب دار تو رہ سکتی ہیں، ہم لوگ بھی آپ کی اولاد ہیں اور آپ کو اس معاملے میں کم از کم غیر جانب دار رہنا چاہئے، لیکن اس کے باوجود وہ ان لوگوں کی حمایت کرتی ہیں اور ہر جگہ خاندان میں ان کی صفائی پیش کرتی ہیں۔

چونکہ ہم لوگوں نے اس گھر میں جہاں والدہ دُوسری اولاد کے ساتھ رہتی ہیں جانا بند کردیا (جب ماں سے ملنا ہوتا ہے تو میں ان کو جاکر اپنے گھر لے آتا ہوں، اس کے علاوہ فون پر بھی خیریت دریافت کرلیتا ہوں، ایک بھائی کبھی کبھی وہاں جاکر بھی ماں سے مل آتے ہیں) اس لئے وہ ہم سب سے بہت ناراض ہیں، ہم لوگوں نے ان کو بتلادیا کہ ہمیں آپ سے صرف یہ شکایت ہے کہ آپ نے ہم لوگوں کے مقابلے میں ان کی حمایت کی، جبکہ آپ کو غیر جانب دار رہنا چاہئے تھا۔ ہم لوگوں نے ماں سے کوئی بدتمیزی نہیں کی، لیکن وہ یہ چاہتی ہیں کہ ان تمام واقعات کے باوجود ہم لوگ ان کی دُوسری اولاد سے اسی طرح ملتے رہیں جیسے کہ پہلے ملتے تھے، لیکن یہ ناممکن ہے۔

مفتی صاحب آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ مذکورہ حالات میں آیا ہم لوگوں کا رویہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں شرعاً ہمارا صحیح رویہ کیا ہونا چاہئے؟ اور یہ بھی بتلائیں کہ میری والدہ کا رویہ اس مسئلے میں مناسب ہے یا نہیں؟ اور آیا ان کو غیر جانب دار رہنا چاہئے یا نہیں؟ اور وہ ایک فریق کی بے جا حمایت کر رہی ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

بلاتحقیق رشتہ دار سے تعلقات قطع کرنا جائز نہیں

(۵۲۸) ۲- میرے سب سے بڑے بھائی جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت اعلیٰ مقام اور عہدہ بھی عطا کیا ہے، تقریباً ۲۵ سال سے ماں سے ملنا جلنا قطعی بند کردیا ہے، ان کو ماں سے کچھ شکایتیں ہیں، ان میں سب سے اہم یہی معلوم ہوتی ہے کہ ماں نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر نکاحِ ثانی کرلیا، وہ ماں سے یہاں تک بے زار ہیں کہ آمنا سامنا ہو تو سلام بھی نہیں کرتے، بلکہ اکثر مضحکہ بھی اُڑاتے ہیں۔ میرے بھائی ویسے بہت مذہبی انسان ہیں اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مرحوم سے بیعت بھی ہیں، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کا رویہ ماں کے ساتھ نہایت نامناسب اور غلط ہے (یہ میرا خیال ہے) اور میرے دِل میں ہمیشہ یہ خوف طاری رہتا ہے کہ کہیں ماں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوجائے اور اس کا اثر میرے بھائی پر پڑے۔ براہِ کرم آپ یہ بتلائیں کہ بھائی کا یہ رویہ کہاں تک صحیح ہے؟ گو بڑے بھائی حقوق اللہ تو پورے کرتے ہیں لیکن کیا ان کا یہ طرزِ عمل حقوق العباد کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ اور کیا اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ کرے گا؟

جواب:۱- جو واقعات آپ نے اُوپر لکھے ہیں، ان کی روشنی میں آپ لوگوں کا رویہ اپنی ماں کے بارے میں تو دُرست ہے، لیکن ماں کی اولاد بھی اگر دُرست رویہ اختیار کرلے تو ان کے ساتھ سابقہ رویہ سے درگزر کرتے ہوئے ان کے ساتھ بھی تعلقات اِستوار کرلیں تو بہتر ہے، تاکہ آپ کی والدہ کی یہ خواہش بھی پوری ہوجائے کہ ''آپ لوگ ان کی دُوسری اولاد کے ساتھ اسی طرح ملتے رہیں جیسے پہلے ملتے تھے'' لیکن اگر ماں کی اولاد اپنا رویہ دُرست نہ کرے تب بھی آپ کو ماں کی اولاد سے سلام وکلام بالکلیہ بند کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ سلام وکلام بند کرنا جائز نہیں۔

۲-آپ کے بھائی کا رویہ ہرگز صحیح نہیں ہے، کیونکہ نکاحِ ثانی کوئی جرم نہیں اور نہ ہی کوئی عیب کی بات ہے، لہٰذا اس کو معیوب سمجھ کر والدہ سے تعلقات ختم کرلینا ہرگز جائز نہیں، آپ کے بھائی کو چاہئے کہ وہ اپنے موجودہ رویہ سے باز آجائیں، والدہ کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کریں اور گزشتہ رویہ سے توبہ واستغفار کریں، ماں سے معافی مانگیں، ورنہ سخت گنہگار اور مجرم ہوں گے۔ واللہ اعلم

اصغر علی

(فتویٰ نمبر ۱۹۶/۳۸ الف)

جواب صحیح ہے، لیکن یاد رہے کہ ماں کی اولاد کے متعلق جو رائے آپ نے قائم کی ہے کہ انہی کی ریشہ دوانیوں سے آپ کی بھانجی کے ازدواجی تعلقات خراب ہوئے ہیں، وہ اگر تحقیق پر مبنی ہے تب تو آپ اس اولاد کے ساتھ یہ رویہ رکھنے میں اور والدہ سے شاکی ہونے میں حق بجانب ہیں، اور اگر تحقیق پر مبنی نہیں، محض سنی سنائی بات ہے تو آپ کو یہ رویہ تبدیل کرنا ضروری ہوگا۔[1]

دُوسری بات یہ ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ والدہ کی اولاد کے ساتھ جو رویہ آپ نے مجبوراً اِختیار کیا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور ایسا کام یا کلام آپ کے لئے جائز نہ ہوگا جو والدہ کے لئے رنج وتکلیف کا باعث ہو۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

سوتیلی والدہ کو تکلیف دینا ہرگز جائز نہیں

سوال (۵۲۹):- صاحبِ اولاد بیوی کی اولاد نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم اپنی لاولد والدہ کی کسی دعوت وتقریب میں شریک نہ ہوں گے اور نہ ہی اُس کے گھر جائیں گے اور اُس کے یہاں کھانا کھائیں گے بوجہ عار یا دُشمن وضد کے۔ ان کے اس طرزِ عمل سے اُن کے والد کو بعض موقعوں پر سخت شرمندگی وندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیا شرعاً اس شخص کی اولاد کا یہ طرزِ عمل جائز ہے یا نہیں؟

(۱) قال الله تعالى: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا (الحجرات:۶)۔

جواب :- اس شخص کی اولاد کا یہ طرزِ عمل تین وجہ سے بالکل ناجائز ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ کسی مسلمان سے بھی اس قسم کے قطعِ تعلق کو حدیث میں منع فرمایا گیا ہے،(۱) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قطع رحمی ہے جسے احادیث میں حرام قرار دیا گیا ہے،(۲) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ باپ کی تکلیف کا سبب ہے جو بنصِ قرآن حرام ہے۔(۳)

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

محمد عاشق الٰہی — ۱۴/۳/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۳۷۸/۲۴ ب)

والدہ اور چچا کو گالی دینا سخت گناہ ہے

سوال (۵۳۰):- عجب خان میرا بھتیجا ہے، اس نے اپنے بھائیوں کو کہا کہ تمہاری والدہ کی ایسی تیسی کی جائے، پھر اپنے چچا کو بھی گالی دی، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :- عجب خان کا اپنی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں کو مذکورہ بالا نازیبا الفاظ کہنا سخت گناہ ہے، خصوصاً والدہ کی شان میں ایسی بات کہنا تو اور بھی سخت گناہ ہے، عجب خان پر لازم ہے کہ فوراً ان سب رشتہ داروں اور والدہ سے معافی مانگے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ندامت اور صدقِ دل کے ساتھ توبہ و استغفار کرے ورنہ سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

محمد عاشق الٰہی — ۲۷/۱۲/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۹/۲۵ الف)

زندگی میں والد کی نافرمانی کی ہو تو اس کا ازالہ کیسے ہوگا؟

سوال (۵۳۱):- میرے والد صاحب کا آج سے تقریباً ۲۰ دن پہلے انتقال ہوگیا، میں اپنے والد کا بہت زیادہ نافرمان تھا، حتیٰ کہ میں نے بعض دفعہ انہیں گالی بھی دی ہے، جس کا غم اب مجھے کھائے جا رہا ہے، میری صحت اور زندگی پر اس کا بُرا اثر پڑ رہا ہے، یہ نافرمانی کس طرح دُھل سکتی ہے؟

---

(۱) لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة. صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلا عذر)۔

(۲) الأدب المفرد للبخاري، باب إثم قاطع الرحم ج: ۱ ص: ۲۷: عن جبير بن مطعم أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يدخل الجنة قاطع رحم۔

(۳) "وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾" (بنی اسرائیل)۔

جواب:- آپ سے یہ سخت گناہ ہوا ہے، اب اس کے دو علاج ہیں، ایک یہ کہ اللہ جل شانہٗ سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ واستغفار کریں۔ دُوسرا یہ کہ اپنے والد مرحوم کے لئے بکثرت دُعائے مغفرت کرتے رہیں، روزانہ کچھ قرآن شریف کی تلاوت اور جب استطاعت ہو تو صدقہ وخیرات کر کے اُن کی رُوح کو اس کا ثواب پہنچایا کریں۔ نیز اُن کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک اور اُدب واحترام کا معاملہ کریں۔[1] آپ کو والد مرحوم نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہو اور وہ کام ناجائز نہ ہوں تو وہ کام کردیں، جن چیزوں سے منع کیا ہو اور وہ کام ثواب کا نہ ہو تو اُس سے باز رہیں، اس طریقے سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ اس گناہ کے وبال سے بچ جائیں گے، والدہ موجود ہوں تو ان کی خدمت اور دِلداری کو غنیمت جانیں اور دل وجان سے اُنہیں ہمیشہ خوش رکھنے کی پوری کوشش عمر بھر کرتے رہیں، یہ خط محفوظ رکھیں اور کبھی کبھی اس کو پڑھ لیا کریں۔

واللہ اعلم

۲۶/۴/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۲۷/۲۵ د)

والد سے وصولیٔ قرض کا مطالبہ جائز ہے

سوال (۵۳۲):- ۱۰/نومبر ۱۹۵۹ء میں بندے نے دلالی کا کام شروع کیا، ملک کے دُوسرے شہروں سے بیوپاری حضرات مجھے سوت، زرٹ سلک یارن، اسٹیپل یارن خریدنے کے آرڈر بذریعہ ٹیلیفون، تار، خط وغیرہ دیا کرتے ہیں، آڑھتی صاحبان سے خرید کر بینک بلٹی کردیا کرتا تھا، جو میرے بیوپاری حضرات کو بینک بلٹی کرنے کے ۹۰=/۱ (ایک فیصد) چارج کر کے مال بھیجتے اور مجھ سے ۹۰=/۱۰ تا ۹۰/۲۰ فیصد تک بیعانہ لے کر مال بھیجتے، ان بیعانوں میں کبھی تمام رقم بیوپاریوں کی ہوتی اور کبھی میری، بلٹی چھوٹ کر جب آتی تو بیعانہ کی رقم مجھے مل جاتی اور باقی رقم آڑھتی کو مل جاتی، اگر پارٹی کا بیعانہ ہوتا تو ان کے حساب سے منہا ہوجاتا، ان آڑھتی صاحبان میں ایک میرے والد صاحب بھی اس کاروبار میں تھے یعنی وہ بھی ایک آڑھتی تھے۔ اوائل میں فروری ۱۹۶۰ء کے اُخیر تک مکمل مال والد صاحب کے ذریعے ہی بھجواتا تھا، لیکن اوائل مارچ ۱۹۶۰ء میں انہوں نے میرا مال بھیجنا بند کردیا، بندے نے مجبوراً دُوسرے آڑھتیوں سے رُجوع کیا، جنھوں نے چھ آنے سینکڑہ دینا شروع کیا، تو میں نے اُن آڑھتیوں سے کاروبار کرنا شروع کردیا لیکن مجھے یہ دُکھ ہوتا کہ اگر والد صاحب کاروبار کرتے تو یہ نقصان اُن کا نہ ہوتا، مگر میں مجبور تھا لیکن ایک ترکیب یہ

---

[1] عن مالک بن ربیعة الساعدی رضی اللہ عنہ قال: بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذ جاءہ رجل من بنی سلمة فقال: یا رسول اللہ! ھل بقی من بر أبوی شیء أبرھما من بعد موتھما؟ فقال: نعم، الصلاة علیھما و الإستغفار لھما، وإنفاذ عھودھما وإکرام صدیقھما وصلة الرحم التی لا رحم لک إلا من قبلھما. (المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر و الصلة، حدیث: ۷۲۶۹، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی برّ الوالدین، حدیث: ۵۱۴۲، سنن ابن ماجة: کتاب الأدب، باب صل من کان أبوک یصل، حدیث: ۳۶۹۵)۔

کی کہ دُوسرے آڑھتیوں سے مال اُٹھا کر والد صاحب کی دُکان کے سامنے رکھ دیا کرتا تھا تاکہ اُن کے اندر ایک جذبہ اُبھرے اور اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جائیں، میری یہ ترکیب بے حد کامیاب ہوئی اور والدہ کے ذریعے مجھے کھانے پر بلوا بھیجا، اثنائے کھانا والدہ نے کہا کہ تم والد صاحب سے سلے کر کیوں مال نہیں بھیجتے، میں نے کہا کہ میں تو ابھی تیار ہوں، لیکن والد صاحب راضی نہیں، پھر والد صاحب راضی ہو گئے، اُوپر کے تمام کام بینک کے کاغذات کی خانہ پُری، گودام سے مال اُٹھانا، چیک وغیرہ دینا، مال نہ چھڑائے تو اس کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، گویا ساری ذمہ داری میری ہوگی لہٰذا اب کمیشن آٹھ آنے لوں گا اور آٹھ آنے آپ کے ہوں گے، ابتداءً تو ناراض ہوئے پھر راضی ہو گئے، دوبارہ میں تندہی سے کام کرنے لگا، جب کمیشن کا مطالبہ کرتا تو والد صاحب کہتے کہ تمہارے حساب میں جمع کرلوں گا، اطمینان سے کام میں لگ گیا۔ ۱۹۶۲ء کے آخری سہ ماہ میں ایک پارٹی کی تحقیقِ حال کے لئے لائل پور جانا پڑا، اُن کی غلط خبریں مل رہی تھیں، والد صاحب کو اِطلاع دی کہ ان سے کام کرنا نقصان دہ ہوگا، لہٰذا ہاتھ کھینچ لیں، گوجرانوالہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ پارٹی کراچی والد صاحب کے پاس پہنچی ہوئی ہے، ٹیلیفون کر کے والد صاحب کو منع کیا کہ پارٹی مذکورہ کے ذمے مبلغ بیس ہزار کی بلٹیاں بقایا ہیں اس میں صرف دو تین ہزار کا نقصان ہے، جب کراچی واپس آیا تو میرے والد صاحب کے منشی نے کہا کہ والد صاحب نے عبدالغنی صاحب کو (لائل پور والے جس کے متعلق منع کیا تھا) تین لاکھ روپے کا مزید مال بھیج دیا، والد صاحب کو اس پر واشگاف الفاظ میں کہا کہ اس پارٹی کے مال پر نہ بیعانہ دوں گا اور نہ ہی اس کے پیچھے پیچھے مارا مارا پھروں گا۔ والد صاحب نے کہا میں تمہارا باپ ہوں نہ کہ تم میرے باپ ہو۔ بہرحال جس چیز کا خدشہ تھا وہی ہوا، آخیر میں اُس نے بارہ ہزار روپے کا مال بغیر بلٹی اَڈّہ والوں سے مل کر اُٹھالیا بلٹی نہ چھڑائی، والد صاحب کو ۱۹۶۳ء کے اوائل میں مقدمہ کرنا پڑا، بیعانہ کی صورت میں جو کہ دُوسرے بیوپاریوں کے مال کی مد میں دیا تھا وہ تقریباً پچھتر ہزار تھے اور میرے کمیشن کے دو لاکھ روپے تھے، وہ بھی والد صاحب کے پاس تھے، ان روپوں کا مطالبہ کیا، والد صاحب نے کہا کہ دیکھتے نہیں کہ میرے ساتھ کیا بیتی ہے؟ میں نے چھ سات ماہ انتظار کیا، لیکن وہ رقم مجھے نہ ملی، پرانے کام سے دِل برداشتہ ہو گیا، والد صاحب سے کہا کہ کچھ تو دے دیجئے لیکن اُن کا ایک ہی جواب تھا کہ جب ہاتھ کھلے گا تب دُوں گا۔ میرا سب روپیہ والد صاحب کے پاس تھا، مجبوراً والدہ سے ستائیس سو اور بڑی ہمشیرہ سے اور بارہ سو روپے اپنی بیوی سے اُدھار لئے اور کاروبار کے لئے لائل پور چلا گیا، وہاں رکشہ کے پرزوں کی پرچون اور معمولی دُکان ڈال لی، دال روٹی اچھی بھلی نکل آتی تھی، والدین نے پھر مجبور کیا کہ کراچی چلے آؤ، کراچی چلا آیا۔ اُدھار کی رقموں میں سے صرف والدہ کی رقم رہ گئی تھی جو انہوں نے معاف کردی تھی، کراچی آکر پھر اپنے پیسوں کا والد صاحب سے مطالبہ کیا، والد صاحب نے کہا کہ مقدمے کا فیصلہ ہو جائے تو دے دُوں گا۔

کاروبار ۱۹۵۹ء سے علیحدہ تھا، مجھے علم نہ تھا کہ والد صاحب کے پاس کیا ہے کیا نہیں، ۱۹۶۷ء میں اُن کے مقدمے کا فیصلہ ہوا، مخالف نے ہائی کورٹ میں اپیل کردی، میرا مطالبہ پھر دب گیا، میں نے کراچی آکر دُکان بنائی اس دوران والد صاحب کے ذمے انکم ٹیکس کے تقریباً اُنتالیس ہزار روپے ہوگئے، جو میں نے ادا کئے، اب میرا مطالبہ ۲۷۵۰۰۰ سے بڑھ کر ۲۸۹۰۰۰ روپے ہوگیا، مقدمے کے فیصلے تک یہی سمجھتا رہا کہ اُن کے پاس رقم نہیں ہے، لیکن جب شریعت کی رُو میں ہمیں اپنی کمائی ہوئی جائیداد بانٹی اور خالی زمین جو کہ انہوں نے میری دونوں ہمشیرگان کو بھی دی، اس پر اپنے خرچہ (اپنی رقم) سے بلڈنگ بنانی شروع کی، تو میرا مطالبہ زور پکڑتا گیا، جب وہ بن گئی تو ہمشیرگان نے مروّجہ دستور کے برخلاف کرایہ پر دے دی، اُن کو بھی میرے مطالبے کا علم تھا، عزیز واقارب کہتے کہ بڑی بیٹی کو والد صاحب نے ۶۰۰۰۰ روپے اور چھوٹی بیٹی کو ۸۰۰۰۰ روپے دیا ہے، مکان بنانے میں، جب میں نے اس حوالے سے بات کی تو والد صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام میں باپ اپنے بیٹے کو سات مرتبہ لوٹ لے تو وہ اُف نہ کرے۔ ہم دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کیا کروں، اب وہ بیمار ہیں، وہ ہر ملنے جلنے والے سے کہتے ہیں کہ چھوٹی بیٹی پر ۵۰۰۰۰ ہے اور بڑی بیٹی کے ذمے ۴۰۰۰۰ ہیں، جب میں وفات پاجاؤں تو میری ہر چیز شریعت کی رُو سے تقسیم کردی جائے۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ میرا قرضہ تو ادا کریں، تو وہ کہتے ہیں جب ٹھیک ہوجاؤں گا تو پائی پائی ادا کردوں گا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ لوگوں سے یہ بھی تو کہیں کہ شفیق کو اتنی رقم دینی ہے۔ ایک دو روز میں اسپتال سے روبصحت ہوکر نکل آئیں گے۔ میں نے مکمل کوائف سے آپ کو آگاہ فرمادیا ہے، احکاماتِ خداوندی اس سلسلے میں کیا ہیں؟ میری بہنوں نے والد صاحب کی رضامندی کے بغیر رقم روک رکھی ہے، میری بہنیں نہ ہی مجبور ہیں اور نہ ہی بے کس، اپنی بیٹی کی شادی میں بڑی ہمشیرہ نے ۱۵۰۰۰۰ روپے خرچ کئے ہیں، بیٹیوں پر دامادوں کے ڈر سے والد صاحب دباؤ نہیں ڈال رہے ہیں، اُن آیاتِ قرآنی سے آگاہ فرمائیں تاکہ اُن کا ترجمہ والد صاحب کو سنا سکوں تاکہ وہ میرا حق ادا کردیں۔ فقط والسلام۔

جواب:- جب آپ کے اور والد صاحب کے درمیان طے ہوگیا تھا کہ آپ کا کمیشن ۲/۱ ہوگا تو جب سے اس معاملے کے مطابق آپ نے کام شروع کیا اُس وقت سے جب تک کام کرتے رہے اس طے شدہ معاملے کے مطابق کمیشن آپ کا حق ہے، اُس کی جتنی رقم بنتی ہو وہ ادا کرنا آپ کے والد صاحب پر لازم ہے، اور بیعانہ کی صورت میں جو رقمیں آپ نے اُن کے پاس جمع کرائی تھیں وہ بھی آپ کے والد صاحب پر واجب الادا ہیں، نیز والد صاحب کی طرف سے جو رقم آپ نے اُن کے کہنے پر یا اُن کی اجازت سے انکم ٹیکس میں ادا کی وہ بھی آپ کے والد صاحب پر واجب الادا تھی، اس میں جتنی رقم انہوں نے آپ کو دے دی اُس کے علاوہ باقی رقم آپ کا حق ہے، ادب واحترام کے ساتھ آپ مطالبہ کرسکتے ہیں۔

جہاں اسلام میں یہ تعلیم ہے کہ ماں باپ کے سامنے اولاد اُف نہ کرے، یہ بھی تاکید ہے کہ ماں باپ اولاد کے ساتھ ناانصافی نہ کریں، ورنہ سخت گناہگار ہوں گے، آپ کے والد صاحب کو لازم ہے کہ جلد از جلد آپ کی رقم اداء کریں، پھر جو مال و جائیداد وغیرہ بچے اپنی سب اولاد میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو سب میں مساوی تقسیم کریں، اپنی زندگی میں تقسیم کرنا اُن پر واجب نہیں، مگر تقسیم کریں تو لڑکے اور لڑکی کو مساوی دیں،[1] کمی بیشی کرنے سے ناانصافی کرنے والے ہوں گے، لیکن اگر ناانصافی کر کے کسی کو زیادہ اور کسی کو کم اپنے مرضِ وفات سے پہلے دے دیا اور جس کو دیا اُس نے اُس پر قبضہ کر لیا تو جس کو جتنا ملا وہ اُس کا مالک ہو جائے گا، باقی وارثوں کا اس میں حق نہیں ہوگا، آپ کے والد صاحب کی ملکیت سے بھی وہ خارج ہو جائے گا، آپ کی رقم واجب الاداء کی ادائیگی سے پہلے اگر خدانخواستہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا، تو اُس وقت جتنا مال و جائیداد اُن کی ملکیت میں ہوگا اس میں سے تجہیز و تکفین کے متوسط مصارف مطابق سنت نکالنے کے بعد سب سے پہلے تمام قرضے جو والد صاحب کے ذمے تھے اداء کئے جائیں گے، آپ کا قرضہ بھی اگر ثابت ہوگیا تو ادا کیا جائے گا، پھر کچھ بچا تو باقی جو مال بچے اُس کے ایک تہائی حصے کی حد تک ایسی وصیت پر عمل کیا جائے گا جو انہوں نے کسی غیر وارث کے حق میں کی ہو، پھر جو مال بچے وہ سب وارثوں میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا، آپ کو بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح (یعنی بہن سے دوگنا) حصہ ملے گا، کیونکہ زندگی میں تقسیم کریں تو لڑکے اور لڑکی کو مساوی دینا چاہئے اور انتقال کے بعد میراث تقسیم ہو تو لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملتا ہے۔

واللہ اعلم

۹/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۵۱۱ ز)

۱- والد کی اجازت کے بغیر کاروبار کرنا کب جائز ہے؟
۲- جسمانی معذوری کی صورت میں بیوی سے حقوق معاف کرانا؟

سوال (۵۳۳): - محترم و مکرم جناب مفتی صاحب، السلام علیکم۔

خیریت بخیریت، میری عمر تقریباً ۳۰ سال ہے، دونوں ہاتھ پاؤں سے معذور ہوں، چند ماہ قبل شادی ہوئی ہے، اسکول سے آٹھ جماعت پاس ہوں، اسکول سے فارغ ہو کر قرآن پاک حفظ کیا، میرے

---

(۱) فسوّی بینهم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیه الفتوی (الدر المختار، کتاب الهبة، ج:۵ ص:۶۹۶، سعید)۔
..... فی الردّ تحته: (قوله علیه الفتوی) ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والأنثیٰ افضل من الثلیث الذی هو قول محمد، نیز ملاحظہ فرمائیے: خلاصة الفتاوی ج:۴ ص:۴۰۰۔

والد صاحب پٹواری ہیں، حفظ کے بعد والد صاحب سے مزید تعلیم کے لئے کہا مگر وہ نہ مانے، پھر عرض کیا کہ مجھے پٹرول پمپ بنوادیں تاکہ میں خود حلال کمائی سے اپنی ضروریات پوری کرسکوں مگر وہ اس بات کو بھی نہ مانے، اس وقت پٹرول پمپ پر تقریباً ستر اسّی ہزار خرچ ہوتے تھے۔ اب والد صاحب کہتے ہیں کہ میں تمہیں سائیکل وغیرہ پر کسی عالم صاحب کے پاس لے جایا کروں گا کچھ دیر وہاں ٹھہر کر علمِ دین حاصل کرنا، پھر تمہیں واپس لے آیا کروں گا۔ میرے خیال میں اس طرح علمِ دین تو حاصل نہ ہوسکے گا البتہ پریشانی اور مشکلات میں کچھ اور اضافہ ہوجائے گا، والد صاحب صرف یہ چاہتے ہیں کہ میں پڑھائی کی مصروفیت کی وجہ سے دوسری کوئی بات نہ سوچ سکوں، مگر مجھ پر مستقبل کی پریشانی اس طرح سوار ہے کہ نماز میں بھی ذہن پریشان رہتا ہے کیونکہ اس وقت بھی میں اپنے آپ کو والدین اور معاشرے پر ایک بوجھ سمجھتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ اگر کسی دوسرے کا سہارا نہ بن سکوں تو کم از کم خود کسی پر بوجھ نہ ہوں۔ والد صاحب سے جو زمین وراثت میں ملنے کا امکان ہے وہ پانچ ایکڑ سے زیادہ نہیں ہے، اگر کوئی صاحب خود بھی اتنی زمین کاشت کرے تو شاید اس کی ضروریات بھی پوری نہ ہوسکیں اور میں خود کاشت سے بھی معذور ہوں۔ اور شاید چند سال بعد وہ زمین بھی سیم زدہ ہوکر ختم ہوجائے، خاندان میں کوئی ایسا فرد بھی نہیں ہے جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکے کہ والد صاحب کے بعد وہ میری کفالت کرے گا، اور نہ ہی میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت دیتا ہے، اب والد صاحب نے فرمایا ہے کہ ایک سال بعد تمہارے متعلق کچھ سوچا جائے گا، اور اس وقت حالات یہ ہوں گے کہ آٹھ یا دس ہزار میرے چھوٹے بھائی اور بہن کی شادی پر خرچ ہوچکے ہوں گے، اور دس ہزار کے قریب چھوٹے بھائی کے غیر ملک جانے پر خرچ ہوجائے گا، اور تقریباً پانچ یا چھ ہزار کے والد صاحب پہلے مقروض ہیں، اس طرح ایک سال بعد والد صاحب تقریباً تیس ہزار کے مقروض ہوں گے، اور مجھے پھر توکل کرنے کی نصیحت کریں گے۔ توکل ان کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کچھ بھی نہ کرے، اور میرے نزدیک انسان اپنی طاقت سے جو کچھ کرسکتا ہے وہ خود کرے اور جو کچھ اس کی طاقت سے باہر ہے وہ خدا تعالیٰ کے سپرد کردے، یہ توکل ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ جب تک کاروبار کی کوئی معقول صورت نہیں بنتی بیوی سے اس کے حقوق معاف کرالوں تاکہ میری طرح میری اولاد بھی دوسروں کے رحم وکرم پر نہ ہو، کیا شرعی طور پر یہ جائز ہے؟ اگر میں والد صاحب کی رضامندی کے بغیر کوئی کاروبار قرض وغیرہ لے کر شروع کرلوں تو شریعت کے قانون میں گناہگار تو نہ ہوں گا؟ کیا ایک سال انتظار کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سے پہلے کئی دفعہ خودکشی کا ارادہ کرچکا ہوں مگر اس خیال سے عمل نہیں کیا کہ یہ صورت حرام ہے، شاید کبھی حالات سے اتنا مجبور ہوجاؤں کہ اس بات کی بھی پروا نہ رہے۔ فقط والسلام

جواب:۔ عزیز محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ بغور پڑھا، آپ کے حالات معلوم ہوکر دِل کو دُکھ ہوا، مگر ساتھ ہی یہ احساس اس دُکھ پر غالب آ گیا کہ دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے، یہاں کی تکلیف و راحت اور غم و مسرت بھی بالکل عارضی ہے، راحت آخرت کی ہے، جو کبھی فنا نہیں ہوگی، اور اپنی جو جسمانی معذوری آپ نے لکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض عارضی آزمائش ہے، اس کا اَجر و ثواب جو آخرت میں ملنے والا ہے وہ غیر فانی اور وہم وگمان سے بالاتر ہے، نہایت عظیم الشان ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی مسلمان کو اگر کانٹا بھی لگتا ہے یا اس کے ہاتھ سے کوئی چیز گر گئی اسے زمین سے اُٹھانے میں جو ذرا سی تکلیف ہوتی ہے مسلمان کو اس کا بھی ثواب ملتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔[1] تو جب اتنی ذرا سی تکلیف پر یہ بشارت ہے تو جس طرح کی شدید جسمانی معذوری میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار مصلحتوں سے مبتلا کیا ہے اس پر اللہ رَبّ العالمین کی داد ودہش کا کیا حال ہوگا۔ اس کا تصوّر کیجئے اور اس کا مقابلہ اپنی موجودہ تکلیف سے کیجئے تو آخرت کے ثواب کے مقابلے میں یہ تکلیف آپ کو ہیچ نظر آئے گی، لیکن تکلیف پر اَجر و ثواب کے لئے شرط یہ ہے کہ بندہ اس پر صبر کرے، صبر کا مطلب یہ نہیں کہ اپنی تکلیف کا ذِکر کسی سے نہ کرے، نہ یہ مطلب ہے کہ اس تکلیف کو دُور کرنے کی کوشش نہ کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تکلیف سے گھبرا کر اس سے بچنے کی کوئی ایسی تدبیر نہ کرے جو شریعت کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ کی شکایت دِل سے نہ لائے، آپ یہ تصوّر رکھئے کہ یہ تکلیف بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہے جس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، اگرچہ مجھے ان مصلحتوں کا علم نہیں اور اس تکلیف کا بہت عظیم الشان اَجر و ثواب ملنے والا ہے۔

ایک بات یہ بھی غور کرنے اور عبرت حاصل کرنے کی ہے کہ اس دُنیا میں کچھ نہ کچھ تکلیف اور پریشانی و غم تو ہر ایک ہی کو رہتا ہے، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، لیکن عین تکلیف کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کے کتنے بے شمار بندے پُر رہتے ہیں، آپ غور کریں کتنے بے شمار اِنسان دُنیا میں آپ سے بھی زیادہ تکلیف میں ہیں، اللہ نے ان تکلیفوں سے محفوظ رکھا ہے اس پر بھی شکر اَدا کرنا چاہئے۔

رہا خودکشی کا معاملہ تو یہ سوچئے کہ کیا یہ تکلیف سے بچنے کا راستہ ہے؟ یہ تو ایک چھوٹی اور عارضی تکلیف کے عوض ایسی ناقابلِ برداشت تکلیف مول لینا ہے جس کی طویل مدّت کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا، کیا دُنیا کی تکلیف کے عوض آخرت کی بالکل ناقابلِ برداشت تکلیف مول لینا یہ مسئلے کا کوئی حل ہے؟ حل سوائے اس کے نہیں کہ اللہ نے جو نعمتیں عین اس معذوری کی حالت میں عطا فرما رکھی ہیں ان کا شکر کیا جائے،

---

(۱) فی صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب اشد الناس بلاء الأنبیاء ثم الأول فالأول، حدیث ۵۶۴۸۔
وفی صحیح المسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب ثواب المؤمن فیما یصیبه من مرض او نحو ذلك۔
بخاری شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: «ما من مسلم یصیبه اذی شوکة فما فوقها، إلّا کفّر الله بها سیئاته کما تحت الشجرة ورقها»۔
مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: «ما من مسلم یشاك شوکة فما فوقها إلّا کتبت له بها درجة ومحیت عنه بها خطیئة»۔

اور جو معذوری آپ کو ہے اس پر صبر کر کے اللہ پر بھروسہ کیا جائے اور اسی سے اس کا حل اور اجر وثواب مانگا جائے، یہ شعر یاد رکھئے کہ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

آپ نے جو حالات تحریر کئے ہیں ان میں اگر آپ کوئی کاروبار شروع کر دیں تو کوئی مضائقہ نہیں، بہتر یہ ہے کہ والد صاحب کی رضامندی حاصل کر لی جائے لیکن اگر وہ اجازت نہ دیں اور اپنے معاشی مسائل کا کوئی اور حل آپ کو نہ ملے تو ان کی اجازت کے بغیر بھی کاروبار کر سکتے ہیں، مگر صرف اتنا لیں جتنا آپ کو ادا کرنے کا یقین ہو، ایسا قرضہ نہ لیں جس کی ادائیگی بہ ظاہر ممکن نہ ہو۔

بیوی سے اس کے حقوق معاف کرانے سے آپ کی مراد اگر اسے طلاق دینا ہے، تو احقر آپ کو اس کا مشورہ نہیں دیتا، بیوی اللہ جل شانہٗ کی بڑی نعمت ہے، خصوصاً معذوری کی حالت میں، اس لئے آپ اسے طلاق نہ دیں بلکہ اس کے حقوق کی ادائیگی اگر پوری طرح نہیں ہوتی اپنی معذوری بتا کر اس کی معافی اس سے چاہ لیں، اگر وہ طلاق لینے پر اصرار کرتی ہو تو والد صاحب سے مشورہ کر کے عمل فرمائیں۔

ضبطِ ولادت کی تدبیر پر عمل کرنے کی آپ کے لئے گنجائش ہے، مگر یاد رکھئے کہ جس بچے کو اللہ پیدا کرنا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور بچوں کا رازق اللہ ہے، ماں باپ رازق نہیں، جو پیدا کرے گا وہی رزق بھی پہنچائے گا۔ والسلام

۱۴۰۰/۱/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۹۰/ ۳۱ الف)

والدین کے خلافِ شریعت حکم کو ماننا جائز نہیں

سوال (۵۳۴):- والدین کا حکم اگر سنت کے خلاف ہو تو ایسے حکم کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:- والدین کا جو حکم شریعت کے خلاف ہو تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں[1]، نرمی سے اپنا عذر پیش کر دیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۳/۸/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۸۴ ۱۳/ ۲۴ د)

---

(۱) كما في الحديث: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (مصنف ابن ابي شيبة ج:۷ ص:۷۳۷، المعجم الأوسط للطبراني، باب العين، من اسمه علي).

والد کے حکم پر قطع تعلقی کرنا جائز نہیں

سوال (۵۳۵):- زید کے چند لڑکے ہیں، جن میں چار برسرروزگار ہیں، زید نے بخوشی انہیں مروّج طریقے پر علیحدہ کردیا ہے، اُن سے ماہانہ یا سالانہ جوخرچہ لگا رکھا ہے وہ، وہ ادا کرتے ہیں، عزت وتکریم میں کوتاہی نہیں کرتے، ان لڑکوں میں سے ایک لڑکے کے سسرال والوں سے معمولی بات پر اِختلاف ہے، زید چاروں لڑکوں پر دباؤ ڈالتا ہے کہ تم لوگ اُن سے ملنا جلنا، شادی وغمی میں شریک ہونا ترک کردو۔ تین لڑکے اس پر عمل کرتے ہیں، وہ لڑکا جس کی سسرال ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے اس کی اجازت دیجئے کہ میں ترکِ تعلق نہ کروں کیونکہ یہ نامناسب سی بات ہے کہ ان کی لڑکی ہمارے گھر ہے، انہیں اختلاف کرنے کی اس طرح سزا نہ دی جائے، تینوں لڑکے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم تینوں آپ کی بات پر عمل کرتے ہیں لیکن چوتھے بھائی کو جس کی سسرال ہے اُسے ملنے جلنے کی اجازت دیں، لیکن زید کہتا ہے کہ اگر چوتھا بھائی ترکِ تعلق نہ کرے تو تم تینوں بھائی چوتھے بھائی سے ترکِ تعلق کرلو، کیا زید کا اس طرح اصرار کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب:- صورتِ مذکورہ میں زید کی ضد بے جا ہے، لڑکے کی سسرال پر زید کے حکم کی تعمیل واجب نہ تھی، اگر انہوں نے اپنی کسی مصلحت سے انکار کردیا تو اُن کو حق تھا، زید کو اس پر برافروختہ نہیں ہونا چاہئے، کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ سلام وکلام بند کرنا جائز نہیں،[1] چونکہ زید کا حکم شریعت کے خلاف ہے اس لئے اولاد پر اس کی تعمیل واجب نہیں،[2] البتہ اگر زید کا اِصرار ہی ہے تو بہت زیادہ غیرضروری میل ملاپ لڑکے کی سسرال سے نہ رکھیں اور جس لڑکے کی سسرال ہے وہ سسرال کے حقوق ادا کرتا رہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۳/۷/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۵۷۲/۲۴ ۵)

---

(۱) کما جاء فی الحدیث: لا یحل لمسلم أن یھجر اخاہ فوق ثلاثۃ ایام (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما ینھی عنہ من التی سدو التدابر، حدیث رقم:۶۰۶۵؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الھجر فوق ثلاثۃ بلا عذر حدیث:۶۶۹۹)۔

(۲) کما جاء فی الحدیث: لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ (ملاحظہ فرمائیے: مصنّف ابن ابی شیبۃ ج:۷ ص:۷۳۷، المعجم الأوسط للطبرانی، باب العین، من اسمہ علی، حدیث:۳۰۹۲ ج:۹ ص:۱۱۷)۔

۱-منکرِ حدیث بھائی کے ساتھ تعلقات کس حد تک رکھنا چاہئے؟

۲-اس کے مرنے پر اس کے کفن دفن کا معاملہ کس طرح کرنا چاہئے؟

سوال (۵۳۶):- احقر کے بھائی اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں، دُوسرے لفظ میں مُنکرِ حدیث ہیں، تین نمازیں، ۱/۱۰ زکوٰۃ، اَذان غیر قرآنی ہے، وغیرہ۔ حضرت حاجی عبدالسلام ہوشیار پوری صاحب مرحوم کی معیت میں بعض بزرگوں سے ملاقات مقدر ہوئی تو حاجی صاحب مرحوم نے میرا تعارف اس طرح کرایا کہ اس کا بھائی منکرِ حدیث ہے۔ ان بزرگوں نے نصیحت یہی کی کہ قطع تعلق مت کرو، ان بزرگوں میں حضرت مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ اور مولانا محمد انوریؒ شامل ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان سے مذہبی طور پر کچھ بھی مشترک نہیں ہے، اس صورت میں ان کے جنازے میں شمولیت کس طرح ہے؟ جبکہ گزشتہ دنوں ان کی ایک بچی کی شادی کے موقع پر محلے کے مولوی صاحب نے نکاح پڑھانے سے انکار کردیا تھا، پھر ایک دوست مولوی صاحب نے نکاح پڑھادیا تھا کہ بچوں کو باپ اور دادا کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں، ان کی تقریبات خانگی میں ہم شامل ہوتے ہیں وہ ہمارے ہاں شامل ہوتے ہیں، اور وہ اپنے عقیدے میں اتنے پکے ہیں کہ اِصلاح ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے، کیونکہ وہ اپنے مذہب کے داعی ہیں، زندگی اور موت یقینی ہے، دُعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں انہیں موت نہ آئے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اگر ضرورت پیش آئے تو کیا کروں؟

جواب:- تعلق قطع نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ میل جول رکھ کر اصلاح کی کوشش کریں، لیکن اگر وہ اس نوبت کو پہنچ گئے ہوں کہ اِصلاح ممکن نہیں رہی تو ان سے تعلق قطع کرنا بھی دُرست ہے۔(۱) باقی رہی یہ بات کہ اگر ان کی موت آجائے تو کیا کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نعش کو غسل دیں اور کفن دیں اور دفن کردیں، لیکن یہ غسل، کفن اور دفن مسنون طریقے پر نہیں ہوگا۔ بلکہ غسل کے لئے اس پر ایسے پانی بہادیا جائے جیسے ناپاک کپڑے سے گندگی دُور کرنے کے لئے بہایا جاتا ہے، اور کفن کے لئے اسے کسی کپڑے میں لپیٹ دیں اور دفن کرنے کے لئے گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیں، یعنی لحد نہیں بنائی جائے، بلکہ جس طرح مردار جانور کو گڑھے میں پھینک کر اُوپر مٹی ڈال دی جاتی ہے، بس اسی طرح سے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دیں۔

---

(۱) فیض القدیر، حرف الهمزة ج:۳ ص:۵ (لا یحل لمسلم ان یهجر اخاه) فی الإسلام (فوق ثلاث) من الأیام إلّا لمصلحة دینیة۔
... .. انظر أیضًا التیسیر لشرح الجامع الصغیر للمناوی، حرف القاف ج:۲ ص:۳۷۷۔

وان مات الکافر ولہ ولی مسلم یغسلہ ویکفنہ ویدفنہ ولکن یغسل غسل الثوب النجس ویلف فی خرقۃ ویحفر حفیرۃ من غیر مراعاۃ سنۃ التکفین واللحد ولا یوضع فیہ بل یلقیٰ۔ کذا فی الھدایۃ (عالمگیری ج:۱ ص:۱۶۰)۔(۱) واللہ اعلم

اصغر علی

(فتویٰ نمبر ۱۰۸/۷/۳۷ الف)

جواب صحیح ہے، اور زندگی میں بھی ان کے ساتھ زیادہ خلاملا نہ رکھیں، بقدر ضرورت تعلق رکھنے کی گنجائش ہے۔ محمد رفیع عثمانی

دو الگ مسلک رکھنے والے بھائیوں کا آپس میں میل جول رکھنے کا حکم

سوال (۵۳۷):- دو سگے بھائی ایک ان میں اہلِ حدیث ہے دُوسرا دیوبندی۔ جو بھائی اہلِ حدیث ہے وہ طلاق کا مسئلہ، آمین کا زور سے کہنا، اور دُوسری باتیں جواُن کے یہاں ہے اُس مسلک پر قائم ہے۔ دُوسرا دیوبندی بھائی دیوبندی خیالات کو مانتا ہے۔ کیا یہ دونوں بھائی آپس میں مل جل کر رہ سکتے ہیں؟ ایک دُوسرے کے گھر کا کھانا کھا سکتے ہیں؟ ایک محفل میں شریک ہوسکتے ہیں؟ لین دین، آپس کے دُکھ درد میں شریک ہوسکتے ہیں؟

جواب:- یہ دونوں بھائی اگرچہ الگ الگ مسلک پر عامل ہیں مگر ان کا آپس میں بھائیوں کی طرح رہنا اور جو باتیں سوال میں پوچھی گئی ہیں سب جائز ہیں، بلکہ اسی طرح آپس میں رہنا چاہئے کیونکہ دونوں مسلمان ہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۳/۲/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲۷/۲۴ ب)

شوہر سے بدسلوکی جائز نہیں

سوال (۵۳۸):- کیا حکم ہے اس عورت کے متعلق جو اپنے خاوند کو ایسے لفظ استعمال کرے یعنی عورت بدزبان ہے، بات بات پر لڑنے جھگڑنے والی ہو، اور جب بار بار عورت یہ بولے جا جو اپنے خاندان میں سے نمازی، تہجد گزار ہو لے، تو خاوند اس پر جواب دے کہ کیا دو خاوند کرنے کے بعد تیسرا اور چاہئے؟ تو عورت جواب دے کہ میں پہلے دونوں کی اور جو تیسرا ہوگا ان کی بیٹھ پر یعنی لنڈ پر پیشاب کرتی ہوں۔ اور پھر

---

(۱) انظر ایضًا تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، باب الجنائز، کیفیۃ صلاۃ الجنازۃ ج:۳ ص:۲۰۳،
العنایۃ شرح الھدایۃ، باب الجنائز، فصل فی الصلوۃ علی المیّت ج:۳ ص:۱۰۔

اگر خاوند بولے کہ تم نے میرے والدین کو بُرا بھلا کہنی رہتی ہو، تو اس پر جواب ملے جیسے تیری ماں کتی تھی ویسے تم بھی کتے ہو، اور جو زبان میں آئے بولے، تو کیا ایسی عورت کو نکاح میں اور گھر میں رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر سے بلاوجہ بدکلامی اور زبان درازی کرے، حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ نہ نماز قبول کرتا ہے اور نہ کوئی دُوسری نیکی، ان میں وہ عورت بھی داخل ہے جس کا شوہر اس سے ناراض ہو (مشکوٰۃ ج:۲ ص:۲۸۳)۔[1]

اسی طرح ایک دُوسری حدیث میں شوہروں کی رفعتِ شان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کی گنجائش ہوتی تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں (مشکوٰۃ ج:۲ ص:۲۸۱)۔[2]

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شوہر سے بُرا رویہ رکھنا یا اسے گالی گلوچ دینا انتہائی درجے کا اپنے آپ کو نقصانِ دینی پہنچانا ہے، لہٰذا اس سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے، نیز عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی ان حرکات سے توبہ و استغفار کرے اور شوہر سے بھی معاف کروائے، شوہر کو بھی چاہئے کہ وہ نرمی اور اخلاقِ حسنہ سے پیش آئے، اس کے بعد إن شاء اللہ بیوی مکمل اطاعت شعار بن جائے گی۔ بہرکیف شوہر اگر اس کو اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے تو رکھ سکتا ہے۔　　واللہ اعلم

محمد طاہر

(فتویٰ نمبر ۲۹۹ / ۳۸ الف)

جوابِ صحیح ہے، اور عورت کے مذکورہ الفاظ کے باوجود نکاح قائم ہے۔　　محمد رفیع عثمانی

شوہر کی زندگی میں بیوی کے اس پر کتنے حقوق ہیں؟

سوال (۵۳۹):- مسلم بیوی کو مسلم شوہر کی حیات میں اُس کے نام کی کسی زمین، مکان، دُکان یا دُوسری غیر منقولہ جائیداد میں کوئی شرعی یا قانونی حق خواہ وراثت کے اعتبار سے یا قبضے کی صورت میں یا کسی اور نوعیت سے بیوی کو کوئی حق پہنچتا ہے؟

جواب:- بیوی کو شوہر کی املاک میں صرف چار قسم کے حقوق ہو سکتے ہیں، ایک حق مہر ہے، اگر

---

(۱) نیز ملاحظہ فرمائیے: شعب الإیمان للبیهقي، الباب الستون في حقوق الأولاد والأهلین۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ثلاثة لا يقبل لهم صلاة ولا تصعد لهم حسنة العبد الآبق حتى يرجع إلى مواليه فيضع يده في أيديهم والمرأة الساخط عليها زوجها والسكران حتى يصحو۔

(۲) نیز ملاحظہ فرمائیے: مصنّف إبن ابي شيبة ج:۲ ص:۲۰۹، المستدرك على الصحيحين، كتاب البرّ والصلة، في روايات عبدالله بن عمرو حديث رقم:۷۳۳۴، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لو كنت آمرًا أحدًا أن يسجد لأحدٍ أمرت المرأة أن تسجد لزوجها۔

مہر معجّل ہے تو بیوی کو ہر وقت اُس کے مطالبے کا حق ہے، اور موَجل ہے تو آپس کا نکاح ختم ہونے یا شوہر کے انتقال ہونے سے پہلے اُس کا مطالبہ نہیں کرسکتی[1]، نیز اگر مہر کوئی معین چیز مثلاً کوئی خاص مکان یا زمین یا مثلاً کوئی خاص الماری یا سامان مقرر ہو تو مہر کے طور پر صرف اسی کا مطالبہ کرسکتی ہے اس کے بدلے کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کرسکتی، ہاں اگر وہ معین چیز شوہر کے پاس ہلاک ہوگئی ہے تو قیمت کا مطالبہ کرسکتی ہے، کسی اور متعین سامان کا مطالبہ نہیں کرسکتی، اور اگر کوئی معین چیز مہر میں مقرر نہیں ہوئی تھی بلکہ مطلقاً روپے یا سونا یا چاندی یا کوئی اور غیر معین چیز مقرر ہوئی تھی تو جو چیز جتنی مقرر ہوئی تھی اُسی کا مطالبہ کرسکتی ہے اور چیز کا نہیں۔

دُوسرا حق نفقہ ہے، یعنی کھانا کپڑا حسبِ حیثیت۔[2]

تیسرا حق رہائش کا ہے کہ کم از کم ایک ایسا کمرہ جس میں وہ اس طرح رہائش کرسکے کہ شوہر اور بچوں کے علاوہ کوئی اور اُس کمرے میں رہائش کا شریک نہ ہو، مگر یہ حق صرف رہائش کا ہے، اُس کمرے کی ملکیت کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔[3]

چوتھا حق یہ ہے کہ شوہر کے مرضِ وفات میں شوہر اگر اپنی املاک کے مجموعے کے ایک تہائی سے زیادہ کا ہبہ یا وصیت کسی کو کرنے لگے تو میراث میں جتنا حصہ بیوی کا ہے اُس کے تناسب سے اپنے حصے کی حد تک ہبہ اور وصیت کو روک سکتی ہے، ایک تہائی کے اندر اندر شوہر ہبہ اور وصیت بیوی کی اجازت کے بغیر بھی کرسکتا ہے، اور حالتِ صحت میں شوہر اپنی تمام املاک میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۴۵۱/۲۴ ج)

اولاد کا والد کی زندگی میں اس کی جائیداد میں کوئی حق نہیں

سوال (۵۴۰): - اولاد نابالغ یا بالغ بیٹا ہو یا بیٹی کو اس کے سلیم باپ کی زندگی میں اُس کے مکان، دُکان یا غیر منقولہ جائیداد میں کوئی شرعی و قانونی حق کسی صورت میں پہنچتا ہے؟

---

(۱) ولها منعه من الوطء ودواعيه والسفر بها ولو بعد الوطء وخلوة رضيتهما لأخذ ما بيّن تعجيله من المهر كلّه أو بعضه ...... إلّا التأجيل لطلاقٍ أو موت .... الخ (تنوير الأبصار مع شرحه الدر المختار، باب المهر: ج:۳ ص:۱۴۳، سعيد)۔

لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب مہر کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی گئی ہو، اگر مدت مقرر ہو مثلاً ایک سال تو اس مدت کے پورا ہونے پر مہر کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، نیز اگر مدت مقرر نہ ہو لیکن باہمی رنجش پیدا ہو جائے تو بھی قبل الطلاق أو الوفات مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) ونفقة الغير على الغير تجب بأسباب ثلاثة: زوجية وقرابة وملك ...... فتجب للزوجة على زوجها (الدر المختار، كتاب النكاح، باب النفقة، ج:۳ ص:۵۷۲، سعيد)۔

(۳) وكذا تجب لها السكنى في بيتٍ خالٍ عن أهله وأهلها بقدر حالهما (بحوالہ بالا ج:۳ ص:۵۹۹)۔

جواب :- نابالغ کے مصارف باپ کے ذمے ہیں،[1] باپ کی کسی معین چیز یا رقم کے مطالبے کا حق باپ کی زندگی میں نہ بالغ اولاد کو ہے اور نہ نابالغ اولاد کو، اور بالغ لڑکے جو کمانے کی قدرت نہیں رکھتے ان کے مصارف بھی باپ کے ذمے ہیں۔[2] بلکہ نابالغ اولاد کے ہوتے ہوئے باپ کو اپنے ایک تہائی مال سے زائد کا ہبہ یا وصیت نابالغ اولاد کی اجازت سے بھی جائز نہیں،[3] ہاں اگر بالغ اولاد اور بیوی اور دیگر بالغ وارث اجازت دے دیں تو اپنے اپنے حصہ میراث میں دینے کی اجازت دے سکتے ہیں، نابالغ اولاد کے حصے میں سے دینا جائز نہ ہوگا۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱/۴/ ۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۵۱/ ۴ ۲۴ ج)

میاں بیوی کے مزاج میں موافقت نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال (۵۴۱):- میں نے ایک لڑکی کے ساتھ شادی کرلیا، لیکن لڑکی میرے مزاج کے موافق نہیں ہے بلکہ بالکل مخالف ہے۔

جواب :- اول تو آپ کو ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ آپ کے دل میں اس کی محبت اور دلچسپی پیدا ہو، سب سے پہلی تدبیر تو یہ ہے کہ دعا کریں۔ دوسری یہ کہ بیوی کو تاکید کریں کہ وہ اپنی آرائش کا آپ کے لئے خاص اہتمام کیا کرے۔ تیسری یہ کہ اُس میں جو خوبیاں ہوں اس کا تصور کرلیا کریں، اور اس پر اللہ کا شکر کیا کریں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کی نعمتوں پر جب شکر ادا کیا جاتا ہے تو نعمتیں زائد کردی جاتی ہیں، شوہر کی اطاعت، خدمت، وفاداری، عصمت و عفت، سلیقہ مندی اور خلوص و محبت ایسی صفات ہیں کہ جس عورت میں یہ موجود ہیں اسے ظاہری حسن و جمال سے مستغنی کردیتی ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیوی نہایت حسین و جمیل لیکن مذکورہ بالا صفات سے خالی ہوتی ہے، آپ یہ سوچیں کہ اس بیوی کو چھوڑ دیا تو کیا یہ یقینی بات ہے کہ دُوسری بیوی جو اس سے ہر اعتبار سے بہتر ہو ضرور مل ہی جائے گی؟ مذکورہ بالا تدابیر سے بھی آپ کو اس سے دلچسپی اور محبت نہ پیدا ہو تو آپ کو شرعاً اختیار ہے کہ اللہ پر بھروسہ کر کے اس کو صرف ایک

---

(۱) وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله الفقير (تنوير الأبصار مع شرح الدر المختار، باب النفقة، ج:۳ ص:۶۱۲، سعيد)

(۲) وكذا تجب لولد الكبير العاجز عن الكسب كأنثى مطلقًا (بحواله بالا ج:۳ ص:۶۱۴)۔

(۳) کیونکہ جن معاملات میں نابالغ کا نقصان ہو ان میں ان کی اجازت معتبر نہیں، کما في الهداية: لأنه ضار محض، فلم يؤهل له (كتاب المأذون، فصل إذا اذن ولي الصبي . الخ)۔

طلاق دے دیں، زیادہ ہرگز نہ دیں، اور طلاق ایسے زمانے میں دیں جبکہ اسے حیض نہ آرہا ہو، اور حیض ختم اور طلاق دینے کے درمیان اس سے مباشرت نہ کریں[1]، جب آپ طلاق دینے کا فیصلہ کرلیں تو طلاق دینے سے پہلے طلاق کے ضروری مسائل ہم سے یا کسی معتبر عالم سے ضرور معلوم کرلیں، ورنہ سخت پریشانیاں پیدا ہوجاتی ہیں، نیز طلاق دینے سے پہلے بہتر ہے کہ اپنے ہمدرد مخلصین سے بھی مشورہ کرلیں۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
۱۴/۳/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۷/۲۲ الف)

شوہر کو اس کے حق سے محروم کرنے والی عورت سخت گناہگار ہے

سوال (۵۴۲):- زید نے بارہ سال پہلے جب اس کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچے تھے اپنی بیوی کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی، اس کے بعد سے بیوی نے اپنے نفس کا اختیار زید سے چھین لیا اور خود سپردگی جو زن وشوہر کے درمیان نکاح کا بنیادی نکتہ ہے اس سے زید کو محروم کردیا۔ یہ بات نہیں کہ کسی بیماری یا شرعی عذر کی بنا پر عورت حقوقِ زوجیت کی ادائیگی سے قاصر ہے، بلکہ محض ضد اور زبردستی کے تحت زید کو اس کے حق سے محروم کر رکھا ہے۔ بچے اب جوان ہوچکے ہیں اور کھل کر زید اپنا حق تسلیم کرانے میں شرمندگی محسوس کرتا ہے، ہزاروں باتیں اور سینکڑوں راز ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا اظہار تخلیہ کا محتاج ہوتا ہے، مگر بیوی زید کو ایسے تخلیہ کی اجازت نہیں دیتی، ان حالات میں کیا زید کا نکاح اس بیوی سے قائم ہے یا نکاح فسخ ہوگیا ہے؟

جواب:- ان حالات میں زید کا اس کی بیوی سے نکاح قائم ہے، نکاح فسخ نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

اصغر علی

(فتویٰ نمبر ۱۹۳/۳۸ الف)

جواب صحیح ہے، لیکن بیوی اپنے اس عمل کے باعث سخت گناہگار ہے، اسے فوراً اس عمل سے باز آجانا اور توبہ واستغفار کرنا لازم ہے، حدیث میں ایسی عورت کے لئے سخت وعید آئی ہے[2]۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

---

(۱) تطليقها واحدة في طهر لا وطي فيه وتركها حتى تمضي عدّتها، أحسن (كنز الدقائق، كتاب الطّلاق، ج:۱ ص:۱۲۶، مكتبه رحمانيه، لاهور)۔

(۲) عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاثة لا تقبل لهم صلوٰة ولا تصعد لهم حسنة: العبد الآبق حتى يرجع إلى مواليه فيضع يده في ايديهم، والمرأة الساخط عليها زوجها والسكران حتى يصحوا۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقي ج:۱ ص:۳۸۹، أيضًا في صحيح إبن حبان، باب آداب الشرب حديث:۵۳۳۵)۔

..... وقال النبي صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده لا تؤدي المرأة حق ربها حتى تؤدي حق زوجها (موارد الظمآن، باب في حق الزوج على الزوجة ج:۱ ص:۳۱۴)۔

شوہر کو بلاضرورت تکلیف پہنچانا حرام ہے

سوال (۵۴۳):- جناب ڈاکٹر حاجی نور محمد صاحب نے بائیس صفحوں پر سوال نامہ مرتب فرما کر استفتاء کے لئے روانہ کیا ہے، جس میں انہوں نے بیوی کی بدمزاجی، نافرمانی، بدسلوکی اور نافرماں برداری کی لمبی داستان لکھی ہے، جواب میں بھی اس کا تذکرہ آ گیا ہے، نیز موصوف نے ایک قسم کھائی تھی جو بعینہٖ انہی کے لفظوں میں درج کیا جارہا ہے۔

بیگم صاحبہ کی عمر شادی کے وقت ۱۷ سال تھی، اس وقت ۲۷ سال ہے، دماغی اور جسمانی طور پر ٹھیک ہیں، حال ہی میں گورنمنٹ نے مجھے مزید تعلیم کے لئے کراچی بھیجا، اس پر وہ ناراض ہے، وہ کہتی ہے کہ تمہارے پاس ایم بی بی ایس کی جو ڈگری ہے وہ بھی چھن جائے تاکہ تم بھی میری طرح جاہل بن جاؤ، سامان روک لیا، خودکشی کی دھمکیاں دیں، کراچی آیا تو بچے یاد آنے لگے، حیدرآباد گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بیگم کی سختی کی وجہ سے بچے سب میرے ساتھ میری چارپائی پر سوتے تھے، لہٰذا میں نے بیوی سے کہا کہ میں کراچی میں اکیلا رہتا ہوں بچے یاد آتے ہیں تم بھی چلو، بڑی مشکلوں سے راضی ہوئی، کچھ دنوں کے بعد کہنے لگی کہ گھر میں تکلیف ہے، سوئی گیس نہیں ہے، لکڑی گراں ہے، مٹی کا تیل نہیں ملتا ہے لہٰذا میں یہاں نہیں رہتی، میں نے اُن سے کہا کہ میں تم سے کب نجات حاصل کروں گا، نہ تم مجھے دُوسری شادی کی اجازت دیتی ہو اور نہ میں تمہیں طلاق دینا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں حمل سے ہوگئی ہوں، اور میں جس بات سے بچنا چاہتی تھی کہ بچہ نہ ہو، آخر وہی ہوا، حمل گرادوں گی، میں نے منع کیا کہ شرعاً ایسا کرنا بڑا گناہ ہے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے تو یہ سمجھ کر شادی کی تھی کہ میاں بیوی آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں گے اور یہ دھوکا بازی مجھے اچھی نہیں لگتی یا تو تم اس چھری سے کاٹ دو یا پھر مجھے بہن بنالو، یہ کہہ کر خوب زور زور سے رونے لگی، میں ڈر کی وجہ سے کہ محلے والے کیا کہیں گے جان چھڑانے کے لئے یہ کہا کہ آج کے بعد اگر آپ سے رُجوع ہوں تو اپنی بہن سے ہوں، انہوں نے کہا قسم کھاؤ، اور میں نے خدا کی قسم کھالی۔

اس قسم کی تفصیل کے بعد انہوں نے موجودہ بچوں کی پرورش کے سلسلے میں بھی پوچھا ہے کہ اُن کی پرورش کا کون حق دار ہے، نیز موصوف کا ایک مکان ہے جو بیوی کے نام خریدا تھا، کیا وہ بیوی کی ملکیت ہوگئی؟ مہر کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:- سوال میں بیوی کا جو حال لکھا ہے کہ شوہر کی نافرمانی کرتی ہے، زبان درازی کرتی ہے اور شوہر سے اچھی طرح پیش نہیں آتی، بچوں کو کوستی ہے اور بچوں کے ہونے پر اللہ تعالیٰ سے نازیبا الفاظ میں شکایت کرتی ہے، بچوں کی راحت و آرام کا خیال نہیں کرتی، ناراض ہوکر شوہر کے گھر سے چلی جاتی ہے

اور شوہر کو جماع کرنے سے منع کرتی ہے، یہ سب باتیں سخت ناجائز اور حرام ہیں، عورت فوراً توبہ و استغفار کرے اور شوہر سے اپنی غلطیاں معاف کرائے ورنہ سخت عذاب کی مستحق ہوگی۔ (۱)

اور شوہر کو بچوں کے آرام اور تربیت کی فکر ہونا تو ٹھیک ہے، مگر اس فکر میں رہنا ٹھیک نہیں کہ لوگ میرے بیوی بچوں کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں گے کہ یہ ڈاکٹر کے بیوی بچے ہیں، لوگوں کا سمجھنا کیا ضروری ہے، ضرورت کی چیز یہ ہے کہ شوہر بیوی بچے آرام سے رہیں اور ان کی تربیت ٹھیک ہو، لوگوں کے سمجھنے نہ سمجھنے کی فکر بے کار بات ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۲/۲۵ الف)

بہو، سسر کو پریشان کرے تو بیٹے کی ذمہ داری کیا ہے؟

سوال (۵۴۴):- زید کا لڑکا بکر جس کی شادی ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی، اس کی بیوی کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوگیا، بکر کا دوسرا نکاح ۱۵/نومبر ۱۹۷۰ء میں ہوا، دوسری بیوی مطلقہ ہے جس نے اپنے شوہر سے خلع لیا تھا چونکہ وہ بے پردہ اور آزاد طبیعت کی تھی پہلے شوہر کو یہ پسند نہ تھا حتیٰ کہ بکر کی بیوی کے بڑے بھائی کو بھی پسند نہ تھا لیکن اس نے اپنی من مانی۔

۲- دوسری بیوی کے آنے کے بعد بکر، زید کا کوئی خیال نہیں کرتا، حالانکہ زید ۷-۸ سال سے گردے، پتھری، موتیا بند، سانس اور ریڑھ کی ہڈی میں درد، بلڈ پریشر، داہنے گھٹنے میں درد وغیرہ وغیرہ میں مبتلا ہے، علاج جاری ہے۔

۳- دوسری بیوی چونکہ آزاد طبیعت تھی، اس لئے بکر کے یہاں آنے کے بعد بھی اُس کی عادت وہی رہی، مختلف لوگوں سے ملنا جلنا جاری رہا، اسی اثناء میں ایک صاحب ان سے ملنے آتے شوہر کی موجودگی میں، اس پر ایک دن زید نے بکر کی دوسری بیوی کی والدہ سے پوچھا کہ ان سے کیا رشتہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رشتہ تو کوئی نہیں ہے صرف اس لئے کہ ان کے لڑکے کی شادی کرائی تھی، اسی دوران عید آگئی، عید پر وہ آئے اور شوہر کی موجودگی میں انہوں نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ دوسری بیوی کو دیا، اُس نے کہا رہنے دیجئے، آپ ہمیشہ دیتے ہی رہتے ہیں مگر وہ اصرار کر کے اُس نے دے دیا، جب زید نے زیادہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو ان کا آنا بند ہوگیا۔

۴- طویل عرصے تک زید اکیلا بیماری کی حالت میں رہا، بکر صبح و شام آتا کچھ منگا پالا دیتے تھے، ان

(۱) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

کی حرکتوں پر کئی مرتبہ بکر اور اُس کی بیوی کو زید نے گالیاں دیں۔

۵- زید کی عمر اس وقت ۷۳-۷۴ سال ہے، کمزور و ناتواں ہے، بکر کو زید کا رسمی خیال ہے اور رسمی بات چیت ہے، جبکہ بکر کی بیوی سے بات چیت نہیں ہے، زید بکر سے بیوی کے متعلق اگر کوئی شکایت کرتا ہے تو یقین نہیں کرتا، اور اگر بیوی کوئی شکایت کرتی ہے تو یقین کر لیتا ہے۔

۶- کمپوڈر بغیر آواز دیئے اندر آ جاتا ہے، اور اُس کے کمرے میں انجکشن لگایا بکر کی موجودگی میں، زید نے اس کمزوری کی طرف توجہ دلائی تو زید کو کہتی ہے کہ اس قدر ماروں گی جو یاد کرے گا اور جیل بھجوا دوں گی۔

۷- دھوبی سے کہا کہ بغیر آواز دیئے اندر آ جایا کرو جبکہ وہ اس طرح آنے سے خود شرماتا ہے۔

۸- زید ایک روز وضو کرتے وقت زور سے کلمہ وغیرہ پڑھ رہا تھا تو بکر کی بیوی نے کہا: پاگل ہو گیا ہے۔

۹- سہیلی کے شوہر سے سہیلی کی موجودگی میں ہنسی مذاق کرتی ہے اور سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔

۱۰- عرصے سے زید اس بیماری کے باوجود خود کھانا پکاتا ہے اور جو سامان بکر سے منگاتا اُس کی قیمت دیتا ہے، ان سب حالات کے پیش نظر زید نے بکر سے کہا بیوی کو طلاق دے دو، بکر نے کہا ہرگز نہ ہوگا، بدنامی ہوگی، چار سال سے یہ صورتِ حال درپیش ہے، بکر کا کیا فرض ہے؟

جواب:- بکر کی بیوی کا جو سلوک زید کے ساتھ سوال میں بیان کیا گیا ہے سخت ظلم اور حرام ہے، بکر کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ زید سے معافی مانگے، بکر پر بھی لازم ہے کہ اپنی بیوی کی تربیت کرے، اگر اُس کی بیوی زید کی خدمت نہیں کرتی تو کم از کم ظلم سے باز رہے، اگر بکر اس ظلم سے قدرت کے باوجود اپنی بیوی کو نہیں روکے گا تو سخت حرام کا مرتکب اور ظالم ہوگا،[1] نیز بکر پر لازم ہے کہ اپنے باپ کی خود خدمت کرے یا کسی ملازم وغیرہ کو اس کام پر مقرر کرے، اور زید کا فرض یہ ہے کہ اگر اُس کے حقوق بیٹا یا اس کی بیوی ادا نہیں کرتے تو صبر کرے، اپنی طرف سے کوئی زیادتی ان پر نہ کرے، گالیاں دینے سے بہرحال اجتناب لازم ہے، دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے، آخرت کی تیاری میں لگا رہے، اصلی زندگی وہیں شروع ہوگی، بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

۲۵/۱۰/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۴۴۲ ز)

---

(۱) کما فی الحدیث: من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ وإن لم یستطع فبلسانہ وإن لم یستطع فبقلبہ وذٰلک أضعف الإیمان۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب کون النھی عن المنکر من الإیمان، حدیث رقم ۴۸)

وفی شرح البخاری للبطال ج:۱۹ ص:۱۲ من رای منکرًا من سلطانہ فالواجب علیہ أن ینکرہ۔

بیوی کے بارے میں محض غلط شبہ ہو تو کیا کرے؟

سوال (۵۴۵): - اگر کسی کو اپنی بیوی کے متعلق یہ شبہ ہو جائے کہ بیوی کے تعلقات خسر سے ناجائز ہیں ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

جواب: - صرف شک کی بنیاد پر بدگمانی دُرست نہیں، البتہ احتیاطاً رہائش میں ایسی صورت کرلیں کہ بیوی کا خسر سے رابطہ نہ ہو سکے، اور تنہائی میں ملاقات نہ ہو سکے، اس بات کا کسی سے تذکرہ بھی نہ کریں۔

واللہ اعلم
۱۳۹۵/۲/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۵۴)

بیوی کی تربیت کرنے کا طریقہ

سوال (۵۴۶): - خاوند اپنی اہلیہ کو کسی منکر سے روکنے کے لئے کیا طریقہ استعمال کرے؟ خاوند کے والد کہتے ہیں کہ کسی کام سے بیوی کو منع کرو، منع کرنے کے بعد پھر بھی کرے تو خاموش ہو جاؤ، کیا خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی اہلیہ کو سختی سے کسی منکر سے روکے، اگر پھر بھی نہ مانے تو خاوند عنداللہ بری الذمہ ہوگا یا نہیں؟

جواب: - خاوند کے والد کا یہ کہنا کہ تم اپنے کام سے کام رکھو، اپنی اہلیہ کو کسی بات سے منع کرو اور وہ پھر بھی کرے تو تمہارا کام ہے کہ خاموش ہو جاؤ، صحیح نہیں بلکہ ہر انسان پر فرض ہے کہ اپنے اہل وعیال کو گناہوں سے روکے، قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے: "يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا"[1] یعنی اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے: "الرجل راع علی اهل بيته وهو مسئول عن رعيته" (الحدیث مشکوٰۃ ص:۳۲۰)[2] یعنی ہر شخص اپنے اہل وعیال کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا یعنی یہ سوال ہوگا کہ ان کو شریعت پر ڈالنے کی کوشش کی تھی یا نہیں؟ خاوند کے والدین کو تو چاہئے یہ تھا کہ عورت اگر خاوند کی بات نہ مانے تو اُسے ماننے کی تلقین کریں، عورت کو تلقین کرنے کے بجائے خاوند کو روکنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ بہر حال خاوند کو شرعاً اختیار ہے کہ بیوی کو فلم وغیرہ دیکھنے اور خلافِ شرع کام کرنے سے روکے، والدین اگر خاوند کو روکیں اور

---

(۱) سورۃ التحریم آیت:۶۔

.. فی روح المعانی تحت هذه الآية: ووقاية الأهل بحملهم على ذلك بالنصح والتأديب وروی ان عمر قال حين نزلت يا رسول الله نقي انفسنا فكيف لنا بأهلينا؟ فقال عليه الصلوٰة والسلام: تنهوهن عمّا نهاكم الله عنه وتامروهن بما امركم الله به فيكون ذلك وقاية بينهن وبين النار۔

(۲) صحيح البخاری، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى اطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل رقم الحديث: ۱۸۲۹۔ اس کے علاوہ احادیث کی متعدد کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے۔

بیوی کی حمایت کریں گے تو بیوی کے خلافِ شرع کام کرنے کی صورت میں والدین بھی گناہ میں شریک ہوں گے، اس لئے ان کو بیوی کی حمایت ترک کردینی چاہئے۔ واللہ اعلم

محمد عبدالغفار اراکانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۵/۱/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۳ الف)

جواب صحیح ہے، مگر یاد رہے کہ بیوی کی تربیت تحمل، بُردباری، اور حکمت وتدبیر سے کریں، ایسی سختی نہ کریں جس سے وہ ضد پر آجائے۔ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۵/۱/۱ھ

میاں بیوی میں بہتر تعلقات کے لئے مفید کتابیں

سوال (۵۴۷):- کوئی اُردو کی ایسی دینی کتاب بہشتی زیور کے علاوہ بھی ہے جو میاں بیوی کی جملہ کیفیات کی شرعی کیفیت بتائے تا کہ غلطیوں سے محفوظ رہا جا سکے؟

جواب:- دو کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں ''مسلمان خاوند''، ''مسلمان بیوی'' یہ دونوں کتابیں اس پتے سے مل جائیں گی۔ پتہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۔ [1] واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع ۱۳۹۲/۲/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳/۳۱۲ ب)

شوہر سے بدکلامی کرنے والی عورت کا حکم

سوال (۵۴۸):- جو عورت خاوند کے ساتھ بدکلامی کے ساتھ پیش آئے تو خاوند کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب:- خاوند سے بدکلامی گناہ ہے، اگر عورت مسلمان ہے تو شوہر اُسے نصیحت کرے، نہ مانے تو صبر کرے یا طلاق دیدے۔ [2] واللہ اعلم

۱۳۹۴/۴/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۷۹۸)

---

(۱) ان دونوں کتابوں کے مصنف مولانا محمد ادریس انصاری ہیں، اس کے علاوہ اس موضوع پر ''تحفۂ زوجا'' اور ''تحفۂ دلہن'' کا مطالعہ بھی مفید ہے۔

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنه ان رجلا قال: يا رسول الله! إن عندي بنت عم لي جميلة وإنها لا ترد يد لامس، قال طلّقها، قال: لا أصبر عنها، قال: فأمسكها إذًا (سنن البيهقي، كتاب النكاح، باب ما يستدل به على قصر الآية، سنن النسائي، كتاب النكاح، باب تزويج الزانية)۔

شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دینا جائز نہیں

سوال (۵۴۹):- جو عورت بغیر خاوند کی اجازت روپیہ پیسہ کسی کو دے اور چیزیں بھی دے اور خاوند کو نہ بتلائے اور خاوند سے پوشیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- شوہر کا مال اُس کی اجازت کے بغیر ناحق طور پر کسی کو دینا حرام ہے۔ واللہ اعلم

۲۲ر۴ر۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۷۹۸/۲۵)

کیا عورت گھر کے خرچ سے بچا کر کسی کی مدد کر سکتی ہے؟

سوال (۵۵۰):- ایک خاتون اپنے گھر کے خرچ سے کچھ روپے بچا کر کسی عزیز کو بوقتِ ضرورت مدد کے طور پر دیتی ہے، اُس کا خاوند اُس کو کوئی جیب خرچ نہیں دیتا، تقریباً تین ہزار روپے اُس کی ماہوار آمدنی ہے، وہ حسبِ منشاء جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، وہ اپنے خاوند کو اس بچت کی کوئی خبر نہیں دیتی، اگر وہ ایسا کرے تو بچت نہیں ہوسکتی، کیا اس خاتون کا یہ فعل جائز ہے؟

جواب:- خرچ کے لئے جو رقم شوہر اپنی بیوی کو دیتا ہے اگر اُس کا مالک وہ بیوی کو بنا دیتا ہے کہ جس طرح چاہے خرچ کرے اور جس کو چاہے دے تب تو یہ خاتون اُس عزیز کو بھی اس رقم میں سے دے سکتی ہے، خصوصی اجازت کی ضرورت نہیں۔ اور اگر صرف گھر کے خرچ کے لئے دیتا ہے تو جائز نہیں، البتہ ایک صورت میں گنجائش ہے اور وہ یہ کہ شوہر پر بیوی کا جو مناسب نفقہ واجب ہے وہ شوہر پورا نہیں دیتا تو عورت شوہر کے مال میں سے اپنے حق کی حد تک اُس کی اطلاع کئے بغیر لے سکتی ہے،[1] اس کے علاوہ کوئی صورت جواز کی نہیں اِلَّا یہ کہ شوہر ہی اجازت دیدے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۸ر۲ر۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۲/۲۴ ب)

شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے جانا جائز نہیں

سوال (۵۵۱):- مقصود اس سے جب میری شادی ہوئی تو اس وقت میں لاہور تھا، میرے والد عبدالغنی صاحب کو دھوکا دیا گیا کہ لڑکی کنواری ہے، اچھی ہے، اپنے لڑکے سے شادی کرلو، شادی کے بعد پہلی

---

(۱) جاءت هند إلى النبي صلى الله عليه وسلم ..... ثم قالت: يا رسول الله! إنّ أبا سفيان رجلٌ ممسك فهل علي حرج أن أنفق على عياله من ماله بغير إذنه فقال النبي صلى الله عليه وسلم "لا حرج عليك أن تنفقي عليهم بالمعروف (صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب قضية هند)۔

رات ہی مجھے اپنی بیوی پر شک ہوا، صبح میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لڑکی کنواری ہی نہیں حاملہ تھی، اُس کا بچہ ضائع کرا کر لیاقت خوجہ سے شادی کردی گئی، جب اُسے علم ہوا تو اُس نے شور مچانا شروع کردیا، آخر ان لوگوں نے اپنے چھوٹی لڑکی کی شادی لیاقت کے چھوٹے بھائی سے کردی، پھر بھی لیاقت نے طلاق دے دی۔ اور مجھے چکر میں ڈال کر مجھ سے شادی کردی، مجھے جب علم ہوا تو میں بھی چھوڑنے کو تیار ہوگیا، میرے اور مقصوداں کے والدین نے خدا اور رسول کا واسطہ دیا، میں رکھنے پر تیار ہوگیا، اُس سے ایک لڑکی بھی ہوئی، اس کے بعد مقصوداں کے ماں باپ میری بیوی اور بچی کو میری عدم موجودگی میں لے گئے، اب وہ نہیں بھیجتے اور کہتے ہیں جو کچھ کرسکو کرلو، مجھے خطرہ ہے کہ میری بچی کو ہلاک نہ کردیں، اُس کے ماں باپ حرام کھاتے ہیں، نکاح نامے میں مقصوداں کو کنواری اور نوجوان لکھوایا ہے، میرے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے، میری زندگی تباہ ہوگئی ہے، اب مجھ پر اور میری بیوی پر شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: – صورتِ مذکورہ میں اب تک آپ کی بیوی آپ کے نکاح میں ہے، آپ کی اجازت کے بغیر جو وہ آپ کے گھر سے گئی یہ سخت گناہ کیا[1]۔ اُس پر واجب ہے کہ فوراً اپنے شوہر کے گھر واپس آئے، اگر واپس نہیں آتی تو آپ کو اختیار ہے کہ قانونی چارہ جوئی کریں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۷/۱/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۷۹۴/۲۴ د)

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا سفر کرنا جائز نہیں

سوال (۵۵۲): ۱– میری بیوی بلا حکم و خلاف منشا بعض لوگوں کے مکر و فریب میں آکر پاکستان چلی گئی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۵۵۳) ۲– میں نے بیوی کو اس کے بھاگ جانے کے بعد بھی راہِ راست پر لانے کی بذریعہ رجسٹری اور آدمی بھیج کر کوشش کی مگر وہ راہِ راست پر نہیں آئی، اس کی پوری ذمہ داری کس پر ہے؟

جواب: ۱– شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کو پاکستان جانا جائز نہ تھا، ایسا کر کے اس نے گناہ کیا ہے، اور شوہر کا حق تلف کیا، اُسے فوراً اپنے شوہر کو راضی کرنا چاہئے اور اس کے پاس واپس چلا جانا چاہئے ورنہ سخت گناہ میں مبتلا رہے گی۔[2]

---

(۱) لا تخرج إلّا بإذنه لقيام النكاح بينهما فلم ينقطع حقه عنها۔ (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، فصل في الاحداد ج۳ ص:۲۰۱)۔

(۲) وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به (الدر المختار، كتاب النكاح، باب القسم، ج۳ ص:۲۰۸، سعيد)
في الرد تحته (قوله في كل مباح) ظاهره أنه عند الأمر به يكون واجبًا عليها كأمر السلطان الرعية به۔

۲-شرعاً اس گناہ کی ذمہ داری آپ کی بیوی پر ہے، اور اگر کسی نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے یا بہکایا ہے تو وہ بھی سخت گنہگار ہے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۹/۲۵ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۲۸۴/۲۲ د)

شرعاً بیوی پر کپڑے دھونے اور صفائی وغیرہ کی ذمہ داری نہیں

سوال (۵۵۴):- دو بیویوں میں سے ایک سے صفائی کپڑے وغیرہ کا کام لینا اور دوسری سے باقی کاروبار لینا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بظاہر ظلم معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے ذمے تھوڑا کام سپرد کردینا اور کسی کے ذمے زیادہ کام۔

جواب:- دونوں میں سے کسی بیوی پر بھی شرعاً ان کاموں کی ذمہ داری نہیں،[1] ہاں وہ اپنی خوشی سے کردیں تو انہیں بہت ثواب ہوگا، دونوں میں جو بیوی جو کام خوشی سے کردے وہ لینا جائز ہے، اُس سے زائد جبراً لینا جائز نہیں۔

واللہ اعلم

۱۳۹۵/۵/۲۶ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۳۳/۲۶ ج)

تین طلاقیں دینے کے بعد اکٹھے رہنے والے میاں بیوی سے قطع تعلق

سوال (۵۵۵):- ایک عورت کو تین مرتبہ طلاق ہوچکی، اسٹامپ کاغذ پر چار گواہ کے سامنے، اب وہ دونوں پھر ایک ساتھ رہتے ہیں میاں بیوی کی طرح، بڑی کوشش کے بعد بھی ان کو اس کی پروا نہیں، اور نہ وہ حلالہ کرتے ہیں نہ کچھ کرتے ہیں، تو ایسی حالت میں اُن کے گھر کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- یہ مرد و عورت سخت حرام کاری کے مرتکب ہو رہے ہیں، جب تک ان کا یہ حال ہے اُن سے دوستانہ تعلقات منقطع کرلئے جائیں۔[2]

---

(۱) (امتنعت المرأة) من الطحن والخبز (إن كانت ممن لا تخدم) أو كان بها علة (فعليه أن يأتيها بطعام مهيأ وإلا) بأن كانت ممن تخدم نفسها أو تقدر على ذلك (لا) يجب عليه ولا يجوز لها أخذ الأجرة على ذلك لوجوبه ديانةً (تنوير الأبصار مع شرحه الدر المختار، كتاب النكاح، باب النفقة ج: ۳ ص: ۵۷۹، سعید)۔

.. وفي الرد تحته (قوله لوجوبه عليها ديانةً) فتفتى به ولكنها لا تجبر عليه إن أبت بدائع۔

(۲) وإذا خاف من مكالمة أحد ومواصلته ما يفسد عليه دينه أو يدخل عليه مضرة في دنياه يجوز له مجانبته والحذر منه، فرب هجر جميل خيرٌ من مخالطة مؤذية (حاشية السندي على ابن ماجة، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل حديث: ۴۵)۔

نوٹ :- ماں باپ کو بھی اُن سے قریبی تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں۔ واللہ اعلم

۱۲ / ۷ / ۱۳۹۸ھ

(فتویٰ نمبر ۷۷۴ / ۲۹ ب)

بیوی کی حرام کاری پر رضامندی بھی حرام ہے

سوال (۵۵۶):- زید نے بکر کی منکوحہ ہندہ کو اُس کی رضا و رغبت سے اغوا کیا، دو سال کی کشاکش کے بعد زید نے ہندہ کے شوہر بکر کے سامنے دو متبادل صورتیں پیش کیں، اوّل یہ کہ ہندہ کو بکر زید سے واپس لے کر اپنے پاس رکھ لے، ورنہ ہندہ کا شوہر بکر، ہندہ کو مناسب رقم زید سے لے کر تین طلاق دے کر آزاد کر دے تاکہ دونوں پاکیزہ زندگی بسر کریں۔لیکن ہندہ کا شوہر بکر ان دونوں صورتوں کو قبول نہ کر کے ہندہ کو سزاءً معلق رکھنا چاہتا ہے اور زید فعلِ مذموم سے تائب ہو کر اس معاملے کو نمٹانا چاہتا ہے، ان متذکرہ بالا اُمور کی روشنی میں زید اور بکر کی شرکت مسلمانوں کی اجتماعی عبادات، نماز، روزہ، فاتحہ خوانی وغیرہ میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- صورتِ مذکورہ میں زید مغوی اور ہندہ سخت حرام و گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں، جب تک وہ موجودہ زندگی کو ترک نہ کریں گے اور اپنے اس شدید جرم سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ و استغفار نہ کریں گے سخت گناہ میں مبتلا رہیں گے، وہ رو رو کر فوراً توبہ کریں اور الگ الگ ہو جائیں، بکر کو جو بیوی کی روش سے سخت اذیت پہنچی اُس کی معافی بکر سے مانگیں۔

بکر اگر اپنی اس بدکار بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا تو اُسے چاہئے کہ طلاق دیدے یا خلع کرے، تاکہ بیوی بدکاری سے بچے اور زید یا کسی اور شخص کے نکاح میں عفت کی زندگی گزار سکے۔ اگرچہ بیوی کا جرم بہت شدید ہے، لیکن اب جبکہ وہ گناہ سے باز رہنا چاہتی ہے بکر نے اُسے نہ اپنے پاس رکھا نہ طلاق دی اور نہ خلع کیا اور وہ پھر گناہ کی مرتکب ہوئی تو عورت تو گناہگار ہوگی ہی، بکر کو بھی گناہ ہوگا۔

اب تک زید اور ہندہ ہی مجرم تھے، بکر کا کوئی قصور نہیں تھا، لیکن بکر نے اب اگر طلاق نہ دی نہ خلع کیا اور نہ بیوی کو اپنے پاس رکھا تو وہ بھی جرم میں شریک ہو جائے گا، مگر اس کا جرم زید اور ہندہ کے جرم سے کم درجے کا ہوگا۔ اجتماعی عبادات اور نماز میں ہر مسلمان کی شرکت جائز بلکہ واجب ہے خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۱ / ۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۹۰ / ۲۵ الف)

نافرمان اولاد کی اصلاح کیسے کرے؟

سوال (۵۵۷): - اگر کسی شخص کا بیٹا نافرمان ہو اور والد کا کہنا نہیں مانتا اور غیر شرعی کام کرتا ہو، مثلاً نماز نہیں پڑھتا اور جوابازی کرتا ہے وغیرہ وغیرہ، اور والد اس کو اپنے مال سے جدا بھی نہیں کرسکتا کہ اس کو اپنا حصہ دیدے کیونکہ پھر وہ زیادہ نقصانات کرتے ہیں اور لوگوں کو لوٹتے ہیں اور نقصان سب والد پر آجاتا ہے، اور والد کا اپنے بیٹے پر کنٹرول بھی ہے کہ اس کو تکلیف دے یا اس کو جیل میں ڈالے تو ایسی صورت میں والد اپنے بیٹے کے ساتھ کیا کرے؟

جواب: - پہلے تو والد کو چاہئے کہ بیٹے کو خوب نرمی اور سختی دونوں طریقوں سے سمجھائے اور خدا کا خوف دلائے، نیز جن لوگوں کی بات کا اثر بیٹا قبول کرتا ہو ان سے نصیحت کرائے، پھر بھی نہ مانے تو اس سے کہہ دے کہ اگر تو نے یہ جرائم نہ چھوڑے تو میں اپنے گھر میں تجھ کو نہ رکھوں گا، پھر نہ مانے تو باپ کو اختیار ہے کہ اس کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رہنے دے، اگر بول چال بند کردینے سے اصلاح کی توقع ہو تو بول چال بند کردے،(۱) البتہ اپنی میراث سے اس بیٹے کو محروم نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم

۲۲/۲/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۷۲/۲۲ الف)

بچے کی اِبتدائی تعلیم کے لئے مفید مشورہ

سوال (۵۵۸): - میرا خیال ہے کہ میں اپنے لڑکے کو دینی تعلیم دلاؤں، پہلے پرائمری تک پڑھالوں اس میں قرآن مجید پڑھ لے گا اس کے بعد کسی دینی مدرسے میں داخل کردوں گا۔ آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ آپ کے دار العلوم میں کس قدر تعلیم حاصل کرنے کے بعد داخل کیا جائے؟

جواب: - پہلے قرآن شریف کم از کم ناظرہ ختم کرالیں تجوید کے ساتھ پڑھانے کا انتظام کریں، ساتھ ہی ضروری دینی مسائل وعقائد اور حکایات بھی تھوڑی تھوڑی پڑھاتے رہیں، ہوسکے تو پرائمری کی تعلیم بھی ساتھ جاری رکھیں، جب قرآن شریف ناظرہ ختم ہوجائے اور پرائمری کی ۵ جماعتیں بھی پاس کرلے تو دار العلوم میں یا کسی اور قریبی مدرسے میں درسِ نظامی کے لئے داخل کردیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

بندہ محمد شفیع — ۲/۳/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۱۸/۲۳ ب)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: تربیت الاولاد فی الاسلام (اردو ترجمہ) قسم ثالث، فصل اول، بچے کی تربیت میں مؤثر وسائل ص: ۴۰۳ تا ۴۴۱۔

روضۂ اقدس پر چادر چڑھانے کا عقیدہ رکھنے والے شخص کا حکم

سوال (۵۵۹):- جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ مزار مبارک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، اور وہ اس عقیدے پر اٹل ہے تو ایسے شخص سے از روئے شریعت تعلق رکھنا کیسا ہے؟

جواب:- اس شخص سے تعلقات رکھے جاسکتے ہیں، اگر چہ اس کا یہ کہنا غلط ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۲/۲/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۳۰۸/۲۳ ب)

قاتل کی مالی اِمداد کب کی جاسکتی ہے؟

سوال (۵۶۰):- آج سے تقریباً چھ سال پہلے مسمّی شیر علی (عرف عبدول) نے گوجرانالہ کراچی میں مقتول رستم کی لڑکی سے شادی کی تھی، کچھ عرصہ بعد سسر اور داماد میں رنجش پیدا ہوگئی، رستم نے اپنی لڑکی کو جو کہ شیر علی کی منکوحہ تھی اپنے گھر روک لیا، اس معاملے میں جھگڑا اس قدر بڑھا کہ رستم اپنے داماد علی شیر کے ہاتھ قتل ہوگیا، ایک پڑوسی اسلام الدین نے علی شیر کو پکڑنا چاہا وہ بھی اس کے ہاتھوں قتل ہوگیا، علی شیر ملزم کو پولیس نے اس کے لاپتہ ہوجانے کی وجہ سے مفرور قرار دیا، تقریباً تین سال کے بعد پولیس نے ملزم کو گرفتار کرلیا اور تعزیراتِ پاکستان کے مطابق ایک سال قید بامشقت اور سزائے موت دی گئی۔

اب ملزم اور مقتول کے وارثوں میں صلح صفائی ہوچکی ہے، مقتول کے لواحقین نے قاتل علی شیر کو معاف کردیا ہے، قاتل کا باپ قوم کے پاس مالی امداد کے لئے آیا ہے تاکہ اپیل کے ذریعہ قاتل کو چھڑایا جائے، حدیث شریف میں ہے کہ ظالم کی مدد نہ کرو، کیا ہم لوگ قاتل کے باپ بدرالدین کی مالی مدد کرسکتے ہیں؟ جبکہ مقتول کے لواحقین نے معاف بھی کردیا ہے اور ہماری یہ اِمداد کارِ ثواب شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب:- اگر علی شیر کے باپ نے قتل میں اپنے بیٹے کی مدد نہیں کی تو یہ ظلم باپ کا نہیں ہے۔

اگر مقتولین کے سب اولیاء نے قاتل کو معاف کردیا ہے اور اُس کو وہ جیل سے چھڑانے پر راضی ہیں تو علی شیر کی مالی اِمداد جیل سے چھڑانے اور عدالت کی پیروی کرنے کے لئے کی جاسکتی ہے[1]، اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں، ادا کرنے والوں کو ثواب ہوگا۔ واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۳۳۰/۲۵ ب)

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .... إنّ المسئلة لا تصلح إلّا لثلاثة لذي فقر مُدقع أو لذي غرم مفظع أو لذي دم موجع (سنن ابی داؤد، كتاب الزكوٰة، باب ما تجوز فيه المسئلة، سنن ابن ماجة، ابواب التجارات، باب بيع المزايدة)۔

جھوٹی قسم کھانے والے سے دوستانہ تعلقات قطع کرنا

سوال (۵۶۱): - مسماۃ مہرجان جس کی عمر تیئس بائیس برس تھی، وہ اپنی رضامندی کے ساتھ حوالدار نذر محمد خان کے ساتھ پشاور چھاؤنی چلی گئی تھی اور وہاں مجسٹریٹ اوّل کے سامنے اپنی رضامندی سے نکاح کی درخواست دی اور وہاں سے اجازت حاصل کر کے مورخہ ۱۸/۱۰/۱۹۶۷ء کو حوالدار نذر محمد خان سے نکاح کیا، نکاح خواں جناب مولوی سعید عبداللہ شاہ تھے جنھوں نے نکاح کی شہادت آزاد کشمیر پلندری کی عدالت میں آکر دی تھی، اس کے بعد مسماۃ مہرجان کے وارثوں نے مہرجان کی واپسی کے لئے ایک جعلی نکاح نامہ بنوایا، جعلی نکاح کے پرت کی رو سے پولیس میں مہرجان پلندری تھانے میں حاضر ہوئی، تو اُس نے باپ کے گھر جانے سے انکار کردیا، تو ایک دُوسرے آدمی کے سپرد ہوئی، چنانچہ وہاں سے گلزار ولد حیدر ایک پارٹی کے ذریعے مسماۃ مہرجان کو پکڑ کر بے پتہ جگہ لے گیا، جعلی نکاح نامہ محمد ایوب ولد محمد علی کا بنایا گیا تھا، جو اُس وقت کہیں فوج میں ملازم تھا، عرصہ پانچ چھ سال کے بعد گلزار مسماۃ مہرجان کو اپنے گھر لے آیا اور بیوی بنا کر رکھے ہوئے ہے اور دو بچے بھی مہرجان کے ساتھ ہیں، ایسے زانی شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ اور ایسے مسلمان کے یہاں کھانا پینا کرسکتے ہیں؟ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ مہرجان کا شوہر حوالدار نذر محمد زندہ ہے، جن لوگوں نے جعلی نکاح نامے میں جھوٹی گواہی دی ہے اور جھوٹا نکاح نامہ بنایا ہے کیا وہ اس کے اہل ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر کھاپی سکیں؟ علاقے کے مسلمان آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

جواب: - اگر گلزار ولد حیدر نے دُوسرے کی منکوحہ کو اپنے پاس بیوی کی طرح رکھا ہے تو یہ سب حرام کاری ہوئی، اس پر لازم ہے کہ خود اس عورت سے الگ ہوجائے اور اللہ سے توبہ و اِستغفار کرے، کیونکہ یہ شخص فاسق ہوچکا ہے، اگر یہ اس عورت کو الگ نہیں کرتا تو سب مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے دوستانہ تعلقات منقطع کرلیں، نہ اُس کی دعوت کھائیں، نہ اس کو دعوت میں بلائیں، جنازے کی نماز میں اس کو شریک ہونے سے نہ روکیں، جن لوگوں نے جعلی نکاح کا ڈھونگ رچایا وہ سخت حرام اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق ہوگئے، اگر یہ توبہ نہ کریں تو ان سے بھی دوستانہ تعلقات منقطع کرلینے چاہئیں۔[1] جھوٹی گواہی دینا بھی سخت گناہِ کبیرہ ہے، احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں،[2] اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ زانی، زانیہ اور

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان "تین طلاقیں دینے کے بعد اکٹھے رہنے والے میاں بیوی سے قطع تعلق کرنے کا حکم"۔

(۲) عن انس بن مالك قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الكبائر او سئل عن الكبائر فقال: الشرك بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين، فقال: الا انبئكم باكبر الكبائر؟ قال: قول الزور او قال: شهادة الزور (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر حديث رقم: ۵۹۷۷)۔

..... قال شعبي أكثر ظني أنّه قال: شهادة الزور۔ وايضًا في صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر واكبرها حديث رقم: ۲۷۱۔

جھوٹی گواہی دینے والوں کو سزا دے، مگر سزا دینے کا اختیار حکومت کے علاوہ کسی اور کو نہیں۔ واللہ اعلم

۱۷/۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۳۳۶/۲۵ ب)

جھوٹی قسم کھانے والے سے دوستانہ تعلقات منقطع کیے جاسکتے ہیں

سوال (۵۶۲):- زید نے بکر پر رقبہ بیع کیا، بکر کو شفعہ کا خطرہ تھا کہ زید کا کوئی وارث شفعہ نہ کردے، تو بکر نے اس رقبے پر اپنا قبضہ بطور مزارع پٹواری سے درج کرالی، جو بھٹو صاحب نے قانون نافذ کیا تھا کہ کوئی وارث یا رگشت مزارع پر شفعہ نہیں کرسکتا، اس لئے بکر نے مزارع درج کرالیا، حالانکہ یہ بالکل فرضی امر پر مبنی ہے، بکر پر زید کے وارث یا رگشت یعنی حقیقی چچا نے شفعہ دائر کردیا، اس اثناء میں عدالت نے شفعہ کنندہ سے پوچھا کہ تیرا فیصلہ قرآن مجید پر کیا جاوے تو منظور ہے؟ تو شفعہ کنندہ نے کہا کہ قرآن مجید سے بالاتر کوئی عدالت نہیں ہے، اس لئے مجھے منظور ہے، اس وقت شفعہ کنندہ رمضان کے روزے سے تھا، جب بکر سے دریافت ہوا کہ تم حلف اُٹھاؤ گے تو اس نے حلف دینا تسلیم کرلیا، قرآن مجید لایا گیا اور بکر سے ہاتھ رکھوا کر بھری عدالت میں حلف لیا گیا جو بالکل ہی جھوٹ پر حلف اُٹھایا گیا تھا اور بکر چرسی، شرابی، بے نمازی اور نہایت بدکردار آدمی ہے، صوم وصلوٰۃ سے بالکل منحرف ہے، شرعاً اس آدمی کے ساتھ اُخوتِ اسلامی کا برتاؤ کیا جاسکتا ہے؟ ان عیوب کے علم کے باوجود جو لوگ اُن سے تعاون رکھتے ہیں ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:- اگر بکر نے واقعی جھوٹی قسم کھائی ہے اور جو گناہ سوال میں اس کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ واقعی ان کا مرتکب ہے تو جب تک وہ اپنے ان گناہوں سے صدقِ دِل کے ساتھ توبہ نہ کرے اور اِن گناہوں سے باز نہ آئے اُس سے دوستانہ تعلقات منقطع کرلینے چاہئیں۔ [1] واللہ اعلم

۲۰/۱/۱۳۹۸ھ

(فتویٰ نمبر ۲۷/۳۹ الف)

تارکِ نماز اور تاش کھیلنے والے سے قطع تعلق؟

سوال (۵۶۳):- تارکِ صلوٰۃ پنج گانہ وجمعہ، بیٹھ کر تاش کھیلتا رہے، نماز کو نہ جائے شرعاً ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) وإذا خاف من مكالمة أحدٍ ومواصلته ما يفسد عليه دينه أو يدخل عليه مضرة في دنياه يجوز له مجانبته والحذر منه فرُبّ هجر جميل خير من مخالطةٍ مؤذية (حاشية السندي على إبن ماجة، المقدمة، باب إجتناب البدع والجدل، حديث رقم: ۴۵)۔

... نیز ملاحظہ فرمائیے: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، اور التمهيد لإبن عبدالبر ج۶ ص:۱۲۷۔

جواب:- اگر ایسا شخص جس کے سدھرنے کی اُمید ہو تو اس سے سب محلے والے دوستانہ تعلقات منقطع کرلیں تاکہ وہ سدھر جائے۔ واللہ اعلم

عبدالغفار اراکانی
۱۳۹۴/۱۲/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۸۸۳/۱۵ ج)

جواب صحیح ہے، مگر تعلقات منقطع کرنے سے پہلے اُسے تنہائی میں نرمی سے سمجھایا جائے تاکہ تعلقات منقطع کرنے کی نوبت نہ آئے۔ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۴/۱۲/۲۷ھ

کن لوگوں سے دوستی کرنا منع ہے؟

سوال (۵۶۴):- میں میڈیکل کالج کا ایک نوجوان طالب علم ہوں، لیکن کچھ دنوں سے ایک پریشانی میں مبتلا ہوگیا ہوں، وہ یہ کہ قرآن شریف یا کسی حدیث شریف میں ایسے انسانوں کا ذکر آیا ہے جن کے ساتھ بولنا یا دوستی رکھنا گناہ ہے، اور ان کے ساتھ بولنا دوستی رکھنا اللہ نے منع کیا ہے تو میں ایسے انسانوں سے اپنا تعلق ختم کردوں۔

جواب:- قرآنِ حکیم کی متعدد آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی کرنا منع فرمایا ہے، کیونکہ وہ اللہ کے دُشمن ہیں اور اللہ کا دُشمن ہمارا دوست نہیں ہوسکتا، ایک آیت قرآنیہ ہے: "یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ" [1] (سورۂ مائدہ رُکوع نمبر ۵) لہٰذا کافروں کے ساتھ دوستی جائز نہیں، اسی طرح ایسے شخص سے دوستی بھی ممنوع ہے جس کی دوستی اور صحبت سے اپنے دِین کے نقصان کا خطرہ ہو، [2] البتہ خرید و فروخت وغیرہ معاملات اور سیاسی معاہدات شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ اُن سے کئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اُن معاہدات سے مسلمانوں اور ملک یا دِین کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔

اور کسی سے مطلقاً بولنے کی ممانعت کہ ہمیشہ کے لئے اُس سے بولنا ممنوع ہو قرآن و حدیث میں

---

(۱) آیت: ۵۷ ترجمہ: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے (مراد یہود و نصاریٰ) جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دِین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور اسی طرح دُوسرے کفار کو دوست مت بنانا۔ (خلاصۂ تفسیر از معارف القرآن ج: ۳ ص: ۱۷۰)۔

(۲) كما جاء في الحديث: المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل۔ (المستدرك على الصحيحين، كتاب البر والصلة، باب أما حديث عبدالله بن عمرو، حديث رقم: ۷۳۲۲، ومسند احمد بن حنبل في مسند أبي هريرة ج: ۱۷ ص: ۲۸۰ حديث: ۸۳۴۹)

... وفي عمدة القاري، كتاب البيوع، باب ذكر الحجام ج: ۱۱ ص: ۲۳۱ وفيه النهي عن مجالسة من يتأذى بمجالسته كالمغتاب والخائض في الباطل والندب إلى من ينال بمجالسته الخير من ذكر الله .... الخ۔

ایسا حکم نہیں ہے، البتہ نامحرم عورت سے بلا حاجت براہِ راست بات کرنا ممنوع ہے[1]، نیز کوئی ایسے گناہ میں مبتلا ہو کہ اس کو راہِ راست پر لانے کے لئے اُس سے بات چیت بند کرنے میں اُمید ہو کہ وہ راہِ راست پر آجائے گا تو اس مصلحت سے اُس سے بات چیت بند کردینا بھی جائز ہے، البتہ کسی بھی مسلمان کے ایسے حقوق جو بحیثیت مسلمان اُس کو حاصل ہیں وہ کسی حال ترک نہیں کئے جائیں گے خواہ وہ کیسا ہی گنہگار مسلمان ہو، مثلاً سلام کا جواب، بیمار پرسی، جنازے میں شرکت وغیرہ۔

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۴/۳/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۴۲۰/۲۴ ج)

کون سے حقوق ادا کرنا ضروری ہیں؟

سوال (۵۶۵):- بعض اُمور بلکہ بے شمار اُمور میں مجھے یہ شک اور وہم ہے کہ نہ معلوم میری زندگی میں کس کس کے کتنے حق مجھ پر ہوں گے ایسی صورت میں میری بخشش ہوگی یا نہیں؟

جواب:- جن کا حق یقینی طور پر یاد آجائے ادا کردیں یا اُس سے معاف کرالیں، محض شک اور وہم کا کوئی اعتبار نہیں، شک اور وہم سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، تسلی کے لئے اسی جملے کو یاد رکھیں اور اللہ کی رحمت پر ہمیشہ بھروسہ رکھیں۔

واللہ اعلم
۶/۴/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۶۸۴/۲۵ د)

شیعہ مذہب اختیار کرنے والے سے تعلقات رکھنا؟

سوال (۵۶۶):- ایک شخص حنفی المذہب چھوڑ کر مذہبِ شیعہ اختیار کرلیتا ہے، شخصِ مذکور کی برادری جو اہلِ سنت حنفی العقیدہ ہیں، یہ لوگ نسبی وسببی رشتے کی بنا پر اپنی تقریبات میں دعوت دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:- گنجائش ہے، مگر اُن سے قریبی تعلقات نہیں رکھنے چاہئیں۔[2] واللہ اعلم
(فتویٰ نمبر ۳۲۷/۲۵ ب)

---

(۱) یجوز للنساء المخاطبة بالأجانب عند الضرورة لکن مع تغلیظ القول (أحکام القرآن للتھانوی ج:۳ ص ۳۱۶، ادارۃ القرآن، کراچی)۔

(۲) قد مرّ تخریجه تحت عنوان: "جھوٹی قسم کھانے والے سے تعلقات منقطع کئے جاسکتے ہیں۔"

ایک فرض کو چھوڑنے سے دُوسرا ادا کیا ہوا فرض باطل نہ ہوگا

سوال (۵۶۷): - اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہو لیکن حقوق العباد ادا نہ کرتا ہو لوگوں پر تنقید کرتا ہو لیکن خود اس کے گھر میں یہ عمل سرزد ہو رہا ہو تو اُس کا نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: - نماز بھی فرض ہے، حقوق العباد کی ادائیگی بھی فرض ہے، ان میں سے جس فرض کو چھوڑے گا اُس کا گناہ ہوگا، اور جس فرض کو ادا کرے گا اُس کا ثواب ہوگا، ایک فرض کو چھوڑنے سے اداء کیا ہوا فرض کالعدم نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم
۴ر۳ر۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۴۴۵)

دائمی زانی کے ساتھ تعلقات رکھنا؟

سوال (۵۶۸): - دائمی زانی کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟

جواب: - ایسے شخص کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا جائز نہیں، احیاناً کبھی اِتفاق سے اُس کے ساتھ کھانا کھالیا تو اُس کے کھانے کو حرام نہ کہیں گے۔ (۱)

واللہ اعلم
۲۶/۹/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۹۸۳ و)

جو حقوق معاف کروانے یا ادا کرنے کے لئے تیار نہ ہو، اس کا حکم

سوال (۵۶۹): - حقوق العباد معاف کروانے سے یا ادا کرنے سے جو شخص انکاری ہو اُس کے لئے شریعت میں متبادل طریقہ کیا ہے؟

جواب: - کوئی متبادل طریقہ نہیں، عذاب کا مستحق ہوگا۔

واللہ اعلم
(فتویٰ نمبر ۲۵/۵۰۰و)

اعلانیہ طور پر غیر شرعی رُسومات کرنے والے سے قطع تعلق کرنا؟

سوال (۵۷۰): - جو شخص دعویٰ اسلام کا کرے اور اپنی شادی غمی میں تمام غیر شرعی رُسومات اعلانیہ باوجود منع کرنے کے کرے، اور سمجھانے کے پھر اعلانیہ چیلنج کرکے اور مانعین کو قتل کی دھمکیاں دے اور تمام بے ہودہ بکواس جو دُشمنِ اسلام کی عادت ہے، کرے اور یہ کہے کہ: ''ہم تمام غیر اسلامی رُسومات اعلانیہ کریں گے کون ہم کو روکنے والا ہے؟ جو روکنے یا منع کرنے یا سمجھانے آئے گا اُسے قتل کردیا جائے گا'' ان حالات میں باقی اہلِ دِین اور اہلِ بستی کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

---

(۱) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان: ''جھوٹی قسم کھانے والے سے تعلقات منقطع کئے جاسکتے ہیں''۔

جواب:- جب تک یہ شخص اپنے اِن ناجائز اقوال وافعال سے باز نہ آئے اُس وقت تک اس شخص سے برادری کے سب لوگ دوستانہ تعلقات منقطع کرلیں، مگراس سے کچھ بُردبار، معزز لوگ اس کو تنہائی میں نرمی اور ہمدردی سے سمجھائیں، پھر بھی نہ مانے تو دوستانہ تعلقات منقطع کرلیں، قتل وقتال ہرگز نہ کریں، اس کے یہاں کسی تقریب میں بھی شریک نہ ہوں۔(۱) واللہ اعلم

۱۳۹۵/۶/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۴۶۲ ج)

عہد شکنی اور غیر شرعی رُسومات کرنے والوں کا حکم

سوال (۵۷۱):- تقریباً پندرہ سال ہوئے ہیں کہ گاؤں والوں نے مسجد کے ایک اجتماع میں بروز جمعہ یہ عہد کیا تھا کہ آئندہ ہم کوئی غیر شرعی رسم شادیوں میں قطعاً نہیں کریں گے نہ کرنے دیں گے، اور ان رُسومات کو جو کرے گا اُس کی شادی میں نہ شریک ہوں گے، خواہ کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ اس پر ۹۹ فیصد مسلمان پابند تھے اور اَب بھی ہیں، چند شر پسند عناصر نے برادری کے معززین کے منع کرنے اور سمجھانے کے باوجود عہد شکنی کی، اور تمام غیر شرعی رُسومات کیں، جس میں برادری کے معززین نے شرکت نہیں کی، اور بائیکاٹ کیا، آپ اِن کی عہد شکنی کا شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

جواب:- جن لوگوں نے یہ عہد شکنی کی وہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے، ایک عہد شکنی اور دُوسرے اِن ناجائز رسموں کو زندہ کرنا، ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے جو نمبر ۱ میں ذکر کیا گیا،(۲) قتل وفساد سے پرہیز کریں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۵/۶/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۴۶۲ ج)

کسی کے گھر داخل ہونے کے لئے کتنی اجازت کافی ہے؟

سوال (۵۷۲):- ''کسی کے گھر میں داخلے کے لئے اِجازت طلب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، کسی کے کمرے میں داخلے پر بھی وہی حکم ہے؟ افسر کے کمرے میں داخلے کے لئے پہلے اجازت لینا ضروری ہے، جبکہ افسر نے کبھی بھی نہیں کہا کہ اجازت لے کر داخل ہوا کرو، دورازہ بھی عموماً افسر کے کمرے کا کھلا رہتا

---

(۱) قد مرّ تخریجه تحت عنوان ''جھوٹی قسم کھانے والے سے تعلقات منقطع کئے جاسکتے ہیں''۔

(۲) نمبر ۱ میں بتایا گیا طریقہ:- ''جب تک یہ ان ناجائز افعال واقوال سے باز نہ آئیں، اس وقت تک اس شخص سے برادری کے سب لوگ دوستانہ تعلقات منقطع کردیں، مگر ان میں سے کچھ بُردبار، معزز لوگ ان کو تنہائی میں نرمی اور ہمدردی سے سمجھائیں پھر بھی نہ مانیں تو دوستانہ تعلقات قطع کرلیں، قتل وقتال ہرگز نہ کریں۔'' یہ طریقہ گزشتہ جواب میں مذکور ہے، سائل نے دو سوال کئے تھے، گزشتہ سوال نمبر ۱ تھا اور یہ نمبر ۲ ہے۔ ۱۲ اعجاز غفرلہٗ

ہے، افسر کے کمروں میں داخلے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:- کسی کا گھر ہو یا کمرہ، اس میں بغیر اجازت داخل ہونا جائز نہیں۔[1] لیکن اجازت کی دو قسمیں ہیں، ایک صراحۃً ایک دلالۃً، صراحۃً تو یہ ہے کہ آپ زبان سے اجازت طلب کریں اور وہ زبان سے کہیں کہ آجایئے، اور دلالۃً یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت فلاں شخص کا اس نیت سے کمرہ کھول کر یا اندر سے چٹخنی نہ لگا کر بیٹھنا ایک عملی اجازت ہے، اور شرعاً داخل ہونے کے لئے یہ عملی اجازت کافی ہے۔

پس دفتر کا کمرہ ہو یا افسر کا کمرہ اگر اندر سے اس کو چٹخنی لگی ہوئی نہیں ہے اور دفتر والے اور افسر آپ کو کمرے میں بلا اجازت داخل ہونے سے منع نہیں کرتے اور ان کو ناگوار بھی نہیں ہوتا تو صراحۃً اجازت لئے بغیر آپ کمرے میں جاسکتے ہیں، عملی اجازت کافی ہے۔ واللہ اعلم

۱۸/۶/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۷۶/۲۴ د)

اپنی بیوی اجنبی کے حوالے کرنے والے سے قطع تعلق

سوال (۵۷۳):- زید نے اپنی موجودگی میں اپنی منکوحہ بیوی کو بکر کے حوالے کر دیا، شرعاً اس پر کیا حکم صادر ہوتا ہے؟

جواب:- زید کا اپنی بیوی کو بکر کے حوالے کر دینے سے وہ بکر کی بیوی نہیں بن گئی، وہ عورت اب بھی زید کی بیوی ہے، لیکن زید نے اس بے غیرتی کا مظاہرہ کر کے سخت حرام کا ارتکاب کیا ہے، اگر بائیکاٹ سے اس کے سدھرنے اور راہِ راست پر آنے کی اُمید ہے تو اس سے بائیکاٹ بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

محمد عبد الغفار اراکانی عفا اللہ عنہ

۹/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵۱۵/۲۵ ز)

جواب صحیح ہے، اور جب تک زید راہِ راست پر نہ آئے اور اپنی اس حرکت سے توبہ نہ کرے اس سے دوستانہ تعلقات منقطع رکھے جائیں۔[2]

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۹/۱۱/۱۳۹۴ھ

***

---
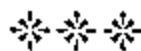
(۱) قال اللہ تعالیٰ: "يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا" (النور: ۲۷)

.... وفي احكام القرآن للجصاص تحت هذه الآية: إن الله خصص الناس بالمنازل، وسترهم فيها عن الأبصار وملكهم الاستمتاع بها على الانفراد وحجر على الخلق ان يطلعوا فيها من خارج أو يَلِجُوها بغير إذن أربابها۔

(۲) قد مرّ تخريجه تحت عنوان "تین طلاقیں دینے کے بعد اکٹھے رہنے والے میاں بیوی سے قطع تعلق کرنے کا حکم"۔

﴿کتاب التاریخ والسیر والمناقب﴾

(تاریخ اور سیر ومناقب کے بارے میں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان سے متعلق خاموشی ضروری ہے

سوال (۵۷۴): - زید نے ایک حدیث سنی ہے جس کا مضمون یہ ہے کسی شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والدین شرک کی حالت میں انتقال کر چکے ہیں، ان کا کیا انجام ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہیں، یہ سن کر افسردہ ہوگئے، ان کو مغموم دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ: میرے والدین کا بھی یہی حال ہے، یہ حدیث سن کر ایک شخص نے کہا کہ: مجھے اس حدیث کا تو علم نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ وہ معذب نہیں ہوں گے اور والدین موحد اور مؤمن تھے، ان کا معاملہ خدا کے پاس ہے، ہمیں کچھ نہ کہنا چاہئے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

جواب: - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں محققین علمائے کرام کا قول یہ ہے کہ سکوت کیا جائے[1]، اللہ جیسا معاملہ ان کے ساتھ کرنا چاہے گا کرے گا، آخرت میں ان کے ساتھ جو معاملہ ہوگا اس کے بارے میں ہم کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اس قسم کے مسائل میں اپنا اور دوسروں کا وقت خرچ نہ کریں، کیونکہ آخرت میں ہم سے ہمارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اعمال وعقائد کا سوال ہم سے نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۱/۱۱ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۵۴/۲۲ الف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا انتقال اور تدفین کہاں ہوئی؟

سوال (۵۷۵): - اخبار روزنامہ ''اعلان'' کراچی جلد ۱۷، اتوار ۱۲ رصفر ۱۳۹۸ھ، ۲۲ رجنوری

---

(۱) قال بعض العلماء التوقف في الباب هو الأسلم وهو كلام حسنٌ۔ (عون المعبود في شرح سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين ج:۱۰ ص:۲۳۶)

..... مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان ان من مات على الكفر فهو في النار۔

۱۹۷۸ء شمارہ ۲۲ میں خبر شائع ہوئی ہے جس کا کچھ حصہ یہ ہے کہ: ''مدینہ طیبہ میں مسجدِ نبوی کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کا جسم مبارک اور دیگر چھ صحابہ کرامؓ کے جسم مبارک بھی اپنی حالت میں پائے گئے جنھیں جنت البقیع میں دفنا دیا گیا'' کیا ایسی بات یقینی ہے اور حضرت عبد اللہ کا جسم مبارک کونسی علامت سے پہچانا گیا؟ کیا حضرت عبد اللہ کی قبر مدینہ میں تھی یا نہیں؟ ازراہِ کرم تفصیل سے جواب تحریر فرما کر مطلع کریں تاکہ تسلی رہے۔

جواب:- یہ خبر احقر کو اس سوال ہی سے معلوم ہوئی، کسی قابلِ اعتماد ذریعے سے معلوم نہیں ہوسکی، لہٰذا اس خبر کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جاسکتی، جب اصل واقعہ ہی کسی مستند ذریعے سے معلوم نہیں تو یہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا کہ لوگوں نے کیسے یہ فیصلہ کیا کہ یہ جسم کس کا ہے؟ سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا، اور عبد اللہ کی ننھیال بنی النجار کے ایک شخص ''التابعہ'' کے گھر ہی ان کو دفن کیا گیا تھا (ج:۱ ص:۴۸۰)۔

واللہ اعلم

۱۳۹۸/۳/۱۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸۸/۲۹ الف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا انتقال کفر پر ہوا

سوال (۵۷۶):- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مسلمان تھے یا غیر مسلمان؟

جواب:- ابو طالب کا انتقال حالتِ کفر پر ہوا ہے، وہ مسلمان ہو کر نہیں مرے۔ (دلائل کے لئے دیکھئے: سیرت المصطفیٰ، از مولانا ادریس صاحب کاندھلوی)۔[1]

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۳/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۴/۱۷۳۰ ج)

معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے کرام کو نماز پڑھائی تھی

سوال (۵۷۷):- بیت المقدس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کو نماز پڑھائی ہے یا نہیں؟

---

(۱) نیز ملاحظہ فرمایئے: آیت کریمہ: "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ" الخ (القصص:۵۶) کے تحت تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر اور اردو میں تفسیر معارف القرآن میں ذکر کردہ تفصیل۔

جواب:- روایات میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں انبیائے کرام کو نماز پڑھائی ہے۔

معراج والی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، مشکوٰۃ میں مسلم شریف کے حوالے سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے اس میں معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"فحانت الصلوٰة فأممتهم" (مشکوٰۃ ج۲ ص:۵۳۰)۔[1]

واللہ اعلم
۱/۸/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۲۴/۲۵ د)

کیا جنت میں آدم علیہ السلام کی اولاد تھی؟

سوال (۵۷۸):-"سیارہ ڈائجسٹ" قرآن نمبر حصہ سوم کے صفحہ:۲۱ ۳ پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:-

"حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا خدا تعالیٰ کی بخشی ہوئی جاگیر بہشت میں رہتے تھے، انہوں نے شجرۂ ممنوعہ کو چکھ لیا، عصیٰ آدم ربه کی غلطی میں پکڑے گئے، فی الفوراُن سے بہشت چھین لی گئی اور انہیں نیچے اُتار دیا گیا، نہ صرف آدم وحوا ہی بہشت سے نکالے گئے بلکہ اُن کی اولاد بھی جو بہشت میں تھی بن باسی ہوگئی۔"

کیا حضرت آدم علیہ السلام کی بہشت میں کوئی اولاد تھی؟ اس کے ثبوت میں قرآن یا کسی حدیثِ صحیحہ سے حوالہ نقل کر کے ممنون فرمائیں گے۔

جواب:- بہشت میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، شاید مضمون نگار کی مراد اولاد کی وہ اَرواح ہیں جو آئندہ دُنیا میں مجسم شکل میں پیدا ہونے والی تھی اور وادیٔ عرفات میں انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں نکال کر اُن سے "عہدِ اَلست" لیا گیا تھا۔[2]

واللہ اعلم
۳/۸/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۵۷/۲۴ د)

---

(۱) نیز ملاحظہ فرمائیے: صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب في ذکر المسیح بن مریم حدیث:۴۲۹، جامع الکبیر للسیوطیؒ، حرف اللام، حدیث:۲۲۶۔

(۲) الدر المنثور تحت الآیة: "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (سورة الأعراف، آیة:۱۷۲) أخرج عبد بن حمید وابن المنذر وابن أبی حاتم وابو الشیخ عن ابن عباس في الآیة قال: مسح الله ظهر آدم وهو ببطن نعمان، واد إلی جنب عرفة، فأخرج منه کل نسمة هو خالقها إلی یوم القیامة ثم أخذ علیهم المیثاق وتلا أن یقولوا یوم القیٰمة ...... وأخرج ابو الشیخ عن عبدالکریم بن أبی امیة قال: أُخرجوا من ظهره مثل طریق النمل (ج:۳ ص:۵۹۹)۔

کیا زمزم کا کنواں عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خریدا تھا؟

سوال (۵۷۹): - زمزم کا کنواں کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خریدا تھا؟

جواب: - اس کی کوئی دلیل یا روایت نظر سے نہیں گزری، بظاہر بے اصل بات ہے۔ (۱)

واللہ اعلم

۱۷/۱۰/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲۳۰/۲۵ ج)

یزید حق پر تھا یا حضرت حسینؓ؟

سوال (۵۸۰): - یزید حق پر تھا یا کہ امام حسینؓ؟

جواب: - حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے، دلائل کے لئے کتابِ تاریخ کی مراجعت کی جائے۔ (۲)

واللہ اعلم

۱۲/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۹/۲۵ ج)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو چانٹا مارنے کا واقعہ

سوال (۵۸۱): - حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کس طرح وارد ہوئی؟ ایک صاحب یوں فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت حضرت موسیٰ کے پاس رُوح قبض کرنے کے لئے آئے تو آپ نے اُن کو ایک چانٹا مارا جس سے ملک الموت کی ایک آنکھ پھوٹ گئی، کیا یہ واقعی صحیح ہے؟

جواب: - چانٹا مارنے کا قصہ قرآن شریف میں تو مذکور نہیں، البتہ احادیث میں موجود ہے، حوالہ تلاش کرنے اور دیکھنے کا وقت نہیں ہے، (۳) اور عوام کو ایسے مسائل میں اپنا وقت بھی خرچ نہیں کرنا چاہئے جس کا سوال اُن سے آخرت میں نہیں ہوگا۔ ہم سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ یہ واقعہ ہوا تھا یا نہیں؟

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۸/۳/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹۲/۲۳ ب)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

---

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیرِ رومہ خریدا تھا، ملاحظہ فرمایئے: صحیح البخاری، کتاب المساقاۃ، باب فی الشرب، السنن الکبریٰ للبیہقی ج:۶ ص:۱۶۸، صحیح ابن حبان، باب نفقۃ عثمان بن عفان فی جیش العسرۃ حدیث:۷۰۳۴۔

(۲) ملاحظہ فرمایئے: البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر کے متعلقہ حصے کا ترجمہ بعنوان "شہید کربلا" مترجم مولانا ہدایت اللہ ندوی، نیز ملاحظہ فرمایئے: شہادتِ حسین طبع ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان۔

(۳) اس حدیث کے لئے ملاحظہ فرمایئے: صحیح البخاری، کتاب حدیث الانبیاء، باب وفاۃ موسیٰ علیہ السلام، حدیث رقم ۳۴۰۷ اور صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام حدیث:۴۹۹۲۔

کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ شین کو سین پڑھتے تھے؟

سوال (۵۸۲): - کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شین معجمہ کو سین مہملہ پڑھتے تھے؟

جواب: - یہ بات غلط مشہور ہوگئی ہے، حدیث سین بلال عند الله شین قال ابن کثیر لیس له اصل (الموضوعات الکبیر ص:۴۳)۔[1]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۳/۶/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۸۹۱/۲۴ ج)

حضرت امیر معاویہ ؓ بلاشبہ صحابی ہیں

سوال (۵۸۳): - حضرت امیر معاویہ ؓ اصحاب رسول میں شامل ہیں یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر کے متعلق فرمایا کہ ان کو باغی گروہ شہید کرے گا، جبکہ حضرت عمار بن یاسر کے گروہ نے شہید کیا، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند کو انہوں نے قتل کر کے گدھوں کی کھال میں ڈال کر جلا دیا۔

جواب: - حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلاشبہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہیں،[2] اور حضرت عمار بن یاسر ؓ کے واقعے سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو قتل کرنے والا گروہ نفس الامر میں باغی تھا، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد اور فقیہ تھے، اور مجتہد کے اجتہاد میں خطا ہوسکتی ہے، جس پر اُسے کوئی گناہ نہیں ہوتا بلکہ اجتہاد کرنے کا ثواب بہر حال ملتا ہے۔ لہٰذا اس واقعے سے ان کو صحابہ کی فہرست سے نکال دینا کسی طرح دُرست نہیں، اس کی پوری تفصیل وتحقیق ودلائل کے لئے دیکھئے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق''۔

اور حضرت ابوبکر ؓ کے فرزند کا یہ واقعہ آپ کو کس کتاب میں ملا ہے؟ مفصل حوالہ اور مستند روایت پیش کی جائے تو بات آگے چلے گی۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۸/۱۱/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۷۳۰/۲۴ ج)

---

(۱) نیز ملاحظہ فرمائیے: تذکرۃ الموضوعات، حرف الشین المعجمة ج:۱ ص:۱۰۱، کشف الخفاء، حرف السین المهملة ج:۲ ص:۵۰۵۔

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صرف جلیل القدر صحابی ہیں بلکہ انہیں ''کاتبِ وحی'' ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے: فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن ج:۱۲ ص:۱۹۲ تحت حدیث رقم: ۶۰۰۶)۔

صحابہ کرامؓ نے تدفین سے پہلے خلافت کا مسئلہ کیوں حل کیا؟

سوال (۵۸۴):- ایک دفعہ ہمارے گاؤں میں اعتراض کیا جارہا ہے کہ خلفائے ثلاثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے وہ خلافت کی کوشش میں رہے، جنازے کی امامت کس طرح ہوئی؟ اور اقتدار کس طرح منتقل ہوا؟ ہمارے گاؤں میں یہ فرقہ کافی تعداد میں ہے اور عید غدیر اور حدیث کا ذکر تحریر فرمائیں۔

جواب:- جنازے کی مفصل کیفیت سیرت کی کتابوں میں مفصل موجود ہے وہاں دیکھ لیا جائے، اتنی بات یہاں لکھی جاتی ہے کہ خلافت کے مسئلے کو حل کرنا اُس وقت تمام صحابہ کرامؓ نے نمازِ جنازہ اور تدفین پر مقدم سمجھا، کیونکہ خلافت کا مسئلہ حل نہ ہونے کی صورت میں اُمت میں سخت اِنتشار کا شدید اندیشہ تھا، اس مسئلے کے حل کرنے کی اس اہمیت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اختلاف نہیں فرمایا، ورنہ اگر وہ نمازِ جنازہ اور تدفین کو مسئلہ خلافت کے حل ہونے سے مقدم سمجھتے تو وہ نمازِ جنازہ پڑھ کر تدفین کر سکتے تھے، کیونکہ وہ خلفائے اربعہؓ میں سب سے زیادہ قریبی رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتے تھے، آپ کے عم زاد تھے، اس کے باوجود نمازِ جنازہ اور تدفین کو مؤخر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اس مسئلے میں حضرت علیؓ کا موقف بھی وہی تھا جو باقی اَئمہ ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا تھا۔

واللہ اعلم

۱۳۹۴/۱۲/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸۴۸/۲۵ ج)

آخرت میں یزید کا حشر کیا ہوگا؟

سوال (۵۸۵):- حضرت امیر معاویہؓ کے فرزند کا حشر روزِ محشر کیا ہوگا؟

جواب:- ہر مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو بالآخر جنت میں داخل ہوگا، نیکوکار مسلمان شروع ہی سے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور گنہگار مسلمانوں نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی اور اللہ نے معاف بھی نہ کیا ہو تو وہ گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے، اور یزید کا کفر ثابت نہیں ہوا، لہٰذا وہ بھی مذکورہ ضابطے میں داخل ہے، جو گناہ اس نے کیا اللہ کو اختیار ہے اس کو معاف کردے یا اُس کی سزا دے۔

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۳/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۷۳۰/۲۴ ج)

۱۴۰۰ھ کے محرم سے چودھویں صدی کا اختتام ہوا

سوال (۵۸۶): - جناب مفتی صاحب، السلام علیکم

محرم کا ماہ شروع ہوا ہے یہ چودھویں صدی میں ہے یا پندرھویں صدی میں ہے؟ اس کا مفصل جواب دیں کیونکہ ذہنوں میں اختلاف رائے ہے۔

جواب: - یہ چودھویں صدی کا آخری سال ہے، اگلے ماہ محرم سے پندرھویں صدی کا پہلا سال شروع ہوگا۔

والسلام

۴/۲/۱۴۰۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۳/۳۱ الف)

تاریخ کی مستند کتب

سوال (۵۸۷): - کوئی ایسی کتاب فرمائیں کہ جس میں شہدائے کرام من الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم کی شہادت کے صحیح اور تفصیلی حالات درج ہوں اور وہ کتاب ملتی بھی ہو۔

جواب: - ایسی کوئی کتاب تو نظر میں نہیں جس میں صرف شہدائے کرام کی شہادت کے واقعات ہوں، تاریخِ اسلام کی کتابوں میں یہ واقعات متفرق طور پر بیان ہوئے ہیں، اُن کتابوں کے مطالعے سے یہ واقعات بھی علم میں آجائیں گے، تاریخ اسلام کی ایک کتاب مولانا اکبر خان نجیب آبادی نے تین جلدوں میں لکھی ہے جو نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کی ہے، شاید اُس کے مطالعے سے آپ کا مقصد کسی درجے میں حاصل ہوجائے، مگر اُس کتاب میں حوالے نہیں ہیں، دُوسری باحوالہ کتب تاریخ کا مطالعہ بھی مفید ہوسکتا ہے۔ (۱)

واللہ اعلم

۱۳/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۵۱۵/۲۵ ج)

***

---
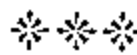
(۱) اُردو میں تاریخ کی دیگر کتابیں: -

الف: - تاریخ ملت از مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی۔　ب: - تاریخ اسلام از مولانا معین الدین ندویؒ۔

عربی میں درج ذیل دو کتب بھی معتبر سمجھی جاتی ہیں: -

۱- البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر۔　۲- الکامل لابن کثیر۔ ۱۲م

کتاب الطہارۃ

(پاکی، ناپاکی کے مسائل)

باب فی الاستنجاء
(استنجا کے بیان میں)

قبلہ رُخ بنے ہوئے حکومتی بیت الخلاؤں کو استعمال کرنے کا طریقہ؟

سوال (۵۸۸): - حکومت پاکستان مسلمانوں کی حکومت ہے غیر مسلموں کی نہیں، ایک جگہ پیشاب خانوں کا رخ قبلہ کی طرف بنایا ہے، اگر کوئی عالم یا کوئی غریب مزدور شہر جانا چاہے اور وہاں قضاء حاجت کی ضرورت ہو جائے اور چلا جائے، بیت الخلاء کی طرف تو وہاں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کو پیشاب قبلہ کی طرف ہو کر کرنا پڑتا ہے اور غیر مسلم ان کو دیکھ کر ہنستے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے قبلہ کا احترام کرنا چھوڑ دیا ہے، اس بارے میں فتویٰ دیں کہ ہم ان کو ہر جگہ سے منہدم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: - بیت الخلاء یا پیشاب خانوں کو اس طرح بنانا کہ پیشاب یا قضاء حاجت کرنے والے کا رخ قبلہ کی طرف ہو جائے جائز نہیں، ایسے بیت الخلاء یا پیشاب خانوں کو استعمال کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ قبلہ کے رُخ سے ہٹ کر انہیں استعمال کریں،[1] ان کو منہدم کرنے کا مطالبہ حکومت سے کرنا چاہئے خود منہدم نہ کریں۔[2]

واللہ اعلم
۱۵/۸/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۸۹۳ د)

---

(۱) فی الجامع الترمذی باب فی النهی عن استقبال القبلة ج:۱ ص:۸
عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها ولکن شرقوا او غربوا۔
قال ابو ایوب فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض قد بنیت مستقبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله۔
فی الدر المختار ج۱ ص ۱۵۵ ویکره تحریما استقبال القبلة بالفرج فی الشامیة (قوله استقبال القبلة بالفرج یعم قبل الرجل والمرأة والظاهر ان المراد بالقبلة جهتها کما فی الصلوة وان التقیید بالفرج یفید ما صرح به الشافعیة انه لو استقبلها لصدره وحول ذکره عنها لم یکره بخلاف عکسه .. وتقدم هناك ان المکروه الاستقبال والاستدبار لاجل بول او غائط فلو للاستنجاء لم یکره ای تحریما وفی النهایة لو غفل عن ذالك وجلس یقضی حاجته ثم وجد نفسه کذالك فلا بأس لکن ان امکنه الانحراف ینحرف فانه عد ذالك من موجبات الرحمة فان لم یفعل فلا بأس وکانه یسقط الوجوب عند الامکان لسقوطه ابتداء بالنسیان ولخشیة التلویث۔
(۲) فی الدرالمختار ۲۰۰/۶ لا یجوز التصرف فی مال غیره بلا اذنه ولا ولایته الا فی مسائل مذکوره فی الاشباه۔
فی المشکوة مع المرقاة باب الامر بالمعروف ۸/ ۸۱۰ عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه۔
فی المرقاة قال بعض علمائنا الامر الاول للأومراء والثانی للعلماء والثالث لعامة المؤمنین۔
فی التعلیق الصبیح ۵/ ۱۳ فان لم یستطع الانکار بیده بان ظن لحوق ضرر به لکون فاعله اقوی منه فبلسانه ای فلیغیر بالقول۔

طہارت کے مسائل میں دوسروں پر بدگمانی جائز نہیں

سوال (۵۸۹):- ایک شخص پیش امام ہے اور صرف پانی سے استنجاء کرتا ہے، ڈھیلہ وغیرہ نہیں لیتا تو کیا وہ پاک ہوگیا اور استنجا میں وہ بہت عجلت سے کام لیتا ہے اور کہتا کہ مجھے قطرہ نہیں آتا۔

جواب:- ایک مسلمان جب کہہ رہا ہے کہ مجھے قطرہ نہیں آتا حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر اعتماد کرنا چاہئے،[۱] اور کسی کے معاملات میں اتنی چھان بین کہ استنجاء جلدی کرتا ہے یا دیر میں، شرعاً مذموم ہے آئندہ اس سے اجتناب کریں۔[۲]

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۱۰۱۲/۲۲ج)

***
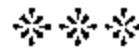
(۱و۲) قال اللہ تعالیٰ: یَاۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا الآیۃ (الحجرات:۱۲)۔

فی المظہری ۹/۵۳ ان الظن علی اقسام منھا ما یجب اتباعہ وھو حسن الظن باللہ تعالیٰ والمؤمنین والمؤمنات ومنھا یحرم اتباعہ کسوء الظن بالمؤمنین والمؤمنات لا سیما بالصالحین منھم۔

فی المشکوۃ ۲/۴۲۷ باب ما ینھی عنہ من التھاجر عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا الخ۔

باب فی الوضوء والغسل
(وضواور غسل کے اَحکام)

کتبِ تفسیر کو بلا وضو چھونا؟

سوال (۵۹۰): -مولانا مودودی صاحب کی لکھی ہوئی تفہیم القرآن کا صرف اردو ترجمہ بحالت پاکی بغیر وضو پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جلد اول پر پلاسٹک کا کور چڑھا ہوا ہے، بغیر وضو کے اس جلد کو چھوا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر استنجاء کے ساتھ ہاتھ دھوئے بغیر تفسیر کی کتاب کو چھولے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: -قرآن کریم کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں، پلاسٹک کور کے ساتھ ہو یا بغیر کور کے،[1] البتہ تفسیر کی کتاب مثلاً تفہیم القرآن کو بلا وضو چھونے کی گنجائش ہے اور استنجے کے ساتھ اگر ہاتھ نہیں دھوئے اور دھوئے بغیر تفسیر کی کتاب کو چھولیا تو بے حرمتی اور بے ادبی ہے،[2] اس کا کفارہ صرف توبہ واستغفار ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح   محمد رفیع عثمانی

محمد عاشق الٰہی   ۱۴۲۳/۱۱/۳۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۸۷۸/۲۴ ج)

جماعت نکل رہی ہو تو وضو کا کوئی مختصر طریقہ ہے یا نہیں؟

سوال (۵۹۱): -ہم بے وضو ہوں تو وضو کس طرح کریں کہ وضو بھی ہو جائے اور جماعت بھی مل جائے؟

---

(۱) ویحرم به ای بالاکبر وبالاصغر مس مصحف ای ما فیه آیة ...الا بغلاف متجاف (الدر المختار ۱/۱۴۳)۔

اقول الاظهر والأحوط القول الثالث ای کراهة فی التفسیر دون غیره لظهور الفرق، فان القرآن فی التفسیر اکثر منه فی غیره وذکره فیه مقصود استقلالا لا تبعا، فشبهه بالمصحف اقرب من شبهه ببقیة الکتب، والظاهر ان الخلاف فی التفسیر الذی کتب فیه القرآن بخلاف غیره کبعض نسخ الکشاف تأمل (الشامیة ۱/۱۴۴)۔

(۲) واذا خرج من الخلاء فاراد ان یمس الکتاب یستحبله ان یتوضأ او یغسل یدیه ثم یاخذ الکتاب (الهندیة کتاب الکراهیة الباب الثلاثون فی المتفرقات)۔

جواب: - اس صورت میں وضوء کا کوئی الگ طریقہ نہیں ہے، [۱] جس طرح اور نمازوں کی وضو کی جاتی ہے اس وقت بھی کی جائیگی بس جلدی سے وضو کر کے جماعت میں شریک ہو جائیں، جماعت کی خاطر وضو ترک کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۶۶ الف)

نابالغ نلکا چلائے تو اس پانی سے بھی وضو کر سکتے ہیں۔

سوال (۵۹۲): - ہماری مسجد کی ٹنکی میں نلکہ لگا ہوا ہے نلکہ چلانے کی وجہ سے جو پانی نکلتا ہے اس پانی سے وضو کیا جاتا ہے کبھی نلکہ بالغ چلاتے ہیں، کبھی نابالغ چلاتے ہیں، ایک صاحب کا کہنا یہ ہے کہ نابالغ بچے جو نلکہ چلاتے ہیں اس سے وضو جائز نہیں؟

جواب: - زید کا کہنا غلط ہے جو پانی نابالغ نکالتے ہیں اس سے بھی وضوء بلا کراہت جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۳۹۴/۱۱/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۴۸۸ ر)

غسل میں اگر وضو نہ بھی کیا جائے تب بھی وضو ہو جاتا ہے

سوال (۵۹۳): - زید پر غسل فرض تھا اس نے وضو غسل میں نہیں کیا، کیا وہ اس غسل سے جس میں وضو نہیں کیا نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: - اگر غسل پوری طرح کرلیا تھا کہ جسم کا کوئی حصہ بال برابر بھی خشک نہ رہا، پورے جسم پر کم از کم ایک بار پانی بہہ گیا تو اس غسل سے نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ وضو نہ کیا ہو، کیونکہ غسل میں وضو خود بخود ہو جاتا ہے، [۲] البتہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو مکمل کر کے پھر غسل کرے۔ [۳] واللہ اعلم بالصواب

۱۳۹۴/۱/۳۰ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۰۷ ب)

---

(۱) عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: رجعنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکة الی المدینة حتی اذا کنا بماء بالطریق تعجل قوم عند العصر فتوضؤا وهم عجال فانتهینا الیهم واعقابهم تلوح لم یمسها الماء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء (المشکوة مع التعلیق الصبیح باب سنن الوضوء ۱:۲۰۳)۔

واسبغوا الوضوء بضم الواو ای اتموه باتیان جمیع فرائضه وسننه ولو ثبت فتح الواو ولکان له وجه وجیه ای اوصلوا ماء الوضوء الی الاعضاء بطریق الاستیعاب والاستقصاء (التعلیق ۱:۳۰۳)۔

(۲) سیاتی تخریجه تحت عنوان ''غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے''۔

(۳) وسننه ان یغسل یده وفرجه ونجاسة لو کانت علی بدنه ثم یتوضأ ثم یفیض الماء علی بدنه ثلاثا (کنز الدقائق مع البحر الرائق، کتاب الطهارة، ج ۱، ص ۴۹، ماجدیه)۔

دورانِ غسل کئے ہوئے وضو سے ہر قسم کی نماز اور قرآن کریم کو چھونا جائز ہے

سوال (۵۹۴): - اگر کوئی شخص جس پر غسل واجب ہو یا فرض ہو اور وہ غسل کے تینوں فرض ادا کرنے کے بعد وضو کرتا ہے، ننگا ہو کر غسل خانے میں، تو کیا ایسی حالت میں اس وضو سے فرض یا نفل نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں اور قرآن کریم کو چھو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: - اس وضو سے ہر قسم کی نماز پڑھ سکتا ہے اور قرآن کریم کو بھی چھو سکتا ہے۔ [1]

واللہ اعلم

۴/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۴۴/۴۴/۲۵ ب)

غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے

سوال (۵۹۵): - دورانِ غسل وضو کی نیت سے وضو ہو جاتا ہے زیادہ سے منہ اور ناک میں پانی ڈالنا کافی ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں ہر معاملہ میں اپنے ضمیر کا فیصلہ قبول کرو، مجھ فقیر کا ضمیر فرض نماز کے لئے غسل وضو کو ناکافی سمجھتا ہے طبعیت میں وسوسہ سا رہتا ہے۔

جواب: - امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو کے صحیح ہونے کے لئے نیت شرط نہیں، بغیر نیت کے بھی بلا کراہت صحیح ہو جاتا ہے، البتہ نیت کے بغیر کرنے سے وضو کا جو ثواب ہے وہ نہیں ملتا اور نیت کرنے سے وہ بھی ملتا ہے، [2] لہٰذا غسل میں وضو کی نیت بھی اگر چہ نہ کی ہو تب بھی وضو ہو جاتا ہے اور نیت کرنے سے ثواب بھی ملتا ہے کوئی وسوسہ نہیں کرنا چاہئے، [3] اور امام غزالیؒ چونکہ شافعی مذہبؒ کے ہیں، اس لئے اگر انہوں نے اس کے خلاف کچھ لکھا ہے تو اپنے مذہب کے مطابق لکھا ہوگا جس کی پابندی حنفی حضرات پر لازم نہیں۔

---

(۱) سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''برہنہ ہو کر کئے ہوئے غسل کے وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں''۔

(۲) والنية ليست بشرط في كون الوضوء مفتاحاللصلوة وقيدنا بقولنا في كونه مفتاحا لانها شرط في كونه سببا للثواب على الاصح (البحر الرائق، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۲۴، مكتبه ماجديه، كوئته)۔

... اذا اصاب الرجل المطر او وقع في نهر جار جاز وضوئه وغسله ايضا ان اصاب الماء جميع بدنه (الهندية ۵/۱)۔

.... ثم قال في الخلاصة ويجزى الوضوء والغسل بغير النية ... وهكذا قال المتقدمون من اصحابنا انه لا يثاب ولا يصير مقيما للوضوء المامور به (شرح المنية ۵۴/۱)۔

(۳) عن ابى بن كعب رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان للوضوء شيطانا يقال له ولهان فاتقو وسواس الماء (المشكوة مع التعليق الصبيح باب سنن الوضوء الفصل الثانى ۳۰۹/۱)۔

..... قال الطيبى اى وسواسه هل وصل الماء الى اعضاء الوضوء ام لا وهل غسل مرة اومرتين وهل طاهر اونجس او بلغ قلتين اولا (التعليق الصبيح ۳۰۹/۱)۔

جہاں تک ضمیر کا معاملہ ہے اسے شریعت کا حکم معلوم ہو جانے پر مطمئن ہو جانا چاہئے، اگر مطمئن نہ ہو تو یہ شیطانی وسوسہ ہے اس کی پیروی نہ کی جائے، اور غسل کے وضو کو کافی سمجھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۳۹۹/۱۰/۱۲

(فتویٰ نمبر ۱۲۹۹/۳۰د)

برہنہ ہو کر کئے ہوئے غسل کے وضوء سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

سوال (۵۹۶):- ایک آدمی غسل خانہ میں ننگا غسل کرے تو کیا اس غسل کے وضوء سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

جواب:- غسل میں پورے جسم پر کم از کم ایک بار (اور مسنون یہ ہے کہ پانی تین بار بہائے) جن اعضاء کو وضو میں دھویا جاتا ہے انہیں غسل میں بھی دھونا فرض ہے۔ پس جس نے اس طریقہ سے پورا غسل کر لیا اس کا وضوء بھی خود بخود ہو گیا[1]، اور ننگا ہونے یا ستر کھولنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لہذا غسل کے بعد نماز کے لئے مستقل وضو کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۴/۱/۱۸ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۲/۲۵ الف)

اگر دوران غسل وضو ٹوٹ جائے

سوال (۵۹۷):- ناپاکی کے بعد جو ہم لوگ پاک ہونے کے لئے غسل کرتے ہیں اس کا طریقہ کچھ یوں اختیار کرتی ہوں پہلے تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا، پھر نجاست کی جگہ دھونا، اس کے بعد وضو کرنا پھر تمام جسم پر پانی بہانا، اگر وضو کرنے کے بعد فوراً ٹوٹ جائے اور ہم تمام جسم پر پانی بہالیں تو کیا ہمارا وضو پاکی کے لئے ہو گیا؟

جواب:- اس صورت میں وضو ٹوٹنے کے بعد اگر پورے جسم پر کم از کم ایک بار پانی بہادیا تو

---

(۱) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يتوضأ بعد الغسل (المشكوة مع المرقاة باب الغسل، الفصل الثاني ۲/۱۶۸)۔

.... في المرقاة تحته: اى اكتفاء بوضوء الاول في الغسل وهو سنة او باندراج ارتفاع الحدث الاصغر تحت ارتفاع الاكبر بايصال الماء الى جميع اعضائه وهو رخصة

.... اذا اصاب الرجل المطر او وقع في نهر جار جاز وضوئه وغسله ايضا ان اصاب الماء جميع بدنه وعليه المضمضة والاستنشاق كذا في السراجية (الهندية ۱/۵ الباب الاول في الوضوء)۔

دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ [1]

واللہ اعلم
۲/۴/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۷۷۶ د)

ستر کُھلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال (۵۹۸):- ایک آدمی نے نماز کے لئے وضو کیا اور اس کا ستر عورت کھل گیا، کیا اس سے وضو ٹوٹ گیا؟

جواب:- ستر کھولنے یا ننگا ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ [2]

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۸/۱/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۲۲ الف)

محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال (۵۹۹):- ایک پیشاب کے بعد جب وضوء خشک کرتا ہے تو اسے شک پڑتا ہے کہ مجھے بعد میں ایک قطرہ آتا ہے اگر دیکھنے پر قطرہ نہ ہو تو ٹھیک ورنہ وہ روزانہ کپڑے (شلوار کا وہ حصہ جس پر گیلے ہونے کا شک ہو) دھویا کرے گا کہ نہیں؟ روزانہ اس شکایت کے واقع ہونے پر دھونا ذرا مشکل نظر آتا ہے۔

جواب:- صرف شک سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ کپڑا ناپاک ہو، ایسے وقت کپڑا دیکھ لیں اگر واقعی گیلا ہو اور ظن غالب یہ ہو کہ قطرہ سے گیلا ہوا ہے تو کپڑا دھولیں اور وضو دوبارہ کریں، محض شک ہو تو اس سے کوئی جرح نہیں اسی وضو اور کپڑے سے نماز پڑھ لیا کریں۔

واللہ اعلم
۲۷/۱۱/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۲۶۴ ز)

ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

سوال (۶۰۰):- ایک شخص خطبہ کے دوران دیوار کے سہارے جھک کر بیٹھا تھا کہ اسے نیند آگئی، خطبہ کے بعد وہ بیدار ہوا نماز پڑھنے کے لئے آیا اس کا وضو قائم رہا یا ٹوٹ گیا؟

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

(۲) ملاحظہ فرمایئے: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند فتویٰ نمبر ۷۳، ج:۱ ص:۱۱۲

جواب: - ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا اس شخص کا وضو ٹوٹ گیا۔ (۱)

واللہ اعلم

۱۵/۳/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۵۴۰/۲۵ ج)

ایک سے زائد مرتبہ جماع کرنے سے کتنی مرتبہ غسل واجب ہوتا ہے

سوال (۶۰۱): - ایک شخص اپنی عورت سے چھ مرتبہ جماع کرتا ہے، کیا اس شخص پر ایک مرتبہ غسل واجب ہوگا یا چھ مرتبہ؟

جواب: - اگر کسی بھی جماع کے بعد غسل نہیں کیا یہاں تک کہ چھ مرتبہ جماع کرلیا تو اب اس پر صرف ایک ہی غسل واجب ہے، (۲) لیکن اگر پہلے جماع کے بعد غسل کرلیا پھر جماع کیا تو اب اس نئے جماع کا غسل الگ سے واجب ہوگا، اب غسل کرنے کے بعد پھر تیسری مرتبہ جماع کرلیا تو اس تیسرے جماع سے پھر غسل واجب ہوجائے گا، یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہوا لیکن یاد رہے کہ غسل جنابت میں اتنی دیر کرنا جائز نہیں کہ نماز بھی قضاء ہوجائے۔ (۳)

واللہ اعلم بالصواب

۱۳/۱/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۷/۲۲ الف)

بغیر انزال کے حاصل ہونے والی لذت سے غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

سوال (۶۰۲): - زید میرا پڑوسی ہے، اس کی عمر ستر سے کچھ اوپر ہے، چار سال قبل عمل جراحی سے پراسٹیٹ گلینڈ نکلوانا پڑا، یہ بہت بڑھ گیا تھا، پیشاب میں رکاوٹ پیدا کرتا تھا، اس کے نکلوانے کے بعد مذی یا منی کا پیدا ہونا ختم ہوگیا، ایک روز وہ تھکا ماندہ گھر لوٹا تو اس کی بیوی نے اس کی ٹانگیں دبائیں اس عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ عضو تناسل میں انتشار رہا لیکن وظیفہ زوجیت ادا نہیں ہوا، انتشار اس قدر رہا کہ تھوڑی دیر میں اس سے وہ لذت حاصل ہوئی جو وظیفہ زوجیت کے بعد یا احتلام کے بعد اخراج منی سے ہوتی ہے۔ پھر اس حالت میں کمی ہوگئی یہ خیال رہے کہ کوئی مادہ خارج نہیں ہوا، وظیفہ زوجیت بھی ادا نہیں ہوا، دونوں کپڑے پہنے رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس حالت میں اس پر غسل واجب ہے یا نہیں؟ مذی منی کا اخراج بالکل نہیں

---

(۱) وینقضہ خروج نجس ... ونومہ مضطجع ومتورک (کنز الدقائق، کتاب الطہارۃ، ج:۱ ص:۱۲، مکتبہ رحمانیہ)۔

(۲) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یطوف علی نسائہ فی غسل واحد (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الرجل یطوف علی نسائہ بغسل واحد)

(۳) الجنب اذا اخر الاغتسال الی وقت الصلوۃ لا یأثم کذا فی المحیط (الھندیۃ ۱/۱۶)۔

ہوا، دونوں کے اعضاء کے آپس میں ملنے کا بھی موقع نہیں آیا شرعی حکم سے آگاہ کریں۔

جواب:- مرد پر غسل صرف دو چیزوں سے واجب ہوتا ہے، ایک منی شہوت کے ساتھ خارج ہو، دوسری یہ کہ مرد کا عضو عورت کی شرمگاہ میں ختنہ کے مقام تک چھپ جائے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، صورتِ مسئولہ میں دونوں چیزیں نہیں پائی گئیں لہٰذا اس شخص پر غسل واجب نہیں ہوا۔ (۱) واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح | محمد رفیع عثمانی
بندہ محمد شفیع | ۱۵/۲/۹۴ ۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲۸/۲۲، ۲۳ ب)

مذی اور ودی میں کیا فرق ہے؟

سوال (۶۰۳):- مذی اور ودی میں کیا فرق ہے؟

جواب:- مذی پانی کے رنگ کی رقیق اور چکنی رطوبت ہوتی ہے جو شہوت کے وقت خارج ہوتی ہے، اور ودی بھی اسی طرح کی رطوبت ہوتی ہے مگر پیشاب کے بعد بعض لوگوں کو آتی ہے اور یہ شہوت کے بغیر بھی آجاتی ہے، دونوں کا شرعی حکم ایک ہی ہے کہ ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے غسل واجب نہیں ہوتا، (۲) اور جسم یا کپڑے کے جس حصے پر لگ جائے اس کا پاک کرنا ضروری ہے۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الجواب صحیح | محمد رفیع عثمانی
بندہ محمد شفیع | ۸/۳/۹۱ ۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۷/۳، ۲۲ الف)

مذی کا حکم

سوال (۶۰۴):- میرے ایک دوست ہیں ان کو ذرا سے خیال سے بھی مذی نکل جاتی ہے یعنی

---

(۱) فالجنابة تثبت بامور بعضها مجمع عليه وبعضها مختلف فيه، اما المجمع عليه فنوعان احدهما خروج المني عن شهوة دفقا من غير ايلاج باى سبب حصل الخروج كاللمس والنظر الاحتلام حتى يجب الغسل بالاجماع والثاني ايلاج الفرج في الفرج في السبيل المعتاد سواء انزل اولم ينزل (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، ج:۱ ص ۳۶، مكتبه رشيديه كوئته)۔
.....نیز ملاحظہ فرمائیے: الکبیری ص ۴۰، ۴۱۔

(۲) اماالمذى ... وهو ماء ابيض رقيق يخرج عند شهوة لا بشهوة ولا دفق ولا يعقبه فتور وربما لا يحس بخروجه وهو اغلب في النساء من الرجال ....والودى وهو ماء ابيض كدر ثخين يشبه المني في الثخانة ويخالفه في الكدورة ولا رائحة له ويخرج عقيب البول اذا كانت الطبيعة مستمسكة وعند حمل شي ثقيل ويخرج قطرة او قطرتين ونحوهما واجمع العلماء انه لا يجب الغسل بخروج المذى والودى كذا في شرح المهذب واذا لم يجب بهما الغسل وجب بهما الوضوء (البحر الرائق، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۶۲، مكتبه ماجديه)۔

(۳) كل ما يوجب خروجه الوضوء او الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمني والمذى والودى فاذا اصاب الثوب اكثر من قدر الدرهم يمنع جواز الصلواة كذا في المحيط (الهندية، كتاب الطهارة ج ۱ ص ۴۶، رشيديه)۔

ذکاوتِ حس کے مریض ہیں، علاج سے فائدہ مستقل نہیں ہوا؟

جواب:- مذی ناپاک ہے اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جس حصہ جسم یا کپڑے کو لگے اسے دھوئے بغیر نماز جائز نہیں، ہاں اگر قدر درہم سے کم لگی ہو تو معاف ہے،[1] مگر وضو بہر حال ٹوٹ جاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
۱۵/۲/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۳۸۲/۲۵ ب)

ناخن کاٹنے سے غسل واجب نہیں ہوتا

سوال (۶۰۵):- ایک شخص ناخن کاٹتا ہے پھر کسی چیز میں باندھ کر کسی جگہ رکھ دیتا ہے، کیا اس شخص پر غسل واجب ہوتا ہے؟

جواب:- ناخن کاٹ کر اور باندھ کر کسی جگہ رکھ دینے سے غسل واجب نہیں ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳/۱/۱۳۹۱ھ
(فتویٰ نمبر ۱۷/۲۲ الف)

جمعرات کے دن غسل کی ممانعت بے بنیاد ہے

سوال (۶۰۶):- آج کل عورتوں میں یہ مسئلہ بڑے زوروں پر ہے کہ جمعرات کے دن غسل کرنا منع ہے، اگر غسل کرے تو عورت پاک نہیں ہوتی، شرعاً اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب:- یہ بات بالکل بے بنیاد اور غلط ہے، جمعرات کو غسل کرنا مرد و عورت سب کے لئے بلا کراہت جائز ہے اور عورت پاک بھی ہو جاتی ہے۔

واللہ اعلم
۱۰/۸/۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۵۱۴/۲۵ و)

جسم یا کپڑوں کو ناپاک چیز لگنے سے غسل لازم نہیں ہوتا

سوال (۶۰۷):- نماز کے لئے باوضو جا رہے تھے کہ کوئی گندگی لگ گئی اور غسل کا وقت نہیں، تو کیا کریں؟

جواب:- ہر گندی چیز ناپاک نہیں ہوتی مثلاً تھوک، بلغم ناپاک نہیں،[2] ہاں کوئی ناپاک چیز جسم یا

(۱) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ نمبر ۲۔

(۲) لعاب النائم طاهر سواء كان من الفم او منبعثا من الجوف عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وعليه الفتوى (الهندية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في الأعيان النجسة ج:۱ ص:۴۶ رشيديه)۔

وفي البحر الرائق ج ۱ ص:۳۵ (قوله لا بلغما) وهو ظاهر في ان البلغم ليس نجسا اتفاقا۔

کپڑوں کو لگ جائے تو جس جگہ وہ لگی ہے صرف اس جگہ کو پاک کرنا لازم ہے، اسے پاک کر کے نماز پڑھ لیں۔ جسم یا کپڑوں کو کوئی ناپاک چیز لگ جانے سے غسل لازم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

۹/۳/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۵۶۶/۲۶ الف)

ولادت کے بعد دایہ کا غسل اور کپڑے تبدیل کرنا؟

سوال (۶۰۸):- کیا دایہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زچگی کے کام سے فارغ ہو کر نہائے یا کپڑے بدلے جبکہ اس کو یقین ہے کہ کپڑے یا جسم پر کوئی نجاست نہیں لگی؟

جواب:- جب یہ یقین ہو کہ جسم یا کپڑوں پر کوئی نجاست باقی نہیں ہے تو نہانا یا کپڑے بدلنا ضروری نہیں، بلکہ اگر نجاست لگی رہنے کا یقین بھی ہو تو نہانا ضروری نہیں بلکہ صرف اس حصہ کو دھو کر پاک کر لینا کافی ہے جس پر نجاست لگی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

۲۱/۱/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۲/۲۳ الف)

تنگی وقت کی وجہ سے غسل فرض ساقط نہیں ہوتا

سوال (۶۰۹):- اگر جسم پر ایسی ناپاکی لگی ہو کہ غسل لازم ہو اور نماز کا وقت بہت کم ہو تو کیا ہم نماز پڑھ لیں یا قضا کریں؟

جواب:- حالتِ جنابت میں یعنی جبکہ آدمی پر غسل فرض ہو غسل کئے بغیر نماز نہیں ہوتی، پہلے غسل کریں پھر نماز پڑھیں، اگر غسل کی وجہ سے نماز کا وقت نکل جانے کا خدشہ ہو تب بھی غسل لازم ہے۔[1]

واللہ اعلم

۹/۳/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۵۶۶/۲۶ الف)

غسلِ فرض کا طریقہ اور پاک ہونے کے لئے کلمہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں

سوال (۶۱۰):- غسل کا طریقہ بالتفصیل تحریر فرمائیں کیا آدمی کو پاک کرنے کے لئے کلمہ پڑھنا ضروری ہے؟

---

(۱) اما الشرائط المجمع علیها فستة · الطهارة من الحدث · وفي الشرع مايوجب الغسل او الوضوء ...... اما الطهارة من الحدث قدمها لكونها اهم الشروط واكدها حتى انها لا تسقط بحال ولا يجوز الصلوة بدونها اصلا (كبيري، كتاب الطهارة ص:۱۳، سهيل اكيدمى، لاهور)۔

جواب:- پاک ہونے کے لئے کوئی بھی کلمہ پڑھنا غسل میں شرط نہیں ہے، غسل میں اتنی بات فرض ہے کہ جسم کا کوئی حصہ بال برابر بھی خشک نہ رہے، سب حصوں میں پانی بہہ جائے، کان میں جہاں تک انگلی جاتی ہے وہاں تک پانی پہنچانا فرض ہے، کلی کرنا بھی ضروری ہے،[1] مفصل طریقہ ترتیب وار لکھنے کے لئے زیادہ وقت چاہئے، آپ بہشتی زیور یا بہشتی گوہر یا تعلیم الاسلام میں مطالعہ فرمالیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۵/۲/۲۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۴۱۴ الف)

بند غسل خانے میں برہنہ ہوکر غسل کرنا؟

سوال (۶۱۱):- آج کل لوگ بند غسل خانے میں برہنہ نہاتے ہیں اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے کوئی حدث ہے کس طرح نہانا چاہئے؟

جواب:- بند غسل خانے میں برہنہ نہانے کی گنجائش ہے لیکن تہبند وغیرہ پہن کر نہانا بہتر ہے۔

فقال ابن نجيم في رسالته: بيان الكبائر والصغائر اما الصغائر فقالوهي الى قوله وكشف العورة بحمام بغير رأى الناس ص: ۹۴۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

(فتویٰ نمبر ۹۹/ ۲۳ الف)

فلسڈ دانت لگوانے کی صورت میں غسل کا حکم

سوال (۶۱۲):- میری عمر ۵۹ سال ہے میرے پانچ نیچے کے دانت نکل گئے ہیں جس کی وجہ سے مجھے پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے اگر میں نکلنے والا دانت لگاتا ہوں تو زخم ہوجاتے ہیں ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ فلسڈ دانت لگالیں مگر غسل میں کلی فرض ہے فلسڈ دانت لگانے کی وجہ سے اتنا حصہ پانی سے محروم ہوجائے گا اب اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- جو مجبوری آپ نے لکھی ہے اس کے پیش نظر ایسے دانت لگوالینا جائز ہے جو مستقل طور پر جڑ دئے جائیں اور ان کو نکالا نہ جاسکے، جب ایسے دانت لگوالیں گے تو ان کے نیچے پانی پہنچانا غسل

---

(۱) (قوله وفرض الغسل غسل فمه وانفه وبدنه) وهو وتطهير جميع البدن واسم البدن يقع على الظاهر والباطن الا ان مايتعذر ايصال الماء اليه خارج عن قضية النص، وكذا مايتعسر لان المتعسر منفي كالمتعذر (البحر الرائق، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۴۶، مكتبه ماجديه، كوئته)۔

...... ويجب اى يفرض غسل كل مايمكن من البدن بلاحرج مرة كأذن (الدر المختار، كتاب الطهارة ج:۱ ص:۱۵۴ سعيد)۔

(۲) وحاصل حكم من اغتسل عاريا انه ان كان بمحل خال لا يراه احده ممن يحرم عليه نظر عورته حل له ذلك، لكن الافضل التستر حياء من الله تعالى (المرقاة، كتاب الطهارة، باب الغسل، الفصل الثاني ج:۲ ص:۱۴۹)۔

جنابت میں ضروری نہ رہے گا، ان کا حکم وہی ہوگا جو قدرتی دانتوں کا ہوتا ہے کہ ان کے اندر یا نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں ہوتا کلی کرنا کافی ہوتا ہے (یؤیدہ الجزئیات المذکورۃ فی امداد الفتاویٰ ص:۱۸ الی ص:۲۰ ج اوّل)۔(۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳۹۸/۹/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۲۹/۲۲۵۳ ج)

دانت کے سوراخ بھروانے سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال (۶۱۳): - گذارش ہے کہ ایک شخص کو ڈاڑھ میں سوراخ ہے ڈاکٹروں کے مشورے سے اس کی فلنگ (چاندی جسے سوراخ میں بھرا گیا ہے) کی گئی ہے تاکہ درد بھی جاتا رہے نیز ڈاڑھ بھی سلامت رہے، اب اشکال یہ ہے کہ اس کا وضو اور غسل اس حالت میں درست تصور کیا جائے گا یا نہیں، اگر وضو اور غسل صحیح نہیں ہوگا تو یہ ڈاڑھ نکلوائے کیا؟ اگر جواب صحیح مرحمت فرمائیں تو مشکور ہوگا۔

جواب: - اس حالت میں وضو اور غسل درست ہو جائے گا۔(۲)

واللہ اعلم

۱۳۹۹/۱۰/۱۶ھ

(فتویٰ نمبر ۳۰/۱۷۲۴ د)

سرخی اور نیل پالش کی موجودگی میں وضو اور غسل کا حکم

سوال (۶۱۴): - سرخی ناخنوں اور ہونٹوں سے نہیں اُترتی، کیا وضو غسل صحیح ہوگا؟

جواب: - ہونٹوں کی سرخی اگرچہ پانی سے باسانی نہ ڈھلتی ہو لیکن وہ ایسی مجسم نہیں ہوتی کہ کھال تک پانی نہ پہنچنے دے، لہٰذا اس کی موجودگی میں تو وضو اور غسل مطلقاً جائز ہے، اور ناخنوں کی سرخی چونکہ ناخن تک پانی پہنچنے نہیں دیتی، اس لئے اپنے قصد و اختیار سے یہ لگانا جائز نہیں، لگانے سے گناہ ہوگا، لیکن جس نے یہ گناہ کر لیا اور باآسانی اس سرخی کا چھڑانا ممکن نہ ہو تو وضو اور غسل اس کی موجودگی میں بھی درست ہو جائے گا۔(۳)

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۳۳۹ ج)

---

(۱) ج:۱، ص:۷۶،۷۷

..... واما رکنہ فھو اسالۃ الماء علی جمیع مایمکن اسالتہ علیہ من البدن من غیر حرج مرۃ واحدۃ (البدائع ج:۱ ص:۳۴ طبعۃ المکتبۃ الرشیدیۃ)۔

..... ولا یمنع الطھارۃ ونیم ای جزء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحناء ولو جرمہ وبہ یفتی فی الشامیۃ (تحت قولہ وبہ یفتی) والاظھر أن ھذہ الاشیاء تمنع الاسالۃ فالاظھر التعلیل بالضرورۃ (الدر المختار ج:۱ ص:۱۵۴)۔

(۲) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

(۳) ویجب ای یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلاحرج مرۃ .. ولا یمنع الطھارۃ ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحناء ولو جرمہ بہ یفتی، ودرن ووسخ وکذا دھن ودسومۃ فی الاصح بخلاف نحو عجین (الدر المختار ج:۱ ص:۱۵۴)۔

.... (قولہ بہ یفتی)صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطین والدرن معللا بالضرورۃ الی قولہ فالاظھر التعلیل بالضرورۃ (الشامیۃ)۔

..... فانہ امر بتطھیر جمیع البدن الا ان ماتعذر ایصال الماء الیہ حقیقۃ او حکما للحرج خارج (شرح المنیۃ ص:۳۶)۔

رنگ وروغن، چربی اورگریس وغیرہ چھڑوائے بغیر غسل؟

سوال (۶۱۵): - جولوگ رنگ وروغن کا کام کرتے ہیں ضرور ان کے تمام اعضاء پر چربی گریس وغیرہ ملوث ہوجاتے ہیں، ہزار کوشش کے باوجود بھی ناخن وغیرہ کے اندر چربی وغیرہ پھنس جاتی ہے اور کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے، اس قسم کا شک ہروقت موجود رہتا ہے۔ دل میں شک رہتا ہے کہ چمڑے تک پانی نہیں پہنچا اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: - روغن (پینٹ) جو کواڑوں وغیرہ پر کیا جاتا ہے چونکہ گاڑھا ہوتا ہے اور اس میں پانی جذب نہیں ہوتا جسم پر لگ جائے تو جب تک اسے اتنا زائل نہ کردیا جائے کہ کھال تک پانی پہنچ سکے اس وقت تک وضو یا غسل درست نہیں ہوسکتا ہے،[۱] ایسے وضوء یا غسل سے جو نماز پڑھی گئی ادا نہیں ہوئی، دوبارہ پڑھیں،[۲] جو چربی گریس روغن کی طرح اتنی گاڑھی ہو کہ پانی کھال تک پہنچنے نہ دے اس کا بھی یہی حکم ہے اور جو چربی یا گریس اتنی گاڑھی نہ ہو یعنی پانی کو کھال تک پہنچنے سے نہ روکتی ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو سرسوں وغیرہ کے تیل کا، کہ اس کے اُوپر پانی بہانے سے وضو اور غسل درست ہوجاتے ہیں، آپ اگر رنگ وروغن کا کام کرتے ہیں تو وضو سے پہلے ان اعضاء سے روغن خوب صاف کرلیا کریں جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں، مٹی کے تیل سے روغن صاف ہوجاتا ہے،[۳] اور بہتر یہ ہے کہ روغن کرتے وقت ہاتھوں میں دستانے پہن لیا کریں تاکہ روغن ہاتھ کو نہ لگے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۲۳/۴/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۸۰۶/۲۵ د)

---

(۱) ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين اسنانه او في سنه المجوف به يفتى وقيل ان صلبا منع وهو الاصح (الدر المختار، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۱۵۴، سعيد)۔

.. قوله به يفتى صرح به في الخلاصه وقال لان الماء شئ لطيف يصل تحته غالبا ويرد عليه ماقدمناه انفا ومفاده عدم الجواز اذا علم انه لم يصل الماء تحته قال في الحلية وهو اثبت (وقوله ان صلبا) اى ان كان ممضوغا مضغامتاكدا بحيث تداخلت اجزاء ه وصار له لزوجة وعلاكة كالعجين شرح المنية (قوله وهو الاصح) صرح به في شرح المنية وقال لامتناع نفوذالاماء مع عدم الضرورة والحرج (ردّ المحتار)۔

. (قوله وكذا دهن) كزيت وشيرج بخلاف نحو شحم وسمن جامد(قوله دسومة) هى اثر الدهن قال في الشرنبلالية فقال المقدسي وفي الفتاوى دهن رجليه ثم توضأوامر الماء على رجليه ولم يقبل الماء للدسومة جاز لوجود غسل الرجلين۔

(۲) ولو بقي من بدنه لم يصبه الماء لم يخرج من الجنابة وان قل ويعيد ما صلى ان كان فرضا لعدم صحته وان كان نفلا فلا لعدم صحة شروعه (شرح المنية، كتاب الطهارة، ص:۵۰، سهيل اكيڈمى، لاهور)۔

وفي البدائع، كتاب الطهارة ج:۱ ص:۳۴ (طبعة المكتبة الرشيدية): حتى لو بقيت لمعة لم يصبها الماء لم يجز الغسل وان كانت يسيرة كذا في الخلاصة ۱۳/۱ ۔

(۳) وان كان على يديه خبز ممضوغ قد جف ويبس واغتسل لايخرج عن الجنابة حتى يدلك ذالك الموضع ويجرى الماء تحته لانه لا حرج فيه (الخانية على هامش الهندية، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۳۶، رشيديه)۔

ناخن پالش کی موجودگی میں وضو اور غسل؟

سوال (۶۱۶):- ناخن پر نیل پالش عورتیں لگاتی ہیں وہ ناخنوں پر کئی دنوں تک باقی رہتی ہے تو اس حال میں وضو اور غسل صحیح ہو جائے گا۔

جواب:- نیل پالش جب ناخنوں پر لگی ہوئی ہو اور وہ پالش ایسی ہو کہ پانی کے ناخن تک پہنچنے سے مانع ہو تو وضو درست ہے نہ غسل۔[1]

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۲/۱۲/۲۶ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۶۸۰/۲۳)

پان کی سرخی غسل کے لئے مانع نہیں

سوال (۶۱۷):- پان کی سرخی دانتوں سے غسل کرتے وقت نہیں اترتی کیا واجب غسل درست ہوگا۔

جواب:- درست ہوگا۔[2]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۲/۱۲/۲۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۲۳۹/۲۲ج)

***

(۱) ملاحظہ فرمائیے: گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

(۲) قال فی الذخیرة فی مسئلة الحناء، بان خلطته اواختضت به وبقی من جرمه علی بدنها یجزئ وضوئهم للضرورة ولان الماء ینفذه لتخلخله وعدم لزوجته وصلابته وعلیه الفتوی اذ المعتبر فی جمیع ذالک نفوذ الماء ووصوله الی البدن (شرح المنیة، کتاب الطهارة، ص: ۴۹)۔

فصل فی احکام المیاہ
(پانی کے اَحکام)

بدمزہ اور تھوڑی سی بدبو والے پانی سے وضو کرنا؟

سوال (۶۱۸): - پانی تھوڑا بدبودار اور بدمزہ ہے اور رنگ صاف ہے تو ایسے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟

جواب: - اگر اس پانی میں کوئی نجاست کے گرنے کی خبر نہیں ہے تو یہ پانی شرعاً پاک ہے،[۱] اور اگر رقت اور سیلان ختم ہوگیا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں۔[۲]

واللہ اعلم بالصواب
۹/۹/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۶۳/۲۳)

جس کنویں کا پانی ختم نہ ہوتا ہو اسے پاک کرنے کا طریقہ
جس کنویں میں دو سال قبل بلی گری ہو اسے پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۶۱۹): - کنویں کے اندر پینتیس فٹ پانی ہے متواتر اٹھارہ گھنٹے موٹر چلتی رہی ہے، سوت اتنی کافی بڑی ہے کہ جس کی وجہ سے پانی ختم ہی نہیں ہوتا اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

(۶۲۰) ۲- کسی نے عرصہ دو سال پہلے کنویں میں بلی مار کر ڈال دی تھی، کنویں کی صفائی کے وقت بظاہر اوپر تو نہیں ملی اور خیال ہے کہ اتنے عرصے میں وہ سڑ گل گئی ہوگی یوں کنویں کی صفائی کے وقت اوپر کی تمام گندگی کو صاف کر دیا گیا تھا اور غوطہ خور کا انتظام بھی نہیں تھا کہ پانی کی تہہ تک پڑی نجاست کے اجزاء بھی

---

(۱) من شك في انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة ام لا فهو طاهر مالم يستيقن فتاوى الحجة وكذا الآبار والحياض التي يستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار . كل ذالك محكوم بطهارته حتى يتيقن بنجاستها (التتارخانية، كتاب الطهارة، فصل في مسائل الشك ج:۱ ص:۱۱۰)۔

(۲) وكذا يجوز بماء خالطه طاهر وان غير كل اوصافه الاصح ان بقيت رقته اى واسمه لما مر (الدر المختار، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۱۸۷، سعيد)۔

.... وكذا التوضؤ بالماء الذى القى فيه الحمص او الباقلاء ليبتل وتغير لونه وطعمه ولكن لم تذهب رقته (الهندية، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۲۱، رشيديه)۔

نکالے جاتے، لہٰذا ہم نے بیس فٹ پانی نکال لیا ہے اس کے بعد آٹھ گھنٹے مسلسل مشین چلا کر سولہ فٹ مزید پانی نکال لئے گئے اگر چہ جتنا پانی نکالتے تھے اتنا اور آجاتا تھا لہٰذا اب اس کنویں کے پانی کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: —فی الدر المختار (ص ۱۴۱ ج ۱)[1] اذا وقعت نجاسة (الی قوله) اومات فیها (الی قوله)حیوان دموی غیر مائی لما مر وانتفخ او تمعط او تفسخ ولو تفسخه خارجها ثم وقع فیها ذکره الوالی ینزح کل مائها الذی کان فیه وقت الوقوع ذکره ابن الکمال بعد اخراجه الا اذا تعذر کخشبة او خرقة متنجسة فینزح الماء الی حد لا یملاء نصف الدلو یطهر الکل تبعا ولو نزح بعضه ثم زاد فی الغد نزح قدر الباقی فی الصحیح۔

قال الشامی تحت قوله متنجسة) نعت لکل من الخشبة او الخرقة الی قوله) واشار بقوله متنجسة الا انه لا بد من اخراج عین النجاسة کلحم میتة وخنزیر قلت فلو تعذر ایضا ففی القهستانی عن الجواهر لو وقع عصفور فیها فعجزوا عن اخراجه فمادام فیها فنجسة فتترك مدة یعلم انه استحال وصار حمأة وقیل مدة ستة اشهر۔

۲—وفی الهدایة ص: ۱۴ج: ۱) وشعر المیتة و عظمها طاهر)۔

۳—جبکہ بلی کو گرے ہوئے دوسال گذر چکے ہیں اور معمولی تلاش سے اس کا کوئی جزء ملا بھی نہیں تو ظاہر یہی ہے کہ وہ اب ختم ہو چکی ہے اور اگر بالفرض اس کی کوئی ہڈی باقی بھی ہو تو اس کی ہڈی پاک ہے لہٰذا اب بلی کے اجزاء تلاش کر کے نکالنے کی ضرورت نہیں،[2] اور جب ۲۰ فٹ پانی نکال دیا گیا، اور باقی پندرہ فٹ پانی بھی آٹھ گھنٹے مشین چلا کر نکال دیا گیا (اگر چہ سوت بڑا ہونے کی وجہ سے اتنا ہی پانی اس میں اور آتا رہا) تو کنواں پاک ہو گیا۔

۴—اب اس کنویں کا پانی پینا اور اس سے وضو وغیرہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶/۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۳۸۴ب)

---

(۱) ج: ۱، ص: ۲۱۱، سعید .... ومثله فی منحة الخالق علی هامش البحر (۱/۱۲۰)۔

(۲) عظم تلطخ بالنجاسة ووقع فی البئر ولم یمکن استخراجه فاذا نزحوا علیٰ قدر ماذکرنا طهرت البئر ولا یضر بقاء العظم فیه (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الطهارة، ج: ۱ ص: ۱۲، رشیدیه)۔

..... وعظم المیتة وصوفها وشعرها وقرنها وظفرها وحافرها اذا یبس ولم یبق علیه دسومة لا یفسد الماء (الخانیة علیٰ هامش الهندیة، کتاب الطهارة، ج: ۱ ص: ۱۰، رشیدیه)۔

(۳) واذا وجب نزح جمیع الماء ولم یمکن فراغها لکونها معینا ینزح مائتا دلو ... وهذا ایسر ... والاصح ان یؤخذ بقول رجلین لهما بصارة فی امر الماء --- وهو اشبه بالفقه (الهندیة، کتاب الطهارة، فصل فی البیر)۔

ناپاک کنویں سے ایک دوگز دور لگائے ہوئے نلکے کا حکم

سوال (۶۲۱):- ایسے نلکے کے پانی کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایسے کنویں سے ایک دو گز کے فاصلے پر لگایا گیا ہو جس کا پانی جانور یا کوئی دوسری نجاست گرنے سے ناپاک ہوگیا ہو؟

جواب:- نلکے میں جس پائپ سے پانی آتا ہے اور جو زمین کے اندر ہوتا ہے اور اگر زمین کے بجائے اسی کنویں میں ڈال رکھا ہے اور نلکے میں پانی اس پائپ کے ذریعہ اسی کنویں سے آتا ہے تب تو جب تک کنواں پاک نہ ہو، نلکے سے آنے والا پانی بھی ناپاک ہے، اور اگر وہ پائپ کنویں میں نہیں بلکہ زمین میں دفن ہے تو پہلے کنویں کے ناپاک ہونے سے نلکے کا پانی ناپاک نہ ہوگا، اِلّا یہ کہ جو نجاست کنویں میں گری ہے اس کی بدبو یا رنگ نلکے کے پانی میں بھی آجائے، اس صورت میں نلکے کا پانی بھی کنویں کے پاک ہونے تک استعمال نہ کریں۔[۱] واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد رفیع اللہ غفرلہٗ

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۲/۱۱/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۳۴/۲۳ و)

اگر کنویں میں گٹر کے پانی کے آثار ظاہر ہو رہے ہوں تو اس کا پانی ناپاک ہوگا

سوال (۶۲۲):- مسجد میں وضو کیلئے پانی جس کنویں سے حاصل کیا جاتا ہے اس کے متصل ہی گندے پانی کا گٹر ہے، کنویں کی دیوار، گٹر کے بدبودار پانی کے محفوظ رکھنے کے قابل نہیں ہے جسکی بنا پر وضو کے پانی میں بدبو صاف محسوس ہوتی ہے، کنویں کی صفائی کے بعد اب بھی تھوڑی سی بدبو پانی میں پائی جاتی ہے جب کہ اس پانی میں دوسرا سرکاری نل کا پانی بھی ملا ہوا ہے ایسے پانی سے طہارت اور وضو کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:- اگر کنویں کی دیواریں کنویں کو گٹر کے پانی سے محفوظ رکھنے کے قابل نہیں ہیں اور کنویں کی صفائی کرنے کے بعد اب بھی اس میں بدبو پائی جاتی ہے تو کنویں کا پانی ناپاک ہے، بدبو گٹر

---

(۱) البعد بین البئر والبالوعة بقدر مالا یظهر للنجس اثر (الدر المختار، کتاب الطهارة، ج:۱ ص:۲۲۲، سعید)۔

...... وفی ردّ المحتار تحته: وقال الحلوانی المعتبر الطعم او اللون او الریح فان لم یتغیر جاز، والا لا ولو کان عشرة اذرع وفی الخلاصة والخانیة والتعویل علیه وصححه فی المحیط بحر۔

..... والتعویل علی نفوذ الرائحة ان تغیر لونه او ریحه نجسة والا فلا وکذا بین بئر الماء المغتسل وبین مبئر الماء هذا روایة الامام ابی حفص (خلاصة الفتاوی، کتاب الطهارة، ج:۱ ص:۱۲)۔

کا پانے کے ملنے کی وجہ سے آتی ہے اور جب تک گٹر کے پانی کا کنویں کے پانی میں رنگ یا مزہ یا بدبو محسوس ہوتی رہے گی کنویں کا پانی ناپاک ہی رہے گا۔ اس سے وضو، غسل اور طہارت کوئی چیز درست نہیں ہوگی، اس پانی سے وضو اور غسل کر کے جو نمازیں پڑھی ہیں سب دہرائیں۔

بئر الماء اذا كانت بقرب النجسة فهي طاهرة مالم يتغير طعمه او لونه او ريحه كذا في الظهيرية، ولا يقدر هذا بالذرعان في اذا كان بينهما عشرة اذرع وكان يوجد في البئر اثر البالوعة فماء البئر نجس وان كان بينهما ذراع واحد ولا يوجد أثر البالوعة فماء البئر طاهر، كذا في المحيط وهو الصحيح هكذا في محيط السرخسي (عالمگيری ص۲۰ ج۱)۔

واللہ تعالیٰ اعلم
بندہ عبدالرؤف سکھروی
۱۳۹۵/۲/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۲۸۲ الف)

جواب صحیح ہے اور اس ناپاک پانی میں سرکاری نل کا جو پاک پانی ملا وہ بھی ناپاک ہوگیا۔
محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۵/۲/۵ھ
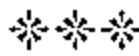
باب التیمم
(تیمّم کے اَحکام)

جماعت نکل جانے یا نماز قضاء ہو جانے کے خوف سے تیمّم درست ہے یا نہیں؟

سوال (۶۲۳):- زید کو ایک رات احتلام ہوگیا اتفاق سے آنکھ بھی اتنی دیر سے کھلی کہ صرف پانچ منٹ فجر کی نماز میں ہیں اور پانی اتنی دور ہے کہ پندرہ منٹ سے پہلے پانی نہیں لاسکتا، ایسی حالت میں کیا تیمّم کر کے نماز پڑھ لے یا نہیں؟

جواب:- اگر پانی لاکر غسل کرنے میں جماعت نکل جانے کا خوف ہے طلوعِ آفتاب کا خوف نہیں تب تو پانی لاکر غسل کرے تیمّم نہ کرے۔ اگر اس اثناء میں جماعت نکل گئی تو تنہا نماز پڑھ لے، اور اگر یہ خوف ہے کہ طلوعِ آفتاب ہو جائے گا تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، پھر غسل کر کے نماز کا اعادہ کرے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ یہ شخص آبادی میں ہو، اور اگر جنگل یا صحراء میں تھا اور پانی کے بارے میں معلوم تھا یا ظنِّ غالب تھا کہ پانی یہاں سے ایک میل[1] اور ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے تب بھی وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا، اگر ظنِ غالب یہ تھا کہ پانی اس سے بھی زیادہ فاصلے پر ہے تو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے خواہ جماعت نکلنے کا خوف ہو یا طلوعِ آفتاب کا اس صورت میں نماز کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں۔ (۱)

فی الدر المختار (ص ۱۶۴ ج۱) لایتیمم لفوت جمعة ووقت ولو وترا لفواتها الی

---

[1] واضح رہے کہ یہاں میل سے انگریزی میل مراد ہے جو ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے اسی وجہ سے اس میں ایک فرلانگ (۲۲۰ انگریزی گز) کا اضافہ کیا گیا ہے اور ان دونوں کا مجموعہ (۱۹۸۰ گز) تقریبا ایک میل شرعی (۲۰۰۰ گز) ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے جواہر الفقہ ۱/ ۴۳۶۔

(۱) من خرج من المصر او السواد للاحتطاب او الاحتشاش او لطلب الدابة فحضرته الصلوة فان كان الماء قريبا منه لا يجوز له التيمم وان خاف خروج الوقت اختلفوا في حد القرب قال الفقيه ابو جعفر رحمه الله تعالىٰ اجمع اصحابنا على انه يجوز للمسافر وان خاف خروج الوقت ولا يجوز للمقيم ان يتيمم اذا كان بينه وبين الماء ميل ولا شئ في الزيادة عن ابي حنيفة وابي يوسف (الخانية على هامش الهندية، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۳۶، رشيديه)۔

بدل وقیل یتیمم لفوات الوقت قال الحلبی فالاحوط ان یتیمم ویصلی ثم یعید اھ (واختاره الشامی فی رد المختار)۔

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۹/۳/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۴۰۰/۲۴ ج)

صاحبِ عذر کے لئے خادم نہ ہونے یا پانی کا استعمال مضر ہونے کی صورت میں تیمّم ؟

سوال (۶۲۴): - ایک شخص کی عمر ۷۵ برس ہے سات برس سے بیمار ہے، ۲۴ گھنٹے پیروں میں تکلیف رہتی ہے، کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتا، وضو کرنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے، وضو کرنا مشکل ہے، کیا ان حالات میں وہ تیمّم کر کے نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: - جس شخص کا وضو کرانے کے لئے بیوی، اولاد، خادم، نوکر چاکر ہو وہ وضو کی جگہ تیمّم نہیں کرسکتا ہے (بشرطیکہ پانی کے استعمال سے بہت زیادہ مریض ہونے یا مرض بڑھ جانے کا خطرہ نہ ہو)، سائل نے یہ نہیں لکھا کہ خدمت کرنے والے اور وضو کرانے والے ہیں یا نہیں؟ وضو کے لئے بیٹھنا ضروری نہیں ہے لیٹ کر بھی ہوسکتا ہے، خصوصاً پاؤں تو بآسانی لیٹ کر دھلائے جاسکتے ہیں، سردی میں عصر کے وضو سے عشاء پڑھی جاتی ہے، عصر کے آخر وقت میں وضو کریں (آفتاب میں زردی آنے سے پہلے) اور اسی وضو سے عصر، مغرب پڑھ لیں عشاء اوّل وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔[1]

واللہ اعلم بالصواب
محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ
۸/۱۱/۱۳۹۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۷۳۲/۲۴ ج)

الجواب صحیح، البتہ اگر پانی کا استعمال بھی پاؤں کے لئے مضر ہو، گرم پانی سے بھی تکلیف بڑھ جاتی ہو تو تیمّم جائز ہے۔[1]

واللہ اعلم
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۸/۱۱/۱۳۹۳ھ

---

(۱) او لمرض یشتد او یمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بأجرة مثل وله ذلك لا یتیمم فی ظاهر المذهب کما فی البحر (الدر المختار، کتاب الطهارة، باب التیمم، ج:۱ ص:۲۳۳)

... فی ردّ المحتار تحته: (قوله اولم یجد) ای اوکان لا یخاف الاشتداد ولا الامتداد لکنه لا یقدر بنفسه ولم یجد من یوضئه (قوله کما فی البحر) وحاصل مافیه انه ان وجد خادما ای من تلزمه طاعته کعبده وولده واجیره لا یتیمم اتفاقا۔

مرض کی حالت میں تیمّم کب درست ہوتا ہے؟

سوال (۶۲۵): - ایک شخص حالت جنابت میں غسل کرنے سے معذور ہے یعنی غسل کرنا بھی مشورے سے مضر ہے مگر گرم پانی سے وضو کر سکتا ہے، ایسی حالت میں وہ تیمم یا وضو کر کے نماز ادا کرے؟

جواب: - ایسی صورت میں غسلِ جنابت کی جگہ تیمم کر لے اور ہر نماز کے لئے گرم پانی سے وضو کر لیا کرے، اور اگر گرم پانی سے غسل کر سکتا ہے تو تیمم درست نہ ہوگا، وضو یا غسل کا تیمم اس وقت جائز ہے جبکہ حاذق اور متقی طبیب یا ڈاکٹر بتائے۔ اپنا دل تجربہ کی وجہ سے یقین کے ساتھ گواہی دے کہ وضو یا غسل کرنے سے جان جاتی رہے گی یا نا قابلِ برداشت تکلیف ہو جائے گی۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح | محمد رفیع عثمانی
محمد عاشق الٰہی | ۱۱/۱/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۵۴ الف)

---
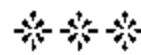
(۱) من عجز عن استعمال الماء او لمرض يشتد او يمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرك او برد يهلك الجنب او يمرضه ولو في المصر اذا لم تكن له اجرة حمام ولا مايدفئه. تيمم لهذه الاعذار كلها (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم، ج:۱ ص:۲۳۲)۔

..... وفي رد المحتار تحته: قال في البحر الاصل انه متى قدر على الاغتسال بوجه من الوجوه لا يباح له التيمم اجماعا۔

وفيما اذا لم يقدر على تسخين الماء فان قدر لم يجز (الهندية، كتاب الطهارة، ج ۱ ص ۲۹، رشيديه)۔

باب المسح علی الخفین وغیرھا

(موزوں وغیرہ پر مسح کا بیان)

مروّجہ جرابوں پر مسح کے جواز کی شرائط

سوال (٦٢٦): - جرابوں پر مسح ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر ہوسکتا ہے تو کس قسم کی جرابوں پر ہوسکتا ہے؟

جواب: - عام جرابوں پر مسح کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر جرابیں اتنی موٹی اور سخت ہوں کہ انہیں پہن کر بلا جوتہ تین چار میل پیدل چلیں تو وہ نہ پھٹیں، اور پنڈلی پر بغیر باندھے یا ذاتی سکڑاؤ اور چپکن کے بغیر خود بخود ٹھہری رہیں، یا تمام جرابوں پر چمڑا چڑھا دیا گیا ہو یا کم از کم جراب کے اتنے حصے پر چمڑا چڑھا دیا ہو جس طرح نیوکٹ جوتا ہوتا ہے تو ایسے جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے، چمڑا چڑھنے کی صورت میں بھی یہ شرط بدستور ہے کہ باندھے بغیر اور ذاتی چپکن اور سکڑاؤ کے بغیر پنڈلی پر رکی رہیں۔ واللہ اعلم

بندہ عبدالرؤف
۲۸/۱۲/۱۳۹۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵/۳ الف)

جواب صحیح ہے اور مروّجہ جرابیں جو اُون یا سوت یا نائیلون کی ہیں ان میں یہ شرائط موجود نہیں، لہٰذا ان پر مسح جائز نہیں۔

محمد رفیع عثمانی
۲/۱/۱۳۹۴ھ

---

(۱) اما المسح علی الجوارب فلا یجوز الا ان یکون مجلدین ای استوعب الجلد مایستر القدم الی الکعب او منعلین ای جعل الجلد علی مایلی الارض منهماخاصة کالنعل للرجل وقالا یجوز المسح علیهما اذاکان ثخنین لا یشفان وعلیه الفتوی وحد الجورب الثخینین ان یستمسک ای یثبت ولا ینسدل علی الساق من غیر ان یشد بشیئی هکذا فسر واکلهم وینبغي ان یقید بما اذا لم یکن ضیقا فانا نشاهد مایکون فیه ضیق یستمسک علی الساق من غیر شد، ولو کان من الکرباس والحد لعدم جذب الماء کما في الادیم. ..وبما تضمنه وجه الدلیل وهو مایمکن فیه متابعة المشي اصوب (شرح المنیة، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، ص:۱۲۰، سهیل اکیڈمی لاهور)۔

نائیلون کی جراب پر مسح جائز نہیں

سوال (۶۲۷):- نائیلون کی جرابوں پر بعض لوگ مسح کرتے ہیں، کیا ان پر مسح کرنا صحیح ہے؟

جواب:- نائیلون کی جراب پر مسح جائز نہیں، جراب اُتار کر پاؤں دھونا فرض ہے محض مسح سے نماز نہیں ہوگی۔[1]

واللہ تعالیٰ اعلم

۳/۷/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۵۶/۲۵ د)

نائیلون کی جرابوں پر مسح کے جواز کی شرائط

سوال (۶۲۸):- فتاویٰ دارالعلوم میں جناب کا محققانہ رسالہ "نیل المآرب" متعدد بار مطالعہ کیا، میں اس مسئلہ کے متعلق چند سوالات کرنا چاہتا ہوں اس کی وضاحت فرمادیں۔ (۱) نائیلون کی دبیز جرابیں جو مضبوطی میں اونی ثخینین جرابوں سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہیں، اونی ثخینین یا ستخین کی حد میں آتی ہیں یا نہیں؟

(۶۲۹) ۲- اگر کوئی شخص ان نائیلون کی جرابون کے نیچے سوتی جرابیں جوڑ لے اور دونوں کو لحاف، جوتے، اور چمڑے کے موزہ کے بطانہ کی طرح آپس میں جگہ جگہ سے سی لے تو یہ دونوں نائیلون اور سوتی دونوں جرابیں مل کر ایک جراب کے حکم میں ہو کر ثخینین کے حکم میں ہو جائیں گے یا نہیں؟ اس طرح کی سلی ہوئی ڈبل جرابوں نہ ایک دم پانی داخل ہوتا ہے نہ ململ کی طرح ان میں نظر چھنتی ہے اور نہ برسوں یہ خراب ہوتی ہے، انہیں پہن کر ازتالیس میل سے بھی زیادہ کا سفر کیا جا سکتا ہے۔

(۶۳۰) ۳- اگر جناب کے نزدیک یہ ایک کے حکم ہو جاتی ہوں تو کتنی جگہ سے کم از کم آپس میں ان کا سینا ضروری ہوگا۔

(۶۳۱) ۴- اگر یہ منعل بھی کر لی جائیں تو کیا باعتبار تقویٰ بھی ان پر مسح درست ہو جائے گا یا نہیں؟ (کیونکہ پھر یہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہیں کہ انہیں پہن کر کئی سو میل کا سفر بھی کیا جا سکتا ہے)۔

جواب:- نائیلون کی جرابیں ثخینین کی تعریف میں داخل نہیں، کیونکہ ثخینین کی جو شرائط فتاویٰ دارالعلوم[2] ص ۱۹۵ ج ۳ میں درج ہیں ان میں سے شرط دوم مفقود ہے، شرط دوم یہ ہے کہ ساق پر (گیٹس وغیرہ سے) بغیر باندھے ہوئے قائم رہ جائے اور اوپر تحریر ہے کہ "یہ قائم رہنا کپڑے کی تنگی اور چستی کی وجہ

---

(۱) او جوربیه ولو من غزل او شعر (الثخنین) بحیث یمشی فرسخا ویثبت علی الساق بنفسه ولا یری ماتحته ولا یشف الا ان ینفذ الخف قدر الغرض (الدر المختار، باب المسح علی الخفین ج:۱ ص:۲۶۹، سعید)۔

فی ردّ المحتار تحته: واقول: الظاهر انه اذا وجدت فیه الشروط یجوز وانهم اخرجوه لعدم تأتی الشروط فیه غالبا یدل علیه مافی کافی النسفی حیث علل عدم جواز المسح علی الجورب من کرباس بانه لا یمکن تتابع المشی فانه یفید لو امکن جاز۔

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے مراد امداد المفتیین ہے جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور متعلقہ بحث صفحہ ۴۰۸ پر ہے۔

سے نہ ہو بلکہ اس کی ضخامت اور موٹا ہونے کی وجہ سے ہو،[۱] ظاہر ہے کہ نائیلون کی جرابیں جو پنڈلی پر قائم رہ جاتی ہیں وہ کپڑے کی چستی کی وجہ سے ہے موٹائی کی وجہ سے نہیں، لہٰذا یہ ثخینین میں داخل نہیں بلکہ رقیق میں داخل ہے،[۲] چنانچہ ۱۹۹ ج ۳ میں ارشاد ہے کہ رقیق ہر وہ جراب ہے جس میں ثخینین کی شرائط مذکورہ نہ پائی جائیں خواہ کتنا ہی مضبوط اور دبیز کپڑا ہو۔ پس نائیلون کی مروجہ جرابوں پر مسح جائز نہیں۔[۳]

۲- اگر نائیلون کی جراب اور سوتی جراب کو جوڑ کر اس طرح سی لیا جائے کہ ان میں سے ایک ظہارہ بن جائے اور دوسری بطانہ، اور جگہ جگہ سے ان کو اس طرح سی لیا جائے کہ دونوں ایک کپڑے کی طرح ہو جائیں،[۴] پھر ان میں ثخینین کی وہ تینوں شرطیں پائی جائیں یعنی یہ کہ

الف:- اس میں کم از کم تین میل جوتے کے بغیر سفر کریں تو پھٹے نہیں۔

ب:- پنڈلی پر گیٹس یا لاسٹک سے باندھے بغیر قائم رہ جائے، بشرطیکہ یہ قائم رہنا جرابوں کی چستی اور تنگی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ موٹائی کی وجہ سے ہو۔

ج:- ان میں پانی نہ چھنے اور جذب نہ ہو اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو ان پر مسح جائز ہے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو مسح جائز نہ ہوگا،[۵] نیز اگر ان میں سے کسی شرط کے تحقق میں شبہ ہوگا تب بھی مسح جائز نہ ہوگا۔[۶] ویسے آپ کا یہ فرمانا کہ یہ تینوں شرطیں ایسی جراب میں پائی جاتی ہیں دل کو نہیں لگتا تاہم اگر تجربہ سے یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو مسح جائز ہوگا۔

۳- سلائی کی کوئی تعداد مقرر کرنا مشکل ہے اتنی کثرت سے سینا چاہئے کہ یہ ایک کپڑے کی طرح ہو جائیں۔

---

(۱) والثخینین ان یقوم علی الساق من غیر شد ولا یسقط ولا ینشف وقیل معنی قولہ لا ینشفان ای لا ینشف الجورب الماء الی نفسہ کالادیم والصرم (الخانیة علی ھامش الھندیة، باب المسح علی الخفین، ج:۱ ص ۵۳، رشیدیہ)۔

(۲) والثخنین مایستمسک علی الساق من غیر ان یشد بشئ (خلاصة الفتاوی، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، ج:۱ ص:۲۸)۔

(۳) وان مسح علی الجوربین فھو علی وجوہ ان کانا رقیقین غیر منعلین لا یجوز المسح علیھما فی قولھم (الخانیة علی ھامش الھندیة، باب المسح علی الخفین ج:۱ ص:۵۱)۔

(۴) والفرق ان الخف اذا کان ذا طاقین وکل طاق متصل بالآخر غیر مزایل عنہ فیصیر ان یحکم الاتصال کشیء واحد کالشعر مع بشرة الرأس (التتارخانیة، باب المسح علی الخفین ج:۱ ص:۲۰۴)۔

(۵) وقالا لا یجوز المسح علیھما اذا کانا ثخنین لا یشفان وعلیہ ای علی قول ابی یوسف ومحمد الفتویٰ قال فی الذخیرة وقیل رجع ابو حنیفة الی قولھما فی آخر عمرہ وحد الجورب الثخینین ان یستمسک علی الساق من غیر ان یشد بشئ، ھکذا فسروہ کلھم وینبغی ان یقید بما اذا لم یکن ضیقا فانا نشاھد مایکون فیہ ضیق یستمسک علی الساق من غیر شد ولو کان من الکرباس والحد بعدم جذب الماء کما فی الادیم علی مافھم من کلام قاضی خان اقرب وبما تضمنہ وجہ الدلیل وھو مایمکن فیہ متابعة المشی اصوب (شرح الکبیری، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین ج:۱ ص ۱۲۰)۔

(۶) جواب کے اس حصے کے لئے ملاحظہ فرمائیے امداد المفتیین بعنوان خلاصہ کلام ص ۲۵۸، ۲۵۹ چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں" اور جس جراب میں شک رہے کہ وہ بحکم خفین ہے یا نہیں اور شرائط خفین اس میں متحقق ہیں یا نہیں اس پر مسح کی اجازت نہ دی جائے بقاعدہ الیقین لا یزول بالشک۔

۴- اگر تینوں شرطیں موجود ہیں تو منعل کئے بغیر بھی مسح جائز ہے اور ایک شرط بھی مفقود ہے تو منعل کرا کے بھی جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۳/ ۱۲/ ۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۹۱۳/ ۲۴ ح)

(اس کے بعد سائل مولانا سید مسعود صاحب کا دوبارہ خط آیا اس میں انہوں نے دو قسم کی جرابیں بھی معائنے کے لئے بھیجیں اور مسح علی الجوربین سے متعلقہ احادیث کی جانب بھی توجہ مبذول کروائی جرابوں کے معائنے کے بعد دارالافتاء سے جواب روانہ کیا گیا جس میں محولہ حدیثوں کا جواب بھی دیا گیا، یہ سوال وجواب درج ذیل ہے)

مروّجہ جرابوں پر مسح کے جواز میں پیش کی جانے والی احادیث کا جواب

سوال (۶۳۴):- جواب استفتاء موصول ہوا، اس میں جناب نے ایک نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو فتاویٰ دارالعلوم میں تحریر ہے کہ "یہ قائم رہنا کپڑے کی تنگی اور چستی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کی ضخامت اور جرم کے موٹا ہونے کی وجہ سے ہو۔ میں جہاں تک اس کا مطلب سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ قائم رہنا (محض) کپڑے کی چستی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس میں اس کی ضخامت اور جرم کے موٹے ہونے کو بھی ضرور دخل ہو۔

کیونکہ اگر عبارت مذکور کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے تو دوسری بات (علی الاطلاق) تو ثخین ترین جراب میں بھی نہیں پائی جائیگی اس کی بناوٹ کو دخل رہے گا۔

۲- جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ "ویسے آپ کا یہ فرمانا کہ یہ تینوں شرطیں ایسی جراب میں پائی جاتی ہیں دل کو نہیں لگتا تاہم اگر تجربہ سے یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو مسح جائز ہوگا"۔

مجھے یہ پڑھ کر خیال آیا کہ واقعی لیس الخبر کالمعاینۃ کچھ بھی لکھتا رہوں جب تک مفتی کی اپنی تشفی نہ ہوگی وہ بہر حال مستفتی کو بر تقریر صدق قائل ہی جواب دے گا اور میں اپنی پوری تشفی چاہتا ہوں اور وہ بھی آپ کے والد ماجد مدظلہم العالی سے اس لئے میں آپ کی خدمت میں ایسی جرابیں بھیج رہا ہوں جو کم از کم پانچ سال استعمال میں آتی رہی ہیں انہیں تیار ہوئے آٹھ سال ہو رہے ہیں اب بھی ان کا قیام علی الساق اس درجہ میں ہے کہ اگر آدمی انہیں پہن کر سو جائے تو بھی یہ پاؤں سے نہیں اترتیں، ان کا یہ وصف ان دو جرابوں کے آپس میں ملے ہوئے ہونے کی وجہ سے ہے ان کے لاسٹک بیکار ہیں اور کپڑے کی تنگی کی صفت عرصہ ہوا کہ مضمحل ہو چکی ہے انہیں ملاحظہ فرمائیں پھر حضرت والد صاحب مدظلہم سے بھی رجوع فرما کر حتمی بات تحریر فرمائیں۔

جس طرح بکری کے چمڑے میں پانی سرایت کرتا ہے زیادہ سے زیادہ اسی طرح اس میں سرایت کرتا ہے اور دوہرے ہونے کی وجہ سے شفوف (ململ) کی طرح تو بالکل بھی نہیں ہیں نظر نہیں چھنتی کہ پاؤں کا جسم باہر سے نظر آئے۔

۳- جناب نے ان دونوں جرابوں کو آپس میں سینے کے لئے سلائی کی کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی، میری درخواست ہے کہ اس پر بھی نظر ثانی فرمائی جائے، کیونکہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ نا مناسب نہ ہوگا۔

۴- میں آپ کو ایک نائیلون کی عمدہ جراب بطور نمونہ بھیج رہا ہوں اس کے ثخین ہونے کے بارے میں رائے عنایت فرمائیں یہ جراب ایسی ہے جیسے ڈبل بنائی کی اور دوہری دبیز جرابوں سے بھی زیادہ موٹی لگتی ہے بلکہ ڈھائی تین گنی موٹی ہے، یہ عریضہ مکمل کرنے کے بعد خیال آیا کہ جناب کی توجہ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایات کی طرف مبذول کراؤں۔

اوّل الذکر میں صفحہ نمبر ۱۹۰ پر "المسح علی القلنسوۃ" کے باب میں حضرت انسؓ سے روایت ہے "وعلی جوربین من مر عزی" پھر اس سے آگے صفحہ نمبر ۱۹۹ پر باب المسح علی الجوربین والنعلین میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن مسعود الانصاریؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت براء بن عازب کا عمل اور تابعین میں حضرت ابراہیم نخعی کا عمل دیا ہے۔ پھر اس سے آگے باب المسح علی الجوربین میں سند جلیل سے یہ روایت دی ہے، "عبدالرزاق عن معمر عن الاعمش عن ابراهيم ان ابن مسعود كان يمسح على خفيه ويمسح على جوربيه" آخر میں حضرت ابن عمر کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ اس طرح گویا چھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے انہوں نے روایات دی ہیں، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ج ۱ ص ۱۸۸ پر حضرت عقبہ بن عمرو، حضرت مغیرہ بن شعبہ (ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مسح على الجوربين والنعلين) کی روایات دی ہیں۔

حضرت علیؓ سے تین روایات دی ہیں، اور حضرت عقبہ بن عمروؓ، حضرت علیؓ کے خاص ساتھیوں میں سے تھے، آپ نے جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت عقبہ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنایا تھا اس طرح بارہ صحابہ کرام سے یہ روایات ملتی ہیں جن میں تین حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان میں وہ سب حضرات شامل ہیں جن میں تین حضرات شامل ہیں جن پر فقہ حنفی مدار ہے۔ اور تابعین میں سے ابن ابی شیبہؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کا فتویٰ اور عمل حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت حسنؒ کا عمل، حضرت ضحاکؒ کا فتویٰ، حضرت سعید بن جبیرؒ کا عمل دیا ہے، پھر اس سے آگے "باب من قال الجوربان بمنزلة الخفين" میں حضرت عطاء، حضرت نافع، حضرت حسن کے فتاویٰ مزید ہیں۔ ان روایات کو دیکھتے ہوئے اپنے مشائخ سمرقند وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ میں جو اختلاف ہے ان میں اب کس کے قول کو راجح سمجھنا چاہئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ تمام باتیں اپنے اطمینان سے حتمی طور پر طے کر دیں تا کہ نتیجہ اخذ کرنے میں پوری مدد ملے اور

رائے مستفتی یا مبتلا بہ پر چھوڑنے کے بجائے اسے (یعنی مجھے) طے شدہ بات بتلا سکیں۔ حضرت والا کی خدمت میں مجھ ناکارہ طالب علم کا سلام پیش فرمادیں اور خود بھی دعا سے یاد فرماتے رہیں۔

جواب:- آپ کی ارسال کردہ جرابیں جو دو قسم کی ہیں ان کا بغور جائزہ حضرت والد صاحب کی معیت میں لیا، ان پر پانی ڈالا تو دونوں قسم کی جرابوں میں پانی چھن گیا، لہٰذا جب پانی نہ چھننے کی شرط مفقود ہے تو ان پر مسح جائز نہیں ہوسکتا، نیز ان دونوں قسموں کا ساق پر قائم رہنا بظاہر ان کی بناوٹ کی وجہ سے ہے اگر یہ ایسی بناوٹ کی نہ ہوتیں تو غالباً ساق پر اتنی دیر قائم نہ رہ سکتیں، لہٰذا اس شرط کا پایا جانا بھی محل نظر ہے اور عدمِ جواز کے لئے صرف ایک شرط مفقود ہونا کافی ہے، لہٰذا ان پر مسح جائز نہیں،[1] ثخین کی تعریف میں وہ موٹی زین آتی ہے جس کا ڈول یا ترپال بنائی جاتی ہے اگر چمڑے کے خفین بنانا نہیں چاہتے تو ایسی زین کے بنا لئے جائیں۔ اور جو روایات آپ نے نقل فرمائی ہیں اخبارِ آحاد ہیں اور غیر ثخینین کی صراحت اس میں بھی نہیں ہے، ان سے جوربین غیر ثخینین پر مسح کا جواز اس لئے نہیں ہوسکتا کہ قرآنِ کریم میں حکم غسلِ رجلین کا ہے، اس آیت کے حکم زیادت صرف خبر متواتر سے ہوسکتی ہے، اور چمڑے کے خفین پر جواز مسح چونکہ تواتر سے ثابت ہوگیا، لہٰذا جائز ہوا، اور ثخینین جو مثل چمڑے کے ہوں وہ خبر متواتر کی دلالت النص سے بحکم چمڑے کے ہوگئیں، اور غیر ثخینین کا جواز نہ خبر متواتر کی عبارۃ النص سے ثابت ہے نہ دلالۃ النص سے، اس لئے ان پر مسح کا جواز اگر آپ کی نقل کردہ احادیثِ موقوفہ یا اخبارِ آحاد سے (جو کہ محتمل التاویل ہیں) ثابت کیا جائے گا تو زیادت علی الکتاب بالدلیل الظنی لازم آئے گی جو حنفیہ کے اُصول کے خلاف ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۲۰/۳/۱۳۹۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۵/۳۶۳ ب)

***

(۱) قلت لان المسح على الجوربين ثبت بخبر الواحد وغسل الرجلين قطعي فلايكون المسح على الجوربين بدلا عنه الا اذا كان الجورب كالخف الثابت مسحه بالتواتر وبعد ما ثبت رجوعه وكان عليه الفتوىٰ فلا يحتاج إلى تأويل حديث الباب ومن لم يعتمد على نقل رجوعه فهو بمساغ من التاويل في الحديث بحمل الجورب على ماكان جلد كما فسر به بعضهم او ظاهر ان الجورب في الحديث مطلق ولا عموم لحكاية الفعل فمع الاحتمال كيف يصح الاستدلال فلايثبت بالحديث جواز المسح على كل جورب اصلا فلا يضر الحديث ابا حنيفة رحمه الله تعالىٰ افاده الشيخ۔

فائدہ: وقدروى الامام ابوبكر بن ابى شيبة في مصنفه --انهما قالا يمسح على الجوربين اذا كانا صفيقين ورجاله رجال الجماعة (إعلاء السنن، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، ج:۱ ص:۲۳۹، ادارة القرآن كراچی)۔

.....مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: امداد المفتین، رسالہ تیل المارب ص:۲۵۹، اور مقالہ "جرابوں پر مسح" از شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم (یہ مقالہ "فقہی مقالات" جلد اوّل میں شائع ہو چکا ہے)۔

باب الحیض والنفاس والاستحاضۃ

(حیض، نفاس اور استحاضہ کے احکام)

حیض، طہر، استحاضہ کی مدت اور ان کے احکام اور متحیرہ کا حکم

سوال (۲۳۳):- مجھے حیض کا مسئلہ پوچھنا ہے، مجھے نو یا دس دن صاف رہتا ہے نویں، دسویں یا گیارہویں دن سے رنگ بدل جاتا ہے پہلے کچھ پیلا پن ہوتا ہے پھر رنگ اور گہرا ہوجاتا ہے، کبھی خون کا دھبہ بھی آجاتا ہے کپڑے پر، اور کبھی نہیں آتا، اس طرح پانچ یا چھ دن رہتا ہے، چھٹے ساتویں دن خون باقاعدہ جاری ہوجاتا ہے چوبیسویں دن ذرا بہاؤ کم رہتا ہے چوبیسویں دن رات سے زیادہ بہاؤ شروع ہوجاتا ہے، اس سے پہلے مجھے پندرہ دن صاف رہتا تھا، پھر چودہ دن صاف رہنا شروع ہوا، پھر بارہ دن اور اب صرف دس دن صاف رہتی ہوں، نویں یا دسویں دن سے رنگ بدل جاتا ہے، سب سے پہلے سولھویں سے رنگ بدلنا شروع ہوا پہلے پیلا پن ہوتا تھا پھر رنگ مٹیالا ہوجاتا تھا، پھر کچھ سرخ چوتھے یا پانچویں دن خون شروع ہوتا تھا، اب صاف ہونے کا تو کوئی دن مقرر نہیں ہے کبھی خون شروع ہونے کے دسویں یا گیارہویں دن صاف ہوتا ہے کبھی ساتویں آٹھویں دن لیکن باقاعدہ خون شروع ہونے کا وقت ضرور مقرر ہے، باقاعدہ خون شروع ہونے کے ۲۳ دن گذرنے کے بعد باقاعدہ دوسرا خون شروع ہوجاتا ہے، اس کے درمیان میں صرف آٹھ یا دس دن بالکل صفائی رہتی ہے اس کے بعد پیلا پن مٹیالا پن اور سرخی مائل رنگ رہتے ہیں، اب مجھے بتائیں کہ میں کب نماز پڑھوں اور کب چھوڑا کروں؟

جواب:- شرعاً اصول یہ ہے کہ حیض تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا،[1] اور طہر یعنی وہ زمانہ جو شرعاً پاکی کا زمانہ مانا گیا ہے پندرہ دن سے کم نہیں ہوتا،[2] اگر حیض ختم ہونے کے بعد پندرہ دن سے پہلے خون آجائے تو وہ خون حیض کا نہیں ہوگا اس خون کو شرعاً استحاضہ کا خون کہیں گے،[3] اور اصولی طور پر یہ

---

(۱) فی الدر المختار ۲۸۴/۱ واقلہ ثلاثۃ ایام بلیالیھا ..... واکثرہ عشرۃ بعشر لیال۔

(۲) فی الدر المختار ۲۸۵/۱ واقل الطہر بین الحیضین او النفاس والحیض خمسۃ عشر یوما ولیالیھا اجماعا۔

(۳) فی الھندیۃ ۳۷/۱ لورات الدم بعد اکثر الحیض والنفاس فی اقل مدۃ الطہر فما زات بعد الاکثر ان کانت مبتداۃ وبعد العادۃ ان کانت معتادۃ استحاضۃ۔

بات بھی ذہن میں رہے کہ جب کسی عورت کی عادت دس دن کے اندر اندر حیض آنے کی تھی اور پھر خون اتنے دن آنے لگا کہ دس دن سے بھی آگے بڑھ گیا تو ایسا ہونے سے پہلے سب سے آخری مہینہ میں جتنے دن خون آیا تھا صرف اتنے دن حیض مانا جائے گا اور اس سے زائد سب استحاضہ ہوگا، ہاں اگر دس دن سے آگے نہ بڑھے تو دس کے اندر اندر جو خون ہوگا وہ حیض ہوگا،(۱) ان اُصولی باتوں کو سامنے رکھ کر آپ اپنے بارے میں فیصلہ فرمالیں۔

استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ مذکورہ بالا حکم کے مطابق جب حیض کی مدت ختم ہوجائے تو پاک ہونے کی نیت سے غسل کرے اس کے بعد پندرہ دن سے پہلے جو خون ہوگا اس کے ہوتے ہوئے بھی نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں ہمیشہ وضوء کر کے نماز پڑھ لیا کریں،(۲) اگر خون بالکل بند ہوتا ہی نہیں ہر وقت آتا رہتا ہے تو ہر نماز کے شروع وقت میں وضو کرے اس کے بعد فرض، سنن، نوافل اور وتر پڑھتی رہے اگر چہ خون بہتا رہے، جب اس نماز کا وقت گذر جائے گا جس کے لئے وضو کیا تھا تو وضو سے خود سے ٹوٹ جائے گا، نیا وقت آنے پر پھر وضو کریں، اگر خون کا کوئی قرار نہ ہو کبھی ذرا دیر میں آتا ہو اور کبھی بند ہوجاتا ہو تو اس کا اُصول یہ ہے کہ جب کسی نماز کا پورا وقت اس حال میں گذر جائے کہ خون بند ہی نہ ہو تو اس کے بعد مذکورہ بالا طریقے پر وقت کے شروع میں وضو کرے اور یہ وضو وقت کے ختم تک چلے گا،(۳) ایامِ حیض میں خالص سفیدی کے علاوہ جو رنگ بھی نظر آئے وہ سب حیض میں شمار ہوتا ہے۔(۴)

واللہ اعلم

محمد عاشق الٰہی

۱۳/۳/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۶۱۹ ب)

الجواب صحیح

محمد رفیع عثمانی

۱۳/۳/۱۳۹۵ھ

(مذکورہ بالا فتویٰ کا دوبارہ سوال آیا جس کا دارالافتاء سے دوبارہ جواب روانہ کیا گیا)

متحیرہ کی ایک صورت

سوال (۶۳۴):- آپ کا جواب ملا، میں نے آپ کو اپنا پورا حال تحریر کر دیا ہے، میں خود کوئی

---

(۱) اما المعتادۃ فمازاد علی عادتها ویجاوز العشر فی الحیض والأربعین فی النفاس یکون استحاضة کما اشار الیه بقوله او علی العادۃ الخ اماإذالم یتجاوز الأکثر فیهما فهو انتقال للعادۃ فیهما فیکون حیضا ونفاسا (الشامیة ۲۸۵/۱)۔

(۲) ومنها وجوب الاغتسال عند الانقطاع ... ودم الاستحاضة کالرعاف الدائم لا یمنع الصلوة ولا الصوم ولا الوطء کذا فی الهدایة (الهندیة ج:۱، ص:۳۹)۔

(۳) المستحاضة ومن به سلس البول ... یتوضئون لوقت کل صلوة ویصلون بذلك الوضوء فی الوقت ماشاؤا من الفرائض والنوافل (الهندیة ۴۱/۱)۔

(۴) وماتراہ من لون ککدرۃ وتربیة فی مدته المعتادۃ سوی بیاض خالص ... ولو المرئی طهرا متخللا بین الدمین فیها الحیض، لأن العبرۃ لاوله وأخرہ وعلیه المتون فلیحفظ (الدر المختار ۲۸۹/۱)۔

فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں، مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ آخری مہینہ میں کتنے دن حیض آیا تھا، مہربانی فرما کر مجھے بتائیں کہ میں کب نماز پڑھوں اور کب چھوڑا کروں، میں پہلے بھی لکھ چکی ہوں کہ پہلے میری عادت یہ تھی کہ پندرہ دن صاف رہتی تھی سولہویں دن سے رنگ بدلنا شروع ہوتا تھا اور تیسرے، چوتھے، پانچویں دن خون شروع ہوتا تھا اور گیارہویں دن صاف ہوجاتا تھا، پھر قریب دوسال کے ہونے کہ ایسا ہونے لگا کہ چودھویں دن رنگ بدلنا شروع ہوا، پھر بارہویں دن، اور اب مشکل سے دس دن صاف رہتا ہے، اس کے حساب سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر دسویں دن رنگ بدلے تو پانچویں دن اور نماز پڑھتی رہوں، اور سولہویں دن کے حساب سے نماز چھوڑ دوں، اور پھر یہی حساب چلتا رہے کہ پندرہ دن صفائی کے اور دس دن حیض کے یا ایسا کروں کہ جب رنگ بدلے جب سے بھی نماز چھوڑ دوں اور دس دن تک چھوڑ کر پھر پندرہ دن پڑھتی رہوں اور یہی حساب رکھوں بہرحال کیا فیصلہ کروں؟

جواب:- آخری مہینہ میں جتنے دن خون آیا تھا اگر ان کی تعداد پورے طور پر یاد نہیں تو اندازہ کر کے ظن غالب پر عمل کریں یعنی اندازہ کر کے جتنے دن کا غالب گمان ہو کہ اتنے دن آیا تھا اب اتنے ہی دن حیض کے سمجھیں اور باقی دن استحاضہ کے۔ (۱)

واللہ اعلم

۲۷/۳/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۱۳/۲۶ ج)

اگر معتادہ کو مسلسل خون آنے لگے تو نماز، روزہ اور عدت وغیرہ کے لئے طہر کتنے دن کا ہوگا؟

سوال (۶۳۵):- کسی عورت کو ہمیشہ خون جاری ہے اس عورت کے ایام حیض اور طہر مندرجہ ذیل طریقہ پر معلوم ہیں ۱- عادت دس دن طہر بیس دن، ۲- عادت دس دن طہر چالیس دن، ۳- عادت دس دن طہر چار مہینے۔ یہ تین قسم کی عورتیں ہیں، علامہ حاکم شہید کے قول کے مطابق ہر ایک کا طہر، نماز اور عدت طلاق کے لئے کتنا اور کس طرح ہونا چاہئے۔ ۴- جس عورت کو دس دن حیض اول ماہ اور چھ مہینے طہر کی عادت تھی، اب ہمیشہ خون جاری ہے نماز وغیرہ کے لئے دس دن ترک کرے اور دو مہینے نماز ادا کرتی رہے اور

---

(۱) فی الدر المختار ۱/۲۸۶: ومن نسیت عادتها وتسمی المحیرة والمضلة اما بعدد او بمکان او بهما کما بسط فی البحر والحاوی وحاصله انها تتحری۔

.....فی ردّ المحتار تحته: (قوله وحاصله الخ)ای حاصل حکم المضلة بانواعها فقد صرح البرکوی بانه حکم الاضلال العام(قوله انهاتتحری) ای ان وقع تحریها علی طهر تعطی حکم الطاهرات وان کان علی حیض تعطی حکمه لان غلبة الظن من الادلة الشرعیة درر (ج:۱ ص ۲۸۷)۔

عدت طلاق ایسی عورت کے سات مہینے ہیں۔

جواب :- مذکورہ بالا تینوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم ہے اور وہ یہ کہ ان کی سابقہ عادت کا اعتبار کیا جائے گا حالتِ صحت میں جتنے دن حیض کی اور جتنے دن طہر کی عادت تھی اب خون جاری ہونے کے بعد اتنے اتنے دن حیض اور طہر میں شمار ہوں گے، ہاں اگر کسی عورت کی عادت طہر چھ ماہ یا اس سے زائد تھی تو اس کے حق میں طہر صرف دو ماہ کا معتبر ہوگا اور حیض اتنے دن کا معتبر ہوگا جتنے دن کی اس کو عادت تھی، اور آپ نے جو عبارتیں ذکر کی ہیں ان کا حاصل وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے، اور جو کچھ اوپر ہم نے لکھا ہے عدت اور نماز روزہ وغیرہ سب احکام میں یہی حکم ہے۔[1] ففی رد المحتار ج ا ص۲۸۶ وان تقدير الطهر فی المتحيره لاجل العدة فقط واما غيرها فلم يقيدوا طهرها بكونه للعدة بل المصرح به فی المعتادة ان طهرها عام فی جميع الاحكام كما مر۔

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح

محمد رفیع عثمانی

محمد عاشق الٰہی

۱۸/۱۰/۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳/۱۴۰۵ و)

ماہواری کے بعد آنے والی سفید رطوبت کا حکم

سوال (۶۳۶) :- عورت کو ماہواری کے بعد پانی سا آتا ہے اس حال میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب :- ہر مہینہ ماہواری ختم ہونے کے بعد جو سفید رطوبت آتی ہے اس سے غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کا حکم وہی ہے جو پیشاب کا ہے، لیکن اگر وہ رطوبت مسلسل آتی رہتی ہے کہ اتنا وقت نہیں مل سکتا کہ وضو کر کے نماز پڑھ سکیں تو ایسی صورت میں وہ عورت معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کا وقت جب شروع ہو وضو کر کے جتنی نمازیں چاہے اس وقت پڑھ سکتی ہے اگر چہ وہ رطوبت آتی رہے

---

(۱) تردالی عادتها فی الطهر مالم یکن ستة اشهر، فانها ترد الی ستة اشهر غیر ساعة كالمتحيرة والمعتادة فی حق العدة فقط واما علی قول الحاكم الشهيد فترد الی شهرين كماذكره الشارح، وظهر ان التقدير بالشهرين او بالستة اشهر الا ساعة خاص بالمتحيرة والمعتادة التی طهرها ستة اشهر (ردّ المحتار، كتاب الطهارة ج:۱ ص:۲۸۶، سعيد)۔

وفيه ايضًا ۱/۲۸۵: والحاكم الشهيد قدره بشهرين والفتوى عليه لانه ايسر۔

وان الفتوى علی قول الحاكم الشهيد انه مقدر بشهرين وبه يظهر الخلاف فی المسئلتين لا فی المتحرية فقط ولذا نبه بعض الفضلاء فقال ان الشهرين اعنی القول المفتی به راجع لكل من المعتادة والمتحيرة نقال الفصل الرابع فی الاستمرار ان وقع فی المعتادة فطهرها وحيضها ما اعتادت فی جميع الاحكام، ان كان طهرها اقل من ستة اشهر والا فيرد الی ستة اشهر الا ساعة وحيضها بحاله (منحة الخالق علی هامش البحر، كتاب الطهارة، باب الحيض ج:۱ ص ۲۸۵)۔

اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، پھر جب دوسری نماز کا وقت شروع ہو تو دوبارہ وضو کرے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۳۹۲/۲/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۳/۲۳ الف)

حالتِ حیض میں زبانی تلاوت بھی جائز نہیں، البتہ دُعائیں پڑھنا جائز ہے

سوال (۶۳۷): - دورانِ حیض قرآنِ عظیم کو چھونے کی ممانعت ہے، کیا زبانی جو یاد ہو وہ پڑھا جا سکتا ہے؟

جواب: - حالتِ حیض میں قرآن شریف پڑھنا زبانی بھی جائز نہیں یعنی چھونے بغیر پڑھنا بھی جائز نہیں، قرآن کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں۔[2] واللہ اعلم بالصواب

(فتویٰ نمبر ۴۱۳/۲۴ ج)

***

---
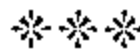
(۱) المستحاضة .. يتوضئون بوقت كل صلوة يصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاؤا من الفرائض والنوافل هكذا في البحر الرائق ويبطل الوضوء عند خروج الوقت المفروضة بالحدث السابق هكذا في الهداية (الهندية، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۴۱، رشيديه)۔

(۲) ومنها حرمة القرآن لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شيئاً من القرآن (الهندية، كتاب الطهارة، ج:۱ ص ۳۸، رشيديه)۔

.. ويمنع حل دخول المسجد ....وقراء ة قرآن بقصده ومسه ...ولا بأس لحائض وجنب بقراء ة ادعية ومسها الخ (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض ج:۱ ص ۲۹۱، سعيد)۔

... في ردّ المحتار تحته: (قوله بقصده) فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء او شيئاً من الأيات التي فيها معنى الدعاء ولم ترد القراء ة لا بأس به۔

فصل فی احکام المعذورین

(معذور کے اَحکام)

اندام نہانی یا پستان سے مسلسل پانی آنے کا حکم

سوال (۶۳۸): -عورت چھ ماہ کی حمل سے ہے، اندام نہانی سے پانی آتا ہے ایسی حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور عورت کے پستان سے بھی ہلکا ہلکا پانی آتا ہے، تو اس صورت میں نماز کے مسائل کیا ہیں؟

جواب: - اندام نہانی سے جو پانی آتا ہے اگر وہ مسلسل آتا رہتا ہے تو ایک نماز کا پورا وقت ایسا گذر جائے جس میں اتنا وقت بھی نہ ملے جس میں پاکی کے ساتھ وضو کر کے نماز پڑھ سکے تو وہ معذور ہے، صرف ایک وقت مسلسل پانی آنے سے معذور بن جائے گی، اس کے بعد دوسرے اوقات میں مسلسل آنا ضروری نہیں۔ ایک وقت نماز میں اگر ایک مرتبہ بھی آئے تب بھی وہ معذور ہے، اور معذور کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی وجہ سے وہ معذور ہے اس چیز کے خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لہذا صورت مسئولہ میں اگر عورت معذور ہے تو اندام نہانی کا پانی ناقض وضو نہیں ہے، وضو کر کے نماز شروع کر دے، پانی آجائے تو اس سے نماز خراب نہ ہوگی۔ البتہ جس وقت کی نماز کے لئے وضو کیا تھا اس وقت کے ختم ہوتے ہی وہ وضو ٹوٹ جائے گا، دوسرے وقت کے لئے دوسرا وضو کرے، البتہ اگر کبھی کسی نماز کا پورا ایک وقت اسی طرح گذر گیا کہ اس میں ایک مرتبہ بھی پانی نہ آیا تو عورت معذور نہیں رہے گی اور پانی آنے سے وضو ٹوٹ جائے گا[1]، معذور کے اَحکام میں بہت تفصیل ہے اس لئے کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو بہشتی زیور کے حصہ اول میں معذور کے اَحکام کا ضرور مطالعہ کریں۔ اسی طرح پستان سے جو کچھ نکلتا ہے اگر وہ کسی زخم وغیرہ کی وجہ سے ہے تو وہ

---

(۱) فی الدر المختار ۱ / ۳۰۵ وصاحب عذر من به استحاضة ان استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة ولو حكما وهذا شرط فی حق الابتداء وفی حق البقاء كفى وجوده فی جزء من الوقت ولو مرة، وفی حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة، وحكمه الوضوء لكن فرض ثم يصلی به فيه فرضا ونفلا، فاذا خرج الوقت بطل ای ظهر حدثه السابق۔

ناقض وضو ہے جبکہ مسلسل نہ آئے، اگر مسلسل آتا رہتا تو وہ معذور ہے جس کا حکم اوپر گذر چکا ہے اگر صرف پانی ہے کسی زخم وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے تو اس سے وضو کسی حال میں نہیں ٹوٹے گا۔[1] واللہ اعلم

۱۳۹۵/۳/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۵۵ الف)

معذور کے لئے نماز سے پہلے صرف نجاست کی جگہ کو دھونا کافی ہے

سوال (۶۳۹):- جنسی کمزوری کی وجہ سے کبھی کبھی میرا پیشاب کا قطرہ خارج ہوجاتا ہے، خدا کا فضل ہے پانچوں وقت نماز پڑھتا ہوں، قطرہ کی وجہ سے بڑی وحشت ہوتی ہے، کیونکہ پاجامہ کا حصہ، کرتا کا حصہ اور بنیان کا حصہ دھونا پڑتا ہے، نیز اگر قطرہ دفتر میں خارج ہوتا ہے تو اور بھی ذہنی اذیت ہوتی ہے، اس قطرہ کی وجہ سے مجھے خواہ مخواہ شک کی عادت ہوگئی ہے، مندرجہ بالا حالات میں کپڑوں کا دھونا یا استنجاء کرنا فوراً اسی وقت ضروری ہے، یا معاف ہے دھونے وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جواب:- پیشاب کا قطرہ اگر آجائے تو کپڑے یا جسم کے صرف اس حصہ کو دھونا ضروری ہے جس پر وہ یقینی طور پر لگا ہو اور جس کپڑے یا جسم کے جس حصہ پر لگنے کا یقین نہ ہو اس کا دھونا ضروری نہیں، اور یہ دھونا بھی نماز کے لئے ضروری ہے فوراً دھونا ضروری نہیں، نماز سے پہلے پہلے کسی بھی وقت دھو سکتے ہیں، یاد رہے کہ یہ سب تفصیل اس وقت ہے جبکہ قطرہ خارج ہونے کا یقین یعنی ظن غالب ہو، اگر محض شک ہو تو اس سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ ہی دھونا واجب ہوتا ہے۔[2] واللہ اعلم بالصواب

۱۳۹۵/۵/۲۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶/۱۲۶۶ ج)

معذور کے لئے شرعی حکم کی تفصیل

سوال (۶۴۰):- میں پانچ وقت کی نماز باجماعت پڑھتا ہوں، مگر ریح ہر وقت خارج ہوتی رہتی ہے مگر بدبودار نہیں ہوتی، اس لئے مجھے ایک نماز کے لئے کئی کئی بار وضو کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات وضو کرتے کرتے جماعت فوت ہوجاتی ہے۔ جمعہ کے دن سنت تو پڑھ لیتا ہوں لیکن خطبے کے درمیان کئی مرتبہ وضو کے لئے اٹھنا پڑتا ہے، جو بہت مشکل اور باعثِ شرم ہے، بعض اوقات نماز کے درمیان بھی ایسا ہوتا ہے۔

---

(۱) فی الهندية ۱: ۱۰ ومنها مايخرج من غير السبيلين ويسيل الى مايظهر من الدم والماء لعلة الدم والقيح والصديد وماء الجرح والنفطة والسرة والثدي والعين والاذن لعلة سواء على الاصح كذا في الزاهدي۔

(۲) في التاتارخانية من شك في انائه اوثوبه او بدنه اصابته نجاسة او لا فهو طاهر مالم يستيقن (ردّ المحتار۔ كتاب الطهارة. ج۱ ص ۱۵۱۔ سعيد)۔

جواب:- اگر آپ پر کسی بھی نماز کا ایک وقت پورا اس طرح گذر چکا ہے کہ وقت داخل ہوتے ہی آپنے وضو کیا مگر نماز مکمل کرنے سے پہلے ریح خارج ہوگئی، پھر وضو کیا پھر نماز ختم کرنے سے پہلے ریح خارج ہوگئی، اسی طرح اس نماز کا وہ پورا وقت اس کوشش میں خرچ ہوگیا، مگر نماز ریح خارج ہوئے بغیر مکمل نہ ہوسکی تو آپ شرعاً معذور ہیں، جس کا حکم آگے بیان ہوگا[1]، اور اگر کوئی وقتِ نماز پورا اسی طرح نہیں گذرا تو آپ معذور نہیں، لہٰذا جب بھی ریح خارج ہو دوبارہ وضو کریں، نماز میں خارج ہو تو دوبارہ نماز پڑھیں، یہ اس شخص کا حکم ہے جو شرعاً معذور نہ ہو[2]، اور معذور کا حکم یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کریں اور اس وضو سے جتنی نمازیں چاہیں اس وقت نماز کے اندر اندر پڑھیں، فرض، ادا، قضا، وتر، سنت، نفل سب پڑھ سکتے ہیں۔ وقت ختم ہونے تک ریح خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر چہ ریح نماز ہی میں خارج ہو، نماز کا اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا[3]، البتہ اگر ریح کے علاوہ کوئی اور چیز وضو توڑنے والی پیش آگئی تو وضو ٹوٹ جائے گا[4]، نیز وہ وقت ختم ہونے کے بعد ریح خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جائے گا، لہٰذا جب دوسری نماز کا وقت داخل ہو تو اس وقت میں نماز پڑھنے کے لئے پھر وضو کرنا پڑے گا۔

لیکن یاد رہے کہ اگر کبھی کسی نماز کا پورا وقت اس طرح گذر گیا کہ اس میں ایک مرتبہ بھی ریح خارج نہ ہوئی تو آپ معذور نہیں رہیں گے اور آپ کے لئے وہ حکم ہوجائے گا جو ان لوگوں کے لئے اوپر بیان ہوا جو معذور نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ابتداءً شرعاً معذور قرار دینے کے لئے تو یہ شرط ہے کہ کسی نماز کا ایک پورا وقت اس طرح گذر گیا ہو کہ مسلسل کوشش کے باوجود طہارت کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع نہ مل سکا ہو، مگر جب ایک مرتبہ آپ معذور شرعاً بن گئے تو اب معذور باقی رہنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ پورے وقت نماز میں کم از کم ایک بار ریح خارج ہوجاتی ہو۔ جب کس نماز کے پورے وقت میں ریح خارج نہ ہو تو معذور کے حکم میں نہیں رہیں گے۔[5] بہشتی زیور حصہ اول میں معذور کے احکام بھی ضرور مطالعہ کرلیں کیونکہ ان احکام میں تفصیلات بہت ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱/۲/۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۴/۲۰۷ ۲۶ الف)

طہارت کے لئے معذور کی شرائط اور وضو کا حکم

سوال (۶۴۱):- زید کا پیشاب بند ہوگیا ہے، ڈاکٹر نے کہا کہ غدود بڑھ گئے ہیں آپریشن کرانا

(۱،۳،۵) قد مرّ تخریجہ تحت عنوان "حیض، طہر، استحاضہ کی مدت اور ان کے احکام... الخ"۔

(۲) منھا مایخرج من السبیلین ... والریح الخارجۃ من الدبر (الھندیۃ، کتاب الطھارۃ، ج:۱ ص:۹ رشیدیہ)۔

(۴) والمعذور انما تبقی طھارتہ فی الوقت بشرطین اذا توضأ لعذرہ ولم یطرأ علیہ حدث اخر، اما اذا توضأ لحدث اٰخر وعذرہ منقطع ثم سال اوتوضأ لعذر ثم طرأ علیہ حدث اخر ... فلاتبقی طھارتہ (الدر المختار، کتاب الطھارۃ، ج:۱ ص:۳۰۷، سعید)۔

ہوگا چنانچہ آپریشن کیا گیا آپریشن کے بعد سے پیشاب کرنے کے بعد قطرہ قطرہ آتا رہتا ہے، ایسی صورت میں نماز کیسے ادا کی جائے؟

جواب:- ایسے مریض پر جب ایک نماز کا پورا وقت (مثلاً ظہر کا وقت زوال آفتاب سے عصر کا وقت شروع ہونے تک) اس طرح گذر جائے کہ وضو کر کے فرض نماز پڑھنے کی مہلت پوری کوشش کے باوجود نہیں ملی، ہر مرتبہ قطرہ آجاتا تھا تو وہ معذور ہے، اس طرح ایک نماز کا وقت گذر جانے پر وہ شرعی اصطلاح کے مطابق معذور قرار دیا جاتا ہے جس کا حکم آگے بیان ہوگا، اور جب ایک مرتبہ وہ مذکورہ قاعدہ کے مطابق معذور ہوگیا تو آئندہ معذور کے احکام جاری رہنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ ہر وقت نماز میں کم از کم ایک بار قطرہ آجائے، اگرچہ وقت اتنا ملتا ہو کہ وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہو، جب تک یہ صورت رہے گی وہ معذور ہی رہے گا اور جب ایک وقت نماز بھی اس طرح گذر جائے اور دوسری نماز کا وقت داخل ہوجائے تو دوبارہ وضوء کر کے اس وقت کے اندر جتنی نماز چاہے پڑھے، قطرہ سے وضو نہ ٹوٹے گا، اسی طرح ہر وقت نماز کے لئے الگ الگ وضو کرلیا کرے، جب تک مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق وہ معذور قرار نہیں دیا جاتا اس کے لئے وضو کا وہی حکم ہے جو تندرست لوگوں کے لئے ہے۔[1]

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۲۸/۷/۱۳۹۳ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

(فتویٰ نمبر ۱۲۳۰/۲۴ و)

قطرے کے مریض کے لئے وضو اور نماز کا حکم

سوال (۶۴۲):- عرصہ دراز سے پیشاب کرنے کے بعد قطرہ گرنے کی شکایت ہے جس کی وجہ سے نماز پڑھنے کے قابل نہیں رہتا ہوں، جمعہ کے لئے خصوصی طور پر اہتمام کرنا پڑتا ہے اور پیشاب سے ایک گھنٹہ پہلے فارغ ہونا پڑتا ہے، اور نماز کے بعد ہی پیشاب کی حاجت رفع کرتا ہوں وقتاً فوقتاً پیشاب کو جانا پڑتا ہے، علاج بھی کبھی کبھار ہوتا رہتا ہے، کیا طریقہ اختیار کروں کہ نماز قائم ہوسکے؟

جواب:- صورتِ مذکورہ میں ہر حالت میں نماز فرض ہے کسی حال معاف نہیں، البتہ اگر پیشاب

---

(۱) وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه امساكه او استطلاق بطن او انفلات ريح ... ان استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة بان لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضا ويصلي فيه خاليا عن الحدث ولو حكما؛ لان الانقطاع اليسير ملحق بالعدم وهذا شرط العذر في حق الابتداء؛ وفي حق البقاء كفى وجوده في جزء من الوقت ولو مرة، وفي حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة؛ لانه الانقطاع الكامل. وحكمه الوضوء لكل فرض "اللام للوقت" ثم يصلي به فيه فرضا ونفلا، فاذا خرج الوقت بطل اي ظهر حدثه السابق (الدر المختار، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۳۰۵، سعيد)۔

.....نیز ملاحظہ فرمایئے: البحر الرائق، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۲۱۵، مكتبه ماجديه كوئته۔

کے قطرے اتنی کثرت سے آتے ہیں کہ ایک نماز کا پورا وقت کم از کم ایک بار اس طرح گذر چکا ہوں کہ وضو کر کے اتنا وقت نہیں ملتا کہ نماز پڑھ سکیں پھر قطرہ آ گیا، پھر وضو کی، پھر قطرہ آ گیا یہاں تک کہ نماز کا پورا وقت اس کوشش میں گذر گیا تو شرعاً آپ معذور ہیں، اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کی نماز کے لئے ایک وضو کافی ہے۔ وضو کے بعد اگر قطرہ آ جائے تو اس سے وضو نہ ٹوٹے گا، بشرطیکہ کوئی دوسری چیز وضو توڑنے والی پیش نہ آئی ہو، اسی وضو سے اسوقت نماز میں جتنی نمازیں چاہیں خواہ فرض ہوں یا سنتیں یا وتر و نوافل پڑھ سکتے ہیں پھر جب اس نماز کا وقت ختم ہو جائے دوسری نماز کا وقت شروع ہو تو دوبارہ وضو کر لیں اور اس وقتِ نماز میں جتنی چاہیں اس ایک وضو سے پڑھ لیں، اسی طرح ہر وقتِ نماز کے لئے صرف ایک وضو کرنا ہوگا۔ البتہ جب کوئی وقت نماز پورا اس طرح گذر جائے کہ ایک بار بھی اس میں قطرہ نہ آیا تو آئندہ آپ معذور نہ رہیں گے، صحت مند لوگوں کی طرح آپ کا بھی حکم ہوگا، پھر کبھی اگر ایسا ہوا کہ پورا وقت نماز وضو کر کے نماز پڑھنے کی کوشش میں گذر گیا، ہر بار وضو کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے قطرہ آتا رہا، تو آپ پھر معذور ہو جائیں اور آپ کا وہی حکم ہوگا جو اوپر معذور کے لئے تفصیل سے بیان ہوا[1] معذور کے احکام بہشتی زیور حصہ اول میں زیادہ تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اس کا ضرور مطالعہ کر لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸/ ۱۲/ ۱۳۹۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۳۰/ ۲۴ و)

بیت الخلاء میں رکھے ہوئے لوٹے کی پاکی ناپاکی کا حکم

سوال (۶۶۳):- ایک لوٹا پاخانہ میں ہے برسوں سے لوٹے کو مانجنے کی نوبت نہیں آئی، میل کی تہہ جم گئی ہے ایک دوسرا لوٹا جو صاف ستھرا ہے ہاتھ منہ دھونے کے کام آتا ہے اسے میں لے جاتا ہوں۔ بھائی خفا ہوتے ہیں کہ جب وہاں لوٹا موجود ہے تو کیوں لے جاتے ہو، میں نے کہا کہ وہ اس قابل نہیں کہ اس سے طہارت حاصل کروں، پھر وہ پوچھتے ہیں کیوں؟ میں کہتا ہوں کہ جو لوٹا پانخانہ میں پڑا ہوا ہے اس سے وضو کر کے دکھا سکتے ہیں؟ اس پر بھائی جواب دیتے ہیں کہ مجھے گھن معلوم ہوتی ہے ایسے لوٹے سے میں کلی بھی نہیں کر سکتا، گھر کے دوسرے افراد کہتے ہیں پائخانہ کے لوٹے سے تو ہاتھ دھو کر کھانا بھی نہیں کھا سکتے وضو تو دور کی بات ہے، اسی حالت میں اس لوٹے سے طہارت درست ہوئی یا نہیں؟

جواب:- اگر لوٹے کو نجاست لگنے کا علم نہیں اور لوٹا ایسی جگہ رکھا رہتا ہے کہ عام حالات میں

---

(۱) قد مر تخریجہ تحت عنوان "حیض، طہر، استحاضہ کی مدت اور ان کے احکام" اور گزشتہ مسئلہ بعنوان "طہارت کے لئے معذوری شرائط اور وضو کا حکم" کا حاشیہ۔

اس پر پیشاب وغیرہ کی چھینٹیں نہیں پہنچتی تو اسے پاک ہی سمجھا جائے گا اور اس سے طہارت جائز ہے،[1] لیکن لوٹے کو اتنا گندہ رکھنا اور عرصہ تک نہ دھونا خلافِ احتیاط ہے، دوسرے تیسرے دن دھو لینا چاہئے۔

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

محمد رفیع عثمانی
۱۴/۸/۱۳۹۳ھ

برتنوں کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۶۴۴): - گھروں میں مختلف قسم کے برتن استعمال ہوتے ہیں مثلاً ۱-تانبے کے برتن، ۲-ایلومینیم کے برتن، ۳-Stairsless steel کے برتن، ۴-چینی کے برتن مثلاً سفردان وغیرہ یا عام پلیٹیں وغیرہ، ۵-ٹین کے برتن روغن شدہ مثلاً چاہے کے بڑے، ۶-مٹی کے برتن جیسے صراحی، اگر بچوں کے پیشاب کے چھینٹ چھانٹ پڑ جائے تو ان کو پاک کس طرح کیا جائے گا، یا یہ کہ کونسے برتن پاک ہو سکتے ہیں اور کس طرح اور کونسے برتن ضائع کر دینے چاہئیں؟

جواب: - برتن خواہ کسی قسم کا ہو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے، مذکورہ بالا برتنوں میں سے کسی کو ضائع نہیں کرنا چاہئے، پاک کر کے استعمال میں لائیں۔[2]

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

محمد رفیع عثمانی
۱۵/۸/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۰۴/۲۲ ج)

پلاسٹک اور کپڑے کے دسترخوان کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۶۴۵): - آج کل پلاسٹک کے دسترخوان کا استعمال ہے، اگر یہ بھی پیشاب کی چھینٹ کی زد میں آجائیں تو اس کو ضائع کر دینا چاہئے یا یہ کہ اسے پاک کر کے استعمال کرنے کی کوئی صورت ہے؟ دیگر یہ کہ اگر کپڑے کا دسترخوان ہو تو وہ اگر پیشاب سے پلید ہو جائے تو کیا وہ دھو کر پاک کیا جا سکتا ہے، اور استعمال میں کبھی لایا جا سکتا ہے؟

---

(۱) (قوله ولا شك) في التاتارخانية من شك في انائه او ثوبه اوبدنه اصابته نجاسة او لا فهو طاهر مالم يستيقن (شامي ۱/۱۵۱)۔
.... وفي التاتارخانية ۱/۱۵۰ طبعة قديمي كتب خانه) قال وفي الاصل الكوز الذي يوضع في نواحي البيت ليغترف به من الحب، فان له ان يشرب منه ويتوضأ منه مالم يعلم انه به قذرا (ردّ المحتار، كتاب الطهارة، ج۱، ص ۱۵۱، سعيد)۔

(۲) فان كان مما لا يتشرب فيه بشيء اصلا كالا واني المتخذه من الحجر والصفر والنحاس والخزف العتيق ونحو ذلك فطهارته بزوال عين النجاسة والعددعلى مامر (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، ج۱، ص۸۸، رشيديه)۔

جواب :- کپڑے کا دسترخوان تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے، کپڑے کو ہر مرتبہ دھوکر نچوڑ لیا جائے، تین مرتبہ ایسا کرنے سے پاک ہوجائے گا۔ پلاسٹک کا دسترخوان بھی تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا، ہر مرتبہ دھوکر اس کا پانی ہاتھ سے سونت لیا جائے، مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی چیز کو ضائع نہیں کرنا چاہئے، پاک کرکے استعمال میں لائیں۔ (۱)

واللہ اعلم بالصواب
محمد رفیع عثمانی
۱۵/۸/۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۱۰۰۴/۲۲ ج)

ڈھلائی میں ناپاک کپڑا نچوڑنے کے بعد ہر مرتبہ فرش کو دھونا ضروری نہیں

سوال (۶۴۶):- کسی فرش پر ناپاک کپڑے ۳ مرتبہ نچوڑنے کے لئے اس فرش کو ہر مرتبہ دھونا فرض ہے یا اسی فرش پر ۳ مرتبہ نچوڑنے سے پاک ہوجائے گا؟

جواب:- اس فرش پر رکھ کر تین مرتبہ نچوڑنے سے بھی پاک ہوجائے گا، ہر مرتبہ فرش دھونا ضروری نہیں۔ (۲)

(فتویٰ نمبر ۲۵/۳۸۲ ب)

واشنگ فیکٹریوں اور ڈرائی کلینز سے ڈھلے ہوئے کپڑوں کا حکم

سوال (۶۴۷):- واشنگ فیکٹریوں میں ڈرائی کلینز کی دکانوں میں جو کپڑے ڈرائی کلین ہوتے ہیں، کیا ناپاک کپڑے اس میں پاک ہوجاتے ہیں؟ اور پاک کپڑے پاک رہتے ہیں؟

زید کا موقف یہ ہے کہ ڈرائی کلینز کے عمل میں چونکہ ایک ہی بڑے سے برتن میں کپڑوں کی بڑی

---

(۱) وان كان مما يتشرب فيه شئي قليل كالبدن والخف والنعل فكذلك، لان الماء يستخرج ذالك القليل فيحكم بطهارته، وان كان مما يتشرب فيه كثير فان كان مما يمكن عصر كالثياب فان كانت النجاسة مرئية فطهارته بالغسل والعصر الى ان تزول العين وان كانت غير مرئيه فطهارته بالغسل ثلاثا والعصر في كل مرة (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، ج: ۱ ص: ۸۸، رشيديه)۔

ومالا ينعصر يطهر بالغسل ثلاث مرات والتجفف في كل مرة لان للتجفيف اثرا في استخراج النجاسة وحد التجفيف ان يخليه حتى ينقطع التقاطر ولا يشترط اليبس، هذا اذا تشربت النجاسة كثيرا وان لم تتشرب فيه او تشربت قليلا يطهر بالغسل ثلاثا هكذا في المحيط (الهندية، كتاب الطهارة، ج: ۱ ص: ۴۲، رشيديه)۔

(۲) بقي لو غسل في اجانة واحدة قال في الفيض تغتسل الاجانة بعد الثلاث مرة (ردّ المحتار، كتاب الطهارة، ج: ۱ ص: ۳۳۳، سعيد)۔

ثوب تنجس غسل في ثلاث جفان او في واحدة ثلاثا وعصر في كل مرة طهر لجريان العادة بالغسل هكذا فلو لم يطهر لضاق على الناس (الهندية، كتاب الطهارة، ج: ۱ ص: ۴۲، رشيديه)۔

تعداد جن میں پتلونیں بھی ہوتی ہیں ڈال دی جاتی ہیں، اور چونکہ فی زمانہ بہت سے لوگ پیشاب کے بعد استنجاء کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، اس لئے اکثر ان میں سے ناپاک پتلونیں بھی ہوتی ہوں گی اور برتن میں جس میں مٹی کا تیل یا پٹرول ڈال کر ان کو صاف کیا جاتا ہے اور پھر دھویا بھی نہیں جاتا غالباً بھاپ سے سکھایا جاتا ہے اس برتن میں گھل مل کر پاک کپڑا بھی ناپاک ہو جاتے ہیں؟

جواب :- پاک اور ناپاک کپڑے ایک ہی برتن میں یکجا کر کے دھوئے جائیں اور پانی دہ دردہ سے کم ہو اور بعد میں کپڑوں کو پاک بھی نہ کیا جائے تو صاف ہو جائیں گے، لیکن پاک کوئی کپڑا نہ ہوگا بلکہ پاک کپڑا بھی ناپاک ہو جائے گا،(۱) ہاں اگر بعد میں پانی سے دھویا جائے جس سے صابن اور ناپاکی سب دور ہو جائیں تو سب پاک ہو جائیں گے،(۲) اگر پانی سے کپڑے نہ دھوئے گئے ہوں اور مٹی کا تیل یا پٹرول ڈال کر میل دور کر دیا گیا ہو تو کپڑے پاک نہ ہوں گے، ایسے کپڑوں کو پاک کر لیں پھر نماز پڑھیں،(۳) موٹی اونی پتلون یا اور کوئی کپڑا اگر لٹکا دیا جائے اور اس پر بہت دیر تک مسلسل پانی ڈالا جائے تو بغیر نچوڑے بھی پاک ہو جاتا ہے جبکہ ناپاکی کے زائل ہونے کا یقین ہو جائے۔(۴)

واللہ اعلم
محمد عاشق الٰہی
۱۱/۳/۱۳۹۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶/۵۸۲ الف)

جواب صحیح ہے اور یہ ایک اُصولی بات لکھی گئی ہے، لیکن جو کپڑے فیکٹری میں دھلوائے یا ڈرائی کلین کروائے ان کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جا سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ان کپڑوں کو ناپاک کپڑوں کے ساتھ ملا کر برتن میں بھگویا گیا تھا۔(۵)

واللہ تعالیٰ اعلم
محمد رفیع عثمانی
۱۱/۳/۱۳۹۵ھ

(۱،۲) اما القليل فينجس وان لم يتغير (الدر المختار، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۱۸۵، سعيد)۔

فی رد المحتار تحته: ای ان هذا المذكور انما هو اذا غسل ثلاثا فی اجانة واحدة اوفی ثلاث اجانات قال فی الامداد والمياه والثلاثة متفاوتة فی النجاسة فالا ولیٰ يطهر ماصابته بالغسل ثلاثا والثانية بثنتين والثالثة بواحدة وكذا الاوانی فی الثلاثة التی غسل فيها واحدة بعد واحدة۔

... وازالتها ان كانت مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئا يزول اثره وان كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات (الهندية، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۱۴۱، رشيديه)۔

(۳) یہ حکم ڈرائی کلینرز کی مروجہ صورت کا ہے جس میں ہمارے علم کے مطابق مٹی کا تیل یا پٹرول کپڑے سے گزار کر میل کچیل کو ختم کیا جاتا ہے، لیکن اگر ناپاک کپڑے پر اس قدر مٹی کا تیل یا پٹرول ڈالا جائے کہ جس سے کپڑا نچڑ جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا، کیونکہ ناپاک کپڑا ہر مائع طاہر جو نجاست کو ختم کر دے سے پاک ہو جاتا ہے اور مٹی کے تیل وغیرہ میں یہ تمام صفات موجود ہیں۔ کما فی الهندية ۱/۴۱: يجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن ازالتها به كالخل وماء الورد ونحوه مما اذا عصر انعصر كذا فی التبيين۔

(۴) اوصب عليه ماء كثير اوجری عليه الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر وتجفيف وتكرار غمس هو المختار (الدر المختار، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۳۳۳، سعيد)۔

(۵) من شك فی انائه اوثوبه او بدنه اصابته نجاسة او لا فهو طاهر مالم يستيقن (رد المحتار، كتاب الطهارة، ج:۱ ص:۱۵۱، سعيد)۔

دھوبی سے دُھلے ہوئے اور پٹرول سے صاف کئے ہوئے کپڑوں کا حکم

سوال (۶۴۸): - دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کو پاک سمجھا جائے یا نہیں جبکہ وہ کم پانی میں دھوئے ہوں، اسی طرح پٹرول سے جو صاف کئے جاتے ہیں ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: - جس کپڑے کے بارے میں خاص طور پر یقین سے معلوم ہو جائے کہ وہ ناپاک کپڑوں کے ساتھ ملا کر دہ دردہ سے کم پانی میں یا پٹرول میں ڈالا گیا ہے اور بعد میں پاک نہیں کیا گیا شرعاً وہ کپڑا ناپاک ہے، اور جس کے بارے میں یقین ہو تو یہ باتیں معلوم نہ ہوں محض شک ہو تو شرعاً اسے پاک ہی کہا جائے گا، اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر کپڑے کے بارے میں تحقیق کرنا ضروری ہے، بلکہ بہتر یہی ہے کہ تحقیق و تدقیق میں نہ پڑیں، خود بخود کسی کپڑے کے بارے میں مذکورہ بالا سب باتیں یقین سے معلوم ہو جائیں تو اسے ناپاک سمجھیں اور پاک کر کے استعمال کریں، اور شبہ کے موقع میں یہی صورت بہتر ہے۔[1]

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۱۹۷/۱۷ ۲۲ ج)

دھوبی کے دُھلے ہوئے کپڑوں میں تحقیق و تفتیش کے ہم مکلّف نہیں

سوال (۶۴۹): - میں نے اس بات کی تحقیق کی اور نتیجہ یہ نکالا کہ آج کل کے دھوبی کپڑے کو شرعی طور پر پاک نہیں کرتے، یہی بات میں نے ایک جامع مسجد کے پیش امام سے کہی، تو انہوں نے جواب دیا کہ دھوبی کو اُجرت دینے کی وجہ سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے، تو کیا اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے کہ کہاں تک درست ہے؟

جواب: - اس قسم کی تحقیق و تفتیش میں آپ کو پڑنا نہیں چاہئے، بس جس کپڑے کے بارے میں آپ کو یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ اسے دھوبی نے پاک نہیں کیا اسے پاک کر کے استعمال کر لیجئے اور جن کپڑوں کے بارے میں یقین سے معلوم نہ ہو شرعاً وہ پاک ہیں شبہ نہ کیجئے اور اس تحقیق و تفتیش میں پڑنے کے آپ شرعاً مکلّف نہیں کہ دھوبی کس طرح دھوتا ہے۔[2]

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۱۴۰۷/۱۷ ۲۳ الف)

---

(۱) وعن یحیی بن عبد الرحمن قال ان عمر خرج فی رکب فیهم عمرو بن العاص ... فقال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه یاصاحب الحوض لا تخبرنا فانا نرد علی السباع وترد علینا (موطا امام مالک، کتاب الطهارة، باب الطهر للوضوء، حدیث ۴۴)۔

فی المرقاة تحته (۱/۹۰)۔ والاظهر ان یحمل قوله لاتخبرنا علی ارادة عدم التنجس وبقاء الماء علی طهارته الاصلیة ویدل علیه سوال الصحابی والا فیکون عبثا ثم تعدیله بقوله فانا الخ اشارة الی ان الحل من ضرورات السفر وما کلفنا بالتفحص فلو فتحنا هذا الباب علی انفسنا لوقعنا فی مشقة عظیمة۔

(۲) من شك فی انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة او لا فهو طاهر ما لم یستیقن (رد المحتار، کتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۵۱ سعید)۔

بازار سے خریدے ہوئے کپڑے کو استعمال سے پہلے دھونا ضروری نہیں

سوال (۶۵۰):- بازار سے خریدا ہوا کپڑا پہننے سے پہلے تین دفعہ دھونا ضروری ہے؟

جواب:- کوئی ضروری نہیں۔ (۱)

(فتویٰ نمبر ۲۵/۷۹ الف)

غیر ملکی کپڑوں کو بغیر دھوئے استعمال کرنا؟

سوال (۶۵۱):- جو کپڑے غیر ممالک سے ہمارے ملک میں آتے ہیں انہیں بغیر دھوئے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جب تک کوئی ناپاکی نظر نہ آئے یا ناپاکی کا ظن غالب نہ ہو تو بغیر دھوئے کپڑے پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں محض امریکہ یا برطانیہ میں بننے کی بنا پر کسی کپڑے کو ناپاک نہیں کہا جائے گا، قال فی الدر المختار ثیاب الفسقة واھل الذمة طاھرۃ ج۱ ص۲۳۴۔ (۲)

واللہ اعلم

محمد عبدالغفار اراکانی

۱۷/۱۲/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۲۷۹۲ ج)

جواب صحیح ہے مگر جو مستعمل کپڑے وہاں سے آ کر یہاں فروخت ہوتے ہیں ان میں احتیاط کی بات یہ ہے کہ انہیں دھوئے بغیر نہ پہنا جائے۔ (۳)

واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

۱۷/۱۲/۱۳۹۴ھ

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے: گزشتہ مسئلہ کا حاشیہ۔

(۲) ج۱، ص۳۵۰، سعید ... وفی ردّ المحتار تحتہ (قولہ ثیاب الفسقة) وقال بعض المشائخ تکرہ الصلوۃ فی ثیاب الفسقة لانھم لا یتقون الخمور قال المصنف یعنی صاحب الھدایة الاصح انہ لا یکرہ، لانہ لم یکرہ من ثیاب اھل الذمة الا السراویل مع استحلالھم الخمر فھذا اولیٰ۔

(۳) لان الاخذ بما ھو الوثیقة فی موضع الشک افضل اذا لم یؤد الی الحرج۔ ومن ھنا قالوا لا بأس بلبس ثیاب اھل الذمة والصلوۃ فیھا الا الازار والسراویل، فانہ تکرہ الصلوۃ فیھا لقربھا من موضع الحدث وتجوز، لان الاصل الطھارۃ وللتوارث بین المسلمین فی الصلوۃ بثیاب الغنائم قبل الغسل وتمامہ فی الحلیة (ردّ المحتار، کتاب الطھارۃ، ج۱، ص۳۵۰، سعید)۔

دھوبی سے دُھلنے والے کپڑوں کو ناپاک کہنا صحیح نہیں

سوال (۶۵۲):- ہم لوگ دھوبیوں کو دھونے کے لئے ہر قسم کے کپڑے دیتے ہیں، اس پاک وناپاک ہر قسم کے ہوتے ہیں جب وہ دُھل کر آتے ہیں تو پاک نہیں ہوتے، جب پاک نہیں ہوتے تو نماز نہیں ہوتی، اس کا حکم کیا ہے؟

جواب:- مذکورہ صورت میں کپڑے پاک ہیں، ان میں نماز جائز ہے، انہیں ناپاک کہنا غلط ہے۔

واللہ اعلم

۲۲/۱۱/۱۳۹۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶۳۴/۲۵ ز)